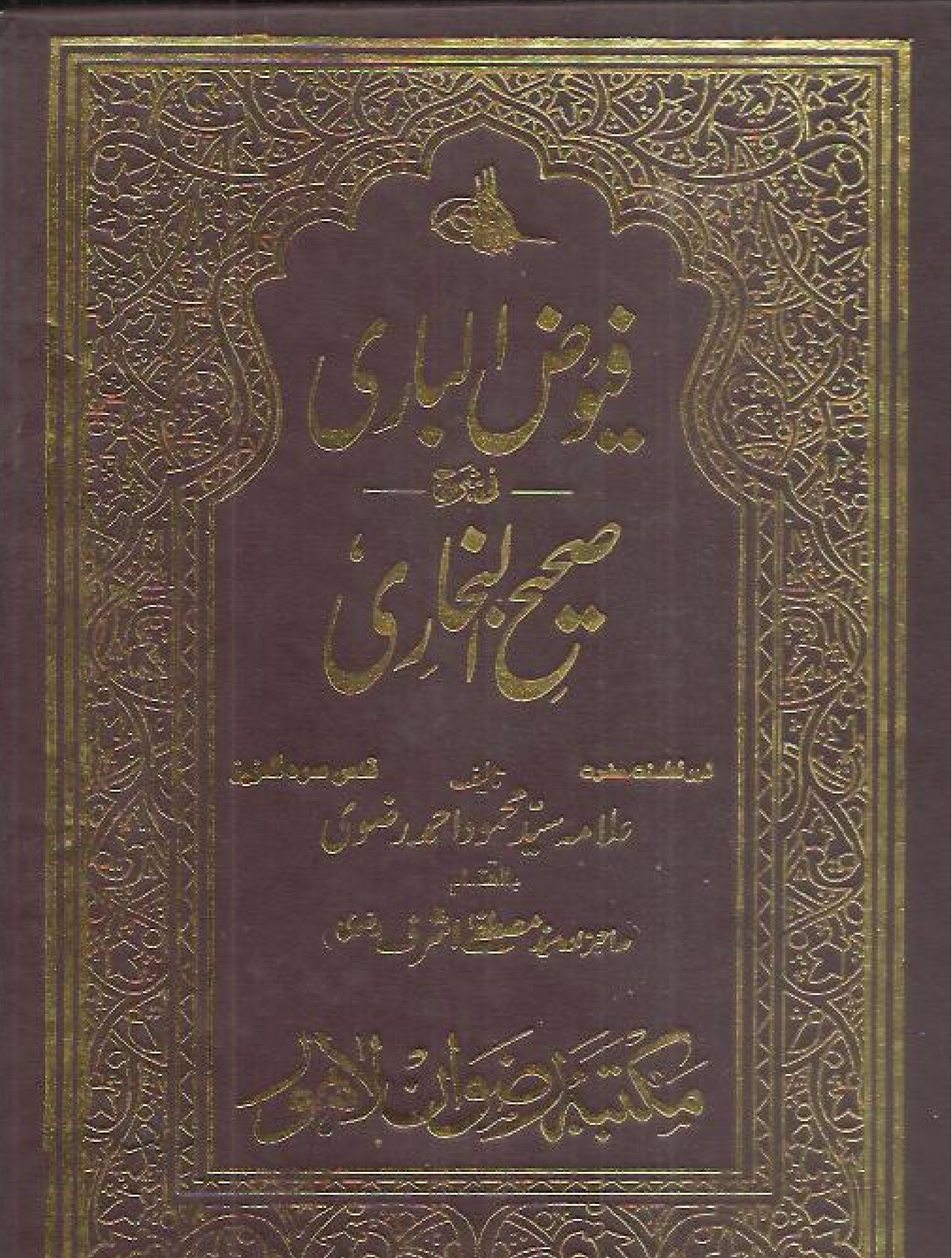

فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

شیخ الحدیث حضرت تالیف قدس سرہ العزیز

علامہ سید محمود احمد رضوی

باہتمام

(صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی)

مکتبہ رضوان لاہور

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

احادیث نبویہ کا مجموعہ مقبول ترین قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب
امام الدنیا امیر المؤمنین فی الحدیث رأس المحدثین استاذ الحفاظ **ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری**
قدس سرہ الباری کی تالیف صحیح البخاری کا سلیس اردو ترجمہ اور مکمل شرح

فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

حصہ دوم

علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر: مکتبہ رضوان، داتا دربار روڈ، لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ
فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا وَّاُصَلِّيْ وَاُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْمُرْسَلِ كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ
نَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

اَمَّا بَعْدُ

ابتدائیہ

بخاری شریف پارہ اول کی تفہیم و ترجمانی کی تکمیل کے بعد اب پارہ دوم شروع ہو رہا ہے۔ اس کا انداز تفہیم بھی وہی ہے جو پارہ اول کے لئے اختیار کیا گیا تھا ——— الحمد للہ پارہ اول نظر ثانی اور کافی ترمیم و اضافہ کے ساتھ عمدہ کاغذ پر کتابت و طباعت کے اعلیٰ معیار کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پورا پورا احساس ہے۔ ان اوراق میں احادیث بخاری کی جو تفہیم و ترجمانی کی گئی ہے۔ وہ حرف آخر نہیں ہے۔ اہل علم حضرات کی خدمت میں اپنی پہلی گذارش کو پھر دہراتا ہوں۔ اور ملتمس ہوں کہ جہاں کہیں لغزش قلم پائیں مجھے ضرور مطلع فرمائیں۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی تلافی کرسکوں۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

مختصر فہرست مضامین فیوض الباری شرح صحیح البخاری پارہ دوم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ابتدائیہ	۱	باب۔ سر پر تین بار پانی بہانا	۷	وہ اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ڈال دے جبکہ اس کے ہاتھ پر سوائے جنابت کے اور کوئی نجاست نہ ہو تو کیا حکم ہے؟	۱۱
کتاب الغسل	۳	باب۔ ایک بار نہانا	۸	باب۔ غسل میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا	۱۳
باب۔ غسل سے پہلے وضو کرنا	۳	باب۔ حلاب یا خوشبو سے غسل شروع کرنا	۸	باب۔ وضو اور غسل میں تفریق کرنا۔ وضو میں اعضاء کو متفرق طور پر دھونا جائز ہے	- ۱۴
باب۔ اپنی بیوی کے ساتھ ایک برتن سے غسل کرنا	۴	باب غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا	۱۰		
باب ایک صاع پانی سے غسل کرنا	۵	باب۔ غسل میں مٹی سے ہاتھ رگڑنا تاکہ خوب صاف ہو جائے	۱۰		
کیا غسل کے لئے پانی کی تعداد مقرر ہے	۶	باب: جس کو نہانے کی حاجت ہو			

مضمون	صفحہ
باب۔ جماع کے بعد بے غسل رکھے پھر جماع کرے تو کیسا ہے؟ اور جو کوئی سب عورتوں کے پاس ہو آئے پھر ایک ہی غسل کرے	۱۴
غسل جنابت علی الفور واجب نہیں	۱۵
حضور کو چالیس مردوں کے برابر طاقت دی گئی	۱۶
ازواج مطہرات کی تعداد اور ان کے حالات زندگی کا بیان	۱۷
باب۔ مذی کا دھونا اور مذی سے وضو لازم ہونا	۱۸
خوشبو لگا کر نہانا اور خوشبو کا اثر رہ جانا	۱۹
غسل کے بعد تیل کی چکناہٹ رہ گئی غسل ہو گیا	۱۹
باب۔ بالوں میں خلال کرنا۔ جب سمجھ لے کہ کھال بھیگ چکی تو ان پر پانی بہانا	۱۹
باب۔ جنابت میں وضو کرنے کے بعد باقی بدن دھونا اور وضو کے اعضا دوبارہ نہ دھونا	۲۰
باب۔ جس کو مسجد میں جنبی ہونا یاد آئے؟	۲۰
بحالت جنابت مسجد میں جانا حرام ہے	۲۰
باب۔ غسل کے بعد دونوں ہاتھوں کو جھاڑنا	۲۱
باب۔ غسل میں سر کی داہنی جانب سے	

مضمون	صفحہ
شروع کرنا	۲۲
باب۔ تنہائی میں برہنہ نہانا جائز ہے؟ حضرت موسیٰ اور پتھر کا ان کے کپڑے لے کر بھاگنا۔	۲۳
باب۔ لوگوں کے سامنے پردہ کر کے نہانا	۲۵
باب۔ عورتوں کو احتلام ہونے کے متعلق	۲۵
باب۔ جنبی کے پسینہ کے پاک ہونے کے متعلق	۲۵
باب۔ جنبی گھر سے نکل سکتا ہے؟	۲۶
باب۔ بحالت جنابت گھر میں رہنا	۲۶
باب۔ جنبی وضو کر کے سوئے	۲۷
باب۔ بحالت جنابت سونا	۲۸
باب۔ مرد و عورت کے ختنے ملنے کے متعلق	۲۸
باب۔ عورت کی شرمگاہ سے جو رطوبت لگ جائے اس کو دھونا	۲۹
غسل کے فرائض، سنن اور غسل کرنے کا طریقہ	۳۰

کتاب الحیض

مضمون	صفحہ
باب۔ حیض کی ابتدا کیسے ہوئی	۳۲
باب۔ حائضہ اپنے خاوند کا سر دھو سکتی ہے	۳۵
حائضہ کے احکام کا بیان	۳۶
باب۔ حائضہ عورت کا اپنی گود میں قرآن پڑھنے کے متعلق	۳۷
حائضہ و جنبی کو قرآن مجید کا پڑھنا اور چھونا حرام ہے	۳۷
باب۔ نفاس کو حیض کہنا	۳۸
باب۔ حائضہ سے مباشرت کے متعلق	۳۹

مضمون	صفحہ
مباشرت کے متعلق	۴۰
باب۔ حائضہ روزے نہ رکھے	۴۱
باب۔ حائضہ حج کے تمام کام انجام دے سوائے طواف کے	۴۳
بروایت دیگر روایات حائضہ کو قرآن پڑھنا جائز ہے!	۴۴
استحاضہ کا بیان	۴۵
استحاضہ اور اس کے ضروری مسائل	۴۶
باب۔ حیض کا خون دھونے کے متعلق	۴۷
باب۔ مستحاضہ اعتکاف کر سکتی ہے	۴۷
باب۔ جس کپڑے میں حیض آئے اس میں نماز پڑھنے کے متعلق	۴۸
باب۔ بوقت غسل خوشبو لگانا	۴۸
باب۔ عورت جب حیض کا غسل کرے تو	۴۹
باب۔ غسل حیض کا بیان	۴۹
باب۔ بوقت غسل کنگھی کرنا	۵۰
باب۔ بوقت غسل بال کھولنا	۵۰
باب۔ مخلقہ و غیر مخلقہ کی تفسیر میں	۵۱
باب۔ حائضہ حج یا عمرہ کا احرام کیسے باندھے؟	۵۲
باب۔ حیض کے شروع ہونے اور ختم ہونے کے بیان میں	۵۳
باب۔ حائضہ نماز کی قضا نہ پڑھے	۵۴
باب۔ حائضہ کے ساتھ سونا جبکہ وہ اپنے حیض کے کپڑے پہنے ہو	۵۵
باب۔ حیض کے کپڑے الگ رکھنا؟ الخ	۵۶
باب۔ حائضہ کا دونوں عیدوں میں آنا اور	

مضمون	صفحہ
مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا اور نماز کی جگہ سے الگ رہنا	۵۶
باب - اگر ایک ہی مہینے میں عورت کو تین بار حیض آجائے اس کا اور حیض اور حمل میں عورت کی بات پر ماننے کا بیان	[illegible]
باب - حیض کے دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں خاکی اور زرد رنگ کا خون آئے تو اس کا کیا حکم ہے	۶۱
باب - استحاضہ کی رگ کا بیان	۶۱
باب - اگر عورت کو طواف افاضہ کے بعد حیض آئے	۶۲
باب - جب مستحاضہ حیض سے پاک ہو جائے	۶۳
باب - نفاس والی عورت کی نماز جنازہ پڑھنا	۶۴
کتاب التیمم	
تیمم کا بیان	۶۵
باب - جب پانی اور مٹی نہ ملے تو کیا کرے	۶۹
باب - حضر میں تیمم کرنا	۷۰
باب - پانی نہ ملے اور نماز قضا ہونے کا ڈر ہو	۷۰
باب - تیمم میں جب دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر پھونک سکے	۷۳
باب - تیمم میں صرف منہ اور ہتھیلیوں پر مسح کرنا	۷۴
تیمم کا طریقہ اور اس کے متعلق علماء کے مسلک و دلائل کا بیان	۷۴
باب - پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے پانی کے بدل وہ اس کو کافی ہے	۷۶
باب - جب جنبی کو بیماری کا ڈر ہو یا پیاس کا تو وہ تیمم کرے	۸۲

مضمون	صفحہ
باب - تیمم میں ایک مرتبہ ہاتھ مارنا	۸۲
کتاب الصلوٰۃ	
صلوٰۃ کے معنی	۸۶
نماز کی اہمیت	۸۸
کیا ہر رکن صلوٰۃ کا فرض ہے؟	۸۸
باب - معراج میں نماز کیسے فرض ہوئی	۸۸
معراج اور اس کے فوائد و شق صدر	۹۲
حکمت کے معنی	۹۳
شب معراج ارواح مومنین و کفار کا اجتماع	۹۵
شب معراج افضل ہے یا لیلۃ القدر	۹۶
معراج جسمانی	۹۶
معراج روحانی	۹۸
معراج کے درجے	۱۰۰
مسافر کے لئے قصر ضروری ہے اور اس کی بحث	۱۰۲
باب - نماز کے لئے ستر کا وجوب	۱۰۲
ستر عورت اس کے ضروری مسائل	٫٫
باب - تہبند کو نماز میں اپنی گردن پر باندھنا	۱۰۳
باب - ایک کپڑے کو لپیٹ کر اس میں نماز پڑھنا	۱۰۴
باب - ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو دونوں مونڈھوں پر اس کو ڈالے	۱۰۸
باب - جب کپڑا تنگ ہو	۱۰۹
باب - شامی جبہ میں نماز پڑھنا	۱۱۰
باب - بلا ضرورت ننگا ہونے کی کراہت نماز میں ہو یا غیر نماز میں	۱۱۱

مضمون	صفحہ
باب - قمیص تہبند پاجامے جانگیا اور قبا میں نماز پڑھنا	۱۱۲
باب - نماز میں ستر عورت کے متعلق	۱۱۳
باب - بغیر چادر کے نماز پڑھنا	۱۱۴
باب - ران کے بیان میں اور ران کے عورت ہونے کے متعلق	۱۱۵
حضرت زید بن ثابت کے حالات	۱۲۰
باب - عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے	۱۲۱
مستورات کے لئے نماز میں سارے جسم کو چھپانا فرض ہے	۱۲۱
نماز فجر اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے اس کی بحث	۱۲۲
نماز فجر کا وقت	۱۲۳
باب - ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس میں صلیب یا تصویر ہو	۱۲۵
جس کپڑے میں جاندار کی تصویر ہو اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے	۱۲۵
باب - ریشمی قبا میں نماز شروع کرنا پھر اسے اتار دینا	۱۲۷
مردوں کے لئے ریشم حرام ہے	۱۲۷
باب - سرخ کپڑے میں نماز پڑھنا	۱۲۷
باب - چھت، منبر اور لکڑی پر نماز پڑھنا	۱۲۸
کیا امام اگر عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ جائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں؟	۱۳۱
باب - سجدہ میں اگر بیوی کا کپڑا لگ جائے	۱۳۳
باب - چٹائی پر نماز پڑھنا	۱۳۴

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
کشتی پر نماز پڑھنے کے مسائل	۱۳۳	ترک واجب سے سجدہ واجب ہے	۱۴۷	باب۔ امام کا صحیح طریقہ سے نماز پڑھنے کا وعظ کرنا اور قبلہ کا بیان	۱۵۹
باب۔ کشتی پر نماز پڑھنا	۱۳۴	اگر شمار رکعت میں شک ہو تو کیا کرے	۱۴۸	حضور علیہ السلام دلوں کی کیفیت پر مطلع ہیں	۱۵۹
باب۔ گرمی کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کرنا	۱۳۵	شک و نسیان کی تعریف اور کیا انبیاء کرام کو سہو و نسیان ہوتا ہے؟	۱۴۸	مسجد فلاں کہنا جائز ہے	۱۶۰
باب۔ جوتوں سمیت نماز پڑھنا	۱۳۶	امور عادیہ میں انبیاء کو شک نہیں ہو سکتا	۱۴۹	مسابقت کے مسائل	۱۶۱
کیا جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے؟	۱۳۶	حضور کو نماز میں جو سہو ہوا اس کے متعلق آخرین کی تصریحات	۱۴۹	باب۔ مسجد میں مال تقسیم کرنا اور کھجور کا خوشہ لٹکانا	۱۶۱
باب۔ موزہ پہن کر نماز پڑھنا	۱۳۷	انبیاء کے افکار و احوال شیطانی عمل دخل سے پاک و منزہ ہوتے ہیں	۱۵۰	باب۔ مسجد میں دعوت دینا اور اس کا قبول کرنا	۱۶۳
باب۔ جب کوئی پورا سجدہ نہ کرے	۱۳۷	باب۔ مسائل قبلہ کے بیان میں	۱۵۱	باب۔ مسجد میں فیصلے کرنا اور لعان کرنا	۱۶۳
رکوع اور سجدہ کرنے کا طریقہ	۱۳۷	بھولے سے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی۔ ہو گئی	۱۵۲	باب۔ جب کسی کے گھر جائے تو جہاں جگہ ہے یا جہاں صاحب خانہ چاہے نماز پڑھے اور تجسس نہ کرے	۱۶۴
باب۔ سجدہ میں دونوں بازوؤں کو کشادہ رکھے اور کروٹوں سے جدا رکھے	۱۳۸	موافقات سیدنا عمر	۱۵۳	باب۔ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے جگہ مقرر کرنا	۱۶۵
عورتیں کس طرح سجدہ کریں	۱۳۸	باب۔ مسجد میں تھوک لگا دیکھے تو اس کو دور کردے	۱۵۵	جس جگہ کسی بزرگ نے نماز پڑھی ہو۔ اس جگہ کو بطور تبرک نماز کے لئے مقرر کرلینا جائز ہے	۱۶۶
باب۔ قبلہ کی طرف منہ کرنے اور اس کے متعلقات اور سجدہ کے آداب کے بیان میں	۱۳۹	مسجد کو ہر گھن کی چیز سے پاک و صاف رکھنا ضروری ہے	۱۵۶	باب۔ مسجد میں داخل کے لئے اور دیگر کاموں میں داہنی طرف کو اختیار کرنا	۱۶۷
استقبال قبلہ کا مطلب	۱۳۹	قبلہ کی طرف پاؤں کرنا منع ہے	۱۵۶	باب۔ قبور مشرکین کو کھود کر اس کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے	۱۶۷
باب۔ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی فضیلت کے متعلق	۱۴۰	باب۔ مسجد میں رینٹ وغیرہ لگی ہو تو اس کو کنکری سے صاف کردینا	۱۵۷	مسلمانوں کی قبروں کو کھودنا حرام ہے	
حدیث من صلّی صلوتنا کا مطلب	۱۴۱	باب۔ بحالت نماز داہنی طرف نہ تھوکے	۱۵۷		
باب۔ اہل مدینہ و اہل شام کے قبلہ کے متعلق	۱۴۲	باب۔ بائیں طرف یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکنے کے متعلق	۱۵۸		
باب۔ مقام ابراہیم کو مصلّے بناؤ	۱۴۲	باب۔ مسجد میں تھوکنے کا کفارہ	۱۵۸		
مقام ابراہیم	۱۴۲	باب۔ بلغم کو مسجد میں دفن کردینا	۱۵۸		
باب۔ آدمی جہاں ہو استقبال قبلہ کرے	۱۴۳	باب۔ جب تھوک کا غلبہ ہو تو نمازی اپنے دامن میں لے لے	۱۵۸		
استقبال قبلہ سے عاجز ہونے کی صورت میں	۱۴۵				
سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے؟	۱۴۶				
[illegible] کے معنی	۱۴۶				
کلام مفسد نماز ہے	۱۴۷				

مضمون	صفحہ
اور قبور مسلمین کا احترام ضروری ہے	۱۶۸
یہود نے قبور صالحین کو قبلہ بنا لیا تھا۔ اس لئے ان پر لعنت آئی ہے	۱۶۸
کسی بزرگ کے جوار میں مسجد بنانا جائز ہے	۱۶۸
باب۔ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا	۱۶۹
باب۔ اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا	۱۷۰
باب۔ ایسے نماز پڑھنا کہ نمازی کے سامنے تنور یا آگ ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی مشرک پوجا کرتے ہیں مگر اس کی نیت اللہ کی عبادت ہو	۱۷۰
باب۔ قبرستان میں نماز کی کراہت کے متعلق	۱۷۱
گھر کو قبرستان نہ بناؤ۔ اس کا کیا مطلب ہے	۱۷۱
نمازی کے آگے اگر روشنی ہو تو نماز ہوگی یا نہیں	۱۷۱
باب۔ مواضع عذاب میں نماز پڑھنے کے متعلق	۱۷۲
بابل اور ثمود کے متعلق	۱۷۲
باب۔ گرجے میں نماز پڑھنے کے متعلق	۱۷۲
باب۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ	

مضمون	صفحہ
روئے زمین مسجد بنائی گئی	۱۷۳
باب۔ عورت کا مسجد میں سونا	۱۷۳
باب۔ مردوں کا مسجد میں سونا	۱۷۴
حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۱۷۴
حضرت علی کا مسجد میں سونا اور حضرت علی وفاطمہ میں شکر رنجی	۱۷۵
کیا مسجد میں سونا جائز ہے؟	۱۷۶
باب۔ جب سفر سے آئے۔ تو نفل پڑھے	۱۷۷
باب۔ مسجد میں آئے تو نفل پڑھے	۱۷۷
تحیۃ المسجد کے مسائل	۱۷۷
باب۔ مسجد میں حدث ہونے کے متعلق	۱۷۷
باب۔ مسجد بنانے کے بیان میں	۱۷۷
بہ نیت تعظیم مسجد کی تزئین اور نقش جائز ہے	۱۷۸
باب۔ مسجد تعمیر کرنے میں تعاون کرنا	۱۷۸
باب۔ بڑھئی۔ معمار وغیرہ سے مسجد و منبر بنانے میں مدد لینا	۱۷۹
باب۔ جب مسجد میں تیر لے کر آئے۔ تو اس کا پھل تھامے رکھے	۱۸۰
باب۔ مسجد میں تیر وغیرہ لے کر گزرنا	۱۸۰
باب۔ مسجد میں شعر پڑھنا	۱۸۱
مسجد میں حمد و نعت پر مشتمل اشعار پڑھنا جائز ہے	۱۸۱

مضمون	صفحہ
باب۔ مسجد میں اصحاب حراب کا آنا	۱۸۱
مسجد میں جنگی کرتب دکھانا اور دیکھنا جائز ہے	۱۸۲
باب۔ منبر مسجد پر بیع و شراء کے مسائل بیان کرنا	۱۸۲
باب۔ مسجد میں تقاضا کرنا اور قرضدار کا پیچھا کرنا	۱۸۳
مسجد میں فحش کلامی گالی گلوچ اور فضول باتیں کرنا حرام ہیں	۱۸۳
باب۔ مسجد میں جھاڑو دینے کے ثواب کے بیان میں	۱۸۴
قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق	۱۸۴
باب۔ مسجد میں کھڑے ہو کر شراب کی تجارت کو حرام قرار دینا۔	۱۸۴
باب۔ مسجد کے لئے خادم مقرر کرنا	۱۸۵
جنات حضور علیہ السلام کے لئے مسخر ہیں	۱۸۶
باب: اسلام لانے کے لئے غسل کرنے اور قیدی کو مسجد میں باندھے رکھنے کے متعلق	۱۸۶
باب۔ مسجد میں مریضوں کے لئے خیمہ قائم کرنا	۱۸۷
حضرت سعد بن معاذ	۱۸۷
زیر عنوان حدیث میں مسجد سے کیا مراد ہے	۱۸۷

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
باب۔ کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں اونٹ لانا	۱۸۸	جو مدینہ کے راستہ پر ہیں۔ اور ان مقامات کا بیان جہاں حضورؐ نے نماز ادا فرمائی	۱۹۶	باب۔ نمازی کے آگے سے گزرنا گناہ ہے	۲۰۷
باب۔ حضرت عباد و بشر کے لئے اندھیرے میں شمعوں کا روشن ہونا	۱۸۸	آثار صالحین سے برکت حاصل کرنا جائز ہے	۱۹۷	نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے۔ اور گزرنے والے کو کیسے روکے؟	۲۰۷
باب۔ مسجد کی طرف کھڑکی رکھنے اور راستہ بنانے کے متعلق	۱۸۹	حضرت نافع بن سرجس	۱۹۷	باب۔ نمازی کے آگے منہ کر کے بیٹھنے کے متعلق	۲۰۸
فضائل صدیق اکبر	۱۹۰	مساجد مدینہ کا بیان	۲۰۱	باب۔ سوتے ہوئے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا	۲۰۸
باب۔ کعبہ اور مسجد میں دروازہ اور زنجیر رکھنا	۱۹۰	باب۔ امام کا سترہ مقتدیوں کو بھی کافی ہے	۲۰۱	باب۔ عورت کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا	۲۰۸
عثمان بن طلحہ	۱۹۱	سترہ کے مسائل	۲۰۲	باب۔ اس شخص کی دلیل جو یہ کہتا ہے۔ کہ نماز کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی	۲۱۰
باب۔ مسجد میں مشرک کے داخل ہونے کے متعلق	۱۹۱	باب۔ نمازی اور سترہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے	۲۰۲	باب۔ بحالت نماز چھوٹی بچی کو اٹھا لینا	۲۱۰
باب۔ مسجد میں آواز بلند کرنے کے متعلق	۱۹۱	باب۔ برچھی کو آڑ بنا کر نماز پڑھنا	۲۰۳	باب۔ ایسے بچھونے کی طرف نماز پڑھنا جس میں کوئی حائضہ سوئی ہو	۲۱۰
باب۔ مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنا اور منبر پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت کرنا	۱۹۲	باب۔ نیزہ کو آڑ بنا کر نماز پڑھنا	۲۰۳	باب۔ بوقت سجدہ اپنی عورت کے بدن کو چھو سکتا ہے؟	۲۱۰
باب۔ مسجد میں چت لیٹنا	۱۹۲	باب۔ مکہ وغیرہ مکہ میں سترہ بنانے کے متعلق	۲۰۳	باب۔ نمازی کے بدن پر اگر کوئی گندگی پھینک دے تو کیا حکم ہے؟	
باب۔ راستے میں مسجد بنانا جبکہ لوگوں کو ضرر نہ ہو	۱۹۲	باب۔ ستون کو آڑ بنا کر نماز پڑھنا	۲۰۳		
باب۔ بازار کی مسجد میں نماز پڑھنا	۱۹۳	باب۔ ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا	۲۰۴		
باب۔ مسجد میں تشبیک کرنا	۱۹۳	باب۔ بلا عنوان	۲۰۵		
سجدہ سہو کے مسائل	۱۹۵	باب۔ اونٹ، درخت وغیرہ کو آڑ بنا کر نماز پڑھنا	۲۰۶		
حضورؐ سے بات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی	۱۹۵	باب۔ تخت کی طرف نماز پڑھنا	۲۰۶		
باب۔ ان مساجد کے بیان میں		باب۔ نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے دفع کرے	۲۰۷		

• حسب فرمائش: صاحبزادہ سید فواد اشرف رضوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الْغُسْلِ

وضو جو طہارت صغریٰ ہے جب اس کے احکام و مسائل بیان ہو چکے تو اب طہارت کبریٰ (غسل) کے مسائل و احکام و متعلقات کو بیان کیا جاتا ہے۔ ـــــ غسل کے معنی بدن پر پانی ڈالنے اور گذارنے کے ہیں۔ فقہائے امت نے دلائل شرعیہ کے پیش نظر غسل جنابت کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ بدن کے ہر حصہ پر پانی بہ جائے اور بدن کا کوئی حصہ بھی خشک نہ رہے ـــــ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ عنوان کے مناسب کتاب مجید کی آیات لکھ دیتے ہیں۔ اس عنوان کا افتتاح بھی انہوں نے دو آیتوں سے کیا ہے جن سے مقصود یہ بتانا ہے کہ جنبی پر غسل کرنا کتاب مجید کی رو سے واجب ہے۔

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (۲) لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا

(بخاری)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر تم جنب ہو تو خوب پاک ہو جاؤ (۲) اور اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ حالت جنابت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو اور اگر سفر میں پانی نہ ملے تو غسل کی بجائے تیمم ہے۔

فوائد و مسائل (۱) جنابۃ کے لغوی معنی بُعد ـــــ دوری کے ہیں۔ کیونکہ آدمی اس حالت میں نماز سے دور ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو جنب کہا گیا (۲) جنب کا اطلاق مرد و عورت دونوں پر ہوتا ہے خواہ وہ ایک ہوں یا دو یا تین (۳) فاطہروا اصل تطہروا تھا۔ اس کے معنی خوب پاک و صاف ہونے کے ہیں۔ غسل کے متعلق مزید تفصیلات آئندہ صفحات میں آ رہی ہیں

بَابُ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الْغُسْلِ

باب غسل سے پہلے وضو کرنے کے بیان میں

علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ غسل فرض سے پہلے وضو کرنا واجب ہے یا مستحب یا سنت۔ بعض لوگ استحباب کی طرف گئے ہیں، کسی نے واجب قرار دیا۔ احناف کے نزدیک فرض غسل سے پہلے وضو کر لینا سنت ہے۔ سنت اس لئے کہ حضور علیہ السلام ایسا کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَاَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّاُ كَمَا يَتَوَضَّاُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهٗ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ الشَّعْرِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلٰثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهٖ كُلِّهٖ

حضرت عائشہؓ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے۔ تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے۔ پھر نماز کی طرح کا وضو فرماتے۔ پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈال کر بالوں کی جڑوں کا خلال فرماتے۔ پھر دونوں ہاتھوں سے پانی کے تین چلو لے کر سر پر ڈالتے پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہاتے۔

کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ ایمان و دیانت کے ساتھ تعصب اور ہٹ دھرمی سے علیحدہ ہو کر اس مسئلہ پہ غور کریں گے تو اس میں آپ کو بھی کوئی قابل اعتراض چیز نظر نہ آئے گی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ قَدَحٍ يُقَالُ لَهُ الْفَرَقُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہا لیتے تھے۔

(بخاری)

مسائل حدیث

فَرَق: ابن اثیر نے فرمایا۔ فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا۔ فرق تین صاع کا ہوتا ہے امام نووی نے فرمایا جمہور کا یہی قول ہے۔ امام لغت جوہری نے کہا کہ فرق ایک پیمانہ ہے جو مدینہ میں مشہور و معروف ہے اور سولہ رطل کا ہوتا ہے (عینی ج ۲ ص) اس حساب سے فرق سات سیر ۱۰ تولہ کا ہوا اور ۲ فیوض الباری پارہ اول میں اس مسئلہ پہ تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے کہ وضو و غسل کے لئے پانی کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ اتنے پانی سے وضو و غسل کر لینا چاہیئے۔ جس سے وضو و غسل مستحب طریقہ پہ ادا ہو جائے (دیکھو فیوض الباری حصہ اول ص ۲۳۱/۲۳۵)۔

مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ: میں پہلا مِنْ ابتدائیہ ہے دوسرا بیانیہ ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ قدح کو اناء سے بدل قرار دیا جائے۔ اس سے عورت و مرد کا ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرنے کا جواز ثابت ہوا۔ اسی طرح وضو بھی ایک ہی برتن سے کریں تو جائز ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں فضل المراۃ سے غسل کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے۔ اس حدیث کا اہل معرفت کے ہاں رفع ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو یہ منسوخ ہے (عینی ج ۲ ص ۹) (۲) جنبی یا حائضہ کے نہانے کے بعد جو پانی برتن میں باقی رہ جائے اس کی طہارت بھی اس حدیث سے ثابت ہوئی۔

بَابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُو عَائِشَةَ عَلَى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا أَخُوهَا عَنْ غُسْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوٍ مِنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَأَفَاضَتْ عَلَى رَأْسِهَا وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ (بخاری)

باب ایک صاع پانی سے غسل کرنا

ابو بکر بن حفص کہتے ہیں۔ کہ جناب ابو سلمہ نے فرمایا۔ کہ میں اور حضرت عائشہ رض کے رضاعی بھائی حضرت عائشہ رض کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے متعلق پوچھا۔ تو آپ نے پانی کا ایک برتن صاع کے برابر منگایا۔ اور غسل فرمایا اور اپنے سر پہ پانی ڈالا اور ہمارے اور ان کے درمیان حجاب تھا۔

فوائد و مسائل

ابو سلمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں۔ انہیں جناب ام کلثوم بنت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دودھ پلایا تھا۔ دوسرے حضرت عائشہ رض کے رضاعی بھائی ہیں۔ جن کا نام عبداللہ بن یزید ہے (مسلم شریف) تو حضرت عائشہ رض کے بھانجے اور بھائی یہ دونوں حاضر ہوئے۔ اور حضور علیہ السلام کے غسل کی کیفیت و کمیت کے متعلق انہوں نے سوال کیا۔ حضرت عائشہ رض نے ایک صاع پیمانہ کے اندر جس قدر پانی آتا ہے۔ اس کی مثل ایک برتن پانی کا منگایا۔ پھر پردہ تان دیا گیا اور آپ نے غسل کر کے دکھایا۔ اور ان دونوں کو جو کیفیت نظر آئی وہ صرف یہ تھی کہ آپ نے اپنے سر پہ پانی ڈالا۔ اور اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ سر پہ پانی ڈالنے کا مطلب ہے کہ سارے بدن پہ پانی بہ جائے (۲) اس موقع پہ منکرین سنت یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ ایسا باریک پردہ تان کر

نہاتا کر غسل کرنے کی کیفیت نظر آئے۔ جناب عائشہ صدیقہ رض پر افترا و بہتان ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ حدیث وضعی ہے۔ اس لئے سارے کا سارا ذخیرہ حدیث ہی جعل ہے۔ لیکن حدیث کا پورا متن قارئین کرام کے سامنے ہے وہ بغور پڑھیں۔ اور دیکھیں کہ اس حدیث میں کوئی لفظ ایسا ہے جس کا ترجمہ ہو کہ وہ پردہ باریک تھا اور نہانے کی کیفیت نظر آرہی تھی۔ اور یہ کہ ان دونوں صاحبوں نے حضرت عائشہ رض کے نہانے کا مکمل طریقہ دیکھ لیا اور اس کو بیان بھی کیا۔ صرف ان امور ہی کو اگر قارئین ذہن میں رکھ لیں۔ تو منکرین سنت کے اعتراض کی حقیقت کا حال انہیں معلوم ہو جائے ——— اگر یہ پردہ باریک ہوتا کہ اس میں سے نہانے والے کی حرکات دکھائی دیتیں تو یہ دونوں یعنی عبداللہ بن یزید و ابو سلمہ امور ذیل کو بھی بیان کرتے۔

کہ پہلے حضرت عائشہ رض نے بالوں کی جڑوں میں خلال کیا پھر دائیں طرف پانی بہایا۔ اس کے بعد بائیں طرف پھر سینہ پر پھر پیٹھ پر پانی ڈالا پھر جسم کے باقی حصوں پہ پانی بہایا وغیرہ وغیرہ ——— مگر آپ دیکھ چکے ہیں۔ کہ حضرت ابو سلمہ و عبداللہ بن زید غسل کی تمام تفصیلات کو بیان کرنے کی بجائے صرف یہ بتا رہے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ رض نے اپنے سر پہ پانی ڈالا اور بس۔ جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان دونوں صاحبوں نے حضرت عائشہ رض کے غسل کی کیفیت سے جو بات دیکھی وہ صرف سر پہ پانی ڈالنا تھا اگر پردہ باریک ہوتا۔ تو یہ دونوں صاحب غسل کی پوری کیفیت کو بیان کرتے۔ آخر ان دونوں صاحبوں نے غسل کی پوری کیفیت کیوں نہیں بیان کی؟ دراصل حضرت عائشہ رض کا مقصود غسل کی پوری کیفیت کو بتانا نہ تھا۔ بلکہ یہ بتانا مقصود تھا کہ ایک مُد پانی سے غسل کیا جائے۔ اور آپ نے سر پہ پانی ڈالا آپ کا سر پردہ سے اونچا تھا وہ دکھائی دیا اور سر پہ پانی ڈال کر آپ نے اجمالی طور پر یہ دکھایا کہ غسل میں پورے بدن پہ پانی بہنا چاہیئے۔

فَسَاَلُوْهُ عَنِ الْغُسْلِ فَقَالَ يَكْفِيْكَ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ مَا يَكْفِيْنِيْ فَقَالَ جَابِرٌ يَكْفِيْ مَنْ هُوَ اَوْفٰى مِنْكَ شَعْرًا اَوْ خَيْرًا مِنْكَ ثُمَّ اَمَّنَا فِيْ ثَوْبٍ
(بخاری)

حضرت جابر رض سے۔ پوچھا کہ غسل کے لئے کتنا پانی درکار ہے آپ نے فرمایا تجھے ایک صاع بھر پانی کافی ہے۔ ایک آدمی (حسن بن محمد) نے کہا مجھے تو ایک صاع کافی نہیں ہے۔ حضرت جابر رض نے فرمایا انہیں تو کافی تھا جن کے بال تجھ سے زیادہ گھنے تھے یا جو تجھ سے زیادہ افضل تھے یعنی حضور علیہ السلام، پھر حضرت جابر نے امامت کرائی۔ دراں حالیکہ وہ ایک ہی کپڑے میں تھے۔

فوائد و مسائل یہ حدیث مسائل ذیل پہ مشتمل ہے:۔ (۱) صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے فعل و قول سے حجت پکڑتے تھے۔ اسی لئے حضرت جابر رض نے اس شخص سے فرمایا کہ حضور علیہ السلام جو تجھ سے زیادہ اکرم و افضل تھے انہیں تو ایک صاع بھر پانی غسل کے لئے کافی ہو جاتا تھا (۲) ایک صاع بھر پانی سے غسل کرنا مستحب ہے (۳) بلا ضرورت زیادہ پانی خرچ کرنا مکروہ ہے (۴) ایک ہی کپڑا پہنے ہوئے نماز جائز ہے۔

اس کے بعد امام نے حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذکر فرمائی ہے۔ جو مع تفہیم کے باب غسل الرجل مع امرأتہ میں گذر چکی ہے۔

البتہ طلبائے حدیث کے لئے اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ عنوان تو ہے باب الغسل بالصاع۔ اور زیر عنوان حدیث میمونہ ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ وہ اور حضور علیہ السلام ایک ہی برتن سے غسل فرماتے ظاہر ہے کہ حدیث میمونہ عنوان کے مناسب نہیں ہے۔ علامہ کرمانی نے نہایت تعسف کے ساتھ اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں جو یہ ہیں:۔

قولہ اناء سے مراد فرق مذکور ہے۔ دوم عرب کے ہاں اناء معہود ہے یعنی وہ برتن جس میں صاع بھر آجاتا ہے۔ اس لئے عرف وعادت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تعریف ترک کر دی۔ سوم یہ کہ عنوان میں نحوہ کا قرب ہے۔ تو حدیث میمونہ نحوہ کے تحت ہے۔ یعنی یہ اناء صغیر" صاع کی مثل یا اس کے برابر تھا۔ ہمارے نزدیک تیسر پہلے دونوں جوابوں سے زیادہ معقول ہے۔ فافہم ؛

کیا غسل کے لئے پانی کی مقدار معین ہے؟

فیوض الباری پارہ اول ص۱۳۳ میں ہم اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اور صاع و مد کے وزن پر بھی گفتگو ہو چکی ہے۔ نزدیک اس بحث کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمالیں۔ جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے۔ کہ پانی کی جو مقداریں احادیث میں مذ ہوئی ہیں۔ یہ حدیں محدود نہیں ہیں کہ ان سے کم وبیش پانی کا استعمال ممنوع ہو یا ناجائز ہو۔ بلکہ ان مقادیر بتانا مقصود ہے کہ پانی بلا وجہ محض زیادہ نہ خرچ کیا جائے اور یہ کہ ایک صاع بھر پانی سے غسل ہو سکتا ہے یہ یاد رہے کہ غسل کے پانی کی مقدار جو ایک صاع بتائی گئی ہے۔ اس میں غسل سے قبل وضو میں جو پانی خرچ ہوگا وہ شا ہے۔ جیسا کہ امام اجل طحاوی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے ؛

بَابُ مَنْ اَفَاضَ عَلٰی رَاْسِہٖ ثَلٰثًا

باب غسل میں سر پر تین بار پانی ڈالنا

اس عنوان کے تحت امام نے تین حدیثیں ذکر کیں۔ جو یہ ہیں :۔

(۱) حضرت جبیر ابن مطعم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

اَمَّا اَنَا فَاُفِیْضُ عَلٰی رَاْسِیْ ثَلٰثًا وَّاَشَارَ بِیَدَیْہِ کِلْتَیْھِمَا (بخاری)

لیکن میں تو اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتا ہوں اور دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا

مسلم کی حدیث میں ثلاث اکف اور مسند احمد میں فاخذ ملء کفی ثلاثا کے لفظ آئے ہیں۔ جس سے اس وضاحت ہوتی ہے کہ حضورؐ نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی اٹھایا۔ اور اس طرح تین مرتبہ پانی لے کر سر مبارک پر ڈالا۔

ابونعیم و مسلم کی حدیث میں ہے کہ لوگوں میں غسل جنابت کے متعلق چہ میگوئیاں ہوئیں۔ تو اس وقت حضور علیہ نے مذکورہ بالا الفاظ ارشاد فرمائے ۔

(۲) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حسن بن محمد بن حنیفہ نے مجھ سے پوچھا کہ غسل جنابت کس طر تو میں نے کہا

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُفْرِغُ عَلٰی رَاْسِہٖ (بخاری)

حضور نبی کریم علیہ السلام غسل میں تین لپ پانی سر پر ڈالتے تھے۔

(۳) فَقُلْتُ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْخُذُ ثَلٰثَ اَکُفٍّ فَیُفِیْضُھَا عَلٰی رَاْسِہٖ ثُمَّ یُفِیْضُ عَلٰی سَائِرِ جَسَدِہٖ فَقَالَ لِیَ الْحَسَنُ اِنِّیْ رَجُلٌ کَثِیْرُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثَرَ مِنْکَ شَعْرًا (بخاری)

حضور علیہ السلام تین لپ پانی لے کر اپنے سر پر ڈالتے تھے۔ پھر تمام بدن پر پانی ڈالتے تو جابر بن محمد بن الحنفیہ نے کہا میرے بال تو بہت ہیں۔ جا جواب دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تمہارے سے زیادہ تھے ۔

یہ تینوں حدیثیں اپنے مفہوم میں واضح ہیں۔ ان کو ذکر کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی علیہ السلام جب غسل فرماتے تو آپ سر مبارک پر ڈالتے اس کے بعد تمام بدن پر پانی بہاتے تھے۔

حضرت جبیر بن مطعم آپ کی کنیت ابو محمد قریشی نوفلی ہے۔ ساداتِ قریش سے ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مدینہ میں ۵۹ھ میں وصال فرمایا۔ آپ سے ایک جماعت نے حدیث روایت کی۔ آپ سے کل ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے نو حدیثیں بخاری میں ہیں۔

(۲) حنفیہ یہ جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بیوی ہیں۔ جن سے آپ نے جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے بعد نکاح فرمایا۔ ان کے بطن سے ایک ہی صاحبزادے محمد پیدا ہوئے۔ جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہوئے (فتح الباری وقسطلانی)

بَابُ الْغُسْلِ مَرَّةً وَّاحِدَةً

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاءً لِلْغُسْلِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ اَفْرَغَ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ مَذَاكِيْرَهٗ ثُمَّ مَسَحَ يَدَهٗ بِالْاَرْضِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهٖ ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَّكَانِهٖ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ (بخاری)

باب غسل میں ایک مرتبہ جسم پر پانی بہانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جناب ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں نے حضور کے نہانے کے لئے پانی رکھا۔ تو پہلے آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دو یا تین بار دھویا پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ پھر استنجا فرمایا۔ پھر ہاتھ زمین پر مار کر ملا اور دھویا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور منہ ہاتھ دھوئے۔ پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہایا۔ پھر اس جگہ سے الگ ہو کر پائے مبارک دھوئے۔

(۲) اس حدیث میں اور غسل کے متعلق دوسری احادیث میں "ثم ثم" کا لفظ آتا ہے۔ جس کے معنی پھر ہیں۔ مثلاً یوں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھویا ثم پھر استنجا فرمایا پھر نماز کا سا وضو کیا۔ تو لفظ پھر کے ساتھ جو فعل بیان ہوا وہ خود بھی سنت ہے۔ اور اس کا اسی ترتیب سے ہونا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے وہ بھی سنت ہے۔ مثلاً اگر کسی نے غسل میں پہلے بائیں حصے پر پانی بہایا۔ پھر دائیں پر تو اس طرح سے غسل تو ہو جائے گا مگر ترتیب سنت ادا نہ ہوگی (۳) اس حدیث میں کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے کا بھی ذکر ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک غسل جنابت میں یہ دونوں کام واجب ہیں۔ اگر کسی نے کلی نہ کی یا ناک میں پانی نہ لیا تو غسل ادا نہ ہوگا۔ یہ نہ کہا جائے کہ حدیث ہذا سے وجوب کیسے ثابت ہوا۔ کیونکہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے وجوب کا قول آیہ مبارکہ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا سے کیا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ "اگر تم جنبی ہو جاؤ تو اپنے بدن کو خوب پاک کرو" اور یہ حکم ناک اور منہ کو بھی شامل ہے۔

بَابُ مَنْ بَدَاَ بِالْحِلَابِ اَوِ الطِّيْبِ عِنْدَ الْغُسْلِ

باب حلاب یا خوشبو سے غسل شروع کرنا

(۱) اسماعیلی نے کہا کہ اس عنوان کا زیر عنوان حدیث سے تعلق قائم کرنے میں امام بخاری ناکام رہے ہیں۔ اور ان سے اس پر چوک ہوگئی ہے۔ کیونکہ امام بخاری نے حلاب کو ایک قسم کی خوشبو قرار دیا ہے۔ حالانکہ حلاب تو اس برتن کو کہتے ہیں جس میں ایک اونٹنی کا دودھ آجائے۔ علامہ جوزی بھی اسماعیلی کے ساتھ ہوگئے اور انہوں نے کہا جو حدیث اس عنوان کے تحت آرہی ہے اس کے لفظ تو یہ ہیں دعا بشیئ نحو الحلاب۔ حضورؐ نے غسل کے لئے حلاب کی مثل ایک برتن منگایا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حلاب ایک برتن ہوتا ہے۔ چنانچہ روایت کے یہ لفظ فَاَخَذَ بِکَفِّہٖ پھر آپ نے اس سے ایک لپ پانی لیا۔ یہ بتاتے ہیں کہ حلاب خوشبو نہ تھی بلکہ پانی کا ایک برتن تھا ——— لیکن ظاہر ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ پر یہ اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ عنوان کے لفظ یہ ہیں "بالحلاب او الطیب" طیب کا کلمہ اَو کے ساتھ حلاب پر عطف ہے۔ گویا امام بخاری تو طیب کو حلاب کا قسیم قرار دے رہے ہیں۔ اور الزام ان پر یہ رکھا جا رہا ہے۔ کہ وہ حلاب کو طیب کی قسم قرار دیتے ہیں وھذا باطل (۲) محب طبری نے ایک اور ہی راہ اختیار کی۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ بعض روایات میں او الطیب کی جگہ والطیب بھی آیا ہے۔ اس لئے یہاں بھی "اَو" بمعنی "واؤ" ہے۔ اور امام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ غسل سے پہلے خوشبو لگائی جائے۔ یا اگر میل کچیل ہو تو اس کو دور کیا جائے۔ پھر حلاب برتن میں پانی بھر کر غسل کیا جائے (۳) ازہری نے کہا کہ عنوان میں تصحیف ہوگئی۔ جُلاب کی جگہ حلاب لکھا گیا۔ جُلاب، گلاب کے عرق کو کہتے ہیں۔ مگر یہ بات تو یک نہ شد دو شد کے مصداق ہی ہے ——— اصل یہ ہے حلاب اور طیب دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ حلاب اس برتن کو کہتے ہیں۔ جس میں اونٹنی کا دودھ دوہا جائے ظاہر ہے کہ جس برتن میں دودھ رکھا جائے (خصوصاً اونٹنی کا دودھ جس میں سراند زیادہ ہوتی ہے) اگر اسی برتن میں پانی بھر لیا جائے۔ دودھ کی سراند بو پانی میں بھی پیدا ہو جائے گی۔ اور اگر اس کو اچھی طرح نہ دھویا اور سکھایا نہ جائے۔ تو دودھ کی چکناہٹ بھی تھوڑے پانی میں آجائے گی۔ امام بخاری کا مقصود یہ بتانا ہے۔ اگر حلاب برتن میں پانی بھر کر نہایا جائے اور دودھ کی بو باس پانی میں آجائے یا جسم پر بھی دودھ کی بو باس کے اثرات آجائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور طیب کا ذکر انہوں نے بطور تقابل تضاد کے کیا ہے۔ کیونکہ حلاب میں دودھ کی بو باقی رہ جاتی ہے۔ تو اگر پانی میں بھی وہ بو آجائے تو حرج نہیں۔ اسی طرح اگر غسل کے بعد بدن پر خوشبو کے اثرات باقی رہ جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ آگے چل کر انہوں نے عنوان ہی خط کشیدہ جملوں کا باندھا ہے۔ اگرچہ وہاں استعمال طیب جماع کے لئے ہے تاکہ نشاط حاصل ہو۔ غسل کے لئے نہیں ہے۔ چنانچہ یہ رواج بھی ہے کہ غسل سے پہلے تیل وغیرہ ملتے ہیں اور پھر نہاتے ہیں۔ غرض کہ حاصل عنوان یہ ہے۔ کہ اگر پانی میں دودھ کی بو باس آجائے تو اس پانی سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ زیر عنوان حدیث میں طیب کا ذکر نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ حلاب و طیب "معنی بقاء اثر" میں تو مشترک ہیں۔ کیونکہ حلاب میں دودھ کا اثر اور تطیب میں طیب کا اثر باقی رہ جاتا ہے۔ امام نے کہا۔ ان دونوں کا پانی یا جسم پر اثر آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ فافہم

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ فَاَخَذَ بِكَفِّهٖ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے جب نبی علیہ السلام غسل جنابت فرماتے۔ تو حلاب کے برابر کوئی برتن منگواتے۔ پھر پانی کا چلو

فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ فَقَالَ بِهِمَا عَلَى وَسَطِ رَأْسِهِ

لے کر پہلے سر کے دائیں حصے پر ڈالتے پھر بائیں پر ڈالتے۔ پھر سر کے وسط میں ڈالتے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) غسل کرنے والے کے لئے مستحب ہے۔ کہ وہ غسل کے پانی کے لئے ایک برتن مہیا کرے (۲) پہلے سیدھی طرف اور پھر بائیں طرف پانی ڈالنا سنت ہے (۳) اگر ایسے برتن میں پانی بھر کر نہائے جو دودھ یا اسی نوع کی کسی اور چیز کا ہو اور اس چیز کی بو باس پانی میں آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے (۴) امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا حلاب ایک قسم کے پھولوں کا شیرہ ہے۔ جو عرب غسل سے قبل بدن پر ملتے تھے لیکن کتب لغت میں حلاب کے یہ معنی نہیں ملتے (شرح تراجم بخاری ص۹)

بَابُ الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ فِي الْجَنَابَةِ

عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَأَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلَى يَسَارِهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ عَلَى الْأَرْضِ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ ثُمَّ غَسَلَهَا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَأَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيْلٍ فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا (بخاری)

باب غسل جنابت میں کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے کے بیان میں۔

حضرت ام المومنین میمونہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور کے لئے غسل کا پانی رکھا۔ تو حضور نے پہلے سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ اور ہاتھوں کو دھویا۔ پھر آپ نے استنجا فرمایا۔ پھر ہاتھ زمین پر مار کر ملا اور دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا۔ پھر چہرۂ اقدس کو دھویا پھر اپنے سر پر پانی ڈالا۔ پھر اس جگہ سے علیحدہ ہو گئے۔ اور اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔ پھر رومال مبارک پونچھنے کے لئے پکڑا دیا۔ تو آپ نے کپڑے سے نہ پونچھا۔

فوائد و مسائل یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ (۱) برتن سے پانی سیدھے ہاتھ سے نکالا جائے۔ اور بائیں ہاتھ پر ڈالا جائے اور ہاتھ دھوئے جائیں۔ (۲) غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا مشروع ہے (۳) استنجا کے بعد ہاتھ کو مٹی لگا کر دھونا مستحب ہے (۴) غسل میں پہلے سیدھی طرف سے بائیں طرف پانی ڈالا جائے (۵) غسل کے بعد تولیہ سے بدن پونچھنے میں حرج نہیں۔ کیونکہ دوسری حدیثوں میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے غسل کے بعد رومال استعمال فرمایا۔ اور زیر بحث حدیث کا مضمون صرف یہ ہے کہ آپ کو رومال دیا گیا مگر آپ نے استعمال نہیں فرمایا۔ اس سے غسل کے بعد رومال سے بدن پونچھنے کی کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے آپ نے تواضع کے طور پر یا رومال میلا ہو گا۔ اس لئے استعمال نہیں فرمایا۔

بَابُ مَسْحِ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِتَكُوْنَ أَنْقَى

باب زیادہ ستھرائی کے لئے ہاتھوں کو مٹی لگا کر دھونا۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث میمونہ ہی ذکر کی ہے جو ابھی مع ترجمہ و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ البتہ گذشتہ روایت میں یہ تھا کہ آپ نے استنجا فرمانے کے بعد زمین پر ہاتھ مار کر ملا اور دھویا۔ اور اس میں حائط کے لفظ ہیں کہ استنجا فرمانے کے بعد

ثُمَّ دَلَكَ بِهَا الْحَائِطَ ثُمَّ غَسَلَهَا (بخاری)

آپ نے دیوار پر ہاتھ ملا۔ اور پھر دھویا

ترجمۃ الباب میں حدیث کے یہ لفظ ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ غسل میں استنجا کرنے کے بعد ہاتھ کو مٹی وغیرہ لگا کر دھو لینا مستحب ہے۔ کیونکہ اس طرح دھونے میں زیادہ ستھرائی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ پاک کرنے کے لئے تو پانی ہی کافی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے ہاتھ صابن لگا کر دھوئے جائیں۔ حالانکہ بغیر صابن لگائے بھی دھونے سے پاک ہو جائیں گے۔

بَابٌ هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ (بخاری)

باب کیا ہاتھ کو دھونے سے پہلے جنبی کو پانی میں ڈالنا جائز ہے۔ جب کہ اس کے ہاتھ پر کوئی نجاست ظاہری نہ ہو سوائے جنابت کے۔

واضح ہو کہ امام بخاری کے نزدیک ماءِ مستعمل طاہر و طہور ہے۔ اس لئے اس عنوان سے وہ اپنے مسلک کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بتارہے ہیں کہ جنبی کے ہاتھ میں اگر کوئی نجاست ظاہری نہ لگی ہو۔ اور وہ پانی میں بغیر دھوئے ہاتھ ڈال دے۔ تو حرج نہیں پانی قابل غسل ہی رہے گا ——— فیوض الباری جلد اول میں ہم ماءِ مستعمل پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اور یہ بتا چکے ہیں۔ کہ احناف کا مسلک یہ ہے۔ کہ اگر بے وضو یا جنبی شخص اپنے ہاتھ کو بغیر دھوئے پانی میں ڈال دے گا۔ تو پانی مستعمل ہو جائے گا۔ یعنی وضو و غسل کے قابل نہ رہے گا۔ ہاں اگر ہاتھ بضرورت ڈالے گا تو یہ معاف ہے۔ مثلاً اگر پانی بڑے برتن میں ہے اور چھوٹا برتن پانی نکالنے کے لئے موجود نہیں ہے تو اس صورت میں پانی کا چلو نکالے اور ہاتھوں کو دھوئے۔ اس کے بعد پانی استعمال کرے۔ تفصیل کے لئے فیوض الباری پارہ اول ص [illegible] دیکھئے۔

وَأَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُورِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ

حضرت ابن عمر و براء ابن عازب نے پانی کے برتن میں بغیر دھوئے ہاتھ ڈالا پھر وضو کیا۔

اگرچہ یہ دونوں اثر امام بخاری نے اس امر کی وضاحت کے لئے پیش کئے ہیں کہ بغیر دھوئے پاک ہاتھوں کا پانی میں ڈال دینا پانی کو فاسد نہیں کرتا لیکن احناف یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عمر و براء ابن عازب نے بغیر دھوئے جو ہاتھ پانی میں ڈالا وہ بضرورت ہی ڈالا ہوگا یعنی پانی نکالنے کے لئے کوئی برتن نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے برتن میں ہاتھ ڈال دیا اور بضرورت ہاتھ ڈالنے سے احناف کے نزدیک بھی پانی مستعمل نہیں ہوتا۔

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ (بخاری)

اور غسل جنابت کے وقت جو چھینٹے پانی میں پڑ جائے حضرت ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس میں حرج نہ سمجھتے۔

ظاہر ہے کہ اس سے بھی پانی کے وہ چھینٹے جو بدن سے جدا ہو کر گر رہے ہیں کی طہوریت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اتنی بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ وہ چھینٹے اگر پانی جس برتن میں ہے اس میں پڑ جائیں تو برتن کا پانی مستعمل نہ ہوگا اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔ کہ اگر دو ڈول پانی میں ایک ڈول مستعمل پانی گر جائے تو یہ پانی مستعمل نہ ہوگا۔ کیونکہ غیر مستعمل پانی زیادہ ہے اور مستعمل کم ہے۔ اسی طرح نہانے میں بدن سے جو چھینٹے پڑتے ہیں۔ وہ بہرحال غیر مستعمل پانی سے کم ہی ہوتے ہیں (فافہم)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے اور ہمارے ہاتھ باری باری پانی کے برتن میں پڑتے

فوائد و مسائل

دوسری روایت یوں ہے۔ کہ جب حضرت عائشہ رض اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تو پانی میں ہاتھ ڈالنے اور نکالنے میں کبھی تصادم ہو جاتا۔ اس حدیث سے بھی امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جنبی اگر پانی میں ہاتھ ڈال دے تو پانی کی طہوریت میں فرق نہیں آتا۔ لیکن سیدنا امام بخاری علیہ الرحمۃ کا یہ استدلال درست معلوم نہیں دیتا۔ کیونکہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا نے ہاتھوں کو دھوئے بغیر برتن سے پانی لے کر غسل فرمانا شروع کر دیا تھا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ پہلے ہاتھ دھو لئے ہوں، پھر نہانا شروع فرمایا ہو۔ بلکہ اس کے بعد کی حدیث میں تو یہ تصریح بھی ہے کہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهُ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے۔ تو پہلے اپنے دست مبارک دھو لیتے۔

اور یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور کی عادت کریمہ یہی تھی۔ کہ آپ پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھو لیا کرتے تھے (واللہ اعلم)

(۲) اس کے بعد امام نے اسی مضمون کی ایک اور حدیث لکھی ہے۔ جس میں من جنابۃ کے لفظ زیادہ ہیں۔ جس سے مقصود یہ بتانا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام و جناب عائشہ رض کا یہ غسل، غسلِ جنابت تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنب کو بے دھوئے پانی میں ہاتھ ڈالنا جائز ہے اور پانی میں کوئی فساد پیدا نہیں ہوتا۔ —— امام بخاری علیہ الرحمۃ کے اس استدلال کا جواب ہم اوپر دے چکے ہیں۔

يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَرْأَةُ مِنْ نِسَائِهِ يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام اور آپ کی بیویوں میں سے ایک مل کر ایک برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے۔

اس موقع پر منکرین سنت عوام کو حدیث سے بدظن کرنے کے لئے یہ شوشہ چھوڑتے ہیں۔ کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ کے ساتھ حضرت انس رض کے سامنے نہا سکتے ہیں؟ سوچو کہ امام بخاری نے یہ حدیث گھڑ کر حضور علیہ السلام کی کیسی کچھ توہین کی ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام ذخیرہ حدیث ہی دشمنی ہے —— لیکن ظاہر ہے۔ کہ یہ محض ایک ہوائی اعتراض ہے۔ کیونکہ حضرت انس رض یہ واقعہ دیکھ کر نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے سن کر بیان کر رہے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کی سیرت و کردار، اقوال و افعال چونکہ دینی ہیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام اپنے نجی اور گھریلو معاملات بھی صحابہ کرام کو بتایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر بھی بانیانِ مذہب گذرے ہیں۔ کسی کی بھی زندگی کے ہر گوشہ کے حالات تاریخ میں نہیں ملتے۔ یہ تو صرف بانیٔ اسلام حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کی زندگی پاک کے ہر گوشہ اور ہر لمحہ کے حالات و واقعات مل جاتے ہیں۔ اور ملنے بھی چاہیئے تھے کیونکہ قرآن نے بنی نوع انسان کو مخاطب بنا کر یہ حکم دیا ہے ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اگر اللہ عزوجل کا یہ منشا نہ ہوتا۔ کہ نبی علیہ السلام کی سیرت و صورت، افعال و اعمال محفوظ ہوں تو پھر آیت میں جو حکم ہے اس کی مثال ایسے ہی ہوتی کہ گلاس میں پانی نہ ہو اور پھر کہا جائے اسے پی لو پیاس بجھ جائے گی۔

بَابُ مَنْ اَفْرَغَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فِى الْغُسْلِ

باب۔ غسل میں داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذکر کی ہے جو مع تفہیم و توضیح کے اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ ویسے بھی غسل میں پہلے سیدھے پہلو پر پھر بائیں پہلو پر پانی ڈال کر نہانا سنت ہے۔

بَابُ تَفْرِيْقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْءُهٗ (بخاری)

باب وضو اور غسل میں تفریق کرنا۔ عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے پاؤ اسوقت دھوئے جبکہ ان کے پہلے دھوئے ہوئے اعضا سوکھ چکے

وضو میں اعضاء کو متفرق طور پر دھونا جائز ہے

مطلب عنوان یہ ہے کہ غسل سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے۔ اس میں موالاۃ ضروری نہیں ہے۔ یعنی اگ کسی نے وضو میں ہاتھ منہ دھو لئے اور سر کا مسح کیا اور پاؤں غسل کے بعد دھوئے تو یہ جائز ہے۔ یہاں تک ک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو ایسا بھی کیا کہ پہلے ہاتھ اور منہ دھویا۔ سر کا مسح کیا یہاں تک کہ یہ اعضا سوکھ گئے؛ پھر آپ مسجد نبوی میں تشریف لا اور پاؤں دھوئے (موطا امام مالک) اس سے واضح ہوا کہ اعضاء وضو کو اگر کسی نے متفرق طور پر دھویا۔ تو یہ جائز ہے حضرت امام شافعی و امام ابوحنیفہ حضرت ابن عمر و ابن المسیب عطاء و طاؤس، امام نخعی حسن، سفیان بن سعید، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ البتہ سیدنا امام اعظم بلکہ غالباً مذکورہ بالا تمام حضرات کے نزدیک سنت یہی ہے کہ اعضا کو اس طرح دھوئے کہ پہلے والا عضو سوکھنے نہ پائے —— امام نے اس عنوان کے ماتحت حدیث میمو رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذکر کی ہے۔ جس میں یہ آیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے پہلے اعضائے وضو دھوئے۔ گر پاؤں غسل کے بعد جس سے مذکورہ بالا مسئلہ مستفاد ہوا۔ حدیث میمونہ گذشتہ اوراق میں مع تفہیم کے گذر چکی ہے۔

بَابُ اِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ وَمَنْ دَارَ عَلٰى نِسَائِهٖ فِىْ غُسْلٍ وَّاحِدٍ

باب جماع کے بعد دوسری بار جماع کرنے اور متعدد بیویوں جماع کے بعد ایک ہی غسل کرنے کے بیان میں

اذا جامع ثم عاد کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زوجہ سے ایک بار جماع کے بعد دوسری بار جماع کیا جائے اس کا کیا حکم ہے؟ ومن دار کا مطلب یہ ہے کہ رات میں اپنی متعدد بیویوں سے جماع کرنا اور آخر میں ایک مرتبہ غسل کرنا —— واضح ہو کہ احناف کے نزدیک ہر جماع کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔ یعنی اگر ا بار جماع کیا۔ اور دوسری بار پھر جماع کرنے کا ارادہ ہو تو غسل کر کے دوسری بار جماع کرے۔ اور یہ غسل کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ ابوداؤد و نسائی میں حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے ایک رات میں اپنی ایک زوجہ کو مشرف فرمایا۔ پھر ان کے ہاں غسل فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ محترمہ کے ہاں تشریف لائے۔ اور ان مشرف فرما کر پھر غسل فرمایا۔ ابو رافع کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ایک غسل کافی نہ تھا؟ یعنی آخر میں آپ نے ایک ہی غسل کیوں نہ فرما لیا۔ حضور ؐ نے جواب دیا هٰذا ازکٰی واطیب" یہ زیادہ پاکیزگی اور ستھرائی سے

بَابُ مَنْ اَفْرَغَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فِى الْغُسْلِ

باب. غسل میں داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذکر کی ہے جو مع تفہیم و توضیح کے اوپر گذر چکی ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ ویسے بھی غسل میں پہلے سیدھے پہلو پر پھر بائیں پہلو پر پانی ڈال کر نہانا سنت ہے۔

بَابُ تَفْرِيْقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْءُهٗ (بخاری)

باب وضو اور غسل میں تفریق کرنا۔

عبد اللہ ابن عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے پاؤں اسوقت دھوئے جبکہ ان کے پہلے دھوئے ہوئے اعضا سوکھ چکے تھے

مطلب عنوان یہ ہے کہ غسل سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے۔ اس میں موالاۃ ضروری نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی نے وضو میں ہاتھ منہ دھولئے اور سر کا مسح کیا اور پاؤں غسل کے بعد دھوئے تو یہ جائز ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو ایسا بھی کیا کہ

وضو میں اعضاء کو متفرق طور پر دھونا جائز ہے

پہلے ہاتھ اور منہ دھویا، سر کا مسح کیا، یہاں تک کہ یہ اعضاء سوکھ گئے؛ پھر آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور پاؤں دھوئے (موطا امام مالک) اس سے واضح ہوا کہ اعضاء وضو کو اگر کسی نے متفرق طور پر دھویا، تو یہ جائز ہے حضرت امام شافعی، امام ابوحنیفہ، حضرت ابن عمر، ابن المسیب، عطاء، طاؤس، امام نخعی، حسن، سفیان بن سعید، محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ البتہ سیدنا امام اعظم بلکہ غالباً مذکورہ بالا تمام حضرات کے نزدیک سنت یہی ہے کہ اعضاء کو اس طرح دھوئے کہ پہلے والا عضو سوکھنے نہ پائے —— امام نے اس عنوان کے ماتحت حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذکر کی ہے۔ جس میں یہ آیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے پہلے اعضائے وضو دھوئے۔ مگر پاؤں غسل کے بعد دھوئے جس سے مذکورہ بالا مسئلہ مستفاد ہوا۔ حدیث میمونہ گذشتہ اوراق میں مع تفہیم کے گذر چکی ہے۔

بَابُ اِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ وَمَنْ دَارَ عَلٰى نِسَائِهٖ فِىْ غُسْلٍ وَّاحِدٍ

باب جماع کے بعد دوسری بار جماع کرنے اور متعدد بیویوں سے جماع کے بعد ایک ہی غسل کرنے کے بیان میں

اذا جامع ثم عاد کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زوجہ سے ایک بار جماع کے بعد دوسری بار جماع کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ومن دار کا مطلب یہ ہے کہ رات میں اپنی متعدد بیویوں سے جماع کرنا اور آخر میں ایک مرتبہ غسل کرنا —— واضح ہو کہ احناف کے نزدیک ہر جماع کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔ یعنی اگر ایک بار جماع کیا۔ اور دوسری بار پھر جماع کرنے کا ارادہ ہو تو غسل کر کے دوسری بار جماع کرے۔ اور یہ غسل کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ ابوداؤد و نسائی میں حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے ایک رات میں اپنی ایک زوجہ کو مشرف فرمایا۔ پھر ان کے ہاں غسل فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ محترمہ کے ہاں تشریف لائے۔ اور ان کو مشرف فرما کر پھر غسل فرمایا۔ ابو رافع کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ایک غسل کافی نہ تھا؟ یعنی آخر میں آپ نے ایک ہی غسل کیوں نہ فرما لیا۔ حضورؐ نے جواب دیا ھٰذا ازکیٰ واطیب "یہ زیادہ پاکیزگی اور ستھرائی ہے۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ دو جماعوں کے درمیان غسل کر لینا مستحب ہے۔ لیکن اگر کوئی نہ کرے تو صرف ایک غسل آخر میں کر لینا کافی ہے۔ بعض علماء نے دو جماعوں کے درمیان غسل کرنے کو واجب کہا ہے ——— اسی طرح دو جماعوں کے درمیان وضو کر لینا بھی احناف کے نزدیک مستحب ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جو ایک بار اپنی بیوی سے جماع کرے پھر دوبارہ جماع کرنا چاہے فلیتوضاء بینھما تو دونوں کے درمیان وضو کرے (مسلم شریف) اس حدیث سے وضو کا وجوب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ طحاوی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام ایک بار جماع فرمانے کے بعد دوبارہ جماع فرماتے۔ مگر درمیان میں وضو نہ کرتے۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ دو جماعوں کے درمیان وضو یا غسل کرنا مستحب ضرور ہے۔ مگر واجب نہیں ہے:

قَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهِ ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيْبًا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اللہ ابو عبد الرحمن پر رحم کرے۔ میں تو حضورؐ کے خوشبو لگاتی۔ پھر آپ اپنی ازواج کو مشرف فرماتے پھر صبح کو آپ احرام باندھنے والے ہوتے درانحالیکہ آپ کے جسم مبارک سے خوشبو مہکتی۔

فوائد و مسائل:

اس حدیث کو امام نے باب من تطیب (الحدیث) میں بھی ذکر کیا ہے جو ابھی آ رہا ہے۔ اور مسلم نے حج اور نسائی نے طہارت میں ذکر کیا (۲) ابو عبد الرحمن حضرت عبد اللہ بن عمر کی کنیت ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ صبح کو احرام باندھوں اور میرے جسم سے خوشبو مہک رہی ہو ——— حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول جب حضرت عائشہ رضؓ کے سامنے پیش ہوا۔ تو آپ نے مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمائے۔ اس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے۔ کہ صحابہ کرام ہر معاملہ میں حضور علیہ السلام کے ارشاد و عمل سے استمساک و استشہاد کیا کرتے تھے۔ اور حضورؐ کے قول و عمل کو ذریعۂ ثبوت سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عبد اللہ بن عمر کے قول کی تردید حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ کے فعل سے فرمائی۔

فَيَطُوْفُ، بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ جماع سے کنایہ ہے۔ اور بعض نے اس کے معنی محض ملاقات کیے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام سفر سے واپس آئے تھے اس لیے آپ نے مناسب خیال فرمایا کہ ازواج مطہرات کی مزاج پرسی کر لی جائے۔ البتہ پہلا قول اقویٰ ہے۔ اور حدیث انس جو آگے آ رہی ہے اس کی مؤید بھی ہے۔

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) حج کا احرام باندھتے وقت خوشبو لگا لینا مستحب ہے۔ اگرچہ خوشبو کا اثر بہت دیر تک رہے۔ اور احرام باندھ لینے کے بعد خوشبو لگانا ممنوع ہے۔ صحابہ و تابعین و جمہور محدثین سعد بن ابی وقاص، ابن عباس، ابن زبیر و معاویہ و عائشہ صدیقہ، ام حبیبہ، امام شافعی، ثوری، امام ابو یوسف، احمد بن حنبل، داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ البتہ زہری، امام مالک و محمد بن حسن دونوں حالتوں میں ممنوع قرار دیتے ہیں (۲) کثرت جماع عند الطاقت مکروہ نہیں۔ ایک سے لے کر چار تک نکاح کر لینا بلا کراہت جائز ہے۔

غسل جنابت علی الفور واجب نہیں ہے

(۲) غسل جنابت علی الفور واجب نہیں ہوتا ہاں جب نماز کا ارادہ کرے تو واجب ہے۔ اسی طرح اتنی دیر ہو گئی کہ نماز کا آخر وقت آ گیا۔ تو اب فوراً نہانا فرض ہے۔ البتہ نہانے میں تاخیر نہ کرنی چاہیئے کہ حدیث میں فرمایا کہ جس گھر میں جنب ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ——— فصول بقراطی میں ہے۔ کہ جنابت سے غسل نہ کرنا مرض برص دوفی پیدا کرتا ہے اور بحالت حیض جماع کرنے سے جذام کا خطرہ ہے (معاذ اللہ)

(۳) حدیث ہذا کا باب سے تعلق واضح ہے یعنی دوسری یا تیسری بار جماع کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں ہے۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلٰى نِسَآئِهٖ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُنَّ إِحْدٰى عَشْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَوَكَانَ يُطِيْقُهٗ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهٗ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ إِنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ تِسْعُ نِسْوَةٍ (بخاری)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام رات اور دن میں اپنی ازواج مطہرات کو مشرف فرما دیتے تھے۔ اور آپ کی گیارہ عورتیں تھیں۔ قتادہ نے کہا کیا آپ کی اتنی طاقت تھی۔ حضرت انس رض نے جواب دیا ہم لوگ آپس میں یہ کہا کرتے تھے۔ کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت ملی ہے۔ سعید ابن عروبہ نے حضرت قتادہ سے جو روایت کی کہ حضرت انس نے گیارہ کی بجائے نو عورتوں کا ذکر کیا ہے۔

فوائد و مسائل

ابن حاجب نے تصریح کی ہے کہ کان کا لفظ از روئے لغت استمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں عرفاً اس سے استمرار مستفاد ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کی خبر فعل مضارع ہو ——— تو اگرچہ اس حدیث میں کان موجود ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ یہ ہی تھی۔ کہ آپ رات اور دن کے کچھ حصہ میں اپنی گیا۔ یا تو ازواج مطہرات کو مشرف فرما دیا کرتے تھے۔ مگر امر واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ واقعہ ایک ہی دفعہ ہوا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر کہ آپ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کو دن و رات کے کچھ حصہ میں مشرف فرمایا ویسے اس طرز عمل کی دوامی عادت کریمہ نہ تھی اور نہ روایات میں اس کا پتہ ہے (فافہم)

(۵) اس موقع پر منکرین سنت کے اعتراض سے مرعوب ہو کر بعض ہمارے موجودہ علماء نے حدیث ہذا کی دور از کار تاویلیں کی ہیں۔ یہاں تک لکھ دیا کہ یدور کے معنے جماع کے نہیں ہیں۔ بلکہ محض مزاج پرسی کے ہیں ظاہر ہے کہ اس قسم کی پھسپھسی تاویلات کی تردید تو حدیث زیر بحث کے الفاظ ہی کر دیتے ہیں۔ اگر یدور کا مطلب واقعی مزاج پرسی ہوتا۔ تو پھر حضرت انس رض سے یہ سوال کیوں کیا جاتا۔ کیا حضور میں اتنی طاقت تھی۔

حق یہ ہے کہ حدیث زیر بحث سے بالکل واضح لفظوں میں یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضور علیہ السلام نے دن اور رات کے کچھ حصہ میں اپنی تمام ازواج مطہرات کو مشرف فرما دیا تھا۔ منکرین حدیث جو یہاں اعتراض کرتے ہیں۔ وہ فقط یہی تو ہے کہ اتنی مدت میں ایک آدمی نو عورتوں سے ملاپ نہیں کر سکتا ——— جواب بالکل صاف اور سیدھا سادہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ تو حضور علیہ السلام کے لئے ایسا ممکن تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے تیس مردوں جتنی طاقت عطا فرمائی تھی؟ اگر آپ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ تو دیکھیے

مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ بہت سی باتیں انبیاء کرام میں ایسی ہوتی ہیں جو عام انسانوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اور انبیاء کرام میں ان امور کی موجودگی پر ہمیشہ بے بصیرت افراد نے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا ہے۔ تو اگر یہ بھی ایک خاص بات حضور میں پائی گئی تو اہل بصیرت کے لئے تو اس میں کوئی چیز قابل اعتراض نہیں ہے یوں اگر کسی نے اعتراض برائے اعتراض کی قسم ہی کھائی ہو تو یہ علیحدہ بات ہے:

حضور علیہ السلام کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی

ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو

قُوَّةَ اَرْبَعِیْنَ رَجُلًا کُلُّ رَجُلٍ مِّنْ رِجَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (حلیہ، فتح ج ۱ ص ۳۷)	چالیس جنتی مردوں جنتی طاقت دی گئی تھی۔

اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ایک جنتی مرد کی طاقت:-

کَمِائَةِ رَجُلٍ (ترمذی)	دنیا کے ایک سو مردوں کے برابر ہوتی ہے۔

چالیس کو سو میں ضرب دیں تو حاصل چار ہزار ہوتے ہیں۔ اس طاقت و قوت کے پیش نظر اگر آپ نے گیارہ یا نو ازواج کو مشرف فرمایا تو اس میں کون سی حیرت کی بات ہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ازواج کی تعداد گیارہ تک رہی ہے یہ سب یکدم نکاح میں نہیں آئیں بلکہ یکے بعد دیگرے ان سے نکاح ہوا۔ ترتیب یوں ہے:-

۱ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ سب سے پہلے نکاح میں آئیں۔ آپ کے حالات فیوض الباری جلد اول پر گذر چکے ہیں۔

۲ حضرت سودہ بنت زمعہ حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے حضورؐ کے عقد نکاح میں آئیں رمضان سنہ نبوی اور بروایت دیگر ثانی سنہ نبوی میں آپ کا نکاح ہوا۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ آپ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ حضورؐ کی نہایت فرمانبردار بی بی تھیں۔ اور اس وصف میں تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا فیاضی اور سخاوت میں بھی اپنی مثل نہ رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک تھیلی بھیجی۔ فرمایا کیا ہے۔ کہا گیا درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا کھجوروں کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ یہ فرمایا اور تمام درہم تقسیم فرما دیئے ——— آپ سے پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ ایک بخاری میں بھی ہے۔ صحاح میں حضرت عبد اللہ ابن عباس اور یحیٰی بن عبد الرحمان بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے ——— آپ کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی کے نزدیک زمانہ خلافت امیر معاویہ ۵۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ابن حجر سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں۔ ذہبی کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت عمر نے ۲۳ھ میں وفات پائی۔ اس لئے ان کا آخری زمانہ خلافت ۲۲ھ ہوگا۔ اور یہی آپ کا سن وفات ہوگا۔

نوٹ: حضرت سودہ کی پہلی شادی سکران بن عمرو سے ہوئی تھی جو انتقال کر گئے تھے:

(۳) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ

بنت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ وہ ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے حضرت سودہ بنت زمعہ کے بعد شرف زوجیت میں لیا۔ آپ کے مختصر حالات فیوض الباری جلد اول ص۳ پر مذکور ہیں۔

(۴) حضرت حفصہؓ

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں ان کا نام بنت مظعون ہے بعثت سے پانچ برس قبل عین اس سال پیدا ہوئیں۔ جب قریش کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے۔ اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش فرمائی اور نکاح ہو گیا۔ آپ کی وفات شعبان ۴۵ھ میں زمانہ خلافت امیر معاویہ میں ہوئی آپ پہلے خنیس بن حذافہ کے عقد نکاح میں تھیں جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے۔ حضرت حفصہؓ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے امام بخاری نے پانچ روایت کیں۔

(۵) حضرت ام سلمہ

نام مبارک ہند۔ کنیت ام سلمہ۔ والد کا نام سہل اور والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ پہلے عبداللہ بن عبدالاسد بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں۔ انہیں کے ہمراہ اسلام لائیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ یہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ ان کے شوہر عبداللہ بن عبدالاسد بڑے شہسوار تھے۔ غزوہ بدر و احد میں شریک ہوئے۔ اور احد میں چند زخموں کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ ان کی نماز جنازہ حضورؐ نے پڑھائی اور ۹ تکبیریں کہیں۔ صحابہ نے عرض کی سرکار کیا سہو ہوا ہے۔ فرمایا یہ ایک ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔

ازواج مطہرات میں سب کے بعد ام سلمہ نے وفات پائی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی ۵۹ھ امام ابراہیم حربی ۶۲ھ امام بخاری کی تاریخ میں ۵۸ھ اور بعض روایتوں میں ۶۱ھ آیا ہے جب امام حسینؓ کی شہادت کی خبر آئی۔ اس وقت ان کا انتقال ہوا۔ حضرت ام سلمہ سے ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۳ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور ۳ کو امام بخاری اور ۳ کو امام مسلم نے منفرداً ذکر کیا ہے۔

(۶) حضرت ام حبیبہ

نام مبارک رملہ۔ ام حبیبہ کنیت۔ حضورؐ کی بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اور عبیداللہ بن جحش سے نکاح ہوا۔ اور اپنے شوہر اول کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ عبداللہ بن جحش حبشہ جا کر عیسائی ہو گئے۔ اور آپ اسلام پر قائم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بنا پر دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ اور انہیں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ۴۴ھ میں وفات پائی۔ اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔ آپ سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۲ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

(۷) حضرت زینب بنت جحش

حضرت زینب ازواج مطہرات میں ممتاز حیثیت کی مالک ہیں۔ نسبی حیثیت سے وہ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ نہایت قانع۔ فیاض طبع اور سخی تھیں۔ عبادت میں خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔ انہیں کی شان میں حضورؐ نے فرمایا تھا۔ تم میں سے مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہو گا۔ یہ استعارہ ان کی فیاضی اور سخاوت کی طرف تھا چنانچہ پیش گوئی کے مطابق ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان کا وصال ہوا۔ سن وصال ۲۰ھ ہے۔ ۵۳ برس کی عمر پائی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ بوقت نکاح ان کی عمر شریف ۳۵ سال کی تھی۔

حضرت زینب وہی ہیں جن کا نکاح پہلے حضورؐ نے اپنے متبنیٰ حضرت زید سے کرایا تھا۔ مگر یہ اور ان کے بھائی راضی

نہ ہوئے تو آیۂ مبارکہ ماکان لمؤمن ولامؤمنۃ (الخ) نازل ہوئی۔ پھر یہ بھی راضی ہو گئیں۔ نکاح ہوا۔ لیکن دونوں میں نباہ نہ ہو سکا۔ حضرت زید نے طلاق دے دی۔ حضور ؐ نے نکاح کا پیام دیا۔ اور کتاب مجید میں یہ ارشاد فرمایا گیا۔ کہ یہ نکاح اللہ عزوجل نے نکاح کیا۔ چنانچہ حضرت زینب فخریہ فرمایا کرتی تھیں۔ کہ میں وہ ہوں جس کا نکاح اللہ عزوجل نے آسمان پر حضور علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ آپ سے ۱۱ حدیثیں مروی ہیں۔ ۲ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے ؛

(۸) ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ

نام مبارک زینب۔ ام المساکین لقب۔ یہ اس لئے کہ آپ فقراء کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ آپ پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ جو جنگ احد ۳ھ میں شہید ہو گئے تھے۔ ۴ھ میں آپ عقد نبوی میں آئیں۔ نکاح کو دو تین ماہ ہی گذرے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ کے بعد صرف حضرت زینب ہی ہیں جن کا وصال حضور ؐ کی حیات ظاہری میں ہوا۔ حضور علیہ السلام نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف ۳۰ سال تھی۔

(۹) حضرت میمونہ

یہ وہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو حضور ؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ نام مبارک میمونہ۔ والد کا نام حارث والدہ کا نام ہند تھا۔ پہلے مسعود کے نکاح میں تھیں۔ ان سے طلاق کے بعد ابورہم سے نکاح ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد حضور ؐ کی زوجیت میں آئیں۔ ۵۱ھ میں وفات پائی۔ آپ سے ۷۶ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے سات پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے ؛

(۱۰) حضرت جویریہ

قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان سے ہوئی۔ جو غزوہ مریسیع ۵ھ میں قتل ہوا۔ اور یہ بھی لونڈی غلاموں میں ہاتھ آئیں۔ اور ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کو خرید کر آزاد فرمایا۔ اور عقد نکاح میں لیا۔ ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

آپ سے سات حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے دو بخاری اور دو مسلم میں ہیں ؛

(۱۱) حضرت صفیہ اسرائیلیہ

نام مبارک زینب۔ باپ کا نام حیی بن اخطب تھا۔ جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا۔ جو بنو قریظہ کے سردار سموال کی بیٹی تھی۔ ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی۔ طلاق کے بعد دوسری شادی کنانہ بن ابی الحقیق کے ساتھ ہوئی۔ ۷ھ میں جب قلعہ قموص (خیبر) فتح ہوا۔ تو کنانہ قتل ہوا۔ حضرت صفیہ کا باپ اور بھائی بھی کام آئے اور یہ گرفتار ہوئیں۔ حضور ؐ نے ان کو دحیہ سے لے کر آزاد کیا اور نکاح فرمایا۔ ۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر پا کر وصال فرمایا۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ آپ سے ۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے صرف ایک متفق علیہ ہے ؛

بَابُ غَسْلِ الْمَذْیِ وَالْوُضُوْءِ مِنْہُ

باب مذی کے نکلنے پر غسل ہے یا وضو؟

شہوانی خیالات و ملاعبت کے وقت۔ جو لیسدار سی رطوبت نکلتی ہے۔ اس کو مذی کہتے ہیں۔ مذی کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ غسل واجب نہیں ہوتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کسی آدمی کے ذریعہ حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو حضور ؐ نے فرمایا :-

فَقَالَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ

(بخاری)

مذی کے نکلنے پر اپنی شرم گاہ کو دھو ڈال اور وضو کرلے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ غسل واجب نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کے متعلق متعدد حدیثیں مروی ہیں جو صحاح ستہ میں موجود ہیں (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بوجہ شرم وحیا خود سوال نہیں کیا۔ بلکہ حضرت مقداد کے ذریعہ حضور علیہ السلام سے دریافت کرلیا تھا۔ فیوض الباری جلد اول میں اس حدیث پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

بَابُ مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَبَقِيَ اَثَرُ الطِّيْبِ

باب۔ جس نے غسل کیا۔ اور خوشبو کا اثر غسل کرنے کے بعد رہ گیا

مطلب عنوان یہ ہے۔ کہ اگر کسی نے اپنے جسم پر خوشبو وغیرہ لگائی اور پھر غسل کیا۔ اور خوشبو کا اثر جسم پر باقی رہ گیا۔ تو غسل ہوگیا۔ عرب کا رواج یہ تھا۔ کہ وہ جماع سے پہلے خوشبو لگایا کرتے تھے۔ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جماع سے قبل زوجین کا خوشبو لگانا سنت ہے۔ ترجمۃ الباب سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ غسل میں بدن کو خوب ملنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اگر خوب اچھی طرح مل کر نہایا جائے تو عموماً خوشبو کا اثر بدن پر باقی نہیں رہتا۔ البتہ بعض خوشبوئیں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ کہ خوب اچھی طرح مل کر دھونے سے نہیں جاتیں۔

تیل مل کر نہایا، چکناہٹ باقی رہ گئی غسل ہوگیا

اسی طرح اگر بدن پر تیل وغیرہ لگایا اور نہایا۔ اور نہانے کے بعد تیل کی چکناہٹ بدن پر باقی رہ گئی غسل ہوگیا

(۲) امام نے اس عنوان کے ماتحت دو حدیثیں لکھی ہیں۔ جن سے مذکورہ بالا مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

پہلی حدیث تو حدیث عائشہ رض ہے۔ جو گزشتہ اوراق میں مع تفہیم کے گزر چکی ہے۔ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا۔ کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کو خوشبو لگاتی تھی۔ پھر آپ اپنی ازواج کو مشرف فرماتے تھے اور صبح کو غسل کرکے احرام باندھتے —— دوسری حدیث یہ ہے حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں:۔

كَاَنِّيْ اَنْظُرُ وَبِيْصَ الطِّيْبِ فِيْ مَفْرِقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ (بخاری)

گویا میں حضور ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں۔ حالانکہ آپ احرام باندھے ہوتے۔

فوائد و مسائل وَبِيْصٌ کے معنی چمک دمک کے ہیں۔ مَفْرِقٌ۔ وہ راستہ جو وسط سر میں ہوتا ہے یعنی مانگ۔ اس حدیث سے جماع سے قبل خوشبو لگانے کا جواز ثابت ہوا۔ اور یہ بھی کہ احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے۔ خواہ احرام باندھنے کے بعد جسم پر خوشبو کے اثرات باقی ہی رہیں۔

حیرت ہے کہ صریح حدیث کے ہوتے ہوئے حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کا یہ مسلک بتایا جاتا ہے کہ وہ احرام باندھنے سے پہلے بھی خوشبو لگانے کو منع کرتے ہیں جبکہ احرام باندھنے کے بعد خوشبو کے اثرات باقی رہیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ تَخْلِيْلِ الشَّعْرِ حَتّٰى اِذَا ظَنَّ اَنَّهٗ قَدْ اَرْوٰى بَشَرَتَهٗ اَفَاضَ عَلَيْهِ

(بخاری)

باب غسل کرتے وقت بالوں میں خلال کرنا۔ یہاں تک یہ جان لے کہ پانی جلد (جڑوں) تک پہنچ گیا ہے پھر پانی بہائے

بحالت غسل جنابت انگلیاں بھگو کر بالوں کی جڑوں میں خلال کرنا تاکہ پانی جلد تک پہنچ جائے۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک واجب ہے۔ مرد کے لئے غسل جنابت میں بدن، سر اور داڑھی کے تمام بالوں کو جڑ سے لے کر نوک تک دھونا اور جلد تک پانی بہانا فرض ہے۔ ایک بال بھی سوکھا رہ گیا تو غسل ادا نہ ہوگا ——— البتہ عورت کے لئے یہ رعایت ہے۔ کہ اگر بال گندھے ہوں۔ تو صرف بالوں کی جڑوں کو تر کر لینا کافی ہے۔ بالوں کو کھولنا ضروری نہیں۔ ہاں اگر چوٹی ایسی سخت ہے کہ بے کھولے پانی بالوں کی جڑوں تک نہیں پہنچے گا۔ تو اس صورت میں عورت کو بھی بال کھول کر جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَيْهِ وَتَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اغْتَسَلَ ثُمَّ تَخَلَّلَ بِيَدِهٖ شَعْرَهٗ حَتّٰى اِذَا ظَنَّ اَنَّهٗ قَدْ اَرْوٰى بَشَرَتَهٗ اَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَآءَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ وَقَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ نَغْرِفُ مِنْهُ جَمِيْعًا

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے۔ تو پہلے دونوں ہاتھوں کو دھوتے۔ اور نماز کا سا وضو فرماتے۔ پھر غسل شروع کرتے۔ تو اپنے ہاتھ سے بالوں کا خلال کرتے جب آپ جان جاتے۔ کہ بالوں کی جڑ بھیگ گئی ہے تو پھر تین بار پانی بہاتے۔ پھر تمام بدن پر پانی ڈالتے ——— نیز فرماتی ہیں۔ کہ میں اور حضور اکرم ایک ہی برتن سے چلو لے کر غسل کر لیا کرتے تھے۔

یہ حدیث اپنے معنی میں بالکل واضح ہے۔ اسی مضمون کی دوسری حدیثیں سابقہ صفحات میں مع تفہیم و توضیح کے گذر چکی ہیں۔

بَابُ مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْجَنَابَةِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ وَلَمْ يُعِدْ غَسْلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهُ مَرَّةً اُخْرٰى

باب جنابت کی حالت میں وضو کر لینے کے بعد تمام جسم کو دھونا۔ اور وضو کے اعضاء کو دوبارہ نہ دھونا

اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث میمونہ ذکر کی ہے۔ جو گذشتہ صفحات میں مع تفہیم کے گذر چکی ہے مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ غسل سے پہلے اگر وضو کر لیا جائے پھر غسل کیا جائے تو جو اعضائے وضو دھل گئے ہیں۔ انہیں غسل کے وقت دوبارہ دھونا ضروری نہیں ہے۔

بَابُ اِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ اَنَّهٗ جُنُبٌ خَرَجَ كَمَا هُوَ وَلَا يَتَيَمَّمُ

(بخاری)

باب مسجد میں پہنچنے کے بعد جنبی ہونا یاد آئے تو بغیر تیمم کئے باہر آ جائے (پھر وضو کر کے مسجد میں جائے اور نماز پڑھے)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوْفُ قِيَامًا فَخَرَجَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ ذَكَرَ اَنَّهٗ جُنُبٌ فَقَالَ لَنَا مَكَانَكُمْ ثُمَّ رَجَعَ

حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ نماز کی تکبیر ہو گئی اور صفیں برابر کر کے لوگ کھڑے ہو گئے۔ حضور علیہ السلام اپنے حجرہ مبارک سے آئے اور مصلے پر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت آپ کو یاد آیا۔ کہ نہانے کی حاجت ہے

فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ۔
(بخاری)

آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا۔ یہیں کھڑے رہو۔ پھر آپ لوٹ گئے۔ اور غسل فرمایا۔ اور پھر تشریف لائے۔ آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور ہم نے نماز ادا کی۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں۔ ابوداؤد نے طہارت و صلوٰۃ میں۔ اور نسائی نے طہارت میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

(۱) تعدیل صفوف مستحب ہے اور حدیث میں اس کی تاکید آئی ہے اور فضیلت بھی۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ صفیں برابر کرو۔ ورنہ تمہارے اندر اللہ اختلاف ڈال دے گا۔ صحابہ کرام رض فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہماری صفیں تیر کی طرح سیدھی کراتے تھے نماز میں صفیں مل کر کھڑی ہوں کہ بیچ میں کشادگی نہ رہ جائے اور سب کے مونڈھے برابر ہوں (۲) غسل جنابت علی الفور واجب نہیں ہے۔ ویسے از روئے طب بھی جماع کے فوراً بعد غسل کرنے سے نقصان کا احتمال ہے —— یہ نماز فجر کی تھی جس حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک سے تشریف لائے مصلیٰ پر کھڑے ہونے کے بعد آپ کو یاد آیا کہ نہانے حاجت ہے۔ تو آپ واپس تشریف لے گئے اور غسل فرما کر آئے اور نماز پڑھائی —— منکرین سنت اس موقع پر بھی حدیث سے بدظن کرنے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں کہ دیکھو بخاری نے یہ لکھا ہے کہ حضور بحالت جنابت مسجد میں تشریف لے آئے لیکن ظاہر ہے حضور قصداً تشریف نہ لائے تھے بلکہ بھلائے گئے تھے۔ اگر حضور علیہ السلام نہ بھلائے جاتے تو یہ مسئلہ کیسے معلوم ہوتا؟

بحالت جنابت مسجد میں جانا حرام ہے اور اس کے متعلق ضروری مسائل

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے۔ کہ جو شخص مسجد میں سو گیا۔ اور اسے احتلا ہو گیا۔ یا بھولے سے بحالت جنابت مسجد میں داخل ہو گیا۔ تو اب اس کو تیمم کر کے مسجد سے باہر آنا ضروری ہے۔ امام ثوری و اسحاق اور بعض مالکیہ یہ کہتے ہیں۔ کہ تیمم کر کے مسجد سے نکلے۔ ہمارے فقہائے احناف نے لکھا ہے۔ کہ جس پر غسل فرض ہے اسے بغیر ضرورت مسجد میں جانے کے لئے تیمم جائز نہیں۔ ہاں اگر مجبوری ہو جیسے ڈول اسی مسجد کے اندر ہے۔ اور کوئی لانے و نہیں ہے۔ تو اس ضرورت سے تیمم کر کے جائے۔ اور جلد سے جلد ڈول لے کر نکل آئے۔ اسی طرح مسجد میں سویا احتلام ہو تو آنکھ کھلتے ہی جہاں سویا تھا فوراً تیمم کر کے نکل آئے تاخیر حرام ہے —— واضح ہو کہ یہ حدیث مسلک حنفیہ کے خلا نہیں ہے۔ کیونکہ روایت غیر مشہورہ حنفیہ کے ہاں بھی یہی ہے۔ کہ اگر جنبی بھولے سے مسجد میں داخل ہو گیا تو مس مسجد سے باہر آنا جائز ہے (کذا فی رد المحتار) اور روایت نادرہ (عن امامنا) جب صریح طور پر حدیث موافق ہو تو اس کو مشہورہ پر ترجیح ہونی چاہئے۔ فافہم:

بَابُ نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ | باب غسل جنابت کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ غسل کے بعد رومال یا تولیے سے بدن کو نہ پونچھے تو جائز ہے۔ اور پونچھ لے تو بھی جائز امام شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ مقصود باب یہ بتانا ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے کیونکہ نفض اصابۃ الرشاش بالب سے خالی نہیں ہوتا (تراجم بخاری ص۳) اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث میمونہ ذکر کی ہے جس میں یہ مذکور ہے۔ کہ حضر

میمونہ نے غسل کے بعد حضور علیہ السلام کو رومال پیش کیا۔

فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ (بخاری)

تو آپ نے نہیں لیا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ جھاڑتے ہوئے مقام غسل سے تشریف لے گئے۔

بَابُ مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ فِي الْغُسْلِ

عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كُنَّا إِذَا أَصَابَ إِحْدَانَا جَنَابَةٌ أَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَأْسِهَا ثُمَّ تَأْخُذُ بِيَدِهَا عَلَى شِقِّهَا الْأَيْمَنِ وَبِيَدِهَا الْأُخْرَى عَلَى شِقِّهَا الْأَيْسَرِ (بخاری)

باب غسل میں سر کے دائیں طرف سے شروع کرنا

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ ہم میں سے جب کسی کو نہانے کی حاجت ہوتی۔ تو پہلے دونوں ہاتھوں سے تین چلو لے کر اپنے سر پر ڈالتی۔ پھر ہاتھ سے پانی لے کر بدن کی دائیں جانب اور دوسرے ہاتھ سے پانی لے کر بدن کی بائیں جانب ڈالتی۔

مفہوم حدیث واضح ہے پہلے سیدھی طرف پھر بائیں جانب پانی ڈال کر نہایا جائے یہی سنت ہے۔

بَابُ مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ وَمَنْ تَسَتَّرَ فَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ

وَقَالَ بَهْزٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ (بخاری)

باب اکیلے میں برہنہ نہانا جائز ہے۔ اور جو تہبند وغیرہ باندھ کر نہائے۔ تو یہ افضل ہے،

بہز بن حکیم اپنے باپ سے وہ بہز کے دادا (معاویہ بن حیدہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ عزوجل زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے بہ نسبت لوگوں کے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی تہبند وغیرہ باندھ کر نہانا مستحب ہے۔ اور خلوت میں برہنہ نہانا بلا کراہت جائز ہے۔ جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ زمانہ رسالت میں عام طور پر مسلمان خلوت میں بھی تہبند یا کپڑا باندھ کر نہاتے تھے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ وَكَانَ مُوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ فَقَالُوا وَاللّٰهِ مَا يَمْنَعُ مُوسٰى أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ فَجَمَحَ مُوسٰى فِي إِثْرِهِ يَقُولُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ إِلَى مُوسٰى

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لوگ ننگے نہایا کرتے تھے۔ ایک کو ایک دیکھتا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عادت یہ تھی کہ تنہائی میں نہاتے۔ تو بنی اسرائیل کہنے لگے بخدا موسیٰ جو ہمارے ساتھ مل کر نہیں نہاتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آدر ہیں۔ تو ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے پتھر پر رکھ کر نہانے لگے تو وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ بھی (بے اختیار) اس کا تعاقب کرنے لگے۔ کہتے جاتے تھے۔ اے پتھر میرے کپڑے میرے

وَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَاْسٍ وَّ اَخَذَ ثَوْبَهٗ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ اَوْسَبْعَةٌ ضَرْبًا بِالْحَجَرِ

(بخاری)

کپڑے یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دیکھ لیا اور کہنے لگے ہم غلط سمجھے تھے۔ ان کو تو کوئی بیماری نہیں ہے۔ پتھر رک گیا! آپ نے اپنے کپڑے لے لئے۔ اور پتھر پر دو ایک ضرب لگا دیں۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں بخدا اس پتھر پر چھ یا سا نشان ہیں حضرت موسیٰؑ کے مارنے کے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم نے احادیث الانبیاء میں ذکر کیا ہے (۲) آدَر کے معنی فتق کے ہیں۔ یعنی ایک خصیہ کا بڑھ جانا (۳) جب زخم اچھا ہو جائے۔ اور جلد پر جو نشان باقی رہ جائے اس کو ندب کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رض ندب کے لفظ سے بتا رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر جو ضربیں لگائیں۔ تو پتھر پر اس کے نشان بھی آ گئے تھے۔ اور یہ ان کا معجزہ تھا جیسے حضور اقدس کے قدم مبارک کا پتھر پر نشان آ جاتا تھا (۴) اس حدیث کا عنوان سے یہی تعلق ہے کہ لوگوں کے سامنے بلا پردہ برہنہ نہانا ممنوع ہے (۵) بنی اسرائیل ایک دوسرے کے سا برہنہ نہایا کرتے تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام حیا کی وجہ سے خلوت میں نہاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ کیفیت دیکھ کر بنی اسرائیل نے اپنی جہالت سے یہ رائے قائم کر لی کیونکہ آپ آدر ہیں اس لئے ہمارے ساتھ برہنہ نہیں نہاتے۔ اللہ عزوجل نے چاہا کہ حضرت موسیٰ اس الزام سے بری ہوں: تو اس کی صورت وہ ہوئی جس کا قصہ حدیث زیر بحث میں مذکور ہے (۶) حضرت سعید ابن جبیر جو جلیل القدر تابعی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ جس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غسل کے لئے کپڑے اتار کر رکھے تھے۔ وہی پتھر تھا جو آپ کے ساتھ سفر میں رہتا تھا اور جس سے بنی اسرائیل کے لئے پانی کے چشمے جاری ہوتے تھے (عینی ج ۲ ص ۱۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا

(۱) پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر جو ضربیں لگائیں۔ اس کے نشان پتھر پر نمو ہو جانے کو شارحین احادیث نے معجزہ ہی تسلیم کیا ہے۔ علامہ عسقلانی و کرمانی و قسطلانی و عینی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم نے اس معجزہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا جب اللہ کی قدرت سے پتھر نے ذوی العقول کا سا کام کیا یعنی آپ کے کپڑ لے کر بھاگا تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کو اسی طرح پکارا جیسے ذوی العقول کو پکارتے ہیں (عینی ج ۲ ص ۱۹۱)

(۲) اور جب آپ کے روکنے اور آواز دینے سے پتھر نہ رکا تو آپ نے اس کو پیٹا بھی —— رہی یہ بات کہ آپ برہنہ پتھر کے پیچھے کیوں بھاگے۔ تو یہ انسان کی فطرت ہے۔ اگر ایسا ہی واقعہ ہمارے آپ کے سامنے پیش آ جائے۔ یقیناً اس وقت بے اختیار ہم بھی بھاگنے پر ہی مجبور ہوں گے —— بہرحال پتھر کے بھاگنے پر وہ لوگ تو معترض ہیں۔ جو اللہ عزوجل کی قدرت اور معجزات انبیاء کے منکر ہوں۔ لیکن ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے تو اس واقعہ میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خدا جو پتھر سے پانی جاری کرنے اور شیر خوارگی کے زمانہ میں حضرت علیہ السلام سے کلام کرا کر جناب مریم سلام اللہ علیہا کی پاکدامنی کا اظہار فرما سکتا ہے۔ کیا وہی خدا اپنی قدرت کاملہ سے میں چلنے اور کپڑے لے کر بھاگنے کا شعور پیدا نہیں کر سکتا؟ اور پتھر کے ذریعہ ایک جلیل القدر نبی کو ان کی قوم کے جاہلانہ اعتراض

سے بری نہیں کر سکتا۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَعَلَ اَنْبِیَآءَہٗ کَامِلِیْنَ خَلْقًا وَخُلُقًا وَنَزَّھَھُمْ عَنِ الْمَعَایِبِ وَالنَّقَائِصِ (عینی ج ۲ ص ۵)	اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو از روئے خلق و خلق کامل بنایا ہے اور عیوب و نقائص سے پاک کیا ہے۔

(۲) ضرورت شرعیہ ہو تو ستر کا دیکھنا جائز ہے (۳) خلوت میں برہنہ نہانا جائز ہے۔ اور اس سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہو گئی۔ جو خلوت میں برہنہ ہو کر نہانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ خلوت میں بھی کپڑا باندھ کر نہانا مستحب ہے (۴) بوقتِ ضرورت کسی خبر کو قسم کے ساتھ بیان کرنا جائز ہے جیسے جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ پتھر وغیرہ پر نشانات کا آ جانا انبیاء کرام کی خصوصیات سے ہے۔ آئندہ حدیث میں حضرت ایوب علیہ السلام کے تذکرہ میں علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جہاں آپ کی قبر ہے وہاں ایک پتھر بھی ہے جس پر حضرت ایوب علیہ السلام کا نشان قدم بتایا جاتا ہے۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے جو لوگ محض اپنی ذاتی رائے کی بنا پر حضور علیہ السلام کے قدم مبارک کا پتھر پر نشان آ جانے کو جعلی قرار دیتے ہیں۔ ان کی تردید ہو جاتی ہے۔

علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جیسے پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا معجزہ ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو ضرب پتھر پر لگائی اور اس پر نشان آ گئے۔ یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اور دلیل ہے اظہار المعجزة بتاثیر ضربه فیه (فتح الباری و قسطلانی ج ۲ ص)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَا اَیُّوْبُ یَغْتَسِلُ عُرْیَانًا فَخَرَّ عَلَیْہِ جَرَادٌ مِّنْ ذَھَبٍ فَجَعَلَ اَیُّوْبُ یَحْتَثِیْ فِیْ ثَوْبِہٖ فَنَادَاہُ رَبُّہٗ یَا اَیُّوْبُ اَلَمْ اَکُنْ اَغْنَیْتُکَ عَمَّا تَرٰی قَالَ بَلٰی وَعِزَّتِکَ وَلٰکِنْ لَّا غِنٰی لِیْ عَنْ بَرَکَتِکَ۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ ہو کر (خلوت) میں نہا رہے تھے۔ تو ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں۔ وہ ان کو اپنے کپڑے میں لینے لگے اس پر ان کے رب جل مجدہ نے (وحی کی) پکارا۔ کیا میں نے تمہیں ان چیزوں سے بے پرواہ نہیں کیا۔ جو تم دیکھتے ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کی تیرے عزو جلال کی قسم کیوں نہیں لیکن تیرے کرم سے کیسے بے پرواہ ہو سکتا ہوں۔

فوائد و مسائل علامہ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ اس حدیث سے امام بخاری کی وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے جناب ایوب علیہ السلام کو ٹڈیاں جمع کرنے پر ٹوکا۔ مگر برہنہ نہانے پر کچھ نہ فرمایا۔ اس سے خلوت میں برہنہ نہانے کا جواز ثابت ہوا (۲) ایوب عجمی نام ہے۔ آپ روم بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد و زاہد تھے۔ ۹۳ سال آپ کی عمر ہوئی۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ آپ کی قبر مبارک قریہ دیر ایوب میں ہے۔ جو عشہد کے قریب ہے۔ اور وہاں ایک پتھر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت ایوب علیہ السلام کا نشانِ قدم ہے۔ اور ایک چشمہ ہے۔ جس سے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں (عینی ج ۲ ص ۵)

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) اللہ کی صفتوں میں سے کسی صفت کی قسم کھانا جائز ہے (۲) استدلال

مال کے حصول کی حرص کرنا جائز ہے (۳) تونگری فضیلت کی بات ہے۔ اسی لئے حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کو برکت کے لفظ سے موسوم فرمایا۔

بَابُ التَّسَتُّرِ فِي الْغُسْلِ عِنْدَ النَّاسِ

(۱) تَقُوْلُ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهٗ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهٗ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِئٍ

(۲) وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ سَتَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ

باب۔ بوقت غسل لوگوں سے پردہ کرکے نہانا

ام ہانی بنت ابی طالب کہتی ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو آپ غسل فرما رہے تھے۔ اور حضرت فاطمہؓ آپ پر پردہ کئے ہوئے تھیں۔ آپ نے فرمایا کون؟ میں نے کہا میں ام ہانی ہوں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے لئے پردہ کر دیا۔ اور آپ نے غسل جنابت فرمایا۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام نے ادب، جزیہ، صلوٰۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور مسلم نے طہارت و صلوٰۃ میں اور ترمذی نے استیذان و سیر میں۔ اور نسائی نے طہارت و سیر میں اور ابن ماجہ نے طہارت میں ذکر فرمایا ہے۔

(۱) حضرت ام ہانی۔ ان کا مشہور نام فاختہ ہے۔ یہ ابوطالب کی صاحبزادی اور جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہمشیرہ ہیں۔ ان حضور علیہ السلام نے دو بار نکاح کا پیغام دیا تھا۔ دوسری بار جب آپ نے پیغام دیا تو انہوں نے عرض کی کہ میں بچوں وا ہوں اس لئے نکاح ثانی مناسب نہیں اور حضورؐ خاموش ہو گئے۔ ان سے کل ۴۶ حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں ان سے ۲ حد مروی ہیں۔ حضرت علی و ابن عباس ان کے شاگرد ہیں (قسطلانی)

(۲) یہ واقعہ عام الفتح یعنی فتح مکہ رمضان سنہ ۸ھ کا ہے۔ حضور علیہ السلام غسل فرما رہے تھے۔ اور حضرت فا سلام اللہ علیہا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پردہ کے ساتھ اپنی محارم کے سامنے نہانا جائز ہے اور کہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر (پردہ میں) نہانا واجب ہے۔

• حدیث دوم یعنی حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ جس کی تفہیم و ترجمانی گذشتہ اوراق میں ہو چکی ہے۔

بَابُ إِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْأَةُ

باب عورت کو احتلام ہونے کے بیان میں

اس عنوان کے ماتحت امام نے جو حدیث لکھی ہے وہ کتاب العلم باب الحیاء فی العلم میں مع تفہیم کے گذر چکی ہے حضرت ام سلیم نے حضور نبویؐ میں یہ سوال کیا تھا کیا عورت پر بھی غسل واجب ہے جب اس کو احتلام ہو تو آپ نے جواب دیا۔

نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ (بخاری)

ہاں اس پر بھی غسل واجب ہے جبکہ وہ جاگ کر منی پائے۔

یعنی جیسے مرد کو احتلام ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہے اسی طرح عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل واجب ہے

بَابُ عَرَقِ الْجُنُبِ وَاَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ (بخاری)

باب جنبی کے پسینہ اور مسلمان کے ناپاک نہ ہونے کے بیان میں

اس باب میں امام نے جو حدیث ذکر کی ہے۔ اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی راستہ میں ان سے ملے اور (ابوہریرہ) جنبی تھے فرماتے ہیں۔ کہ میں حضورؐ سے پیچھے رہ

لوٹ گیا۔ اور غسل کرکے پھر آیا۔ تو حضور نے فرمایا۔ ابوہریرہ تم کہاں رہ گئے تھے میں نے عرض کیا۔ کہ میں جنبی تھا۔ تو میں نے اس حالت میں آپ کے پاس بیٹھنا پسند نہ کیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ (بخاری)

سبحان اللہ مومن نجس نہیں ہوتا۔

فوائد ومسائل اس حدیث کو امام مسلم نے طہارت میں۔ ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) مومن کے بدن پر جب تک کوئی حقیقی ظاہری نجاست مثلاً پاخانہ پیشاب وغیرہ نہ لگا ہو۔ وہ نجس نہیں ہوتا اور اس معاملہ میں مرد، عورت، کافر مسلمان، زندہ مردہ سب کا ایک حکم ہے (۲) آدمی بے وضو ہو یا جنبی یہ نجاست اس کی حکمی ہے۔ لہٰذا اس کا پسینہ، لعاب دہن اور جھوٹا پاک ہے (۳) غسل جنابت علی الفور واجب نہیں (۴) اس حدیث سے ابن حبان علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال فرمایا کہ اگر جنبی کنوئیں میں بہ نیت غسل غسل کرے تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ لیکن یہ استدلال اس لئے باطل ہے۔ کہ حدیث اس پر دال نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث بالا میں تو صرف اس امر کا بیان ہے کہ جنبی کی ذات نجس نہیں ہے۔ رہا جنبی کا غسالہ تو اس کے پاک ہونے کے متعلق حدیث میں اصلاً دلالت نہیں ہے:۔

بَابُ الْجُنُبِ يَخْرُجُ وَيَمْشِي فِي السُّوقِ وَغَيْرِهِ
وَقَالَ عَطَاءٌ يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ وَيُقَلِّمُ اَظْفَارَهُ وَيَحْلِقُ رَأْسَهُ وَاِنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ
اِنَّ نَبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلٰى نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ

باب۔ جنبی کے گھر سے نکلنے اور بازار میں چلنے پھرنے کے بیان میں۔
اور حضرت عطا نے فرمایا جنبی کو پچھنے لگوانا اور اپنے ناخن ترشوانا اور سر منڈانا جائز ہے اگرچہ اس نے وضو نہ کیا ہو۔
حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام ایک ہی رات میں اپنی ازواج مطہرات کو مشرف فرماتے تھے۔ اور ان دنوں آپ کی نو ازواج تھیں۔

حدیث ہذا سے جنبی کا گھر سے نکلنا اور چلنا پھرنا ثابت ہوا۔ کیونکہ آپ ایک بیوی کو مشرف فرما کر پھر دوسری کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔ امام نے اس کے بعد حدیث ابوہریرہ ذکر کی ہے۔ جو اوپر گذر چکی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضہ جنابت کی حالت میں بازار میں نکلے۔ اور حضور علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوگئی تھی (الحدیث)

بَابُ كَيْنُوْنَةِ الْجُنُبِ فِي الْبَيْتِ
اِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ اَنْ يَغْتَسِلَ

باب جنبی جب کہ غسل سے پہلے وضو کرلے۔ تو گھر میں رہ سکتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ عنوان حدیث ابوداؤد کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے باندھا ہے۔ ابوداؤد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس گھر میں کتا یا (جاندار) کی تصویر یا جنبی ہو۔ اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے امام نے یہ عنوان قائم کرکے یہ بتایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے

جس گھر میں جنبی ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ۔ اور جنب کا بغیر غسل کئے گھر میں رہنا جائز

ہے۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ یہ بات درست نہیں۔ کہ امام بخاری نے یہ عنوان حدیث ابوداؤد کے ضعف کے اظہار کے لئے قائم کیا ہے۔ حدیث ابوداؤد کو حاکم و ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری نے دراصل حدیث ابوداؤد کا مطلب واضح کرنے کے لئے یہ عنوان باندھا ہے۔ کہ حدیث ابوداؤد کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو شخص جنابت کی حالت میں پڑے رہنے کو عادت بنا لے یہاں تک کہ نماز تک فوت ہو جائے۔ تو ایسا جنب جس گھر میں ہوگا رحمت کے فرشتے وہاں داخل نہ ہوں گے۔ لیکن جو شخص اپنے کسی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے غسل کو مؤخر کر دے۔ یا وضو کرکے سو جائے یا اپنے کام کاج میں مشغول ہو جائے۔ اور بعد میں غسل کر لے تو وہ جنبی اس وعید میں داخل نہیں ہے (عینی ج ۲ ص ۲۳)

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ قَالَتْ نَعَمْ وَیَتَوَضَّاُ (بخاری)	ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب عائشہ رض سے پوچھا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں آرام فرما لیتے تھے انہوں نے جواب دیا ہاں اور وضو کرکے۔
بَابُ نَوْمِ الْجُنُبِ	**باب بحالت جنابت سونے کے بیان میں**
عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَرْقُدُ اَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُكُمْ فَلْیَرْقُدْ وَهُوَ جُنُبٌ (بخاری)	حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا جنابت کی حالت میں کوئی سو سکتا ہے؟ حضور نے جواب دیا ہاں جب وضو کر لے تو سو سکتا ہے۔
بَابُ الْجُنُبِ يَتَوَضَّاُ ثُمَّ يَنَامُ	**باب جنبی وضو کرکے سوئے**
عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ فَرْجَهٗ وَتَوَضَّاَ لِلصَّلٰوةِ (بخاری)	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ فرماتے۔ تو استنجا فرماتے اور نماز کا سا وضو کرتے (پھر آرام فرماتے)

(۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے پوچھا۔ کبھی وہ رات کو جنبی ہوتے ہیں (اور غسل نہیں کر سکتے) تو کیا کریں؟ حضور نے فرمایا:۔

تَوَضَّاْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ (بخاری)	تو شرمگاہ کو دھو لے اور وضو کرکے سو جا۔

فوائد و مسائل یہ حدیثیں امور ذیل پر مشتمل ہیں:۔ (۱) جس پر غسل واجب ہے اس کو بلا وجہ غسل میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے (۲) جنبی اگر کھانا پینا چاہتا ہے۔ یا عورت سے دوبارہ جماع کرنا چاہتا ہے یا سونا چاہتا ہے تو یہ مستحب ہے کہ وضو کرکے کھائے پیئے سوئے اگر ویسے ہی کھا پی لیا تو گناہ نہیں مگر کراہت تنزیہی ہے (۳) حدیث عائشہ میں جو آیا ہے۔ کہ حضور جنابت کی حالت میں سونا چاہتے تو نماز کی طرح وضو کرکے سوتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ آپ اس وضو سے نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ جنبی بغیر غسل کے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ (۴) جنبی اگر وضو کر لے تو پھر بھی جنبی ہی رہتا ہے۔ البتہ اس کی جنابت میں وضو سے کچھ کمی پیدا ہو جاتی ہے اور حدیث ابوداؤد میں جو وعید آئی ہے وضو کرکے سونے والا اس سے محفوظ ہو جاتا ہے (فافہم)

[illegible] امام ثوری [illegible] ابن المسیب و امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ جنبی بغیر وضو کئے سو جائے تو

ضروری نہیں۔ یہ حضرات حدیث عائشہ سے استدلال کرتے ہیں جس کے لفظ یہ ہیں کان یجنب ثم ینام ولا یمس ماءً کہ حضور علیہ السلام بحالت جنابت بغیر وضو کے آرام فرما ہوتے ——— صاحب فتح الباری نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضور علیہ السلام کا بحالت جنابت بغیر وضو کے سونا بیان جواز کے لئے تھا۔ ویسے افضل و مستحب یہی ہے کہ وضو کر کے سویا جائے۔ لیکن یہ جواب کچھ اچھا نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا بحالت جنابت بغیر وضو کے آرام فرمانا دراصل ثابت ہی نہیں ہے اور حدیث عائشہ کا جواب یہ ہے کہ ابو اسحاق نے اس حدیث کو مختصراً بیان کیا ہے اور اس مختصر حدیث کو سامنے رکھ کر مذکورہ بالا حضرات نے خود کشیدہ مسلک کو اختیار کر لیا۔ ورنہ یہی حدیث عائشہ رض جس کو ابو اسحق نے مختصر کیا ہے۔ پوری حدیث میں اسود بن یزید رح نے یہ لفظ بھی روایت کئے ہیں۔ "وان کان جنبا توضأ وضوء الرجل للصلوٰۃ"[1] یعنی اگر حضور بحالت جنابت آرام فرما ہونے تو نماز کی طرح کا وضو کر کے آرام فرما ہوتے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضور علیہ السلام نے بحالت جنابت بغیر وضو کے کبھی آرام نہیں فرمایا۔ زیادہ تفصیل کے لئے عینی ج ۱ ص۴ و طحاوی شریف کا مطالعہ کیجئے۔

بَابُ اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَلَسَ بَیْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ (بخاری)

باب جب مرد و عورت کی شرم گاہیں مل جائیں

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب مرد عورت کے چاروں شعبوں کے درمیان بیٹھے اور دخول کرے تو غسل واجب ہو گیا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم، ابن ماجہ و نسائی نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا۔ مسلم کی حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں وَاِنْ لَمْ یُنْزِلْ (فتح الباری) ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوتا ہے۔ کہ محض دخول حشفہ سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ انزال منی نہ ہو۔ چنانچہ یہ مسئلہ اب بالکل متفق علیہ ہے۔ البتہ صدر اول میں صحابہ کے درمیان اختلاف رہا ہے اور متعدد جلیل القدر صحابہ و تابعین مثلاً حضرت عثمان غنی، علی المرتضیٰ، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، رافع بن خدیج، ابو سعید خدری، ابو ایوب انصاری، ابن عباس، ابی بن کعب، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، عطا بن رباح، ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن، ہشام بن عروہ، اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس امر کے قائل رہے ہیں۔ کہ جب تک انزال منی نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس باب میں متعدد حدیثیں [illegible] بھی مروی ہیں ——— مگر ایسے تمام آثار اور حدیثیں منسوخ ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا ایک شخص جماع کرے۔ مگر اس کو انزال نہ ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے۔ حضرت عائشہ رض نے فرمایا ایسا واقعہ ہمیں بھی پیش آیا۔

قَالَتْ فَعَلْتُهُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا مِنْهُ جَمِیْعًا (ترمذی، طحاوی)

تو میں نے اور حضور علیہ السلام نے غسل فرمایا

اسی طرح حدیث زیر بحث بھی ان تمام حدیثوں کی ناسخ ہے جن سے عدم وجوب غسل معلوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ صحیح مسئلہ

---

[1] حدیث ہذا کی پوری سند یہ ہے: [illegible] حدثنا قال اخبرنا ابو غسان قال اخبرنا زهیر قال حدثنا ابو اسحاق قال اتیت الاسود بن یزید وکان لی اخا و صدیقا فقلت له یا ابا عمرو حدثنی ما حدثتك عائشة ام المؤمنین عن صلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم (الحدیث)

یہی ہے۔ کہ جماع کرنے پر اگر انزال نہ ہو تو غسل پھر بھی واجب و لازم ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تشریح و توضیح کے لئے فیوض الباری پارہ اول بھی ملاحظہ فرمایئے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ هٰذَا اَجْوَدُ وَ اَوْكَدُ وَ اِنَّمَا بَيَّنَّا الْحَدِيْثَ الْاٰخَرَ لِاِخْتِلَافِهِمْ وَالْغُسْلُ اَحْوَطُ

(بخاری)

امام بخاری نے فرمایا دخول کے بعد انزال نہ ہونے کی صورت میں غسل کر لینا بہتر اور ضروری ہے۔ اور ہم نے جو اس کے خلاف دوسری حدیث (عثمان وغیرہ) بیان کی ہے تو بتلانے کے لئے کی ہے کہ صحابہ کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے اور غسل کر لینے میں زیادہ احتیاط ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی مذکورہ بالا صورت میں غسل کرنا ضروری و لازمی ہے ویسے بھی احتیاط اسی میں ہے کہ غسل کیا جائے۔

بَابُ غَسْلِ مَا يُصِيْبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْاَةِ

فَقَالَ اَرَاَيْتَ اِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ فَلَمْ يُمْنِ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّاُ كَمَا يَتَوَضَّاُ لِلصَّلٰوةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَطَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَاُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَاَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ وَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ اَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَا اَيُّوْبَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

باب۔ عورت کی شرمگاہ سے جو رطوبت لگ جائے اس کے دھونے کے بیان میں۔

حضرت خالد جہنی نے حضرت عثمان سے پوچھا بتلایئے اگر مرد اپنی عورت سے جماع کرے۔ اور انزال نہ ہو تو غسل واجب ہوگا یا نہیں، حضرت عثمان رض نے فرمایا نماز کے وضو کی طرح وضو کرے۔ اور شرمگاہ کو دھو لے یعنی اس صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا۔ حضرت عثمان نے فرمایا: میں نے حضور سے بھی ایسا ہی سنا ہے اور حضرت علی بن ابی طالب۔ زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ ابی بن کعب سے بھی یہ مسئلہ دریافت کیا۔ تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔ کہ اس صورت میں غسل واجب نہیں ہے اور مجھے ابو سلمہ نے خبر دی کہ ان کو عروہ بن زبیر نے اور ان کو ابو ایوب انصاری نے انہوں نے حضور علیہ السلام سے ایسا ہی سنا ہے۔

قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْاَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ قَالَ يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْاَةَ مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّاُ وَيُصَلِّيْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْغُسْلُ اَحْوَطُ وَذٰلِكَ الْاٰخِرُ اِنَّمَا بَيَّنَّاهُ لِاِخْتِلَافِهِمْ وَالْمَاءُ اَنْقٰى۔

حضرت ابی بن کعب نے عرض کی۔ یا رسول اللہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے اور انزال نہ ہو اس کا کیا حکم ہے۔ حضور نے فرمایا عورت کی شرمگاہ سے جو رطوبت لگ گئی ہو اس کو دھو ڈالے۔ اور پھر وضو کر کے نماز پڑھے یعنی غسل واجب نہیں ہے امام ابو عبد اللہ بخاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا غسل کر لینے میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور ہم نے جو حدیثیں ذکر کیں تو یہ صرف یہ بتانے کے لئے کی کہ صحابہ کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے اور پانی خوب صاف کرنے والا ہے (یعنی غسل کرنا چاہیئے)

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو جماع کرے اور انزال نہ ہو اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ حدیثیں منسوخ ہیں۔ ابتداء میں حضور علیہ السلام نے یہی حکم دیا تھا۔ مگر اس کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ اسی لئے حضرت امام بخاری نے فرمایا۔ کہ یہ حدیثیں جن سے عدم الغسل معلوم ہو رہا ہے ہم نے یہ بتانے کے لئے ذکر کی ہیں۔ کہ اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف رہا ہے اور ضروری اور بہتر یہی ہے کہ اس صورت میں بھی غسل کیا جائے۔

غسل کے فرائض، سنتیں، مستحبات، غسل کرنے کا طریقہ اور اس کے ضروری احکام و مسائل

اب آخر میں عوام کی آسانی کے لئے غسل کے تمام مسائل مع دلائل کے ترتیب وار بیان کئے جاتے ہیں۔ غسل کے تین جزء ہیں یا یوں کہہ لیجئے۔ کہ غسل میں تین فرض ہیں۔ ان کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کی ادائیگی میں کمی ہو گی۔ تو غسل نہ ہو گا۔ وہ تین جزء یہ ہیں۔

غسل کے فرائض

اوّل: کلی کرنا یعنی منہ کے ہر پرزے، گوشے، ہونٹ سے حلق کی جڑ تک ہر جگہ پانی بہہ جائے۔ غسل فرض میں جب تک اس طرح کلی نہ کی جائے غسل نہ ہو گا۔ بعض لوگ صرف منہ میں تھوڑا سا پانی لے کر اگل دیتے ہیں اور پانی زبان کی جڑوں اور حلق کے کنارے تک نہیں پہنچتا۔ اس طرح کلی کرنے سے غسل نہ ہو گا۔

دوم: ناک میں پانی لینا یعنی دونوں نتھنوں کی جہاں تک نرم جگہ ہے دھلنا ضروری ہے۔ پانی کو سونگھ کر اوپر چڑھانا چاہئے۔ تاکہ بال برابر جگہ بھی دھلنے سے نہ رہ جائے۔ ورنہ غسل ادا نہ ہو گا۔ نیز ناک کے اندر کے بالوں کا دھونا بھی فرض ہے۔

سوم: تمام ظاہر بدن پر پانی کا بہہ جانا۔ یعنی سر کے بالوں سے پاؤں کے تلووں تک جسم کے ہر پرزے، ہر رونگٹے، ہر بال پر پانی بہہ جانا ضروری ہے۔ صرف پانی کو بدن پر چپڑ لینے سے غسل ادا نہ ہو گا۔ واضح ہو کہ تمام بدن کو دھونے اور اس پر پانی بہانے میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ مثلاً

(۱) بھنووں، مونچھوں اور داڑھی کے بالوں کا جڑ سے نوک تک اور ان کے نیچے کی کھال کا دھلنا۔ کان کا ہر پرزہ اور اس کے سوراخ کا منہ، ٹھوڑی اور گلے کا جوڑ کہ بے منہ اٹھائے نہ دھلے گا۔ بغلیں بے ہاتھ اٹھائے نہ دھلیں گی۔ بازو کا ہر پہلو۔ پیٹھ کا ہر ذرہ۔ پیٹ کی بلٹیں اٹھا کر دھوئیں۔ ناف کو انگلی ڈال کر دھوئیں۔ جب کہ پانی بہنے میں شک ہو۔ جسم کا ہر رونگٹا جڑ سے نوک تک۔ ران اور پیڑو کا جوڑ۔ ران اور پنڈلی کا جوڑ۔ جب بیٹھ کر نہائیں۔ تو دونوں سرین کے ملنے کی جگہ کا دھونا۔ کھڑے ہو کر نہانے میں رانوں کی گولائی۔ پنڈلیوں کی کروٹیں۔ ذکر و انثیین کے ملنے کی سطحیں بے جدا کئے نہ دھلیں گی۔ شرمگاہوں کی سطح زیریں جوڑ تک۔ ان کے نیچے کی جگہ جڑ تک۔ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اگر کھال چڑھ سکتی ہو تو چڑھا کر دھونا ضروری ہے اور کھال کے اندر پانی بہائے۔ اسی طرح مستورات کے لئے ڈھلکی ہوئی پستان کو اٹھا کر دھونا۔ پستان و شکم کے جوڑ کی تحریر۔ شرمگاہ کے خارج حصہ کا ہر گوشہ دھونا ضروری ہے۔

(۲) مرد کے سر کے بال اگر گندھے ہوں تو اس کے لئے ان کو کھول کر جڑ سے نوک تک پانی بہانا ضروری ہے اور عورت پر صرف بالوں کی جڑوں کو تر کر لینا ضروری ہے۔ کھولنا ضروری نہیں ہے۔ ہاں اگر چوٹی اتنی سخت گندھی ہو۔ کہ بے کھولے جڑیں تر نہ ہوں گی۔ تو کھولنا ضروری ہے۔ کانوں کے سوراخ اور ناک کے سوراخ میں پانی گزرنا بھی ضروری ہے۔ اس تشریح سے مقصود یہ بتانا ہے کہ غسل فرض تب ادا ہو گا جب کہ ظاہر بدن کے ہر حصہ ہر بال، ہر رونگٹے

پر پانی بہ جائے۔ اب ان مذکورہ بالا مسائل کی احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے یہ مسائل اخذ ہوتے ہیں۔

(۱) آیت وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا میں تمام بدن کو پاک کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لہذا بدن کا ہر وہ حصہ جہاں بغیر حرج کے پانی بہایا جا سکے۔ بہانا ضروری ہوگا اور جہاں پانی کا بہانا مشکل ہے۔ جیسے آنکھوں کے اندر تو وہ جگہ اس حکم میں داخل نہیں۔ منہ اور ناک میں بلا حرج پانی پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس لئے امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے غسل جنابت میں کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے کو واجب قرار دیا ہے۔

(۲) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص غسل جنابت میں بال برابر بھی جگہ بغیر دھوئے چھوڑ دے گا۔ اس کو عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

(۲) فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ (مشکوٰۃ، ابوداؤد)

اسی وجہ سے میں نے اپنے سر کے بالوں کے ساتھ زیادتی کی۔ یعنی ان کو منڈوا دیتا تھا۔ تاکہ غسل جنابت میں کسی بال کے سوکھا رہنے کا احتمال نہ رہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جنبی نے غسل کیا۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا بھول گیا تو

فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ بِالْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ (دارقطنی)

اس کو چاہیئے کہ وضو کرنے میں ناک میں پانی لے لے اور کلی کر لے۔

(۴) اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ لِلْجُنُبِ فَرِيْضَةٌ (دارقطنی و بیہقی)

جنبی کے لئے غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا فرض ہے (فرض عملی)

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا۔ جو غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا بھول گیا۔ پھر اس نے نماز پڑھ لی۔ آپ نے جواب دیا۔

لَا يُعِيْدُ الصَّلٰوةَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جُنُبًا (بیہقی)

نماز نہ لوٹائے مگر وہ شخص جو جنبی تھا یعنی جس نے غسل جنابت کیا تھا)

(۶) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَانْقُوا الْبَشَرَ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔ تو غسل میں بالوں کو دھوؤ۔ اور بدن اچھی طرح دھوؤ۔

(۷) حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر تو غسل فرض میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے۔

وَاَنْتَ جُنُبٌ فَاَعِدْ صَلٰوتَكَ (دارقطنی)

اور تو جنبی ہو اور نماز پڑھ لے تو یہ نماز دوبارہ پڑھ۔

(۸) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ ایک شخص بحضور نبوی حاضر ہوا عرض کی میں نے غسل جنابت کیا۔ اور فجر کی نماز پڑھ لی پھر مجھے معلوم ہوا کہ ناخن کے برابر جسم کے ایک مقام پر پانی نہیں بہا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْكَ اَجْزَاكَ (بخاری)

اگر تو نے بوقت غسل پانی بہایا تھا تو نماز جائز ہو گئی (ورنہ نہیں)

(۹) حضرت ام سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَنْقُضُهٗ لِلْحَيْضَةِ وَالْجَنَابَةِ

کیا ہم غسل حیض و جنابت کے لئے گندھے ہوئے بالوں

فَقَالَ لَا (مسلم)

کہ کھولیں فرمایا تمہارے لئے اس کی ضرورت نہیں

(۱) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

حَتّٰی تَبْلُغَ شُئُوْنَ رَأْسِهَا ثُمَّ تَصُبَّ عَلَیْهِ الْمَاءَ (مسلم)

(کہ عورتوں کیلئے یہ کافی ہے کہ تو سر پر پانی ڈالے اور خوب اچھی طرح ملے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر اس پر پانی بہائے۔

(۲) حدیث جابر کے لفظ یہ ہیں کہ جب عورت غسل جنابت کرے تو اس کو بالوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے۔

وَلٰكِنْ تَصُبُّ الْمَاءَ عَلٰى أُصُوْلِهٖ وَتَبُلُّهٗ (دارمی)

لیکن عورت کے لئے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا اور ان کو تر کرنا ضروری ہے۔

ان احادیث سے مذکورہ بالا مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ اور امور ذیل کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔

(۱) غسل فرض میں کلی کرنا، ناک میں پانی لینا، جسم کے ہر حصہ پر پانی بہانا فرض ہے (۲)۔ اگر کوئی شخص غسل فرض میں کلی کرنا یا ناک میں پانی لینا بھول گیا۔ یا جسم کا کوئی حصہ خواہ وہ بال برابر ہی ہو دھلنے سے رہ گیا تو غسل نہ ہوگا۔ اس صورت میں از سر نو غسل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو چیز غسل میں ادا کرنا بھول گیا ہے اس کو ادا کرنے غسل پورا ہو جائے گا مثلاً کلی کرنا بھول گیا تو اب کلی کرے غسل صحیح ہو جائے گا ایسی صورت میں اگر نماز پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی۔ دوبارہ پڑھے مثلاً فرض غسل کرکے کلی کرنا بھول گیا اور نماز پڑھ لی۔ تو اب کلی کرکے دوبارہ نماز پڑھے:

غسل کی سنتیں

یہ ہیں: پہلے نیت کرے۔ پھر دونوں ہاتھ گٹوں تک تین مرتبہ دھوئے۔ پھر استنجے کی جگہ دھوئے۔ خواہ نجاست ہو یا نہ ہو، پھر بدن پر جہاں کہیں نجاست ہو اس کو دور کرے۔ پھر نماز کا سا وضو کرے مگر پاؤں نہ دھوئے ہاں اگر چوکی یا تختے یا پتھر پر نہا رہا ہے تو پاؤں بھی دھولے۔ پھر بدن پر تیل کی طرح پانی چپڑ لے خصوصاً جاڑے میں پھر تین مرتبہ داہنے مونڈھے پر پھر بائیں مونڈھے پر۔ پھر تین مرتبہ سر پر اور تمام بدن پر تین بار پانی بہائے۔ غسل کی جگہ سے الگ ہو جائے۔ اگر وضو کرنے میں پاؤں نہ دھوئے تھے تو اب دھولے نہانے میں قبلہ رخ نہ ہو تمام بدن پر ہاتھ پھیرے اور ملے۔ با پردہ نہائے۔ نہاتے وقت کسی قسم کا کلام نہ کرے نہ کوئی دعا پڑھے۔ نہانے کے بعد بدن کو تولیہ سے پونچھنا جائز ہے اس سلسلہ کی حدیثیں کتاب الغسل میں مع تشریح و توضیح کے بیان ہو چکی ہیں۔ انہیں حدیثوں سے مذکورہ بالا سنتیں اخذ کی گئی ہیں یہاں ہم اس مسئلہ کی چند دیگر حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تم میں سے کوئی غسل کرے

فَلْيَغْسِلْ كُلَّ عُضْوٍ مِّنْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (رواہ طبرانی)

تو ہر عضو کو تین بار دھوئے

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب غسل فرماتے تو

فَتَحَ عَيْنَيْهِ وَأَدْخَلَ إِصْبَعَهٗ فِيْ سُرَّتِهٖ

آنکھیں کھلی رکھتے اور ناف میں انگلی ڈال کر پانی بہاتے

آنکھیں کھلی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ زور سے بند نہیں کرتے تھے۔ تاکہ پانی آنکھوں کی کروٹوں پر بہ جائے۔

(۳) حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جنوں کی آنکھوں اور عورات آدم کا ستر یہ ہے کہ آدمی:-

سَتْرُ بَيْنَ أَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِيْ آدَمَ إِذَا وَضَعَ أَحَدُهُمْ ثَوْبَهُ أَنْ يَقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ (طبرانی)

جب کپڑے تو بسم اللہ پڑھے۔

(۴) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حکم نافذ کیا تھا کہ:۔

لَا يَدْخُلَنَّ أَحَدٌ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِئْزَرٍ وَلَا يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ حَتّٰى يَخْرُجَ (بیہقی)

حمام میں بغیر کپڑا باندھے کوئی داخل نہ ہو اور حمام میں ذکر واذکار میں بھی مشغول نہ ہو۔

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام

لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

غسل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے غسل کے بعد وضو کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:۔

أَيُّ وُضُوْءٍ أَفْضَلُ مِنَ الْغُسْلِ

کہ غسل سے کون سا وضو افضل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب غسل کیا تو وضو بھی ادا ہو گیا اب جب تک حدث نہ ہو نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عوام میں یہ غلط مشہور ہو گیا ہے کہ غسل کے بعد وضو کرنا ضروری ہے۔

خاتمہ کتاب الغسل میں کل ۷۳ حدیثیں ہیں جن میں ۳۵ مکررات اور ۲۱ موصولات ہیں۔ اور باقی تعالیق و متابعات ہیں اور خالص ۲۸ حدیثیں ہیں۔ اور صحابہ و تابعین کے موقوف آثار ۱۰ عدد ہیں۔ جن میں سے ۸ معلق اور ۲ موصول ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحیض

یہ کتاب حیض کے احکام کے بیان میں ہے۔ از روئے لغت اس کے معنی سیلان "بہنے" کے ہیں۔ جیسے بولتے ہیں۔ حَاضَتِ السَّمُرَةُ۔ یہ جملہ اس درخت کے لئے بولا جاتا ہے جس سے خون کی طرح رطوبت بہتی ہو۔ اور اصطلاح شریعت میں حیض اس خون کو کہتے ہیں۔ جو بالغہ عورت کے آگے کے مقام سے عادۃً نکلتا ہے۔ پھر اگر بیماری کی وجہ سے آئے تو اس کو استحاضہ اور بچہ کے پیدا ہونے کے بعد آئے تو اس کو نفاس کہتے ہیں۔ حیض کے دس نام ہیں:۔ حیض، طمث، ضحک، اکبار، اعصار، دراس، عراک، فراک، طمث، نفاس (فتح الباری قسطلانی)

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حسب عادت کتاب الحیض کا افتتاح آیت قرآنی سے فرمایا برکت کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ احکام حیض کے باب میں اصل یہ آیت ہے۔ اور احادیث نبویہ اسی آیہ مبارکہ کی توضیح و تبیین کرتی ہیں۔

بالغ عورت کے بدن میں فطرتاً ضرورت سے زیادہ خون پیدا ہوتا ہے حمل کی حالت میں یہ خون بچہ کی غذا میں کام آتا ہے۔ اور بچہ کے دودھ پینے کے زمانہ میں وہی خون دودھ بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حمل اور ابتدائے شیر خوارگی میں خون نہیں آتا۔ اور جس زمانہ میں نہ حمل اور نہ دودھ پلاتا ہو تو پھر یہ زائد خون خارج ہوتا رہتا ہے اگر خارج نہ ہو تو قسم قسم کی بیماریاں لاحق ہو جائیں

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۤءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

اور تم سے پوچھتے ہیں۔ حیض کا حکم تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے۔ تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں میں۔ اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہو لیں۔ پھر جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ۔ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا۔ بیشک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔

حائضہ عورت کے بارے میں یہود افراط کے اور نصاریٰ تفریط کے مرتکب تھے۔ یہود زمانۂ حیض میں عورتوں کو اپنے مسکونہ مکان سے نکال دیتے اور الگ مکان میں رکھتے۔ اور ان کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے تھے۔ اور نصاریٰ اس حالت میں بھی عورتوں سے صحبت کر لیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس معاملہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا۔ تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں بتایا گیا۔ کہ اس حالت میں صرف صحبت نہ کی جائے۔ اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، بات کرنے محبت و پیار سے پیش آنے میں حرج نہیں۔ کیونکہ ان ایام میں عورت کو جو نجاست لاحق ہوتی ہے وہ حکمی ہے جس کے احکام اور ہیں۔

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْحَيْضِ

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ كَانَ اَوَّلُ مَا اُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَحَدِيْثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرُ

باب حیض کی ابتدا کیسے ہوئی؟

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ عزوجل نے بنات آدم پر مقرر کر دیا ہے۔ اور بعض نے کہا سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل کی عورتوں کے لئے مقرر ہوا۔ امام عبداللہ بخاری فرماتے ہیں حضور کا فرمان ہی اکثر ہے۔

فوائد و مسائل مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ حیض کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس سلسلہ میں امام نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول اور حضور علیہ السلام کا ارشاد پیش کیا۔ بظاہر حضرت ابن مسعود کے قول کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ حیض کی ابتداء بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی۔ حالانکہ یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ یہ بات تو بالکل بدیہی ہے۔ کہ جب سے عورتوں کی نسل شروع ہوئی ہے۔ انہیں حیض آیا ہے۔ خود کتاب مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ کے متعلق ارشاد ہے فَضَحِكَتْ۔ یعنی ان کو حیض آیا اور ظاہر ہے کہ حضرت سارہ بنی اسرائیل سے پہلے تھیں۔

نیز مستدرک و ابن المنذر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح مروی ہے کہ

اِنَّ ابْتِدَاۤءَ الْحَيْضِ كَانَ عَلٰى حَوَّاۤءَ بَعْدَ اَنْ اُهْبِطَتْ مِنَ الْجَنَّةِ (قسطلانی فتح الباری عینی ج ۲ ص ۱)

کہ سب سے پہلے حضرت حوا کو حیض آیا جب وہ جنت سے زمین پر اتریں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حیض کی ابتدا سب سے پہلی عورت جنابہ حضرت حوا سلام اللہ علیہا سے ہوئی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کا قول " حیض کی ابتدا بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی " کا حدیث رسول سے تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ شارحین کرام نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ مگر سب کے سب محقق

جواب بھی دیئے ہیں۔ اور علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے ان تمام جوابوں پر تنقید کے بعد ایک جواب جو اپنی طرف سے دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ حدیث رسول اور قول عبداللہ بن مسعود میں تناقض ہے ہی نہیں۔ کیونکہ ہوا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ عذاب نازل فرمایا تھا کہ ان کی عورتوں کو حیض نہ آئے چنانچہ کچھ عرصہ تک وہ حیض سے محروم رہیں۔ کیونکہ حیض نہ آئے تو عورت کے اولاد نہیں ہوتی۔ اس کے بعد یہ عذاب اٹھا لیا گیا۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے جو یہ فرمایا کہ حیض کی ابتدا بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی۔ تو یہ اولیت بالنسبت مدت انقطاع کے ہے۔ یعنی انقطاع حیض کے بعد سب سے پہلے بنی اسرائیل کی عورتوں کو حیض آیا ———— لیکن حضرت علامہ عینی علیہ الرحمۃ کی یہ توجیہ اس صورت میں صحیح قرار پائے گی۔ جب کہ یہ مان لیا جائے کہ جس زمانہ میں قوم بنی اسرائیل کا وجود تھا۔ اس زمانہ میں کسی اور قوم کا وجود ہی نہ تھا (فافہم) اس لئے میرے نزدیک صحیح جواب یہی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کی حدیث اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول میں منافات ہے اور امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث النبیؐ اکثر کا لفظ لکھ کر اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ حضورؐ کے ارشاد کے مقابل کسی کا قول قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا بات یہی صحیح ہے۔ جو حضور علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ کہ حیض ایک ایسا عارضہ ہے جو بنات آدمؑ کے لئے اللہ عزوجل نے مقرر فرما دیا ہے۔ اور اس کی ابتدا سب سے پہلی عورت جناب حضرت حوا علیہا السلام سے ہوئی۔

تَقُوْلُ خَرَجْنَا لَا نُرٰی اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِیْ فَقَالَ مَالَكِ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰی بَنَاتِ اٰدَمَ فَاقْضِیْ مَا یَقْضِی الْحَاجُّ غَیْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِیْ بِالْبَیْتِ قَالَتْ وَضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِّسَائِهٖ بِالْبَقَرِ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حج ہی کے قصد سے نکلے جب مقام سرف میں پہنچے۔ مجھے حیض آ گیا۔ تو میں رو رہی تھی۔ کہ حضورؐ تشریف لائے فرمایا تمہیں کیا ہوا کیا تم حائض ہوئی ہو۔ میں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک ایسا امر ہے۔ جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے تم حاجیوں کے سب کام کرتی رہو صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرو حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ کہ حضورؐ نے اپنی ازواج کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے اضاحی میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور مسلم نے حج میں، نسائی نے طہارت اور حج میں ابن ماجہ نے حج میں ذکر کیا ہے (۲) سرف ایک مقام ہے جہاں سے مکہ مکرمہ تقریباً سات میل رہ جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر حضرت عائشہ رض ایام سے ہو گئیں۔ وہ رونے لگیں۔ کہ اس حالت میں ارکان حج کیسے ادا ہوں گے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے انہیں تسلی دی۔ کہ حیض کا عارضہ تو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے مقرر فرما دیا ہے۔ لہٰذا قضاء الٰہی پر راضی رہنا چاہیئے (۳) ھٰذا امر کتبہ اللہ سے ترجمہ باب نکلتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج کا احرام باندھنے کے بعد اگر عورت کو حیض آ جائے تو سوائے طواف کعبہ کے تمام افعال حج حسب دستور انجام دے۔ نفاس والی عورت کا بھی یہی حکم ہے (۴) یہ ایک طویل حدیث ہے جسے امام نے کتاب الحج میں پورا درج کیا ہے وہاں انشاء اللہ العزیز اس حدیث کے تمام مسائل بیان ہوں گے۔

بَابُ غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا

باب حائضہ عورت کا اپنے خاوند کا سر دھونے

وترجیله
قالت كنت أرجل رأس رسول الله صلى الله
عليه وسلم وأنا حائض (بخاری)

اور کنگھی کرنے کے بیان میں۔
حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھی اور میں حائضہ ہوتی۔

حائضہ عورت کے احکام

اس حدیث کو امام نے کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا ہے۔ ترمذی نے شمائل میں نسائی نے طہارت و اعتکاف میں ذکر فرمایا ہے (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ ماہواری کے ایام میں عورت اچھوت نہیں ہو جاتی۔ کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔ اور ان ایام میں اس کو گھر کا کام کاج کرنا اپنے خاوند کی خدمت کرنا مثلاً اس کا سر دھلا دینا یا کنگھی کر دینا جائز و درست ہے۔ اور ان ایام میں اس کو نجس تصور کرنا خلاف عقل و نقل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کا بدن اور پسینہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اور شوہر کا اپنی بیوی سے اس کی رضا سے خدمت لینا بھی جائز ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے ایک حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ ہے۔ حضرت ہشام بن عروہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عروہ سے سوال ہوا کیا حائضہ عورت میری خدمت کر سکتی ہے اجنبی عورت میرے قریب آ سکتی ہے؟ حضرت عروہ نے جواب دیا کر سکتی ہے۔ اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رض نے مجھ سے بیان فرمایا:۔

أنها كانت ترجل رسول الله صلى الله
عليه وسلم وهي حائض ورسول الله
صلى الله عليه وسلم حينئذ مجاور في
المسجد يدني لها رأسه وهي في حجرتها
فترجله وهي حائض (بخاری)

کہ وہ حضور کے سر مبارک میں بحالت حیض کنگھی کیا کرتی تھیں۔ اور حضور ص اس وقت مسجد میں معتکف ہوتے۔ اپنا سر مبارک حضرت عائشہ رض کے قریب کر دیتے۔ اور حضرت عائشہ رض اپنے حجرہ میں ہوتیں۔ اور بحالت حیض حضور کے سر میں کنگھی کر دیتیں۔

فوائد و مسائل

مجاور کے معنی معتکف کے ہیں یعنی حضور علیہ السلام مسجد میں معتکف تھے اور وہیں سے آپ اپنا سر مبارک حضرت عائشہ صدیقہ رض کے حجرہ میں کر دیتے تھے۔ اور وہ کنگھی وغیرہ کر دیتی تھیں۔

اس حدیث سے مسائل ذیل معلوم ہوئے (۱) معتکف اگر اپنا کوئی عضو مثلاً ہاتھ یا پاؤں یا سر مسجد سے باہر کر دے تو اس کا اعتکاف نہیں ٹوٹتا (۲) معتکف اگر اپنی زوجہ سے خدمت لے۔ مثلاً سر میں تیل ڈلوائے۔ یا کنگھی کرائے تو حرج نہیں۔ اور قرآن پاک میں جو آیا ہے: ولا تباشروهن وانتم عاكفون في المساجد تو اس میں مباشرت سے مراد جماع اور مقدمات جماع ہیں۔ یعنی بحالت اعتکاف جماع کرنا اور بوس و کنار ہونا ممنوع ہے۔ لیکن بحالت اعتکاف اپنی بیوی سے خدمت لینا جیسے سر دھلوانا یا کنگھی کروانا جائز ہے (۳) بحالت حیض عورت اگر اپنے خاوند کی خدمت کرے سر میں تیل ڈال دے۔ کنگھی کر دے تو جائز ہے (۴) اگر کسی نے یہ قسم کھائی۔ کہ وہ اپنے گھر میں داخل نہ ہوگا یا گھر سے نہیں نکلے گا۔ اب اگر اس نے اپنا سر یا ایک پاؤں یا ہاتھ گھر میں داخل کیا یا نکالا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی (۵) حائضہ عورت کو مسجد میں آنا ممنوع ہے:

باب قراءة الرجل في حجر

باب۔ اپنی حائضہ بیوی کی گود میں سر رکھ کر قرآن

امرأته وهي حائض۔
وكان ابو وائل يرسل خادمه وهي حائض
الى ابي رزين فتأتيه بالمصحف فتمسكه
بعلاقته يتكئ في حجري وانا حائض
ثم يقرأ القرآن

پڑھنے کے بیان میں
(۱) اور ابو وائل (شقیق بن سلمہ) اپنی لونڈی کو جب حائضہ ہوتی ابو رزین (مسعود بن مالک) کے پاس بھیجتے وہ قرآن مجید کو اس کے فیتے سے پکڑ کر لے آتی (۲) حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام میری گود میں تکیہ لگاتے اور میں حیض سے ہوتی۔ پھر آپ قرآن مجید پڑھتے۔

فوائد و مسائل

دونوں حدیثوں کے مسائل ترتیب وار بیان کئے جاتے ہیں۔ حدیث اول کے مسائل یہ ہیں:۔

(۱) **ابو وائل**: ان کا نام شقیق بن سلمہ ہے۔ انہوں نے حضورؐ کا زمانہ پایا۔ مگر دیدار سے مشرف نہ ہو سکے۔ آپ نے کثیر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا۔ ابو وائل ثقہ و معتمد ہیں۔ واقدی نے کہا۔ کہ زمانہ خلافت حضرت عمر بن عبد العزیز میں ان کا وصال ہوا۔ ابو وائل کے اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح موصولاً بیان کیا ہے ——— اثر ابو وائل کے ذکر کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ بتانا ہے کہ جنبی اور حائضہ کسی کپڑے کے ساتھ قرآن مجید کو اٹھا سکتی ہے۔ خادم کا اطلاق مذکر و مؤنث دونوں پر آتا ہے۔ یہاں اس سے مراد ابو وائل کی لونڈی ہیں۔ جو حائضہ تھیں اور ابو وائل نے ان سے قرآن مجید منگایا تھا۔ وہ فیتے سے پکڑ کر اٹھا لائیں۔ جو جزدان سے لگا ہوا تھا۔ علاقہ اس ڈوری یا فیتے کو کہتے ہیں۔ جس کے ذریعہ قرآن مجید یا تلوار کو لٹکایا جاتا ہے۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ حائض و جنبی کو قرآن مجید کو چھونا ناجائز ہے۔ ہاں بغیر ہاتھ لگائے کپڑے میں یا جزدان کی ڈوری سے پکڑ کر اٹھانے میں حرج نہیں ——— حضرت عبد اللہ ابن عمر، عطا، حسن بصری، مجاہد، طاؤس، ابو وائل، ابو رزین، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اوزاعی، ثوری، اسحٰق، ابو ثور اور شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ اس مسئلہ کی چند احادیث یہ ہیں:۔

حائضہ و جنبی کو قرآن مجید کا چھونا اور پڑھنا حرام ہے

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
لا يمس القرآن
الا طاهر دارقطنی
قرآن مجید کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ ہاتھ لگائے۔

وقال ابو زرعة لی فیہ احادیث مشہور حسن [illegible] ج ۲ ص [illegible]

(۲) حضرت عبد اللہ بن رواحہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے
نهانا ان يقرأ احدنا القرآن وهو جنب
ہمیں جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا

(۳) حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا
لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن (ترمذی)
کہ حائضہ اور جنبی قرآن مجید سے کچھ بھی نہ پڑھے

(۴) حضرت جابر رض سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ
لا يقرأ الحائض ولا الجنب ولا النفساء من
القرآن شيئا (دارقطنی، بیہقی وقال اسنادہ صحیح [illegible])
حائضہ عورت اور جنبی اور نفاس والی عورت قرآن مجید سے کچھ بھی نہ پڑھے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بے وضو، جنبی اور حیض و نفاس والی عورت کو کتاب مجید کو ہاتھ لگانا حرام ہے اگرچہ مجید کی جلد یا چولی یا حاشیہ کو ہاتھ یا انگلی کی نوک یا بدن کا کوئی حصہ ہی لگے یہ سب حرام ہے ——— اسی طرح کرتے کے دامن یا دوپٹے کے آنچل سے یا کسی ایسے کپڑے سے جس کو پہنے اوڑھے ہوئے ہو، قرآن مجید کو چھونا حرام ہے ——— ہاں جزدان میں قرآن مجید ہو تو اس جزدان کے چھونے میں حرج نہیں۔ یونہی رومال وغیرہ ایسے کپڑے سے جو نہ اپنا تابع ہو نہ قرآن مجید کا تو جائز ہے ——— اور کرتے کی آستین، دوپٹہ کا آنچل، یہاں تک کہ چادر کا ایک کونا اوڑھے ہے اور دوسرے کونے سے قرآن مجید کو چھونا اٹھانا حرام ہے۔ یہ چادر وغیرہ آدمی کے تابع ہے۔ جیسے چولی قرآن مجید کے تابع ہے ردالمحتار ——— اور جس کو نہانے کی حاجت ہو (جنبی ہو) یا حیض و نفاس والی ہو اس کو مسجد میں جانا، طواف کرنا۔ قرآن مجید کو دیکھ کر یا زبانی پڑھنا یا کسی آیت کا لکھنا یا آیت کا تعویذ پہننا یا ایسا تعویذ چھونا یا ایسی انگوٹھی چھونا پہننا جس کے نگینے پر حروف مقطعات لکھے ہوں۔ حرام ہے۔

حدیث حضور کے فوائد و مسائل یہ ہیں:۔ (۱) بخاری کی کتاب التوحید میں **کان یقرؤ القرآن ورأسه فی حجری** کے لفظ آئے ہیں۔ اس بنا پر حدیث کی " کا مطلب یہ قرار پائے گا کہ حضور علیہ السلام جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں سر مبارک رکھ کر تلاوت فرماتے تھے

(۱) حائضہ عورت پاک ہوتی ہے اور اس سے ملامست جائز ہے (۲) اگر آدمی حائضہ عورت سے تکیہ لگا کر تلاوت کرے تو جائز ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب التوحید میں بھی ذکر کیا ہے مسلم نے طہارت میں ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے بھی طہارت میں ذکر کیا ہے۔

بَابُ مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا | باب حیض کو نفاس کہنے کے بیان میں

مقصود عنوان محض یہ بتانا ہے کہ حیض کا اطلاق نفاس پر اور نفاس کا اطلاق حیض پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں نفاس کا اطلاق حیض پر آیا ——— واضح ہو کہ نفاس کا مشہور معنی تو یہ ہے کہ جو خون عورت کو ولادت کے بعد آتا ہے وہ نفاس کہلاتا ہے لیکن حیض کو بھی نفاس کہہ دیتے ہیں کیونکہ نفاس و حیض کے متعلق دونوں کا حکم ایک ہی ہے ——— نیز لغات میں کہا ہے کہ حیض کے لئے لفظ نفاس بفتح نون بولا جاتا ہے اور ولادت میں بضم نون (ارشاد الساری ج ۱)

بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةً فِي خَمِيصَةٍ إِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي فَقَالَ أَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ

(بخاری)

حضرت ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ ایک ہی لوئی میں تھی کہ مجھے حیض آ گیا۔ میں آہستہ سے سرک گئی اور اپنے حیض کے کپڑے سنبھالے۔ اس پر حضور نے فرمایا کیا تم کو نفاس آیا؟ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے مجھے بلایا۔ اور میں آپ کے ہمراہ لوئی میں لیٹ گئی۔

فوائد و مسائل | امام نے اس حدیث کو صوم و طہارت میں بھی ذکر کیا، اور مسلم نے اور نسائی نے طہارت میں ذکر فرمایا۔ ترجمۃ الباب لفظ "انفست" سے نکلتا ہے۔ حضور نے حیض پر لفظ نفاس کا اطلاق فرمایا۔ مسائل حدیث یہ ہیں:۔ (۱) حائضہ عورت کے ساتھ ایک ہی بستر ایک ہی لحاف میں سونا لیٹنا جائز ہے (۲) عورتوں کا حیض کے لئے مخصوص

کپڑے بنا رکھنا مستحب ہے (۴) حائضہ عورت کا پسینہ پاک ہے (۵) حیض و نفاس دونوں کا حکم ایک ہی ہے جیسے حائضہ عورت پر نماز واجب نہیں۔ روزہ رکھنا، مسجد میں داخل ہونا، طواف کرنا، قرآن پاک کا پڑھنا، جائز نہیں ہے یہی احکام نفاس والی عورت کے ہیں۔

بَابُ مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ

باب حائضہ عورت سے مباشرت کے بیان میں

مباشرت سے مراد بدن کو بدن سے ملانا، بوس و کنار ہونا وغیرہ ہے۔ یہ سب کام حائضہ سے کرنا جائز ہیں اور جماع حرام ہے۔

(۱) عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ كِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ۔

(بخاری)

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے اور دونوں جنبی ہوتے اور میں حیض سے ہوتی۔ تو آپ مجھے ازار باندھنے کا حکم فرماتے۔ میں تہبند باندھ لیتی۔ پھر آپ مجھ سے مباشرت فرماتے اور میں حائضہ ہوتی اور آپ بحالت اعتکاف اپنا سر مبارک میری طرف (حجرہ) میں کر دیتے اور میں آپ کا سر دھو دیتی۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا فَأَرَادَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبَاشِرَهَا أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا قَالَتْ وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ إِرْبَهُ

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ ہم میں جب کوئی حائضہ ہوتی۔ اور حضور اس سے مباشرت فرمانا چاہتے۔ تو اس کو تہبند باندھنے کا حکم دیتے۔ اس وقت حیض زور ہوتا پھر آپ اس سے مباشرت فرماتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ تم میں کون ایسا ہے۔ جو اپنی خواہش پر اختیار رکھے جیسے حضور رکھتے تھے۔

(۳) إِذَا أَرَادَ أَنْ يُبَاشِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ أَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ

(بخاری)

حضرت میمونہ رض فرماتی ہیں۔ کہ نبی کریم علیہ السلام جب کسی بیوی سے حالت حیض میں مباشرت کا ارادہ فرماتے تو اس کو تہبند باندھنے کا حکم فرماتے۔

فوائد و مسائل

حدیث اول کو امام نے آخر صوم میں ذکر کیا ہے۔ اور مسلم، ترمذی، ابوداؤد و ابن ماجہ نے طہارت میں اور نسائی نے طہارت و عشرۃ النساء میں۔ حدیث دوم کو مسلم، ابوداؤد و ابن ماجہ نے طہارت میں ذکر کیا۔ اور حدیث سوم کو مسلم نے طہارت میں، ابوداود نے نکاح میں ذکر کیا۔ ابن ماجہ و ابوداؤد نے بھی اسی مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔

ان تینوں حدیثوں کے مسائل یہ ہیں:۔ (۱) ایک ہی برتن سے مرد و عورت کا غسل کرنا جائز ہے (۲) حائضہ عورت سے مباشرت یعنی بدن سے بدن ملانا، بوس و کنار کرنا لپٹانا وغیرہ جائز ہے۔ لیکن جماع حرام ہے (۳) حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا، سونا اگرچہ ایک لحاف میں ہو، جائز ہے (۴) مباشرت کرنا چاہے۔ تو عورت کو تہبند بندھوا دینا ضروری ہے یا کوئی کپڑا اس طرح بندھا ہوا ہونا چاہیے۔ جو جماع سے روک ہو جائے

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام اپنی کسی بیوی سے بحالت حیض اس صورت مباشرت فرماتے تھے جبکہ تہبند پنڈلی تک بندھا ہوتا تھا۔ محتجزۃ بہ ای حال کون المرأۃ مستمتعۃ عن الجماع (رواہ مسلم، رواہ ابوداؤد) (۵) حائضہ سے مباشرت اس شخص کو جائز ہے جو اپنے نفس پر کے۔ اور جماع نہ کر ڈالے۔ لیکن جو مباشرت کرنے سے جماع کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس کو مباشرت جائز ہے۔ اسی طرح حائضہ عورت کے ساتھ سونے میں غلبہ شہوت اور اپنے کو قابو میں نہ رکھنے کا احتمال ہو یعنی جماع ہونے کا احتمال ہو، تو نہ سوئے۔ بصورت دیگر سونے میں حرج نہیں ——— حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے حالت حیض میں ناف سے لے کر گھٹنے تک مباشرت حرام ہے۔ یعنی حالت حیض میں ناف سے لے کر تک عورت کے بدن سے مرد کا اپنے کسی عضو کو چھونا جبکہ کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو شہوت سے ہو یا بے شہوت نہیں ——— ہاں اگر ایسا کپڑا حائل ہو کہ بدن کی گرمی محسوس نہ ہوگی تو حرج نہیں ——— اور ناف سے حصے اور گھٹنے سے نیچے کے حصے کو چھونا اور کسی طرح کا نفع لینا جائز ہے

ضیحات ضروریہ

واضح ہو کہ بحالت حیض جماع کرنا حرام و ناجائز ہے۔ اور حرام جان کر کر لیا تو سخت گنہگار ہوا۔ توبہ فرض ہے اور حلال جاننا کفر ہے (۲) لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کوئی تو صبر کر سکتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں، جو ضبط خواہش کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور اس غلبہ کی حالت میں ممکن تھا حرام کا مرتکب ہو جائے۔ اس لئے ایسے مغلوب الشہوت لوگوں کے لئے مباشرت یعنی جماع کے علاوہ نفع اٹھانے دی گئی۔ منکرین سنت تو مباشرت کے مسئلہ کا متعدد رنگوں میں مذاق اڑائیں گے۔ اور حدیث سے بدظن کے لئے طرح طرح کے شوشے چھوڑیں گے لیکن اگر آپ نفس مسئلہ پر دیانت و امانت کے ساتھ غور کریں گے۔ تو مباشرت کے مسئلہ کی اہمیت، ظاہر ہو جائے گی ——— اس موقع پر منکرین سنت یہ اعتراض بھی اٹھاتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ نہ صرف حضور کے اپنی ازواج کے ساتھ خصوصی تعلقات و برتاؤ کی کیفیت کو موضوع قرار جائے بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت کو ثواب بھی قرار دیا جائے۔ پھر اس کا لازمی پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ حضور اکرم بیوں کی طرف منسوب کیا جائے۔ بھلا غور تو کیجئے کہ کوئی مہذب عورت اپنے خاوند کے ساتھ جو اس کے خصوصی تعلقات ہیں منظر عام پر لانا گوارا کر سکتی ہے چہ جائیکہ ازواج مطہرات؟ لیکن اس اعتراض کی بنیاد دراصل اس عقیدہ و ریہ پر ہے، کہ نبی کے اقوال و اعمال، دین اور شریعت نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اس نظریہ کی بنیاد پر تو اس اعتراض میں وزن پیدا ہو جائے گا۔ لیکن جب یہ مانا جائے کہ نبی کی پوری زندگی اور اس کی زندگی پاک کا ہر گوشہ خواہ اس کا ظاہری امور سے ہو یا باطنی امور سے وہ دین اور شریعت ہے۔ تو پھر اس اعتراض کے لایعنی و مہمل ہونے میں کس کو ہو سکتا ہے حضور علیہ السلام نبی و رسول ہیں۔ اور آپ کا فرض نبوت ہی یہ ہے کہ حیات انسانی کے ہر گوشہ کے متعلق د و ضوابط کی نشاندہی فرمائیں۔ اس لئے یہ ناگزیر تھا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک کے وہ گوشے بھی منظر عام پر یں۔ اور ان کی تبلیغ اور اشاعت بھی ہو۔ جو خاص طور پر آپ کی ذات اقدس اور آپ کی ازواج مطہرات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ازواج مطہرات کے ساتھ حضور علیہ السلام کے برتاؤ اور تعلقات کی نوعیت منظر عام پر نہ آتی تو شرت کا باب کیسے مکمل ہوتا۔ اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی زندگی پاک کا ہر گوشہ بے نقاب ہو تاکہ دین کا

قانون اور ضابطہ ہے۔ کیونکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے مزکی و معلم و طبیب اعظم ہیں۔ اور قرآن نے آپ کے اسوہ کو اپنانے کی تاکید کی ہے۔ یہ اعتراض کہ حضور کے خصوصی حالات منظر عام پر نہیں آنے چاہئیے۔ یا کو شخص یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ کہ اس کے وہ حالات و واقعات بھی لوگوں کو معلوم ہوں۔ جو اس کی بیوی کے سا خاص ہیں۔ در اصل منصب رسالت و نبوت سے بے خبری پر مبنی ہیں۔ اور اسی جہالت کی وجہ سے زمانہ نبو کے کفار بھی یہ اعتراض کیا کرتے تھے۔ یہ کیسے رسول ہیں۔ جو مسلمانوں کو پیشاب کرنے یا پاخانہ پھرنے تک کے بتاتے ہیں —— ایک اناٹومی کا پروفیسر جب انسانی اعضا۔ اور ان کے افعال و خواص پر لیکچر دیتا ہے۔ تو ا ایسے امور بھی معرض بحث میں لانے پڑتے ہیں کہ جن کا سننا اور بیان کرنا بھی اور آپ کو گوارا نہیں ہوتا۔ لیکن اس باوجود پروفیسر پر کبھی یہ اعتراض نہیں اٹھایا گیا کہ وہ انسان کے مخصوص اعضاء کے افعال و خواص کیوں بیان کرتا اور خصوصاً طالبات کے سامنے) اس ایک خیال کو سامنے رکھ کر اگر آپ مذکورہ بالا حدیثوں پر غور کریں گے تو منکرین کے اعتراضات کی لغویت آپ پر ظاہر ہو جائے گی۔ اور آپ کو ماننا پڑے گا۔ کہ جس نبی کا فرض نبوت ک ہے۔ کہ وہ حیات انسانی کے ہر گوشہ کے متعلق ہدایات دے۔ اور جس کا مرتبہ و مقام یہ ہو کہ اس کی زندگی کے کے افعال و اعمال خدا کا قانون ہے۔ اس شان کے رسول اور اس مرتبہ کے نبی کے ظاہری و باطنی عمومی و خصو احوالات کا منظر عام پر آنا کس قدر ضروری اور لابدی ہے۔

بَابُ تَرْكِ الْحَائِضِ الصَّوْمَ

باب حائضہ عورت روزہ ترک کردے

اس باب میں امام نے ایک حدیث لکھی ہے۔ جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام عید الاضحی یا عید الفطر کے دن عیدگاہ جانے کے لئے نکلے۔ آپ جب مستورات کے پاس سے گز تو فرمایا۔ عورتو صدقہ دیا کرو۔ مجھے دوزخ میں عورتیں زیادہ دکھائی گئی ہیں۔ عرض کی۔ حضور اس کی وجہ؟ فرما لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔

مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِيْنٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰكُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْاَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا۔

(بخاری)

میں نے عقل اور دین میں ناقص اور عقلمند آدمی کی عقل کھونے والیاں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیک عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے دین او عقل میں کیا نقصان ہے؟ فرمایا عورت کی گواہی مر کی گواہی کے نصف کے برابر ہے یا نہیں؟ انہوں نے بے شک ہے۔ فرمایا۔ پس یہ عورتوں کی عقل کا نقصان ہے۔ عورت کو جب حیض آتا ہے۔ تو وہ ن پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں فرمایا یہ ان کے دین کا نقصان ہے۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو صلوٰۃ۔ صوم۔ طہارت۔ زکوٰۃ و عیدین میں بھی ذکر کیا ہے۔ مسلم نے ایمان میں نسائی نے صلوٰۃ میں اور ابن ماجہ نے ابی کریب سے روایت کیا (۲) عقل حمق کی ضد ہے

دی نے کہا عقل کے معنی ہیں برے فعل سے رکنا اور خوبیوں کو اختیار کرنا۔ تو اور نے کہا عقل کا مسکن دماغ ہے اور بعض قلب ہے۔ بعض نے کہا کہ عقل ایک جوہر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے دماغ میں پیدا کی ہے۔ اور اس کا نور دل میں ہے قول اس سے ان مغیبات کو وسائط کے ذریعہ اور محسوسات کو مشاہدہ سے دریافت کرتا ہے:-

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:-

(۱) اس حدیث میں باعتبار اکثریت کے عورتوں کو ناقص العقل قرار دیا گیا۔ کہ عموماً عورتوں کے دماغی وجسمانی قویٰ بہ نسبت مردوں کے کمزور ہوتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بعض عورتیں مردوں سے زیادہ عقلمند ہوتی ہیں۔ عورتوں کے نقصان عقل ہی کی بنا پر قرآن حکیم نے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر رکھی ہے چنانچہ ارشاد ہے فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء (البقرہ) ——— اور نقصان دین یہ ہے۔ کہ حیض ونفاس کی حالت میں انہیں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا منع ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ نماز کی ممانعت تو شارع کی طرف سے ہے۔ تو کیا عورتوں کو ایام حیض میں چھوٹی ہوئی نمازوں کا ثواب ملے گا؟ ظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ حالت حیض میں عورت کی نیت محض ترک صلوٰۃ کی ہوتی ہے۔ ہاں حالت حیض میں چونکہ نماز پڑھنا حرام ہے۔ تو ترک حرام کا ثواب ضرور ملے گا (۲) عیدین کی نماز کے لئے امام کا قوم کے ساتھ عیدگاہ جانا مستحب ہے۔ اس میں تکثیر جماعت بھی ہے اور شوکت اسلام کا اظہار بھی (۳) صدقہ وخیرات گناہوں کو مٹاتا اور بلاؤں کو دور کرتا ہے۔ خصوصاً عیدین کے دن خیرات کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔ کہ اس دن غریب و نادار امراء کے لباس فاخرہ کو دیکھ کر حسرت کرتے ہیں (۴) اس حدیث سے عورتوں کا عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن علماء نے فرمایا حضورؐ کا زمانہ خیر وبرکت کا زمانہ تھا اور خواتین عفت مآب تھیں اور لوگ نہایت ہی پاکباز تھے۔ مگر فی زمانہ عورتوں کا جمعہ وعیدین کی نماز میں شریک ہونا باعث فتنہ ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ حضورؐ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں کی جمعہ وعیدین کی نماز میں شرکت کی کیفیت کو ملاحظہ کیا۔ تو فرمایا۔ جو صورت اب عورتوں نے پیدا کر دی ہے۔ اگر حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اسے ملاحظہ فرماتے تو:-

لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ	حضورؐ ضرور عورتوں کو مساجد ومصلی میں آنے سے روک دیتے

جناب ام المؤمنین رض کا یہ فیصلہ خیر القرون ہی کے متعلق ہے۔ تو اس سے اندازہ کر لیجئے کہ ہمارے زمانہ میں کیا حکم ہونا چاہیئے۔ حضرت علامہ عینی رح نے اس موقعہ پر لکھا ہے:-

واما اليوم فنعوذ بالله من ذلك فلا يرخص في خروجهن مطلقا للعيد وغيره ولاسيما نساء مصر (عینی ج ۲)	اور آج کے دن پناہ بخدا عورتوں کو عیدگاہ وغیرہ میں نکلنے کی اجازت نہ دینی چاہیئے۔ خصوصاً شہری عورتوں کو۔

چنانچہ بدائع میں یہ تصریح ہے۔ کہ نوجوان عورتوں کو جمعہ وعیدین وجماعت پنجگانہ کے لئے مسجد وعیدگاہ میں جانا جائز نہیں۔ اور بہت بوڑھی عورتوں کے لئے بھی افضل یہی ہے کہ نہ جائیں ——— اس موقع پر یہ نہ کہا جائے۔ کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو پردہ نشین عورتوں کو بھی عید

کی نماز کے لئے عید گاہ جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اس صورت میں جناب عائشہ رض یا امام اعظم ابوحنیفہ منع کرنے والے کون ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حکم کی علت فتنہ ہے۔ اگر فتنہ کا واقعی خطرہ نہ ہو تو پھر مستورات کے نکلنے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ لیکن کون ہے جو فی زمانہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مستورات کا باہر نکلنا فتنہ سے خالی ہے (۵) صدقہ و خیرات عذاب کو دفع کرتا ہے اور گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے (۶) نعمت کا انکار کرنا حرام ہے اور ناشکری مذموم ہے (۷) لعن و طعن و سب و شتم حرام ہے (۸) گناہ پر بھی کفر کا اطلاق آ جاتا ہے (۹) حائضہ عورت سے نماز روزہ ساقط ہو جاتا ہے۔

فائدہ خون حیض ناپاک ہے اور نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔ لہذا حائضہ نماز نہیں پڑھ سکتی۔ اب سوال پیدا ہوا کہ روزہ رکھ سکتی ہے یا نہیں تو امام بخاری نے مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے یہ بتایا کہ جیسے نماز نہیں پڑھ سکتی۔ اسی طرح روزہ بھی نہیں رکھ سکتی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حائضہ عورت پر پاک ہونے کے بعد روزہ کی قضا واجب ہے نماز کی نہیں۔

بَابٌ تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا

إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ لَا بَأْسَ أَنْ تَقْرَأَ الْآيَةَ وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ يَخْرُجَ الْحُيَّضُ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُونَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا إِلَى قَوْلِهِ مُسْلِمُونَ (بخاری)

وَقَالَ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ حَاضَتْ عَائِشَةُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّي وَقَالَ الْحَكَمُ إِنِّي لَأَذْبَحُ وَأَنَا جُنُبٌ وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (بخاری)

باب: حائضہ عورت حج کے تمام امور انجام دے
صرف طواف کعبہ نہ کرے (۲) حضرت ابرا
نخعی نے کہا کہ حائضہ عورت اگر قرآن کی کوئی آیت
پڑھے تو حرج نہیں (۳) اور ابن عباس نے فر
جنبی اگر قرآن پڑھے تو حرج نہیں (۴) نبی علیہ السلا
اپنے تمام اوقات میں اللہ کی یاد کیا کرتے (۵
اور ام عطیہ نے کہا ہم کو بزمانہ نبوی بحالت حیض
عیدگاہ میں لے جانے کا حکم کیا جاتا تا کہ لوگوں کے
ساتھ تکبیر و دعا میں شریک ہوں (۶) حضرت ا
عباس نے فرمایا کہ حضرت ابوسفیان نے بیان کیا۔
ہرقل نے نبی علیہ السلام کے خط کو منگایا۔ اس کو پڑ
تو اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور یہ آیت لکھی
تھی۔ یا اھل الکتاب تعالو
مسلمون تک۔
اور عطاء نے جابر سے روایت کی۔ کہ حضرت عائشہ رض حائضہ ہو
تو انہوں نے طواف کے سوا حج کے تمام امور کو انجام دیا اور
نہیں پڑھی (۷) اور حکم نے کہا میں بحالت جنابت جانور ذ
کرتا ہوں (۸) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس وقت ذبح
جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو مت کھاؤ۔

اس کے بعد امام نے جو حدیث لکھی ہے۔ اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے —— حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضورؐ کے ہمراہ صرف حج کے لئے روانہ ہوئے۔ جب مقام سرف میں پہنچے تو مجھے حیض آگیا۔ حضورؐ میرے پاس آئے ور میں اس وقت رو رہی تھی۔ فرمایا کیوں روتی ہو۔ میں نے کہا کاش میں اس سال حج کے ے نہ آئی ہوتی۔

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَمْ اَحُجَّ الْعَامَ قَالَ لَعَلَّكِ نُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذٰلِكِ شَیْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰی بَنَاتِ اٰدَمَ فَافْعَلِیْ مَا یَفْعَلُ الْحَاجُّ غَیْرَ اَنْ لَا تَطُوْفِیْ بِالْبَیْتِ حَتّٰی تَطْهُرِیْ

(بخاری)

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ شاید تمہیں حیض آگیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا ہاں! حضورؐ نے فرمایا یہ تو ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے اب تم حاجیوں کے سب کام کرتی رہو صرف کعبہ کا طواف نہ کرو جب تک کہ پاک نہ ہو لو۔

فوائد و مسائل

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس عنوان کے ماتحت چھ آثار اور دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ ان سب سے انہوں نے یہ استدلال فرمایا ہے۔ کہ جنبی و حائضہ کو زبان سے تسبیح و تہلیل کرنا اور قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ داؤد ظاہری اور امام طبری و ابن منذر کا بھی یہی مذہب ہے (۲) مالکیوں کا قول یہ ہے۔ کہ حائضہ قرآن پڑھ سکتی ہے جنبی نہیں پڑھ سکتا (۳) اور شافعیہ و حنابلہ و حنفیہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ جنبی و حائضہ کو قرآن مجید کی تلاوت جائز نہیں ہے۔ احناف متعدد مرفوع حدیثوں کے پیش نظر یہ رائے قائم کرتے ہیں۔ یہ حدیثیں اور اس سلسلے کے مسائل گذشتہ اوراق میں گذر چکے ہیں —— یہاں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے پاس اپنے مسلک کے ثبوت میں صرف آثار و اقوال ہی ہیں۔ کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ رہا حدیث نمبر ۱ و نمبر ۲ سے ان کا استدلال تو اس میں نظر ہے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشاد "کہ حضور علیہ السلام اپنے سب وقتوں میں اللہ کا ذکر کرتے تھے" سے امام بخاری نے یہ استدلال فرمایا کہ علی کل احیانہ میں جنابت کی حالت بھی داخل ہے لہٰذا بحالت جنابت قرآن پڑھنا جائز ہوا —— لیکن امام بخاری کا یہ استدلال تام نہیں ہے۔ کیونکہ اگر علی کل احیانہ کے عموم میں "جنابت کی حالت" داخل ہے تو قضاء حاجت کی حالت بھی داخل ہے۔ لہٰذا اس دلیل کی بنا پر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ قضاء حاجت کے وقت بھی قرآن مجید پڑھنا جائز ہے —— اس کے علاوہ ذکر کا لفظ اگرچہ عام ہے۔ لیکن ذکر سے قرآن مجید کی تلاوت لینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ ثانیاً، علی کل احیانہ کے الفاظ سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے اوقات کا اکثر حصہ ذکر الٰہی میں گذرتا تھا۔ اور یہ محاورہ بھی ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو شب و روز عبادت ہی میں مصروف رہتا ہے۔ تو اس جملہ سے کوئی یہ نہیں سمجھتا۔ کہ وہ بحالت جنابت یا بحالت قضائے حاجت بھی عبادت کرتا ہے۔

بہ نیت دعا و مناجات جنبی کو قرآن پڑھنا جائز ہے

(۲) حکم بن عتیبہ کا یہ فرمانا کہ میں بحالت جنابت ذبح کرتا ہوں۔ یعنی بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ہوتا ہے تو اس سے بھی بحالت جنابت تلاوت قرآن مجید کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ بوقت ذبح یا کسی کام کو شروع کرنے

وقت جو بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔ وہ بہ نیت تلاوت نہیں پڑھی جاتی۔ بلکہ برکت کے لئے پڑھتے ہیں۔ اور احناف کے نزدیک بھی بطور تبرک و بہ نیت ذکر و دعا جنبی کو قرآن کی آیت پڑھنا جائز ہے۔

جیسے مصیبت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا یا کسی چیز کے گم ہو جانے پر عسی ربنا ان یبدلنا خیراً منہا پڑھنا جائز ہے۔

یعنی احناف کے نزدیک جنبی و حائضہ کو بہ نیت تلاوت قرآن مجید کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن محض بہ نیت ذکر و دعا و تبرک و استفتاح و مناجات وہ آیات جو ذکر و ثناء و مناجات و دعا ہوں۔ اگرچہ پوری آیت ہو جیسے آیۃ الکرسی بلکہ متعدد آیات کاملہ جیسے سورہ حشر شریف کی آخری تین آیتیں ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ سے آخر سورت تک بلکہ پوری سورت جیسے الحمد شریف یا کھانے یا سبق کی ابتداء کے لئے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا جنبی و حائض کو جائز ہے ——— (۴) ہرقل کے نام جو خط تھا۔ اس کی بسم اللہ اور سورہ آل عمران کی پوری آیت لکھی ہوئی تھی۔ امام بخاری نے اس سے یہ استدلال فرمایا کہ ہرقل کافر تھا اور کافر غسل جنابت نہیں کرتا۔ لہٰذا جنبی کو قرآن کی تلاوت جائز ثابت ہوئی۔ لیکن یہ استدلال بھی تام نہیں۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کافر ہر حال میں جنبی ہی ہو۔ ثانیاً، کافر کے لئے بہ نیت تلاوت قرآن مجید کا پڑھنا ممکن نہیں (۵) حج کے موقع پر جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب ایام سے ہوئیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ طواف کے سوا تمام مناسک حج ادا کرو۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ اس سے یہ استدلال فرماتے ہیں۔ کہ حائضہ کے لئے حضورؐ نے صرف طواف و نماز کی ممانعت فرمائی۔ دیگر ذکر و اذکار وغیرہ نہیں۔ اور ارکان حج میں دعا لبیک اور قرآنی الفاظ بھی ہیں۔ مثلاً سواری پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین۔ مگر امام بخاری کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جو دعائیں حج میں پڑھی جاتی ہیں۔ گو کہ وہ قرآنی الفاظ ہی ہوں وہ محض بہ نیت دعا و تبرک و مناجات ہی پڑھی جاتی ہیں۔ اور سوال تو بہ نیت تلاوت پڑھنے کا ہے فافہم۔

بہرحال یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ کہ امام بخاری کے پاس اپنے مسلک کے ثبوت میں آثار تو ہیں۔ مگر کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ لیکن مانعین کے پاس مرفوع حدیثیں ہیں۔ اور پھر ممانعت کی رائے قرآن مجید کی تعظیم تام سے اقرب بھی ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ امام بخاری اور ان کے مسلک کے علماء کے نزدیک بھی بحالت جنابت اور حیض تلاوت قرآن مجید نہ کرنا ہی افضل و اولیٰ ہے۔ اور یہ حضرات ان حدیثوں کو جن میں ممانعت آئی ہے۔ افضلیت و اولویت پر محمول کرتے ہیں۔ غرضکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اور آئمہ اربعہ شافعی، مالک، امام احمد بن حنبل و امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ کو تلاوت قرآن مجید جائز نہیں ہے۔

بَابُ الْاِسْتِحَاضَةِ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَا اَطْھُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوۃَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا ذٰلِکِ عِرْقٌ وَّلَیْسَ بِالْحَیْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتْ

باب استحاضہ کے بیان میں

حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں پاک نہیں ہوتی (خون نہیں رکتا) کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ حضورؐ نے فرمایا یہ ایک رگ کا خون ہے۔ حیض

الحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلٰوةَ فَاِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّيْ۔

(بخاری)

نہیں ہے۔ جب حیض کا خون آئے تو نماز چھوڑ دے۔ پھر جب اندازے سے حیض کے دن گذر جائیں۔ تو اپنے بدن سے خون دھو ڈال اور نماز پڑھ۔

استحاضہ اور اس کے مسائل

استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں۔ جو عورت کی شرمگاہ سے بوجہ بیماری خارج ہوتا ہے۔ اور جس رگ سے نکلتا ہے۔ اس کو عاذل کہتے ہیں۔ استحاضہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں نہ نماز معاف ہے نہ روزہ اور نہ ایسی عورت سے صحبت حرام ہے۔

(۲) استحاضہ اگر اس حد تک پہنچ گیا۔ کہ اس کو اتنی مہلت ہی نہیں ملتی کہ وضو کر کے فرض نماز ادا کر سکے۔ تو نماز کا پورا ایک وقت شروع سے آخر تک اسی حالت میں گذر جائے پر اس کو معذور سمجھا جائے گا۔ اب ایک وضو سے اس وقت میں جتنی نمازیں چاہے پڑھے۔ خون آنے سے اس کا وضو نہ جائیگا استحاضہ کے مسائل گذشتہ اوراق میں گذر چکے ہیں؛

بَابُ غَسْلِ دَمِ الْحَيْضِ

فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِحْدَانَا اِذَا اَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّيْ فِيْهِ (بخاری)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ اِحْدَانَا تَحِيْضُ ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ عَلٰى سَائِرِهِ ثُمَّ تُصَلِّيْ فِيْهِ (بخاری)

باب حیض کا خون دھونے کے بیان میں

ایک عورت نے حضور نبیؐ سے سوال کیا۔ یا رسول اللہ: بتائیے اگر ہم میں سے کسی کے کپڑے پر خون حیض لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو خون حیض لگ جائے تو اس کو کھرچ ڈالے۔ پھر پانی سے دھو ڈالے پھر اس میں نماز پڑھے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ہم میں سے کسی کو حیض آتا پھر جب وہ پاک ہوتی تو اپنے کپڑے سے خون کھرچ ڈالتی۔ پھر اس کو دھوتی۔ پھر سارے کپڑے پر پانی بہا دیتی۔ پھر اس میں نماز پڑھ لیتی۔

فوائد و مسائل

یہ دونوں حدیثیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ دھونے سے پہلے کھرچنے کی ہدایت اس لئے دی گئی تاکہ جو خون جم گیا ہے آسانی کے ساتھ دھویا جا سکے (۲) امت کا اجماع اس پر ہے کہ خون حیض نجس ہے (۳) اہل علم کے لئے یہ نکتہ قابل غور ہے کہ باوجود اس کے کہ خون حیض نجس ہے۔ مگر اس کے لئے "نضح" کا لفظ استعمال ہوا جو دھونے کے معنی میں ہے (۴) حضرت عائشہ رض جہاں جہاں خون لگا ہوتا اس کو دھو کر پھر وسوسہ دور کرنے کے لئے سارے کپڑے پر پانی ڈال دیتی تھیں؛

بَابُ اِعْتِكَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ

باب مستحاضہ کے اعتکاف میں بیٹھنے کے بیان میں

عنوان کا مقصود یہ بتانا ہے کہ جس عورت کو استحاضہ کی بیماری ہو وہ معتکف ہو سکتی ہے (۱) اس عنوان کے تحت امام نے تین حدیثیں لکھی ہیں۔ تینوں کے مضمون تقریباً ایک ہی ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِمْرَأَةٌ مِنْ اَزْوَاجِهٖ فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ وَالطَّسْتُ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّيْ (بخاری)

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ کی بیویوں میں سے ایک بیوی نے اعتکاف کیا۔ وہ سرخ خون اور زردی دیکھا کرتیں۔ اور طشت ان کے نیچے ہوتا۔ اور وہ نماز پڑھتی رہتیں۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ مستحاضہ کو مسجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھنا اور نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے نیچے طشت رکھ لیتی تھیں۔ بدائع میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ مستحاضہ عورت اپنے گھر میں اعتکاف کے لئے بیٹھے۔

بَابُ هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِيْ ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيْهِ

باب: کیا عورت کو جس کپڑے میں حیض آئے اس میں نماز پڑھ سکتی ہے؟

قَالَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ لِاِحْدَانَا اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيْضُ فِيْهِ فَاِذَا اَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيْقِهَا فَمَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا (بخاری)

امام مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رض نے فرمایا۔ ہم میں سے کسی کے پاس بھی سوائے ایک کپڑے کے دوسرا نہ ہوتا۔ بحالت حیض بھی اس کو پہنتی۔ جب اس میں بھی (ایک دو قطرے) خون لگ جاتا۔ تو تھوک لگا کر ناخن سے اس کو چھڑا ڈالتی۔

فوائد و مسائل قالت کے معنی صبت کے ہیں۔ کیونکہ قول کا لفظ اپنے اصلی معنی کے علاوہ بھی حسب اقتضاء مقام استعمال ہوتا ہے (۲) فَمَصَعَتْهُ کے معنے ملنے اور چھڑانے کے ہیں (۳) مطلب حدیث یہ ہے کہ بوجہ عسرت ایک ہی کپڑا ہوتا تھا۔ جو بحالت حیض بھی استعمال کیا جاتا۔ پھر اگر اس کپڑے پر کہیں وہ ایک بوند خون لگ کر جم جاتا تو تھوک لگا کر اس کو چھڑوا لیا کرتی تھیں۔ اور پھر اس کپڑے میں نماز پڑھتی تھیں (۴) حدیث ام سلمہ میں ہے کہ حیض کے دنوں میں پہننے کا کپڑا جدا ہوتا تھا۔ تو اس میں زمانہ وسعت کے حال کا بیان ہے۔ اور حدیث زیر بحث میں تنگی کی حالت کا بیان ہے۔ کہ عسرت کی وجہ سے ایک ہی کپڑے میں گذارہ کرنا پڑتا تھا۔

بَابُ الطِّيْبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ

باب غسل حیض کے وقت خوشبو لگانے کے بیان میں

مقصود عنوان یہ بتانا ہے۔ کہ عورت کے لئے یہ مستحب ہے۔ کہ جب حیض و نفاس کے غسل سے فارغ ہو۔ تو بدبو رفع کرنے کے لئے خوشبو لگائے۔ چنانچہ حدیث زیر عنوان میں ہے کہ حضور نے سوگ والی عورت کو بھی اس کی اجازت دی۔

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا نُنْهٰى اَنْ نُّحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰى

ام عطیہ نے کہا ہم کو کسی مردہ پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ مگر خاوند پر چار مہینہ

زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَّلَا نَكْتَحِلُ وَلَا نَتَطَيَّبُ وَلَا نَلْبَسُ ثَوْبًا مَّصْبُوْغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَّقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَّحِيْضِهَا فِيْ نُبْذَةٍ مِّنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ وَّكُنَّا نُنْهٰى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ (بخاری)

دس دن (سوگ کا حکم تھا) اور یہ حکم تھا کہ سوگ کے ایام میں سرمہ نہ لگائیں، خوشبو اور رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنیں۔ مگر جس کپڑے کا سوت بناوٹ سے پہلے رنگا گیا ہو۔ اور ہم کو حیض سے پاک ہوتے وقت یہ اجازت تھی کہ جب ہم میں سے کوئی غسل کرے تو تھوڑا سا کست الاظفار استعمال کرے اور ہم کو جنازہ کے ساتھ جانے سے بھی منع کیا گیا۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے طلاق میں بھی ذکر کیا، مسلم و ابو داؤد و ابن ماجہ و نسائی نے طلاق میں ذکر کیا ہے۔ لغت احداد کے معنی زیب و زینت کو ترک کرنے کے ہیں۔ ثَوْبَ عَصْبٍ وہ کپڑا جس کا سوت بناوٹ سے پہلے رنگ لیا گیا ہو۔ نبذہ کی جمع انباذ ہے اس کے معنی شئی یسیر ذرا سی چیز یا جگہ کے ہیں۔ کست اظفار۔ ابن التین نے کہا صحیح لفظ قسط اظفار ہے۔ اور ظفار سواحل عدن سے ایک ساحل ہے۔ جہاں سے عود ہندی آیا کرتی تھی۔ بعض نے کہا، ظفار بھی ایک قسم کی خوشبو ہے (۱) یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

سوگ کا مطلب اور اس کے مسائل

کہ زینت کو ترک کرے۔ یعنی ہر قسم کے زیور چاندی سونے جواہر وغیرہا کے اور ہر قسم اور ہر رنگ کے ریشم کے کپڑے اگرچہ سیاہ ہوں نہ پہنے اور بدن یا کپڑوں پر خوشبو استعمال نہ کرے۔ نہ تیل استعمال کرے اگرچہ اس میں خوشبو نہ ہو جیسے روغن زیتون اور سرمہ لگانا، کنگھی کرنا، مہندی لگانا اور زعفران یا کسم یا گیرو کا رنگا ہوا یا سرخ رنگ کا کپڑا پہننا منع ہے (۲) احناف کے نزدیک سوگ اس پر ہے جو عاقلہ بالغہ مسلمان ہو۔ اور موت یا طلاق بائن کی عدت ہو (۳) شوہر کے مرجانے پر عورت کے لئے چار مہینے —— دس دن تک سوگ کرنا واجب ہے (۴) اگر شوہر نے طلاق بائن دے دی ہے۔ تو عورت پر مدت عدت تک سوگ کرنا واجب ہے۔ حتی کہ اگر مرنے والے یا طلاق دینے والے نے سوگ نہ کرنے کی وصیت کردی یا منع کر دیا تو بھی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے (۵) کسی قریبی رشتہ دار کے مرجانے پر عورت صرف تین دن سوگ کر سکتی ہے اس سے زائد جائز نہیں (۶) کسی کے مرنے پر غم میں سیاہ کپڑے پہننا جائز نہیں۔ مگر عورت شوہر کے مرنے کے غم میں تین دن سیاہ کپڑے پہن سکتی ہے (۷) سوگ کے معنے محض ترک زینت کے ہیں۔ کسی کے سوگ میں بیٹھنا۔ منہ نوچنا واویلا کرنا اور زبان سے ناشکری کے کلمات نکالنا وغیرہ ناجائز و حرام ہے (۸) سوگ والی عورت کو عذر کی وجہ سے تیل لگانا۔ سرمہ استعمال کرنا۔ کنگھی کرنا جائز ہے۔ مثلاً آنکھیں آگئیں۔ یا ان میں درد [illegible] سر میں درد ہے یا تیل نہ لگانے سے سر میں درد ہو جاتا ہے جائز۔ (۹) وہی سخت خارش ہے تو [illegible] سکتی ہے۔ یا صورت یہ ہے کہ سوائے ریشمی یا رنگے ہوئے —— کپڑوں کے اور [illegible] نہیں ہے۔ تو انہیں کو پہن سکتی ہے مگر یہ ضرورت کے [illegible] (۱۰)۔ لہذا بقدر ضرورت

اجازت ہے۔ ضرورت سے زیادہ ممنوع ہے۔ مثلاً آنکھ میں بیماری ہے تو سیاہ سرمہ اس وقت لگا سکتی ہے۔ جبکہ سفید سرمہ سے کام چلے اور اگر رات میں لگانا کافی ہے تو دن میں لگانا جائز نہیں ہے۔

بَابُ دَلْكِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا إِذَا تَطَهَّرَتْ مِنَ الْحَيْضِ وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَتَّبِعُ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ

عَنْ عَائِشَةَ رض أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ قَالَ خُذِي فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِي بِهَا قَالَتْ كَيْفَ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِي فَاجْتَذَبْتُهَا إِلَيَّ فَقُلْتُ تَتَبَّعِي بِهَا أَثَرَ الدَّمِ

(بخاری)

باب۔ عورت جب حیض کا غسل کرے تو اپنا بدن ملے اور غسل کیونکر کرے۔ اور مشک آلود اون یا روئی سے خون کے مقام کو صاف کرے۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ کہ ایک عورت نے حضور سے غسل کی کیفیت دریافت کی۔ تو آپ نے اسے غسل کا طریقہ بتایا۔ کہ مشک آلود روئی یا اون کا ایک ٹکڑا لو اور اس سے طہارت کرو۔ اس عورت نے عرض کی کیسے طہارت کروں۔ فرمایا سبحان اللہ طہارت کر۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا اور اس کو سمجھا دیا۔ کہ جہاں خون کے نشان ہوں ان کو لگا کر صاف کرو۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو طہارت میں بھی ذکر کیا اور مسلم و نسائی نے بھی طہارت میں بھی ذکر کیا (۲) عنوان کا مقصود تین امور کا بیان کرنا تھا۔ اول: حائضہ بوقت غسل اپنے بدن کو ملے دوم غسل کس طرح کرے۔ سوم: بوقت غسل خوشبو استعمال کرے۔ حدیث زیر عنوان میں صرف تیسری بات کا ذکر ہے اول و دوم کا نہیں۔ شارحین نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ سب سے اچھا جواب یہ ہے۔ کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کا انداز فکر یہ ہے۔ کہ عنوان میں ایسے امور کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ جو حدیث کے بعض دوسرے طرق میں مذکور ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملنے اور کیفیت غسل کا بیان حدیث مسلم میں ہے۔ جس کو امام نے اس لئے روایت نہیں کیا کہ وہ ان کی شرط پر نہ تھی۔ حدیث مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ پانی اور بیری کے پتے لے اور خوب اچھی طرح نہائے پھر سر پہ پانی بہائے اور خوشبو استعمال کرے (۳) یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے

(۱) غسل حیض و نفاس میں بدن کے ہر اس حصہ پر جہاں خون لگا ہے کسی خوشبو کا استعمال کرنا مستحب ہے وقتِ استعمال میں دو قول ہیں یہ کہ غسل سے قبل خوشبو استعمال کرے یا یہ کہ غسل کے بعد استعمال کرے (۲) مسائل شرعیہ کے پوچھنے میں عار نہ ہونی چاہئے (۳) تعجب کے وقت سبحان اللہ کہنا (۴) عورت کا عالم سے سوال کرنا (۵) بڑے عالم کی موجودگی میں کم علم والے کا مسئلہ کی تشریح کرنا جب کہ عالم اس بات سے راضی ہو (۶) سائل کو نرمی سے جواب دینا (۷) سمجھنے کے لئے دوبارہ سوال پر نہ جھڑکنا۔

بَابُ غُسْلِ الْمَحِيضِ

باب حیض کے غسل کے بیان میں

اس باب میں امام نے تقریباً مذکورہ بالا مضمون کی حدیث ہی ذکر کی جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انصار میں سے ایک عورت نے دریافت کیا غسل

حیض کس طرح کروں حضورؐ نے فرمایا مشک آلود روئی کا پھایہ لے اور تین بار اس سے طہارت کر پھر حضور علیہ السلام کو حیا آ گئی۔ آپ نے منہ پھیر لیا۔ بالآخر میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ کر حضورؐ کی مراد بیان کر دی۔

بَابُ امْتِشَاطِ الْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ

أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ أَهْلَلْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَكُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ فَزَعَمَتْ أَنَّهَا حَاضَتْ وَلَمْ تَطْهُرْ حَتَّى دَخَلَتْ لَيْلَةُ عَرَفَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰذِهِ لَيْلَةُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّمَا كُنْتُ تَمَتَّعْتُ بِعُمْرَةٍ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي وَأَمْسِكِي عَنْ عُمْرَتِكِ فَفَعَلْتُ فَلَمَّا قَضَيْتُ الْحَجَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ فَأَعْمَرَنِي مِنَ التَّنْعِيمِ مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِي نَسَكْتُ

(بخاری)

باب غسل حیض کے وقت کنگھی کرنے کے بیان میں۔

حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں میں نے حضورؐ کے ہمراہ حجۃ الوداع میں احرام باندھا۔ اور میں ان لوگوں میں تھی جنہوں نے تمتع کیا تھا۔ اور قربانی کا جانور نہیں بھیجا تھا۔ مگر میں حیض میں مبتلا ہو گئی یہاں تک کہ ۹ ذی الحجہ کی رات آ گئی۔ لیکن میں پاک نہیں ہوئی۔ چنانچہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کی۔ یہ تو عرفہ کی رات آ گئی۔ اور میں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اب کیا کروں۔ آپ نے فرمایا سر کھول کر کنگھی کر لو۔ عمرہ مت کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب میں حج کر چکی۔ تو آپ نے محصب کی رات میں عبد الرحمن رض حضرت عائشہ رض کے بھائی کو حکم دیا۔ انہوں نے اس عمرہ کے بدلے جس کا احرام میں نے پہلے باندھا تھا دوسرا عمرہ تنعیم سے کرایا۔

فوائد و مسائل (۱) تنعیم مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جو حدود حرم میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ یہاں ایک مسجد بھی ہے جسے مسجد عائشہ کہتے ہیں (۲) حضرت حسن بصری و طاؤس و امام احمد بن حنبل نے حدیث زیر بحث سے استدلال کیا۔ کہ غسل حیض کے لئے عورت کو چوٹی کھولنا واجب ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے حضرت عائشہ رضہ سے فرمایا انقضی راسك اپنے سر کے بال کھول ڈال لیکن جمہور علماء نے فرمایا۔ یہ حکم استحبابی ہے۔ کیونکہ حدیث ام سلمہ میں یہ تصریح ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے انہیں یہ فرمایا۔ کہ غسل حیض میں تیرے لئے بالوں کی جڑوں کا تر کر لینا کافی ہے۔ اور روایت مسلم میں حیض و جنابت دونوں کے لئے یہی مروی ہے۔ اس لئے احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے۔ کہ عورت کو غسل حیض و نفاس و جنابت میں چوٹی کو کھول کر سر کا دھونا واجب نہیں، صرف بالوں کی جڑوں کو تر کر لینا ضروری ہے۔ ہاں اگر چوٹی اتنی سخت گندھی ہو کہ بے کھولے جڑیں تر نہ ہوں گی۔ تو ایسی صورت میں چوٹی کو کھولنا واجب ہے۔

بَابُ نَقْضِ الْمَرْأَةِ شَعْرَهَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِيضِ

باب حیض کے غسل میں عورت کا بال کھولنا واجب ہے یا نہیں؟

اس عنوان کے ماتحت بھی حدیث عائشہ صدیقہ رض ذکر کی ہے جس کا ترجمہ و ترجمانی کے اوپر گذر چکی ہے

جس پر ہم نے نمبر ۲ دیا ہے:

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى عَزَّ وَجَلَّ مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

باب آیت مخلقہ و غیر مخلقہ کی تفسیر کے بیان میں

اس عنوان سے امام کی غرض یہ بتانا ہے کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا۔ کیونکہ خونِ حیض جنین کی غذ ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ، احمد بن حنبل، ابن ثور، ابن المنذر، اوزاعی، ثوری، حسن بصری، شعبی، عطا، ابوعبید سعید بن المسیب، محمد بن المنکدر، جابر ابن زید، مکحول، زہری، حکم، حماد، اور امام شافعی (فی احد قولیہ) کا یہی مسلک ہے (۱) اور بعض مالکیہ و اسحاق کا قول یہ ہے کہ اگر حاملہ کی ابتدائے حمل میں خون آئے تو وہ حیض ہے اور اگر حمل کے آخری ایام میں آئے تو حیض نہیں ہے (۲) ابن بطال نے کہا، امام بخاری نے یہ عنوان باندھ کر لوگوں کی تائید و توثیق کی ہے جو حاملہ کے لئے حیض آنے کے قائل نہیں ہیں ——— لہٰذا اگر حاملہ کو خون آجائے تو وہ حیض نہیں قرار پائے گا۔ اور ایسی صورت میں وہ روزہ بھی رکھے گی اور نماز بھی پڑھے گی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا يَقُوْلُ يَا رَبِّ نُطْفَةٌ يَا رَبِّ عَلَقَةٌ يَا رَبِّ مُضْغَةٌ فَإِذَا أَرَادَ اللهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهُ قَالَ أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثٰى شَقِيٌّ أَمْ سَعِيْدٌ فَمَا الرِّزْقُ وَمَا الْأَجَلُ قَالَ فَيُكْتَبُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ۔

(بخاری)

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل رحمِ مادر میں ایک فرشتہ کو مقرر کر دیتا ہے۔ جو عرض کرتا ہے۔ الٰہی نطفہ ہے۔ الٰہی اب علقہ ہو گیا۔ الٰہی اب مضغہ ہو گیا پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے مرد ہے یا عورت، بدبخت ہے یا نیک بخت اس کی روزی کہاں ہے اور عمر کیا؟ تو یہ سب کچھ شکمِ ما ہی میں لکھ دیا جاتا ہے:

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام نے خلقِ آدم اور قدر میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے قدر میں (۲) امام راغب نے فرمایا کہ نطفہ ماءِ صافی کو کہتے ہیں، ویسے اصل میں نطفہ اس پانی کو کہتے ہیں۔ جو حوض یا کنوئیں یا پیالہ میں بہت تھوڑی مقدار میں بچ جاتا ہے۔

علقہ جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کو کہتے ہیں جس میں حیاتیت نہیں ہوتی۔ اور جو منی سے بنتا ہے۔

مضغہ: گوشت کا ٹکڑا جو علقہ سے بنتا ہے۔ اصل لغت میں مضغہ ایک لقمہ گوشت کو کہتے ہیں

مخلقہ کے معنے تام الخلق کے ہیں اور جو تام الخلق نہ ہو وہ غیر مخلقہ ہے۔ بعض نے مخلقہ و غیر مخلقہ کی تفسیر مصورہ و غیر مصورہ کے الفاظ سے کی ہے۔

امام مجاہد، قتادہ، شعبی، ابی العالیہ و عکرمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے مروی ہے کہ غیر مخلقہ سے مراد سق ہے (یعنی کچا بچہ) تفسیر مظہری

پوری آیت یہ ہے:-

فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ (حج)

پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے نقشہ بنی اور بے نقشہ بنی۔

اس آیت میں انسان کے مدارج پیدائش کو بیان کر کے یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جو قادر مطلق خدا ایک بے جان مٹی میں اتنے انقلاب کر کے جاندار آدمی بنا دیتا ہے۔ وہ مرے ہوئے انسان کو دوبارہ زندہ فرما دے۔ تو اس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔ لہذا منکرین بعث کو اپنے ابتدار پیدائش کے حالات پر نظر رکھ کر بعث یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو سمجھ لینا چاہیئے۔

امام قسطلانی نے فرمایا۔ کہ حدیث زیر بحث میں ان **یقضی خلقہ** کے جو لفظ ہیں۔ یہ ہی تو فقہ الباب ہے۔ یعنی مخلقہ وہ ہے جس کو اللہ تعالےٰ شکل و صورت عطا فرماتا ہے۔ اور اس کے تمام اعضاء وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور غیر مخلقہ وہ ہے جس کی شکل و صورت و اعضاء پیدا نہیں ہونے (یعنی کچا بچہ) تو آیت میں جو مخلقہ و غیر مخلقہ کے الفاظ آئے ہیں ان کا بھی یہ ہی مطلب ہے:۔

فائدہ امام شافعی کے نزدیک بچہ چار سال تک شکم مادر میں رہ سکتا ہے اور امام اعظم کے نزدیک دو سال تک (۲) علامہ قاضی عیاض نے فرمایا۔ کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک سو بیس دن کے بعد نفخ روح ہوتا ہے یعنی جب چار ماہ گذر جائیں اور پانچواں مہینہ شروع ہو جائے تو پھر بچہ میں جان پڑجاتی ہے (۳) چھ سال کی عمر تک طفل ہے اس کے بعد صبی (۴) مدارج پیدائش یہ ہیں:۔ اول نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر مخلقہ پھر طفل پھر صبی (۵) حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ تو اگر مضغہ ساقط ہوا اور اعضاء میں سے کوئی عضو مثلاً آنکھ یا ہاتھ بن گیا ہو۔ تو عدت پوری ہو جائے گی۔ ورنہ نہیں (۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان رحم مادر میں ہوتا ہے۔ اور نفخ روح کا وقت آتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علم حاصل کر کے اس کے متعلق نوشتہ تقدیر مرتب کرتا ہے۔ جس میں اس کا مرد یا عورت ہونا۔ موت و حیات۔ رزق۔ شقاوت یا سعادت کی تفصیل ہوتی ہے۔ یعنی ان امور کا ظہور فرشتہ پر ہوتا ہے۔ اور اس کو ان امور کی کتابت اور ان کو نافذ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اس کا ارادہ اور علم تو اس سے بھی سابق ہے۔ (فافہم)

مسئلہ تقدیر کے متعلق مکمل بحث انشاء اللہ العزیز کتاب القدر میں کی جائے گی۔

بَابٌ كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

باب حائضہ عورت حج و عمرہ کا احرام کیسے باندھے؟

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کہتی ہیں۔ کہ ہم نبی علیہ السلام کے ساتھ حجۃ الوداع میں (مدینہ سے) روانہ ہوئے ہم میں سے کسی نے تو عمرہ کا احرام باندھا اور کسی نے حج کا جب ہم مکہ پہنچے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور

وَلَمْ يُهْدِ فَلْيَحْلِلْ وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ
وَاَهْدٰى فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ نَحْرُ
هَدْيِهٖ وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهٗ
قَالَتْ فَحِضْتُ فَلَمْ اَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى
كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ اُهْلِلْ اِلَّا بِعُمْرَةٍ
فَاَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَنْ اَنْقُضَ رَاْسِيْ وَاَمْتَشِطَ وَاُهِلَّ
بِالْحَجِّ وَاَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ
حَتّٰى قَضَيْتُ حَجِّيْ فَبَعَثَ مَعِيَ
عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَاَمَرَنِيْ اَنْ اَعْتَمِرَ
مَكَانَ عُمْرَتِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ۔

(بخاری)

وہ قربانی ساتھ نہ لایا ہو تو وہ احرام کھول دے
اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو۔ اور قربانی سا
لایا ہو۔ وہ جب تک قربانی نہ ذبح کر لے۔ احرام
نہ کھولے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے کہا مجھے حیض آگیا
(عرفہ) کے دن تک برابر حائضہ رہی اور میں نے عمر
ہی کا احرام باندھا تھا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
حکم دیا تھا کہ میں سر کھول ڈالوں۔ اور بالوں میں
کنگھی کروں اور حج کے لئے از سر نو احرام باندھ
اور عمرہ ترک کر دوں میں نے ایسا ہی کیا۔ حتیٰ کہ ا
حج پورا کر لیا۔ اس وقت حضورؐ نے عبدالرحمٰن بن ابو
کو میرے ساتھ بھیجا اور مجھ کو حکم دیا۔ کہ میں اپنے
بدلے دوسرے عمرہ کا احرام تنعیم سے باندھوں؛

اس حدیث کے مسائل ہم انشاء اللہ العزیز کتاب الحج میں ذکر کریں گے۔

بَابُ اِقْبَالِ الْمَحِيْضِ وَاِدْبَارِهٖ

(۲) وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ اِلٰى عَائِشَةَ رضؓ
بِالدُّرْجَةِ فِيْهَا الْكُرْسُفُ فِيْهِ الصُّفْرَةُ
فَتَقُوْلُ لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ
الْبَيْضَاءَ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ
مِنَ الْحَيْضَةِ

(بخاری)

(۳) وَبَلَغَ بِنْتَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ
نِسَاءً يَدْعُوْنَ بِالْمَصَابِيْحِ مِنْ جَوْفِ
اللَّيْلِ يَنْظُرْنَ اِلَى الطُّهْرِ فَقَالَتْ
مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هٰذَا وَ
عَابَتْ عَلَيْهِنَّ

(بخاری)

باب حیض کے شروع ہونے اور ختم ہونے کے بیان

(۱) اور عورتیں حضرت عائشہ رضؓ کے پاس ڈبیہ
جس میں روئی ہوتی اور وہ روئی زردی مائل ہو
حضرت عائشہ رضؓ فرماتیں جلدی نہ کرو جب تک
کی طرح سفید (رطوبت) نہ دیکھو۔ اس سے حضرت
کا مقصود یہ بتانا تھا چونے کی طرح سپید رطوبت جب
لگ جائے تب سمجھو کہ پاک ہو گئی)

(۲) اور زید ابن ثابت کی بیٹی (ام کلثوم) کو
ملی۔ کہ بعض عورتیں آدھی آدھی رات کو چراغ
دیکھتی ہیں۔ کہ وہ پاک ہوئیں یا نہیں۔ تو انہوں
کہا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ حیات میں عورتیں
نہیں کرتی تھیں۔ اور انہوں نے ان کے اس
برا قرار دیا۔

فوائد و مسائل

درجہ اس ڈبیہ کو کہتے ہیں۔ جس میں عورتیں خوشبو وغیرہ رکھتی ہیں (جمع
روئی کو کہتے ہیں۔ ویسے اس لفظ کا استعمال ہر اس چیز کے لئے ہوتا ہے۔ جو
ایام ماہواری میں رطوبت کو روکے رکھنے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ مثلاً روئی کی گدی یا کپ

وغیرہ کی گدی۔ القصۃ البیضاء۔ قص کے معنے چونے کے ہیں (۲) عورتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی خدمت میں وہ ڈبیہ مع روئی کے بھیج دیتی تھیں۔ جس میں خون کی زردی ہوتی تھی۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ حضرت عائشہ رضہ اسے دیکھ کر بتائیں۔ یہ زردی خون حیض ہے یا نہیں۔ حضرت عائشہ رضہ جواب دیتیں کہ ابھی حیض بند ہوا نہ سمجھو۔ جب تک چونے کی طرح سپید رطوبت نہ آئے۔ اس وقت تک پاک نہ ہوگی (۳) اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ مدت حیض میں زرد رطوبت آئے۔ تو وہ حیض ہی قرار پائے گی۔ امام اعظم ابوحنیفہ و شافعی و مالک علیہم الرحمۃ کا یہی مذہب ہے (۴) خون حیض کے ۶ رنگ ہوتے ہیں۔ سیاہ، سرخ، سبز، زرد، گدلا، مٹیالہ۔ جب تک مدت حیض میں ان رنگوں میں سے کسی رنگ کی رطوبت نکلے۔ تو اس کو حیض سمجھنا چاہیئے۔ اور سفید رنگ کی رطوبت۔ حیض نہیں۔ جب سفید رنگ کی رطوبت آنے لگے تو حیض کے ختم ہونے اور طہر کے شروع ہونے کی علامت ہے۔

اور حدیث نمبر ۲ میں ہے۔ کہ عورتیں۔ رات کو اٹھ اٹھ کر دیکھا کرتی تھیں۔ کہ پاک ہوئیں یا نہیں۔ تو حضرت زید بن ثابت کی صاحبزادی ام کلثوم نے ان کے اس فعل کو معیوب قرار دیا۔ اور یہ کہا کہ شریعت آسان ہے۔ اس میں ایسی تنگی نہیں۔ کہ راتوں کو چراغ جلا جلا کر یہ دیکھا جائے کہ حیض بند ہوا یا نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اپنی طرف سے احتیاطاً کسی بات کو لازم کر لینا۔ جس سے آدمی تنگی میں پڑ جائے۔ اور وہ کام گراں ہو جائے تقویٰ نہیں ہے۔ اور نہ ایسی بے جا احتیاط شارع علیہ السلام کو مطلوب و محبوب ہے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِیْ
حُبَیْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَسَاَلَتِ
النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكِ
عِرْقٌ وَّلَیْسَتْ بِالْحَیْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتِ
الْحَیْضَةُ فَدَعِی الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ
فَاغْتَسِلِیْ فَصَلِّیْ (بخاری)

حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت
حبیش استحاضہ میں مبتلا تھیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام
سے مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو ایک
رگ (کا خون) ہے۔ حیض نہیں۔ جب حیض آئے تو نماز
ترک کر دو۔ اور جب بند ہو جائے۔ تو غسل کر کے
نماز پڑھو۔

عنوان سے حدیث ہذا کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں حیض کے آنے اور بند ہونے کا ذکر ہے۔ اس حدیث پر مفصل بحث اور اس کے مسائل فیض الباری جلد اول پر گذر چکے ہیں۔

بَابُ لَا تَقْضِی الْحَائِضُ الصَّلٰوةَ

(۱) قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَبُوْ سَعِیْدٍ
عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
تَدَعُ الصَّلٰوةَ (بخاری)

(۲) حَدَّثَتْنِیْ مُعَاذَةُ اَنَّ امْرَاَةً
قَالَتْ لِعَائِشَةَ اَتَجْزِیْ اِحْدَانَا

باب حائضہ عورت نماز کی قضا نہ کرے

(۱) جابر بن عبد اللہ و ابوسعید نے روایت
کی۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حائضہ
عورت نماز نہ پڑھے

(۲) حضرت معاذہ سے روایت ہے کہ ایک عورت
نے حضرت عائشہ رضہ سے دریافت کیا۔ ہم طہر میں ایام

صَلوٰتَهَا اِذَا طَهُرَتْ فَقَالَتْ اَحَرُوْرِيَّةٌ
اَنْتِ قَدْ كُنَّا نَحِيْضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَاْمُرُنَا بِهٖ اَوْ قَالَتْ
فَلَا نَفْعَلُهٗ (بخاری)

حیض کی نمازیں قضا کر لیا کریں۔ آپ
فرمایا۔ کیا تو حروریہ ہے؟ ہم حضورؐ کے ز
میں حیض میں مبتلا ہوتے۔ اور آپ ہمیں ق
کا حکم نہیں دیتے تھے۔

فوائد و مسائل حدیث اول سے معلوم ہُوا کہ ایام حیض کی نماز معاف ہے۔ اور ان نمازوں ک قضا بھی نہیں ہے۔

امام نے عنوان میں لا تقضی کا لفظ استعمال کیا۔ اور حدیث میں تدع کا لفظ ہے یعنی ام یہ کہا۔ کہ ایام حیض میں چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا نہیں۔ اور حدیث میں حضورؐ نے یہ فرمایا۔ کہ ایام حیض میں نماز چھوڑ دے۔ تو اس تعلیق کی ترجمہ سے مناسبت یوں قائم ہوگی۔ کہ ترک صلوٰۃ عدم قض مستلزم ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام جس چیز کے ترک کا حکم دیں۔ تو اس کا کرنا واجب نہیں ہوتا پس کی قضا بھی واجب نہ ہوگی۔ فافہم

ہر حال مسئلہ یہ ہے کہ ایام حیض میں نمازیں معاف ہیں اور ان کی قضا بھی ——— الب کی قضا اور دونوں میں فرض ہے

حدیث دوم کو مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا۔ اور نسائ کتاب الصوم میں بھی ذکر کیا ہے (۲) اتجزی احدنا کے معنی اتقضی کے ہیں۔ جیسے آی لا تجزی نفس عن نفس شیئا میں ہے تو آپ نے سائل سے کہا تو خارجی تو نہیں؟ (جو ا واضح اور متعین مسئلہ کو پوچھتا ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ سائل نے کہا میں خارجی نہیں ہوں مگر صر کے لئے سوال کرتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ حضور علیہ السلام ہمیں ایام حیض کی فوت نمازیں قضا کرنے کا حکم نہیں فرمایا کرتے تھے ——— اس حدیث سے ثابت ہُوا کہ ایام حیض فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو حضورؐ حکم فرماتے۔ اس مسئلہ پر تمام آئمہ کا اتفاق صرف خارجی وجوب قضا کا قول کرتے ہیں۔ جو کتاب و سنت و اجماع امت کے خلاف ہے (۳) نماز کی قضا ن میں یہ حکمت ہے۔ کہ نماز ہر روز پانچ بار پڑھی جاتی ہے۔ تو اگر ایام حیض کی فوت شدہ نمازوں کی قضا کا حک تو اس میں تنگی اور حرج ہوتا اور دین اسلام میں حرج نہیں ہے۔ ما جعل علیکم فی الدین حرج۔ اور روزے چونکہ تمام سال میں ایک بار آتے ہیں۔ اور ان کی قضا مشکل نہیں۔ اس روزوں کی قضا کا حکم دیا گیا۔

بَابُ النَّوْمِ مَعَ الْحَائِضِ وَهِيَ فِيْ ثِيَابِهَا

باب۔ حائضہ کے ساتھ سونا۔ جب کہ وہ حیض کپڑے پہنے ہو۔

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ ایام حیض میں عورت کی ناپاکی حکمی ہوتی ہے۔ اور ان ایام میں اس سے اور اس کے ساتھ بیٹھنا، اٹھنا، سونا جائز ہے۔ صرف مجامعت کی ممانعت ہے

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ حِضْتُ وَأَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيلَةِ فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي فَلَبِسْتُهَا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِي فَأَدْخَلَنِي مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ قَالَتْ وَحَدَّثَتْنِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ (بخاری)

حضرت ام المومنین ام سلمہ کہتی ہیں۔ کہ میں نبی علیہ السلام کے ہمراہ ایک لوئی میں لیٹی ہوئی تھی۔ کہ مجھے حیض آگیا۔ میں چپکے سے سرک گئی۔ اور اپنے حیض کے کپڑے پہن لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ تجھ کو نفاس (حیض) آگیا۔ میں نے عرض کی جی ہاں۔ پھر آپ نے مجھے بلایا۔ اور لوئی کے اندر مجھے داخل کر لیا نیز حضرت ام سلمہ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ حضور علیہ السلام روزہ میں میرا بوسہ لیتے۔ اور میں اور وہ دونوں مل کر ایک ہی برتن سے غسل جنابت بھی فرما لیتے تھے

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

حائضہ عورت کے ساتھ ایک بستر میں سونا جائز ہے۔ بحالت روزہ اپنی بیوی کا بوسہ لینا جائز ہے۔ عورت کا ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرنا جائز ہے۔ ان مسائل کی مزید تشریح فیض الباری پارہ اول دوم میں ملاحظہ فرمائیے:۔

بَابُ مَنِ اتَّخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوَى ثِيَابِ الطُّهْرِ

باب ایام حیض میں پہننے کے لئے علیحدہ کپڑے رکھنا۔

اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث ام سلمہ (یہ) ذکر کی ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ ایام حیض میں پہننے کے لئے اگر عورتیں کپڑے مخصوص کر لیں تو جائز ہے بلکہ مستحب ہے (۲) یہ حدیث عائشہ کے مخالف نہیں ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے کہ ہمارے پاس اس زمانہ میں ایک ہی کپڑا تھا۔ کیونکہ اوقات کا ذکر ہے۔ تنگی کے زمانہ میں ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جس میں حیض و طہر کے ایام گذرتے تھے۔ جب اللہ تعالے نے فراخی عطا فرمائی تو پھر کئی کپڑے بنا لئے حیض کے ایام میں پہننے کے لئے الگ اور حالت میں پہننے کے لئے الگ:۔

بَابُ شُهُودِ الْحَائِضِ الْعِيدَيْنِ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى

عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ فِي الْعِيدَيْنِ فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا وَكَانَ زَوْجُ

باب حائضہ عورتوں کا عیدین میں آنا اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا

حضرت حفصہ کہتی ہیں۔ کہ ہم کنواری جوان عورتوں کو عیدین میں جانے سے منع کرتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک عورت آئی۔ اور بنی خلف کے محل میں اتری۔ اور اس نے اپنی بہن ام عطیہ سے حدیث

أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً وَكَانَتْ أُخْتِي مَعَهُ فِي سِتٍّ قَالَتْ فَكُنَّا نُدَاوِي الْكَلْمٰى وَنَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى فَسَأَلَتْ أُخْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعَلٰى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بِأَبِي نَعَمْ وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِي سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ تَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضُ وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى قَالَتْ حَفْصَةُ فَقُلْتُ الْحُيَّضُ فَقَالَتْ أَلَيْسَتْ تَشْهَدُ عَرَفَةَ وَكَذَا وَكَذَا

(بخاری)

بیان کی۔ کہ اس کے بہنوئی نے حضور علیہ السلام کے ہم بارہ غزوات میں شرکت کی۔ اور چھ غزوات میں میر بہن بھی آپ کے ساتھ تھی۔ تو ہم فوج میں زخمیو کی مرہم پٹی اور بیماروں کی خبر گیری کیا کرتے۔ ایک میری بہن نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں سے کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو اور وہ دن نکلے تو کچھ حرج تو نہیں؟ حضور نے فرمایا۔ چا کہ اس کی ساتھیں اپنی چادر اس کو بھی اوڑھا لیں جانا چاہیئے۔ کہ عورتیں ثواب کے کاموں میں اور مسلمانوں دعا میں شریک ہوں۔ پھر جب ام عطیہ آئیں تو نے ان سے پوچھا۔ کہ تم نے یہ حدیث نبی علیہ السلام سنی ہے؟ انہوں نے کہا میرا باپ آپ پہ قربان راوی ام عطیہ جب بھی حضور کا ذکر کرتیں یہ کہتیں میر آپ پر قربان ہو۔ میں نے حضور کو یہ فرماتے س کہ کنواری جوان عورتیں اور پردہ والیاں اور ح والیاں (عید کے دن) نکلیں۔ اور ثواب کے کام اور مومنین کی دعا میں شریک ہوں۔ اور حیض وا نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔ حضرت حفصہ رض نے حائضہ عورتیں بھی عیدگاہ جائیں؟ تو ام عطیہ نے کیا حائضہ عورتیں عرفات اور فلاں فلاں مقامو نہیں آتیں؟

فوائد و مسائل

امام بخاری نے اس حدیث کو عیدین و حج میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور مسلم نے عیدین میں اور ت و نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں (۱) عواتق جمع عاتق کی ہے۔ شادی کے قابل عورت یا ہوائی کے قریب ہوں یا جو گھر میں محبوس ہو ——— یا جو کام کاج سے آزاد ہوں۔ ان کو عاتق کہتے ہیں۔ جلب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ جس سے چہرہ اور سینہ وغیرہ چھپ سکے۔ الخیر و دعوۃ المسلمین وعظ و نصیحت کی مجالس جمعہ و عیدین کسوف و خسوف کی نمازیں مراد ہیں۔ قصر بنی خلف یہ بصرہ میں محمد بن عبداللہ بن الخزاعی جن کو طلحۃ الطلحات بھی کہتے ہیں۔ ان کی طرف منسوب ہے یہ سیستان کے امیر تھے۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) حائضہ عورت کو ذکر و دعا کی ممانعت نہیں ہے (۲) مستورات کو چادر یا برقع کے بغیر باہر

نہیں ہے (۳) عورتوں کو جمعہ و عیدین و مجالس وعظ و نصیحت میں پردہ کے اہتمام کے ساتھ جانا اور شریک ہونا ہے (۴) بوقت ضرورت شرعیہ عورتوں کو جہاد میں شریک ہونا اور زخمیوں کی مرہم پٹی و تیمارداری جائز ہے (۵) مصلیٰ: اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہو کر نماز عید وغیرہ پڑھیں جیسے عید گاہ وغیرہ۔ حضور علیہ السلام کے میں عید گاہ مسجد کے حکم میں نہ تھی۔ اس لئے وہاں حائضہ عورتوں کو بھی حاضری کا حکم دیا گیا۔ ہمارے زمانہ میں عموماً عید گاہ مسجد ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا مسجد میں حائضہ عورت کا داخلہ جائز نہیں۔ (۶) بہرحال حائضہ عورتیں اگر عید گاہ میں حاضر ہوں۔ تو صرف وغیرہ میں شریک ہو جائیں۔ نماز نہ پڑھیں۔ ۱۲م

وضاحت (۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک، خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ اور اس وقت نہ تو آج کی سی عریانی و فحاشی تھی۔ اور نہ فتنوں میں آج کا سا فتنہ۔ پھر اس زمانہ میں مسلمان کم تھے۔ اس یدین میں مسلمانوں کی شوکت کے اظہار کے لئے حضور علیہ السلام کی ہدایت تھی۔ کہ عورتیں حتیٰ کہ حائضہ عورتیں مجالس مومنین میں شامل ہوں۔ لیکن اس کے بعد لوگوں میں وہ تقویٰ اور پاکبازی نہ رہی۔ تو مستورات سے بھی ے افعال سرزد ہونے لگے۔ جو ان کے شایان شان نہ تھے۔ تو صحابہ کی ایک جماعت کی یہ رائے ہوگئی۔ کہ مستورات و جماعات میں حاضری کی ممانعت کر دی جائے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رض نے فرمایا:۔
لو رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء بعد لمنعهن المساجد (عینی ج۲ ص۳۴)

اگر حضور ان حالات کو ملاحظہ فرماتے، جو عورتوں نے آپ کے وصال کے بعد پیدا کر لئے ہیں۔ تو حضور ضرور عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے منع فرما دیتے۔

چنانچہ علامہ قسطلانی و علامہ نووی نے اسی حدیث کے ماتحت یہ لکھا ہے۔ کہ خوبرو حسین عورتوں طرح بناؤ سنگار کر کے نکلنے والیوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ کیونکہ فتنہ کا خوف ے۔ عینی نے لکھا ہے:۔

قلت اليوم الفتوى على المنع مطلقا لاسيما في الديار المصرية (عینی ج۲ ص۳۴)

میں کہتا ہوں۔ کہ آج کے زمانہ میں فتویٰ یہ ہے کہ عورتوں کو مطلقاً نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ خصوصاً شہروں میں۔

بہرحال اگر صورت یہ ہو۔ کہ عورتیں بناؤ سنگار کر کے مجالس وعظ میں آئیں۔ یا مسجد میں نماز پڑھیں کی شرکت سے فتنہ پھیلے تو پھر انہیں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ لیکن اگر پردہ کا معقول انتظام ہو اور خوف بھی نہ ہو تو پھر نہ روکا جائے۔

بَابٌ اِذَا حَاضَتْ فِيْ شَهْرٍ ثَلَاثَ حِيَضٍ وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ فِي الْحَيْضِ وَالْحَمْلِ فِيْمَا يُمْكِنُ مِنَ الْحَيْضِ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

باب اگر ایک ہی مہینہ میں عورت کو تین بار حیض آئے اس کے بارے میں (۲) اور حیض و حمل کے معاملہ میں عورت کی بات کو سچ ماننے کے بیان میں جہاں تک ممکن ہو کیونکہ اللہ عزوجل

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْ اَرْحَامِهِنَّ

(بخاری)

نے فرمایا۔ عورتوں کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا۔

اس آیت میں عورتوں سے فرمایا گیا۔ کہ اگر وہ اللہ اور آخرت پر ایمان لاتی ہیں۔ تو انہیں یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے رحموں کے حمل کو چھپائیں۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ عورت کو حیض و حمل کی حالت کا اظہار کر دینا لازم ہے امام نے اسی آیت کے مفہوم کے مطابق عنوان قائم فرمایا۔ کہ آیت سے یہ ثابت ہوا کہ حیض و حمل کے معاملہ میں عورت کی بات مقبول ہے ورنہ ظاہر کر دینے سے فائدہ ہی کیا۔

وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَشُرَيْحٍ اِنْ جَاءَتْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ بِطَانَةِ اَهْلِهَا مِمَّنْ يُرْضٰى دِيْنُهٗ اَنَّهَا حَاضَتْ ثَلَاثًا فِیْ شَهْرٍ صُدِّقَتْ۔ (بخاری)

اور حضرت علی و قاضی شریح سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر عورت اپنے خاص گھر میں رہنے والے دیندار افراد کی گواہی پیش کرے کہ اس کو ایک مہینہ میں تین بار حیض آیا ہے اس کی بات مان لی جائے گی۔

فوائد و مسائل (۱) حضرت شریح بن حارث الکندی کو جناب فاروق اعظم رض نے کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا آپ کی ایک سو بیس برس کی عمر ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی انہیں منصب پر بحال رکھا (۲) مذکورہ بالا تعلیق کو دارمی نے موصولاً بیان کیا۔ کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس سے رجوع کرنا چاہا۔ تو عورت نے کہا۔ مجھے ایک ماہ میں تین بار حیض آیا ہے یعنی میری عدت گذر چکی ہے۔ اب تمہیں رجوع کا حق نہیں ہے۔ یہ مقدمہ حضرت علی رض کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے قاضی شریح کو حکم دیا کہ تم فیصلہ کرو۔ انہوں نے فیصلہ کیا۔ کہ اگر اس عورت کے خاص رشتہ داروں میں کوئی پرہیزگار دیانت دار یہ گواہی دے کہ اس کو ایک ماہ میں تین حیض آئے۔ اور یہ ہر حیض کے بعد پاک ہو کر نماز پڑھتی رہی۔ تب تو اس کا قول قابل قبول ہوگا یعنی عدت پوری ہو گئی۔ اور اب خاوند کو رجوع کا حق نہیں ہے۔ ورنہ نہیں۔ یہ فیصلہ سن کر حضرت علی رض نے کہا۔ قالون۔ یعنی یہ فیصلہ درست ہے۔ قالو رومی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے معنی ٹھیک اور درست کے ہیں۔

(۳) یہ اثر عنوان کے مطابق ہے۔ کیونکہ عنوان یہ تھا کہ حیض کے متعلق عورت کی بات مان لی جائے گی جبکہ اتنی میں تین حیض آنے ممکن ہوں۔ چنانچہ ایک ماہ میں تین دفعہ حیض کا آجانا ممکن ہے۔

واضح ہو کہ عنوان ہذا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہ و امام شا کے مذہب کے موافق نہیں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک حیض و طہر کی کم از کم مدت مقرر نہیں۔ اور اس میں عورتیں بیان کریں وہ معتبر ہے۔ لہذا امام مالک رح کے نزدیک ایک ماہ میں تین حیض آسکتے ہیں۔ اور اگر عورت دعو کرے تو وہ قبول کیا جا سکتا ہے۔

(۲) امام شافعی رح کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔ اور طہر کی کم مدت پندرہ دن ہیں اور عدت بھی ان کے نزدیک اطہار سے شروع ہوتی ہے۔ تو ان کے نزدیک ۵

ہر کے لئے اور ۳ دن حیض کے لئے ہونا ضروری ہیں۔ لہٰذا امام شافعی رح کے نزدیک ۳۳ دن میں عدت پوری ہوگی — یہ فرض کیا جائے۔ کہ شوہر نے آخر طہر میں طلاق دی ہے۔ تو اب دو طہر اور تین حیض کی ضرورت ہوگی۔ اس حساب سے شافعی کے نزدیک ۳۳ دن میں عدت پوری ہو سکتی ہے

(۲) سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں۔ یعنی پورے ۷۲ گھنٹے یک منٹ بھی اگر کم ہے تو حیض نہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ دس دن اور دس راتیں ہیں۔ اور طہر کم سے کم مدت پندرہ دن ہے —— اس حساب سے احناف کے نزدیک ۶۰ دن عدت کے لئے چاہیئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انتالیس (۳۹) دن میں عدت گزر جائے کیونکہ تین حیض کی اقل مدت تو ۹ دن ہے۔ اور دو طہر کی تیس دن۔ یوں ۳۹ دن میں بھی عورت کو تین حیض آسکتے ہیں۔ فافہم

پس اگر عورت ۳۹ دن یا ۶۰ دن میں عدت گزرنے کا دعویٰ کرے۔ تو قسم کے ساتھ اس کا قول ن لیا جائے گا۔

وَقَالَ عَطَاءٌ أَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ نَحْوَهُ
قَالَ اِبْرٰهِيْمُ
(بخاری)

اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ عدت سے پہلے جو اس کے حیض کے دن تھے وہی رہیں گے۔ ابراہیم نخعی کا بھی یہ ہی قول ہے

یعنی طلاق دینے سے پہلے جتنے دن اسے حیض آنے کی عادت تھی۔ اتنے دن ہی اس کی عادت کے مطابق اق کے بعد بھی شمار کئے جائیں گے۔ تو اگر وہ عدت گزرنے کا کسی مدت میں دعویٰ کرے۔ جو اس کی عادت کے خلاف ہے تو عورت کا قول نہیں مانا جائے گا یہ حضرت عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول ہے

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے عن ابن جریج، عن عطاء وصل کیا۔

وَقَالَ عَطَاءٌ اَلْحَيْضُ يَوْمٌ اِلٰى
خَمْسَةَ عَشَرَ

اور عطاء نے فرمایا۔ حیض ایک دن سے لے کر پندرہ روز تک ہوتا ہے۔

یعنی حضرت عطاء کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی مسلک ہے

اس تعلیق کو امام دارمی نے سند صحیح کے ساتھ وصل کیا ہے۔

وَقَالَ مُعْتَمِرٌ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ
سَاَلْتُ ابْنَ سِيْرِيْنَ عَنِ الْمَرْاَةِ تَرَى
الدَّمَ بَعْدَ قُرْئِهَا بِخَمْسَةِ اَيَّامٍ قَالَ
النِّسَاءُ اَعْلَمُ بِذٰلِكَ

اور معتمر نے اپنے باپ سلیمان سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا۔ اگر عورت پاک ہونے کے پانچ روز بعد پھر خون دیکھے؟ انہوں نے کہا عورتیں ان باتوں کو خوب جانتی ہیں۔

یعنی عورت اپنی عادت سے خوب واقف ہے۔ تو اگر سابقہ عادت اس کی یہ ہی ہے کہ پانچ روز کے بعد اس کو حیض آیا کرتا تھا۔ تو یہ حیض ہی گنا جائے گا۔ اور اس معاملہ میں عورت کی بات مانی جائے گی

اس کے بعد امام نے جو حدیث لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ فاطمہ بنت ابو حبیش نے حضور علیہ السلام سے پوچھا۔ مجھ کو استحاضہ کی بیماری ہے کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ فرمایا نہیں کیا ایسا کر۔

دَعِي الصَّلٰوةَ قَدْرَ الْاَيَّامِ الَّتِيْ كُنْتِ تَحِيْضِيْنَ فِيْهَا ثُمَّ اغْتَسِلِيْ وَصَلِّيْ

کہ اس بیماری سے پہلے جتنے دن تجھے حیض آیا کرتا تھا اتنے د نماز چھوڑ دے۔ پھر غسل کر اور نماز پڑھ۔

یہ حدیث باب الاستحاضہ اور باب غسل الدم میں گذر چکی ہے۔ اور وہاں اس کی پوری تفہیم و ترجمانی کی گئی ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جسے استحاضہ کی بیماری ہو۔ وہ عادت کے مطابق جتنے حیض کے دن ہیں اتنے دن نماز نہ پڑھے۔ پھر غسل کرلے اور نماز پڑھتی رہے ——— عنوان سے حدیث ہذا کی مناسبت واضح ہے۔ یعنی حیض کے معاملہ میں عورت کی عادت کا اعتبار کیا جائے گا۔

بَابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِيْ غَيْرِ اَيَّامِ الْحَيْضِ۔

باب حیض کے دنوں کے علاوہ اور دنوں میں خاکی اور زرد رطوبت کے آنے کے متعلق

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا

ام عطیہ رض نے کہا۔ کہ ہم خاکی اور زرد رنگ کی رطوبت کو (حیض) نہیں گنتے تھے۔

خون حیض کے رنگ

واضح ہو کہ حیض کے چھ رنگ ہیں۔ سیاہ، سرخ، سبز، زرد گدلا اور مٹیالا۔ سفید رنگ کی رطوبت حیض نہیں۔ تو اگر دس دن کے اندر رطوبت میں ذرا بھی میلاپن ہے۔ تو وہ حیض ہے۔ اور دس دن رات کے بعد بھی میلاپن باقی ہے۔ تو عادت والی کے لئے جو دن عادت کے ہیں حیض اور عادت کے بعد والے استحاضہ اور اگر کچھ عادت نہیں۔ تو دس دن رات تک حیض ہے باقی استحاضہ (۲) حضرت ام عطیہ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر عورت کو اپنی عادت کے مطابق جتنے دن خون آتا ہے۔ ان دنوں میں اگر خون کا رنگ بدل جائے۔ خاکی یا زردی مائل ہو جائے۔ تو وہ حیض ہی سمجھا جائے گا۔ اور جب حسب عادت مستمرہ حیض کے دن پورے ہو جائیں اور وہ نہالے۔ پھر خاکی یا زردی مائل رطوبت خارج ہو تو یہ حیض میں شمار نہ ہوگی۔ اس رطوبت کے نکلنے سے نماز نہ چھوڑے۔ فافہم

حضرت امام احمد و امام شافعی و امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے (فتح الباری و قسطلانی)

(۲) حدیث ہذا کو ابوداؤد، ابن ماجہ و نسائی نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے۔

بَابُ عِرْقِ الْاِسْتِحَاضَةِ

باب استحاضہ کی رگ کے بیان میں

استحاضہ کا خون ایک رگ سے آتا ہے۔ جس کو عربی میں عاذل کہتے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ اسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فَسَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَغْتَسِلَ فَقَالَ هٰذَا عِرْقٌ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ (بخاری)

حضرت عائشہ رض سے مروی ہے۔ کہ ام حبیبہ کو سات برس تک استحاضہ رہا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ غسل کرلے۔ پھر فرمایا یہ رگ ہے (یعنی ایک رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے) تو ام حبیبہ رض ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتیں

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام مسلم ترمذی، نسائی و ابوداؤد نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے

(۲) ام حبیبہ بنت جحش، حضرت زینب ام المومنین کی ہمشیرہ ہیں۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی ہیں۔ واقدی نے کہا۔ ان کا نام حبیبہ اور کنیت ام حبیب ہے (تیسیر ہاری) (۳) عہد نبوی میں غالباً پانچ عورتوں کو استحاضہ کی بیماری تھی جن کے نام یہ ہیں:۔

ام حبیبہ بنت جحش۔ فاطمہ بنت ابی حبیش۔ سہلہ بنت سہیل۔ سودہ بنت زمعہ (قسطلانی)

(۴) ام حبیبہ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میرے لئے نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا! غسل کرو یعنی جب حسب عادت حیض کے دن پورے ہو جائیں۔ تو اس کے بعد غسل کرو۔ پھر ہر نماز کے لئے وضو کر کے نماز پڑھتی رہو۔

واضح ہو کہ مستحاضہ کے لئے یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ ہاں اگر وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ تو اس میں زیادہ پاکیزگی ہے۔ چنانچہ حضرت ام حبیبہ اپنی خوشی سے ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں ہر نماز کے لئے غسل کا حکم نہیں دیا تھا۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں اس کی تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام نے انہیں ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ بلکہ وہ اپنی خوشی سے ایسا کرتی تھیں ہاں اگر ہر نماز کے لئے غسل کیا جائے جیسا ام حبیبہ کرتی تھیں تو حرج نہیں بلکہ مستحب ہے ——— اور حدیث ابوداؤد میں ہر نماز کے لئے غسل کی جو ہدایت ہے۔ وہ ندب و استحباب پر محمول ہے وجوب پر نہیں چنانچہ جامع ترمذی میں ہے:۔

ان اغتسلت لکل صلوٰۃ ھو احوط لھا وان توضأت لکل صلوٰۃ اجزأھا	یعنی مستحاضہ اگر نماز کے لئے غسل کرے تو احوط ہے اور اگر صرف وضو کر لے تو کافی ہے
بَابُ الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ	باب اگر عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض آئے

طواف افاضہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو کرنا افضل ہے۔ یہ طواف فرض ہے اور حج کا دوسرا رکن ہے۔ اس کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔ تو اگر طواف زیارت سے فارغ ہو کر عورت کو حیض آجائے۔ تو اس کو طواف وداع معاف ہے کیونکہ حائضہ کو طواف کرنا ممنوع ہے۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کی یارسول اللہ صفیہ بنت حیی کو حیض آگیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

(۱) لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ فَقَالُوا بَلَى قَالَ فَاخْرُجِي (بخاری)	شاید وہ ہمیں روک رکھے گی (یعنی مدینہ جانے سے) کیا اس نے تمہارے ساتھ طواف افاضہ نہیں کیا؟ انہوں نے کہا ہاں طواف افاضہ تو کر چکی ہیں۔ فرمایا تو پھر جائیں (یعنی اب انہیں طواف وداع کے لئے رکنے کی ضرورت نہیں ہے)

ام المومنین حضرت صفیہ

اس حدیث کو مسلم نے حج میں اور نسائی نے حج و طہارت میں ذکر کیا ہے

(۲) حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی بن اخطب بنی اسرائیل سے ہیں

ان کے دادا اخطب جناب موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کے نواسے تھے۔ حضرت صفیہ کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی تھیں۔ جو غزوۂ خیبر ماہ محرم ۷ھ میں قتل ہوا۔ اور حضرت صفیہ قید ہوئیں۔ اور دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ پھر حضورؐ نے ان کو دحیہ سے سات یا نو غلاموں کے عوض خرید لیا۔ یہ اسلام لے آئیں حضورؐ نے ان کو آزاد کر کے شرفِ زوجیت بخشا۔ اور ان کا مہر ان کا عتق قرار دیا۔ بزمانہ امیر معاویہ رض ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ بقیع غرقد میں دفن ہوئیں۔ حضرت انس و ابن عمر وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ ان سے ۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے ایک بخاری میں ہے (عینی ج ۲ ص ۱۴۴)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ اَنْ تَنْفِرَ اِذَا حَاضَتْ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ فِيْ اَوَّلِ اَمْرِهٖ اِنَّهَا لَا تَنْفِرُ ثُمَّ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ تَنْفِرُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ۔

حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا۔ عورت کو جب حیض آجائے۔ تو اس کو (بغیر طواف وداع کے) واپس ہو جانے کی اجازت ہے۔ اور حضرت ابن عمر شروع میں یہ کہتے تھے۔ کہ وہ (طواف وداع کئے بغیر) واپس نہ ہو۔ پھر طاؤس نے کہا میں نے ان سے سنا کہتے تھے کہ واپس ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔

فوائد و مسائل حدیث نمبر ۱ اور اثر عبد اللہ بن عمر و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہوا کہ طواف اف کے بعد اگر عورت کو حیض آجائے تو طواف وداع اسے معاف ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ کو طوافِ کعبہ جائز نہیں ——— حضرت عبد اللہ بن عمر کو جب تک حدیث نبوی نہ پہنچی تھی۔ اس وقت تک وہ حائضہ کو طوافِ وداع سے پہلے مکہ سے جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ لیکن جب انہیں حکم نبوی کی اطلا ہوئی تو انہوں نے رجوع کر لیا اور اپنی رائے کو حکم نبوی پر قربان کر دیا۔

بَابُ اِذَا رَاَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ

(۱) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّيْ وَلَوْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَيَاْتِيْهَا زَوْجُهَا اِذَا صَلَّتْ اَلصَّلٰوةُ اَعْظَمُ۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّيْ (بخاری)

باب جب مستحاضہ حیض سے پاک ہو جائے

حضرت ابن عباس رض نے فرمایا۔ وہ غسل کرکے نماز پڑھے۔ اگرچہ ایک ہی گھڑی دن باقی ہو۔ اور اس کا خاوند اس سے صحبت کر سکتا ہے جب وہ نماز پڑھتی ہے تو نماز بڑی چیز ہے۔

حضرت عائشہ رض نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب حیض آنے لگے تو نماز چھوڑ دے اور جب حیض بند ہو جائے۔ تو اپنے (بدن) سے خون دھو ڈال اور نماز پڑھ۔

فوائد و مسائل (۱) ——— اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ اور دارمی نے وصل کیا۔ حضرت

سیرینؒ نے سیدنا ابن عباس سے پوچھا تھا کہ مستحاضہ کا کیا حکم ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ جب تک حیض کا خون آئے نماز نہ پڑھے۔ جب پاکی معلوم کرے۔ اگرچہ ایک گھڑی دن ہو تو نہا لے اور نماز پڑھے۔ مطلب یہ کہ عورت کو خون حیض و استحاضہ میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ وہ پہچان لیتی ہے کہ یہ استحاضہ کا خون ہے اور یہ حیض کا۔ تو جب حیض کا خون بند ہو جائے تو غسل کرے اور نماز پڑھے (۲) نیز مستحاضہ عورت سے خاوند کا صحبت کرنا جائز ہے یعنی جب غسل کر کے نماز پڑھنا درست ہے۔ تو خاوند کو جماع کرنا بطریق اولیٰ درست ہوا جمہور فقہاء و عامۃ علماء کا یہی مسلک ہے (عینی ج۳ ص۳۱۴)

حدیث نمبر ۱ سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ عورت پر نماز واجب ہے۔ اس سے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ جب مستحاضہ کو نماز پڑھنا واجب ہے۔ تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہونا چاہیئے۔ حدیث نمبر ۱ میں فاغسلی عنک الدم کے معنی غسل کرنے کے ہیں۔ فافہم

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی النُّفَسَاءِ وَسُنَّتِهَا

(۱) عَنْ سَمُرَۃَ ابْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ امْرَاَۃً مَاتَتْ فِیْ بَطْنٍ فَصَلّٰی عَلَیْهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ وَسْطَهَا

(۲) قَالَ سَمِعْتُ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَۃَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا کَانَتْ تَکُوْنُ حَائِضًا لَا تُصَلِّیْ وَهِیَ مُفْتَرِشَۃٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یُصَلِّیْ عَلٰی خُمْرَتِهٖ اِذَا سَجَدَ اَصَابَنِیْ بَعْضُ ثَوْبِهٖ

(۱) باب نفاس والی عورت کی نماز جنازہ پڑھنا

حضرت سمرہ بن جندب سے مروی ہے کہ ایک عورت (ام کعب) زچگی میں مر گئیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ جنازہ کے وسط میں کھڑے ہوئے۔

(۲) عبداللہ بن شداد نے کہا کہ میں نے اپنی خالہ میمونہؓ سے سنا۔ کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ جب وہ حیض سے ہوتیں تو نماز نہ پڑھتیں۔ اور حضورؐ کی جائے نماز کے سامنے لیٹی رہتیں۔ اور حضورؐ نماز پڑھتے ہوتے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کا کچھ کپڑا مجھے لگ جاتا۔

فوائد و مسائل

حضرت سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری بڑے عالم اور حافظ تھے زیاد نے ان کو چھ ماہ بصرہ کا اور چھ ماہ کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ۵۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان سے ۱۲۳ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے چار بخاری میں ہیں (۲) اس حدیث کو امام نے کتاب الجنائز میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور مسلم ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی کتاب الجنائز میں ذکر کیا ہے (۳) ماتت فی بطن کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت پیٹ کی بیماری میں مر گئی تھیں۔ کلام عرب میں "فی" کا استعمال ظرفیت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اور سببیت کے لئے بھی۔ یہاں سببیت کے لئے ہے جیسا کہ حدیث میں آیا عذبت امراۃ فی ھرۃ۔ کہ ایک عورت کو بلی کے سبب عذاب ہوا۔ علامہ کرمانی نے فرمایا ماتت فی بطن (زچگی میں مر گئیں) کیونکہ امام بخاری نے عنوان نفاس کا باندھا ہے (۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت زچگی کی حالت میں مر جائے اس کا بھی جنازہ پڑھا جائے۔ اور ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آدمی موت سے بھی

ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۲ کے مسائل یہ ہیں:-

(۱) مسجد رسول اللہ سے مسجدِ بیت مراد ہے، یعنی گھر میں جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے مقرر کر لیتے ہیں۔ اس کو مسجد بھی کہتے ہیں (۲) خمرہ، وہ چھوٹا مصلیٰ ہے جو کھجور کی شاخوں سے بنا ہو (۳) صورت یہ تھی۔ کہ حضرت ام المومنین میمونہ حائضہ تھیں۔ اور حضورؐ کے حجرہ مبارک میں لیٹی ہوئی تھیں۔ حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ تو کبھی ا کے کپڑے حضورؐ سے چھو جاتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حائضہ کا جسم ناپاک نہیں ہوتا (۴) نماز جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو اس میں متعدد قول ہیں۔ احناف کے نزدیک میت خواہ مرد ہو یا عورت، امام کو اس کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہونا چاہیئے۔

امام بخاری نے عنوان باندھا ہے کہ جو عورت زچگی میں مر جائے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور یہ کہ کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کے وسط میں کھڑا ہو —— علامہ عینی نے لکھا ہے۔ کہ امام بخاری کو یہ مسئلہ کتاب الجنا لکھنا چاہیئے تھا۔ کتاب الحیض میں اس کا ذکر غیر مناسب ہے —— بعض شارحین نے فرمایا کہ امام بخاری کا مقصود ا عنوان سے یہ بتانا ہے کہ مومن نجس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حالتِ حیض و نفاس میں مرنے والی عورت کا بھ حضورؐ نے جنازہ پڑھا چنانچہ حدیث میمونہؓ جو امام نے بغیر عنوان کے ذکر کی ہے۔ اس میں یہ ہے۔ کہ آپ حائضہ تھیں۔ او آپ کا کپڑا حضورؐ کے جسم مبارک سے مس کرتا تھا جس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا جسم ناپاک نہیں ہوتا:

فائدہ کتاب الحیض اس حدیث پر ختم ہو گئی۔ کتاب الحیض میں کل ۴۰ حدیثیں ہیں۔ ان میں مکرر ہیں۔ موصول ۱۱ اور باقی معلق اور متابع ہیں۔ اور بلا تکرار کل ۲۵ حدیثیں ہیں۔ ان میں معلق اور باقی موصول ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب التیمم

لغت میں تیمم کے معنیٰ قصد کرنے کے ہیں۔ اور شرع میں تیمم پاک مٹی سے منہ اور ہاتھوں کے کرنے کو کہتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت امام نے پارہ ۶ سورہ مائدہ کی آیت لکھی ہے۔ آیت کے ذکر سے یہ بتانا مقصود ہے تیمم کا مسئلہ قرآن سے ثابت ہے اور حدیث میں جس آیت کا ذکر ہے وہ یہی آیت ہے

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: پھر اگر تم پانی تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ تو اپنے منہ اور ہاتھوں اسے مسح کرو۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی ہے۔ فرماتی ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ایک سفر میں گئے۔ یہاں تک کہ جب بید

حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّيْ فَأَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهٖ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ فَأَتَى النَّاسُ إِلٰى أَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ فَقَالُوْا أَلَا تَرٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ أَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَّلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ أَبُوْ بَكْرٍ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأْسَهٗ عَلٰى فَخِذِيْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَّلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِيْ أَبُوْ بَكْرٍ وَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِيْ بِيَدِهٖ فِيْ خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِيْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ أَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَأَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ۔ (بخاری)

یا ذات الجیش میں پہنچے۔ تو میرا ہار گر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں ٹھہر گئے۔ اور لوگ بھی۔ وہاں پانی نہ تھا۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ تم نے دیکھا کہ صدیقہ رض نے کیا کیا؟ حضور کو اور سب کو ٹھہرا لیا اور نہ یہاں پانی ہے نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے۔ یہ سن کر ابوبکر رض آئے۔ اور حضور علیہ السلام میرے زانو پر سر رکھے ہوئے آرام فرما تھے اور کہا۔ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو روک لیا۔ حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ حضرت ابوبکر رض نے مجھ پر عتاب کیا۔ اور جو چاہا اللہ نے وہ انہوں نے کہا۔ اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کونچنا شروع کیا۔ اور مجھے حرکت کرنے سے کوئی چیز مانع نہ تھی مگر حضور کا میرے زانو پر آرام فرمانا۔ تو جب صبح ہوئی۔ اسی جگہ جہاں پانی نہ تھا۔ حضور اٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ اور لوگوں نے تیمم کیا۔

اسید بن حضیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا۔ اے آل ابوبکر رض! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں۔ (ایسی برکتیں تم سے ہوتی ہی رہتی ہیں)

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ پھر ہم نے سواری کا اونٹ اٹھایا۔ جس پر میں سوار تھی۔ تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام نے کتاب النکاح وتفسیر و محاربین میں ذکر کیا اور مسلم ونسائی نے طہارت میں (۲) بیدا اور ذات الجیش۔ یہ دونوں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں۔ اَوْ کا کلمہ شک کے لئے ہے یعنی ان دونوں مقاموں میں ایک مقام پر جب قیام ہوا۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہو گیا۔ ہار کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا پڑا۔ اور وہاں پانی تھا نہیں۔ لوگوں نے

تلاش بھی کی۔ مگر نہ ملا تا آنکہ تیمم کا حکم آ گیا۔ اور اس ہار کے گم ہونے اور وہاں پر حضورؐ کے قیام کی وجہ سے تیمم کا مسئلہ معلوم ہو گیا (۲) حضرت اسید بن حضیرؓ نے کہا، یہ تیمم کی رخصت اور آسانی جو ہمیں ملی ہے۔ اس کا سبب حضرت ابوبکرؓ کا گھرانہ ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ایسی کئی برکتیں ان کے گھرانے کے سبب ہمیں ملی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ نیک اور صالح افراد اللہ رحمتوں اور برکتوں کا سبب بنتے ہیں۔ اور ان کے وجود کی برکت سے مشکلیں آسانی ہوتی ہیں (۳) سفر غزوہ بنی المصطلق کا تھا۔ جس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں۔ جو ۵ھ میں ہوا تھا۔ واقعۂ افک اسی میں ہوا (۴) یہ ہار جو گم ہوا کہتے ہیں کہ اس کی قیمت بارہ درہم تھی (۵) یہ بھی معلوم ہوا وضوء اس آیت کے اترنے سے پہلے واجب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مقام پر ٹھہرنا صحابہ کو ناگوار جہاں پانی نہ تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے اسی بنا پر جناب عائشہؓ پر عتاب فرمایا کہ اس جگہ قیام سبب وہی تھیں (۶) چنانچہ تمام اہل مغازی نے اتفاق کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب سے نماز فرض پہلی وضو ہی سے پڑھی ہے (۷) آیت میں فَتَیَمَّمُوْا کے لفظ سے معلوم ہوا کہ تیمم میں نیت فرض ہے۔ تمام ائمہ کا یہی قول ہے کیونکہ تیمموا کے معنے اقصدوا کے ہیں۔ البتہ امام زفرؒ اور اوزاعی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تیمم میں نیت ضروری نہیں سمجھتے (۸) مال کا تلف کرنا منع ہے۔ اگرچہ وہ معمولی قیمت کا ہار گم ہوا۔ تو حضورؐ نے اس کو تلاش کرنے کی ہدایت کی (۹) تیمم کے معاملہ میں تندرست اور مسافر و مقیم، محدث اور جنبی سب برابر ہیں۔ یعنی جب بھی پانی پر قدرت نہ ہو۔ ان سب کو تیمم کرنا ہے (۱۰) عورتوں کے ساتھ بحالت امن سفر کرنا جائز ہے۔ اور شوہر کو اختیار ہے کہ جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ لے جائے۔ البتہ جب متعدد بیویاں ہوں تو قرعہ کے ذریعہ انتخاب کرنا مستحب ہے (۱۱) کو زیب و زینت کے لئے زیور وغیرہ پہننا جائز ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَّمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَةَ شَهْرٍ وَّجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا فَاَیُّمَا رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِیْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْیُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً ۔

بخاری

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ملی ہیں جو مجھ سے قبل کسی پیغمبر کو نہیں ملیں۔ اول ایک مہینے کی راہ سے (دشمنوں پر) میرا رعب پڑتا ہے۔ دوم ساری زمین میرے لئے مسجد طہور بنا دی گئی۔ تو میری امت کے جس آدمی جہاں نماز کا وقت آجائے وہ نماز پڑھ لے سوم غنیمت کا مال میرے لئے حلال کر دیا مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا۔ چہارم منصب شفاعت ملا ہے۔ پنجم۔ ہر نبی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں سب لوگوں

طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں

حضور علیہ السلام کے خصائص خمسہ (۱) اس حدیث کو امام نے کتاب الصلوٰۃ اور خمس میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے صلوٰۃ میں۔ اور نسائی نے طہارت و صلوٰۃ میں ذکر فرمایا (۲) اس حدیث میں حضورؐ نے اپنے پانچ خصائص کا ذکر فرمایا۔ مگر مفہوم عدد سب کے نزدیک معتبر نہیں۔ اس لئے خصائص پانچ کے عدد میں منحصر نہیں۔ علامہ جلال الدین علیہ الرحمۃ نے خصائص کبریٰ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ایک سو سے زائد خصائص گنائے ہیں۔

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ یعنی چاروں طرف سے مہینہ کی مسافت پر حضور علیہ السلام کا رعب آپ کے دشمنوں کے دل میں ڈالا گیا۔ قرآن مجید میں فرمایا سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب۔ علامہ عینی نے لکھا کہ ایک ماہ کی قید میں نکتہ یہ تھا کہ حضورؐ کے جس قدر دشمن تھے۔ مدینہ سے وہ ایک ماہ کی مسافت سے زیادہ پر نہیں تھے۔

وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا مسجد سے مراد موضع سجود ہے۔ یعنی زمین پر پیشانی کا رکھنا۔ تو امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ کی نماز کے لئے کسی خاص زمین کو محدود نہیں کیا گیا علامہ قاضی عیاض نے فرمایا۔ کہ امم سابقہ اپنے کنائس و صوامع کے سوا کسی دوسری جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اور امت محمدیہ کے لئے یہ قید نہیں ہے وہ جہاں بھی ہوں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح جب پانی پر قدرت نہ ہو۔ تو وضو و غسل کے لئے مٹی سے تیمم کرکے نماز پڑھ سکتے ہیں ——— اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سیر و سیاحت فرماتے تھے۔ اور جہاں نماز کا وقت آتا۔ نماز پڑھ لیتے تھے۔ پھر یہ خصوصیت کیسے ہوئی۔ جواب یہ ہے۔ زمین کا مسجد و طہور ہونا یہ حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت عیسٰیؑ کو یہ تو جائز تھا کہ جس جگہ کو پائیں نماز پڑھ لیں۔ لیکن زمین ان کے لئے طہور نہ تھی۔ یعنی تیمم ان کو جائز نہ تھا۔

وَاُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ پہلی امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ یا وہ جو مال غنیمت حاصل کرتے تھے۔ آسمان سے ایک آگ آتی تھی۔ اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کے لئے غنیمت کو حلال کیا گیا۔

فَاَیُّمَا رَجُلٍ اَدْرَکَتْہُ الصَّلٰوۃُ سے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ تیمم جمیع اجزاء ارض سے جائز ہے۔ کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ آدمی کو ایسی جگہ نماز کا وقت آ جاتا ہے جس زمین پر مٹی نہیں ہوتی۔ بلکہ ریت، کنکر، پتھر ہوتے ہیں۔

وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ یعنی شفاعت عظمیٰ اور مقام محمود یہ بھی حضورؐ کی خصوصیت ہے۔ بعض علماء نے حسب ذیل شفاعت کی قسموں کو حضورؐ کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔

(۱) یہ کہ حضورؐ شفاعت فرمائیں گے اور رد نہ ہوگی۔ (۲) جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان موجود ہے اسے بھی جہنم سے نکال لیں گے (۳) مومن کے لئے جنت میں درجے کی بلندی۔ کے مستحق ہونگا [illegible]

عرض کریں گے (۴) یا شفاعت کر کے لوگوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرائیں گے (۵) جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہے۔ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہ تمام شفاعتیں بھی حضور کے خصائص سے ہیں:

وکان النبی ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام کی بعثت عام ہے قرآن نے اعلان کیا۔ ما ارسلنٰک الا کافة للناس بشیرا ونذیرا اور یہ بھی حضور کے خصوصیات سے ہے —— یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ انہوں نے ساری دنیا کے کافروں کے لئے بددعا کی۔ اور ان کی بددعا سے ساری دنیا کے کافر ہلاک ہوئے۔ شارحین کرام نے اس اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں جس کے لئے عینی ج ۲ ص ۱۵ فتح الباری وقسطلانی کا مطالعہ مفید رہے گا —— البتہ اس اشکال کا ایک اچھا جواب یہ بھی ہے۔ کہ اگر ہم مان لیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی۔ تو اس عموم سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام افراد کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور حضور علیہ السلام کی بعثت کے عام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور اپنے زمانہ کے افراد اشخاص کے لئے بھی مبعوث ہوئے اور آپ کے بعد قیامت تک جو پیدا ہوں گے۔ ان کے لئے بھی آپ کی بعثت ہے۔ اور اس شان کی بعثت صرف اور صرف حضور علیہ السلام کے خصائص سے ہے۔ فافہم

بَابُ اِذَا لَمْ یَجِدْ مَاءً وَّلَا تُرَابًا

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ اَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا فَاَدْرَكَتْهُمُ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَصَلَّوْا فَشَكَوْا ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِعَائِشَةَ جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَا نَزَلَ بِكِ اَمْرٌ تَكْرَهِيْنَهُ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ خَيْرًا۔ (بخاری)

باب جب نہ پانی ملے اور نہ مٹی تو کیا کرے

حضرت عائشہ رض نے اپنی بہن اسماء سے ایک ہار عاریتاً لیا اور وہ کھو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اس کی تلاش کے لئے بھیجا۔ ان کو مل گیا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ اور صحابہ کے پاس پانی نہ تھا۔ انہوں نے بے وضو نماز پڑھ لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ حضرت اسید بن حضیر نے حضرت عائشہ رض سے کہا اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے بخدا جب تم پر کوئی ایسا معاملہ آپڑتا ہے جسے تم برا جانتی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے اور مسلمانوں کے لئے بہتری کر دیتا ہے۔

فوائد و مسائل جس شخص کو نماز کے وقت نہ مٹی ملے اور نہ پانی اس کو فاقد الطہورین کہتے ہیں۔ اگرچہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس مٹی بھی نہ تھی۔ مگر چونکہ اس وقت تک تیمم کا حکم نہیں آیا تھا۔ اس لئے امام بخاری نے تیمم کے مشروع نہ ہونے کو مٹی کا نہ ملنا قرار دیا —— اس حدیث

سے ان کا طریق استدلال یہ ہے کہ اس موقع پہ تیمّم مشروع نہ تھا اور پانی بھی نہ تھا۔ اور نماز کا وقت ہو گیا۔ تو صحابہ کرام نے بے وضو ہی نماز پڑھ لی۔ اور حضور علیہ السلام نے انہیں منع نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص مٹی اور پانی نہ پائے وہ بلا وضو ہی نماز پڑھ لے۔ امام شافعی و امام احمد اور اکثر اصحاب مالک کا یہ ہی قول ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے۔ کہ اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں اس کے متعلق علماء کے متعدد قول ہیں۔

اوّل: جب پانی اور مٹی نہ ملے تو نماز پڑھ لینا مستحب ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے۔

دوم: جب پانی اور مٹی نہ ملے تو نماز پڑھ لینا واجب ہے اور اس کا اعادہ بھی واجب ہے امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہ ہی مذہب ہے اکثر اصحاب شافعیہ نے اس کو اصح قرار دیا ہے امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ پانی اور مٹی کا نہ ملنا شاذ و نادر ہے لہٰذا اعادہ ساقط نہ ہو گا۔ یہ تو صحیح ہے کہ نماز کی قضا ضروری ہے مگر حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ مذکورہ بالا صورت میں بے وضو ہی نماز پڑھ لے اس میں نظر ہے۔ کیونکہ بے وضو نماز پڑھنا مشروع ہی نہیں ہے۔

سوم: مذکورہ بالا صورت میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ مگر اعادہ واجب نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ امام احمد مزنی اور ابن المنذر کا یہی قول ہے ——— لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ حضور نے اعادہ کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ اعادہ فی الفور ضروری نہیں ہے۔

چہارم: حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے۔ کہ ان کے نزدیک مذکورہ بالا صورت میں نہ نماز پڑھنا واجب ہے اور نہ قضا واجب ہے۔ لیکن علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تصریح کی ہے۔ کہ ذہیل نے حضرت امام مالک کی طرف مذکورہ بالا قول کی جو نسبت کی ہے۔ ابو عمر نے فرمایا یہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے جب کہ یہ بات جمہور سلف عامۃ الفقہاء اور جماعۃ المالکیین کے بھی خلاف ہے (عینی ج ۲ صفحہ ۱۶)

پنجم: سیدنا امام ابو حنیفہ و ثوری و اوزاعی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہے کہ نہ پانی ملتا ہے اور نہ پاک مٹی کہ تیمم کرے۔ تو اسے چاہئیے۔ کہ وقت نماز میں نماز کی سی صورت بنائے۔ یعنی تمام حرکات نماز بلا نیت و بلا قرأت بجا لائے۔ کیونکہ جس کا حج فاسد ہو جائے۔ وہ حاجیوں کی طرح افعال بجا لاتا ہے۔ اور جو رمضان میں مسلمان ہوا یا نابالغ تھا بالغ ہو گیا تو اس کو جو کچھ دن باقی رہ گیا ہے۔ روزہ داروں کی طرح گذارنا واجب ہے۔ لہٰذا فاقد الطہورین کا بھی یہ ہی حکم ہونا چاہئیے کہ وقت کی حرمت کی بنا پر وہ نمازیوں کی سی صورت بنائے اور نماز کی قضا کرے۔

بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الصَّلٰوةِ وَبِهٖ قَالَ عَطَاءٌ (بخاری)

باب اگر حضر میں پانی نہ ملے اور نماز قضا ہونے کا ڈر ہو۔ تو تیمم کرے۔ حضرت عطا کا بھی یہی قول ہے

فوائد و مسائل اثر عطاء بن ابی رباح کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں موصولاً ذکر کیا ہے مقصود عنوان یہ بتانا ہے۔ کہ تیمم صرف سفر کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ حضر میں بھی کر سکتا ہے

عنوان میں دو قیدیں ہیں۔ وقت اتنا تنگ ہے کہ نماز قضا ہونے کا یقین ہے (دوم) فقدان ما
میں عدم قدرت علی الماء بھی داخل ہے۔ اگرچہ وجود ماء ہو۔ غالب صورت مسئلہ یہ ہے۔
اول۔ اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ وضو یا غسل کرے گا تو نماز قضا ہو جائے گی۔ تو چاہیئے کہ تیمم کرکے نماز پڑ
لے لیکن امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔
دوسرے۔ یہ کہ پانی بالکل موجود نہیں ہے۔ یا پانی تو موجود ہے۔ مگر اس پر قدرت نہیں ہے۔ قدرت
نہ ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ ایسی بیماری ہے کہ وضو یا غسل کرنے سے اس کے زیادہ ہونے یا دیر میں اچھا ہونے کا
اندیشہ ہے خواہ یوں کہ اس نے خود آزمایا ہو کہ جب وضو یا غسل کرتا ہے۔ تو بیماری بڑھتی ہے یا کسی
طبیب نے جو بظاہر فاسق نہ ہو کہہ دیا ہو کہ پانی نقصان کرے گا۔

(۲) یہ کہ خود وضو کرنے کی طاقت نہیں اور کوئی ایسا بھی نہیں کہ وضو کرا دے۔

(۳) یہ کہ ہاتھ پاؤں پھٹ گئے ہیں کہ خود وضو نہیں کر سکتا اور دوسرا کوئی وضو کرانے والا بھی نہیں ہے۔

(۴) یہ کہ کنویں سے پانی نکالنے کے لئے اس کے پاس چیز نہیں ہے۔ یا دشمن یا درندہ کی و
کنویں تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۵) وہاں چاروں طرف ایک ایک میل تک پانی کا پتہ نہیں ہے۔ اور گمان غالب یہ ہے
کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں ہے۔

(۶) اتنی سردی ہے کہ نہانے سے مر جانے یا بیمار ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔ اور لحاف وغیرہ کوئی ا
اس کے پاس نہیں کہ اس کو اوڑھے اور سردی کے ضرر سے بچے نہ آگ ہے کہ جسے تاپ سکے۔

(۷) دشمن کا خوف کہ اگر اس نے دیکھ لیا تو قتل کر دے گا۔ یا مال چھین لے گا۔ یا قید کر دے
اس طرف سانپ ہے یا شیر ہے جو ڈس لے گا۔ پھاڑ کھائے گا۔ یا کوئی بدکار شخص ہے۔ اور یہ عورت
جس کو اپنی بے آبروئی کا گمان صحیح ہے۔

(۸) پیاس کا خوف یعنی اس کے پاس پانی ہے۔ مگر وضو و غسل میں استعمال کرے۔ تو خود یا دوسرا مس
اپنا یا اس کا جانور اگرچہ وہ کتا ہو جس کا پالنا جائز ہے پیاسا رہ جائے گا۔

(۹) پانی گراں ہونا یعنی وہاں کے حساب سے جو قیمت ہونی چاہیئے اس سے دو چند قیمت میں مل رہا ہے۔

(۱۰) یہ گمان ہو کہ پانی تلاش کرنے میں قافلہ نظروں سے غائب ہو جائے گا۔ یا ریل یا بحری
ہوائی جہاز چھوٹ جائے گا۔

ان سب صورتوں میں تیمم کرنا جائز ہے۔ اور جو نماز اس تیمم سے پڑھ لی ہے۔ اگرچہ اس نماز کے
بعد ہی پانی پر قدرت ہو جائے اس کا دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الْمَرِيضِ عِنْدَهُ الْمَاءُ وَلَا
يَجِدُ مَنْ يُنَاوِلُهُ يَتَيَمَّمُ (بخاری)

حضرت امام حسن بصری نے فرمایا جو مریض ہو اور پانی ا
پاس ہو لیکن پانی دینے والا کوئی نہ ہو تو تیمم کرے

حضرت حسن بصری کے قول کو قاضی اسماعیل نے احکام میں بسند صحیح وصل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو مریض اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو، خود وضو نہ کر سکے۔ اور کوئی دوسرا آدمی اس کو وضو کرانے والا بھی نہ ہو تو اسے تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہیئے۔

وَاَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ اَرْضِهٖ بِالْجُرُفِ فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمِرْبَدِ النَّعَمِ فَصَلّٰى ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ فَلَمْ يُعِدْ (بخاری)

عبداللہ بن عمر اپنی زمین میں، جو جرف میں تھی، سے آ رہے تھے کہ مربد النعم میں عصر کی نماز کا وقت آگیا۔ انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر مدینہ میں پہنچے۔ تو سورج ابھی طرح نکلا ہوا تھا۔ لیکن نماز نہیں لوٹائی۔

فوائد و مسائل اس تعلیق کو امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ جرف مدینہ کے باہر تین میل پر ایک موضع ہے۔ مجاہدین اسلام جب کسی مہم پر روانہ ہوتے تو اس مقام پر جمع ہوتے تھے۔ اور مربد النعم مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

اس اثر سے یہ ثابت ہوا۔ کہ سفر ہو یا حضر اور پانی میل بھر دور ہو۔ ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔ درمختار و فتح القدیر میں ہے۔ لبعدہ ولو مقیما فی المصر میلا لیکن جس طرف جا رہا ہے۔ اسی طرف میل بھر پانی ہے۔ اور وہاں تک پہنچنے میں وقت کراہت نہ آجائے گا۔ تو مستحب ہے۔ کہ وہاں پہنچ کر پانی ہی سے وضو کر کے نماز پڑھے۔ لیکن اگر کسی نے اسی مذکورہ بالا صورت میں بغیر ذکی بعد تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو ہو گئی۔

فَقَالَ اَبُو الْجُهَيْمِ اَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (بخاری)

حضرت جہیم نے فرمایا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے۔ کہ (راستہ میں) ایک آدمی ملا۔ اس نے سلام کہا۔ لیکن حضور علیہ السلام نے جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ آپ دیوار کے پاس آئے۔ اور اس سے اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ پھر سلام کا جواب دیا۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد و نسائی نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے (۲) عنوان سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام نے سلام کا جواب دینے کے لئے حضر میں تیمم فرمایا۔ حالانکہ بغیر وضو کے بھی سلام کا جواب دینا جائز تھا۔ تو جس شخص کو حضر میں پانی پر قدرت نہ ہو۔ اس کو بطریق اولیٰ تیمم کرنا جائز ہو گا۔ کیونکہ نماز بلا وضو جائز ہی نہیں ہے ——— اس حدیث سے واضح ہوا۔ کہ سلام کا جواب دینے یا درود شریف وغیرہ درود و وظائف پڑھنے یا سونے یا بے وضو ہو کر مسجد میں جانے یا زبانی قرآن مجید پڑھنے کے لئے تیمم جائز ہے۔ اگرچہ پانی پر قدرت ہو

واضح ہو۔ کہ بلا وضو سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے بے وضو سلام کا جواب نہ دیا تو یہ آپ کا فعل طبعی تھا فقہی نہ تھا۔ کیونکہ طبائع زکیہ کو اس نوع کے امور کا بھی احساس ہوتا ہے اور حضور علیہ السلام تو نزاہت و نظافت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ آپ کو کیوں نہ ہو۔ (واللہ اعلم)

بَابُ الْمُتَيَمِّمِ هَلْ يَنْفُخُ فِيهِمَا (بخاری)

باب کیا تیمم کرنے والا ہاتھوں کو پھونک مارے ؟

اس عنوان کے تحت امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے :-

(۱) حضرت عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ ایک شخص حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا اگر میں جنبی ہو جاؤں اور پانی نہ ملے تو کیا کروں۔ اس پر حضرت عمار بن یاسر نے حضرت عمر رض سے کہا۔ کہ ہم اور تم دونوں ایک سفر میں تھے۔ اور ہم دونوں جنبی ہو گئے۔ آپ نے نماز اس وقت نہیں پڑھی اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی پھر میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا :-

إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ (بخاری)

تمہیں بس اس طرح کرنا کافی تھا۔ پھر آپ نے دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں۔ اور ان کو پھونک کر منہ اور دونوں پہنچوں پر مسح کیا۔

(۱) اس حدیث کو امام نے کتاب الطہارۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔ نیز ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسلم و ابو داؤد نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے (۲) حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے :-

اوّل : حضرت عمر اور عمار بن یاسر یہ دونوں حضرات سفر میں تھے۔ انہیں نہانے کی حاجت ہو گئی پانی تھا نہیں۔ تو حضرت عمار بن یاسر نے تو زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز ادا کر لی۔ حضرت عمار بن یاسر کو تیمم کرن چاہئے تھا۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ جنبی کیسے تیمم کرے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ چونکہ جنبی پر غسل واجب ہو ہے۔ اور غسل میں سارے بدن پر پانی بہایا جاتا ہے۔ اور تیمم غسل کے عوض ہے۔ لہٰذا جنبی کا تیمم یہ ہو گا۔ کہ سارے بدن پر مٹی ملے۔ اس لئے انہوں نے زمین پر لوٹ لگائی اور نماز پڑھی۔ حضور علیہ السلام سے جب انہوں نے اس کا تذکرہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ صرف تیمم کر لینا کافی تھا۔ یعنی دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار سارے منہ اور دونوں ہاتھوں پر پھیر لینا چاہئے تھا۔ مطلب یہ کہ جنبی کے لئے تیمم کا طریقہ بھی وہی ہے۔ جو بے وضو کے لئے ہے ـــــ معلوم ہوا کہ جس کو نہانے کی حاجت ہو اور پانی پر قدرت نہ ہو۔ تو تیمم کر کے نماز ادا کرے اور بے وضو اور جنبی دونوں کے لئے تیمم کا طریقہ اور کیفیت ایک ہی ہے۔

دوم : حضرت عمر رض نے تیمم نہیں کیا۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی۔ کہ آپ کو یہ امید تھی کہ ابھی نماز کا بہت وقت ہے اور وقت کے اندر ہی پانی مل جائے گا۔ یا یہ کہ آپ کا اجتہاد یہ تھا کہ جنبی کو تیمم جائز نہیں۔

سوم : حضور علیہ السلام نے مٹی پر ہاتھ مار کر پھونکا۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ مٹی کے ساتھ کوئی اور چیز آپ کے ہاتھوں کو لگ گئی تھی۔ یا یہ کہ زیادہ مٹی ہاتھوں کو لگ گئی تھی۔ اس لئے آپ نے پھونک کر اس کو جھاڑ دیا۔

چہارم : حضرت ابو حنیفہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے حضور علیہ السلام کے پھونک مارنے سے دو با ں کا استدلال کیا ہے۔ یہ کہ جب مٹی پر تیمم کے لئے ہاتھ مارا جائے۔ تو مٹی کا ہاتھوں کو لگ جانا ش تیمم نہیں ہے۔ یہ کہ ایسا پتھر جس پر غبار نہ ہو اس سے بھی تیمم جائز ہے۔ کیونکہ اگر غبار کا ہونا شرط تیمم ہو تو حضور علیہ السلام پھونک نہ مارتے۔

پنجم: جب مٹی پر تیمم کے لئے ہاتھ مارا جائے اور زیادہ گرد لگ جائے۔ تو اس کو پھونک مار کر جھاڑ دینا سنت ہے یا مستحب۔

ششم: یہ کہ تیمم میں منہ اور ہاتھوں کا ایک بار مسح کرنا کافی ہے تکرار مستحب نہیں ہے:

بَابُ التَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ | باب تیمم منہ اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کرنا ہے۔

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے مختلف الفاظ اور طرق کے ساتھ حدیث عمار ہی ذکر کی ہے مقصود عنوان یہ بتانا ہے۔ کہ تیمم میں منہ اور ہاتھوں کے مسح کے لئے ایک بار ہاتھوں کو زمین پر مارنا کافی ہے امام بخاری کا یہی مسلک ہے۔

(۱) قَالَ عَمَّارٌ بِهٰذَا وَضَرَبَ شُعْبَةُ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ثُمَّ أَدْنَاهُمَا مِنْ فِيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ	حضرت عمار نے یہی روایت بیان کی اور شعبہ نے اس کو یوں بتلایا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان کو منہ کے نزدیک لے گئے یعنی پھونکا، پھر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کیا۔
(۲) قَالَ عَمَّارٌ الصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيْهِ مِنَ الْمَاءِ۔	حضرت عمار نے فرمایا۔ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے پانی سے اس کو کفایت کرتا ہے۔
(۳) قَالَ لَهُ عَمَّارٌ كُنَّا فِيْ سَرِيَّةٍ فَاَجْنَبْنَا وَقَالَ تَفَلَ فِيْهِمَا	عمار نے کہا ہم ایک لشکر میں تھے اور جنبی ہو گئے۔ اس میں بجائے نفخ کے تفل ہے۔
(۴) قَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ تَمَعَّكْتُ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَكْفِيْكَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّيْنِ	حضرت عمار نے حضرت عمر سے کہا میں مٹی میں لوٹا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تجھے منہ اور ہتھیلیوں پر مسح کرنا کافی تھا۔
(۵) قَالَ عَمَّارٌ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ (بخاری)	حضرت عمار نے کہا۔ حضور علیہ السلام نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا۔ چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کیا۔

فوائد و مسائل

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث عمار مختلف سندوں اور الفاظ کے ساتھ لکھی ہے۔ ہم نے تمام الفاظ تو لکھ دیئے ہیں۔ مگر سند بوجہ اختصار حذف کر دی ہے۔ حدیث عمار پورے لفظوں کے ساتھ مع تفہیم و ترجمانی کے اوپر گزر چکی ہے۔ حدیث نمبر ۳ میں نفخ کی جگہ تفل کا لفظ ہے۔ اس کے معنے بھی پھونکنے ہی کے ہیں۔ البتہ تفل اس پھونک کو کہتے ہیں۔ جس میں پھونک کے ساتھ تھوک کے بوندات بھی منہ سے نکل آئیں ——— جوہری نے کہا۔ بزاق، تفل سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور تفل نفث سے اور نفث نفخ سے زیادہ ہوتا ہے۔

تیمم کی صفت و کیفیت میں علماء کے مسالک اور ان کے دلائل کا بیان

واضح ہو کہ تیمم کی صفت اور کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے ایک اختلاف یہ ہے۔ کہ ہاتھ اور منہ کے لئے ایک ہی ضرب

کافی ہے۔ یا دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ضربیں چاہئیں۔ دوسرا یہ کہ ہاتھوں کا مسح کہنیوں سمیت کیا جائے یا صرف پہنچوں تک۔

(۱) حضرت عطاء، مکحول، اوزاعی، اسحاق، شعبی، امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ مٹی پ ایک دفعہ ہاتھ مار کر تیمم کر لیا جائے یعنی ہاتھوں اور منہ کے لئے علیحدہ علیحدہ ضرب کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حضرات صحاح کی مذکورہ بالا حدیثوں سے استدلال فرماتے ہیں۔ جن میں یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے زمین پر ایک ضرب لگائی۔ اور اسی ایک ضرب سے منہ اور ہاتھوں کا مسح کیا (۲) اور حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک و امام شافعی و دیگر فقہائے کرام کا مسلک یہ ہے۔ کہ چہرہ پر مسح کے لئے زمین پر علیحدہ ضرب لگائی جائے۔ اور ہاتھوں کے مسح کے لئے علیحدہ جیسا کہ متعدد حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام نے چہرہ اور ہاتھوں کے مسح کے لئے علیحدہ علیحدہ ضرب ماریں۔ اور وہ حدیثیں جن میں ایک ضرب کا ذکر ہے۔ تو ان کا مقصود صرف صورت ضرب بتانا ہے۔ چنانچہ متعدد حدیثیں اس امر کی تائید و توثیق کرتی ہیں۔ کہ تیمم کے لئے دو ضربوں کا ہونا ضروری ہے۔ خود روایت بزار عن عمار کے لفظ یہ ہیں:۔

امرنا فضربنا واحدة للوجه ثم ضربة اخرى لليدين الى المرفقين (وحسنه الحافظ في الدراية وهي تلخيص نصب الراية للعلامة الزيلعي)	حضور علیہ السلام نے ہمیں حکم دیا۔ تو ہم نے ایک ضرب زمین پر ماری چہرہ کے لئے پھر دوسری ضرب زمین پر ماری ہاتھوں کے لئے کہنیوں سمیت۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:۔

ان التيمم ضربة للوجه وضربة للذراعين الى المرفقين ——— حاکم و ذہبی نے فرمایا کہ اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ (نیل ج ۲ صفحہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے:۔

ان التيمم ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين (دار قطنی، حاکم و بیہقی نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۲۶۴) ——— یہ اور اس مضمون کی متعدد حدیثوں سے واضح ہوتا ہے۔ کہ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ زمین پر مارے جائیں۔ اور ان سے چہرہ کا مسح کیا جائے۔ پھر دوسری بار ہاتھ زمین پر مار کر ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا جائے۔

دوسرا اختلاف

حضرت عطاء و مکحول، اوزاعی، امام احمد و اسحاق و ابن المنذر کہتے ہیں یہ کہ تیمم میں صر ہاتھوں کا مسح کیا جائے کہنیوں سمیت مسح کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حضرات بخاری کی مذکورہ بالا حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ جن میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یکفیک الوجه والکفین (۲) اور حضرت علی بن ابی طالب و عبد اللہ بن عمر، حسن بصری، شعبی، سالم بن عبداللہ بن عمر و سفیان ثوری، امام مالک و ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے۔ کہ تیمم میں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا جائے (نووی، نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۲۶۴) جیسا کہ حدیث جابر سے ثابت ہے۔

توضیح بخاری کی حدیث یکفیك الوجه والکفین سے استدلال کیا گیا ہے۔ کہ تیمم میں ہاتھوں کا مسح پہنچوں تک کیا جائے۔ کہنیوں سمیت مسح کرنا ضروری نہیں ہے یعنی یہ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام نے اختصار کو اختیار فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت عمار نے تیمم کرنے میں مبالغہ کیا تھا۔ اس لئے حضور نے بھی انہیں تیمم کا طریقہ بتانے میں ان کے مبالغہ کا بالغ وجہ رد فرمایا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جب حضرت جبیر ابن مطعم نے غسل میں مبالغہ کیا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اما انا فافیض علی راسی ثلاثا۔ حالانکہ ثلاثہ پر اختصار مقصود نہ تھا۔ بلکہ ان کے مبالغہ فی الغسل کا رد مقصود تھا۔ اس کے علاوہ اصل روایت میں تعلیم بالاشارہ ہے۔ اور تعلیم بالقول روایت بالمعنی ہے۔ یعنی انما یکفیك هكذا فضرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکفیہ الارض اس میں تعلیم قولی مع فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکفین ہے۔ تو جب ذکر کفین حضور کے فعل میں جاری ہوا جو حضور کے قول کا بیان ہے۔ تو بعض رواۃ نے اس فعل کو قول قرار دے کر رفع کر دیا۔ فافہم

لہذا یکفیك الوجه والکفین کا حکم روایت بالمعنی معلوم ہوتا ہے۔ فافہم

بَابٌ الصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيْهِ عَنِ الْمَاءِ (بخاری)	باب پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے وہ اس کو پانی سے کفایت کرتا ہے۔

فوائد ومسائل (۱) اس مسئلہ میں امام بخاری نے مذہب شافعی کو ترک کر کے مذہب حنفی اختیار کیا ہے۔ کیونکہ امام شافعی کے نزدیک ہر نماز کے لئے نیا تیمم کرنا ضروری ہے۔ نیز احناف کے نزدیک تیمم طہارت مطلقہ ہے۔ اور شوافع کے نزدیک ضروریہ۔ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ نے وضوء المسلم سے عنوان قائم کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے۔ فافہم

عنوان بالا دراصل ایک حدیث ہے جس کو بزار نے حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ مسند احمد واہل سنن نے اس حدیث کے ساتھ اتنے جملے اور زیادہ روایت کئے ہیں۔ اگرچہ دس برس تک پانی نہ پائے۔ امام ترمذی وحاکم وابن حبان ودارقطنی ونسائی نے کہا حدیث حسن صحیح ہے حدیث کے پورے لفظ ہیں۔

اَلصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيْهِ عَنِ الْمَاءِ وَلَوْ اِلٰى عَشْرِ سِنِيْنَ (حاکم)	پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے پانی سے کفایت کرتا ہے اگرچہ دس برس تک پانی نہ ملے

حدیث ہذا میں دس برس کی قید بیان کثرت کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیمم کی مشروعیت اس وقت تک ہے۔ جب تک کہ پانی پر قدرت نہ ہو۔ خواہ عدم قدرت کی مدت دس برس ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

وَقَالَ الْحَسَنُ يُجْزِيْهِ التَّيَمُّمُ مَا لَمْ يُحْدِثْ	حضرت حسن بصری نے فرمایا جب تک آدمی کو حدث نہ ہو تیمم کافی ہے۔

اس اثر کو امام عبد الرزاق نے مصنف میں وصل کیا۔ مطلب یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے۔ تو جیسے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی ایک تیمم سے بھی کئی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ ہر نماز کے لئے نئے تیمم کی ضرورت نہیں ہے (۲) اور جس چیز سے وضو ٹوٹتا ہے تیمم بھی اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ، ابراہیم، عطا، ابن المسیب، زہری، لیث، حسن بن حی، داؤد بن علی اور حضرت
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ البتہ امام شافعی، مالک، احمد، اسحاق، حضرت قت
شریک، ربیعہ وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے لئے تیمم کرنا چاہیئے۔ ایک تیمم سے صرف ایک ہی وقت کی
پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں جہاں تک دلائل پر غور کیا گیا۔ تو حضرت امام اعظم کا مسلک قوی معلو
ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مجھے اس مضمون کی کوئی صحیح حدیث نہیں
سے یہ ثابت ہو کہ ہر نماز کے لئے جدید تیمم کیا جائے ؛

فائدہ: امام احمد کے نزدیک جو چیز ناقض وضو ہے۔ صرف وہی ناقض تیمم ہے۔ امام بخاری رح
ما لم یحدث کے لفظ سے یہی استدلال فرمایا ہے ـــــ لیکن احناف کے نز
جب پانی مل جائے اور اس کے استعمال کی قدرت ہو تو یہ بات بھی تیمم کو توڑ دیتی ہے۔ فافہم

وَاَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَيَمِّمٌ
(بخاری)

اور حضرت عبد اللہ بن عباس نے امامت کی۔ درانحالیکہ وہ تیمم کئے ہوئے تھے۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی نے وصل کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مقتدی وضو والے ہوں او
تیمم والا۔ تو نماز جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے

وَقَالَ يَحْيَى ابْنُ سَعِيْدٍ لَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ عَلَى السَّبْخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا (بخاری)

اور یحیی بن سعید نے فرمایا۔ شور زمین پر نماز پڑھنا اور اس سے تیمم کرنا جائز ہے۔

اس اثر کے ذکر سے مقصود یہ بتانا ہے۔ کہ شور اور بنجر زمین پر لفظ طیب کا اطلاق صحیح ہے۔
شور زمین سے تیمم جائز ہے۔ "سبخہ" اس زمین کو کہتے ہیں جو نمک دار ہو اور جس میں قوت نبات
الطیب کے معنی پاک کے ہیں۔ اور شور زمین بھی طیب ہے۔ علامہ ابن خزیمہ نے شور زمین سے ج
پر جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ حضور علیہ الس
انہیں فرمایا تھا۔ تمہاری ہجرت کی جگہ

سبخة ذات نخيل يعني المدينة
(صحیح ج ۱ ص ۱۷۱)

شور زمین کھجوروں والی ہے یعنی مدینہ

اور مدینہ شریف کا نام حضور علیہ السلام نے طیبہ رکھا۔ معلوم ہوا کہ شور زمین پر طیب کا اطلاق در
ہے اور طیب سے تیمم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ ثَنَا عَوْفٌ قَالَ ثَنَا اَبُوْ رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ سَفَرٍ مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّا اَسْرَيْنَا حَتّٰى كُنَّا فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ وَقَعْنَا وَقْعَةً

حضرت عمران سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے
حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اور ہم
نے رات میں کیا۔ جب چلتے چلتے اخیر رات ہو
ہم ذرا لیٹ گئے اور مسافر کے لئے اخیر رات
میٹھی کوئی اور نیند نہیں ہوتی۔ پھر ہمیں

وَلَا وَقْعَةَ أَحْلٰى عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْهَا فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ فَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ يُسَمِّيهِمْ أَبُو رَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الرَّابِعُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَامَ لَمْ نُوقِظْهُ حَتّٰى يَكُونَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ لِأَنَّا لَا نَدْرِي مَا يَحْدُثُ لَهُ فِي نَوْمِهِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَاٰى مَا أَصَابَ النَّاسَ وَكَانَ رَجُلًا جَلِيدًا فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ حَتَّى اسْتَيْقَظَ لِصَوْتِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا إِلَيْهِ الَّذِي أَصَابَهُمْ فَقَالَ لَا ضَيْرَ أَوْ لَا يَضِيرُ ارْتَحِلُوا فَارْتَحَلَ فَسَارَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوْءِ فَتَوَضَّأَ وَنُودِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهِ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ فَعَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكٰى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيهِ أَبُو رَجَاءٍ نَسِيَهُ عَوْفٌ وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ عَلٰى بَعِيرٍ

کی گرمی نے جگایا۔ تو سب میں پہلے فلاں شخص جاگے (یعنی ابوبکر)، پھر فلاں شخص، پھر فلاں شخص جاگے۔ ابو رجاء ان کو نام بنام بیان کرتے تھے لیکن عوف ان کے نام بھول گئے۔ پھر جاگنے والوں میں چوتھے حضرت عمر تھے (اور ہمارا قاعدہ یہ تھا) کہ جب حضور نبی علیہ السلام آرام فرماتے تو ہم آپ کو نہ جگاتے یہاں تک کہ آپ خود بیدار ہوں۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ خواب میں آپ پر کیا وحی آ رہی ہے جب حضرت عمر جاگ گئے۔ اور انہوں نے دیکھا جو لوگوں کی حالت تھی وہ دل والے آدمی تھے بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے۔ وہ اللہ اکبر اللہ اکبر بلند آواز سے کہتے رہے حتیٰ کہ ان کی تکبیر سے حضور علیہ السلام بیدار ہو گئے۔ جب حضور بیدار ہوئے تو لوگوں نے آپ سے شکایت کی جو ان کو پہنچی تھی (یعنی بوجہ سو جانے کے فجر کی نماز کا قضا ہو جانا) آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں یا اس سے کچھ نقصان نہیں۔ یہاں سے کوچ کرو۔ ابھی تھوڑی دور چلے تھے کہ آپ سواری سے اترے۔ وضو کا پانی منگایا۔ وضو کیا نماز کی اذان ہوئی۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا۔ ایک شخص علیحدہ بیٹھا ہوا ہے۔ فرمایا تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اس نے عرض کی۔ کہ مجھے نہانے کی حاجت ہے اور پانی نہیں ہے۔ فرمایا۔ مٹی سے کر لے (تیمم) وہ تیرے لئے کافی ہے پھر روانہ ہوئے۔ لوگوں نے آپ سے پیاس کا شکوہ کیا۔ آپ سواری سے اترے اور ایک شخص (عمران بن حصین) کو بلایا۔ ابو رجاء اس کا نام بیان کرتے تھے۔ مگر عوف بھول گئے۔ اور حضرت علی رض کو بلایا۔ فرمایا تم دونو جاؤ۔ پانی کی تلاش کرو۔ یہ دونو

لَهَا فَقَالَا لَهَا أَيْنَ الْمَاءُ قَالَتْ عَهْدِيْ بِالْمَاءِ أَمْسِ هٰذِهِ السَّاعَةَ وَنَفَرُنَا خُلُوْفٌ قَالَا لَهَا انْطَلِقِيْ إِذًا قَالَتْ إِلٰى أَيْنَ قَالَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ قَالَا هُوَ الَّذِيْ تَعْنِيْنَ فَانْطَلِقِيْ فَجَاءَا بِهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيْثَ قَالَ فَاسْتَنْزَلُوْهَا عَنْ بَعِيْرِهَا وَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ فَفَرَّغَ فِيْهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ أَوِ السَّطِيْحَتَيْنِ وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ وَنُوْدِيَ فِي النَّاسِ اسْقُوْا وَاسْتَقُوْا فَسَقٰى مَنْ سَقٰى وَاسْتَقٰى مَنْ شَاءَ وَكَانَ آخِرُ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِيْ أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً مِنْ مَاءٍ قَالَ اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلٰى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلْأَةً مِنْهَا حِيْنَ ابْتَدَأَ فِيْهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْمَعُوْا لَهَا فَجَمَعُوْا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَدَقِيْقَةٍ وَسَوِيْقَةٍ حَتّٰى جَمَعُوْا لَهَا طَعَامًا فَجَعَلُوْهُ فِيْ ثَوْبٍ وَحَمَلُوْهَا عَلٰى بَعِيْرِهَا وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا فَقَالَ لَهَا تَعْلَمِيْنَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ هُوَ الَّذِيْ أَسْقَانَا فَأَتَتْ أَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ قَالُوْا مَا حَبَسَكِ

روانہ ہوگئے (راہ) میں ایک عورت ملی۔ جو اونٹ پر پانی کی دو پکھالوں یا دو مشکوں کے درمیان سوار تھی۔ انہوں نے اس عورت سے پوچھا پانی کہاں ہے؟ پانی مجھ کو کل اس وقت ملا تھا (یعنی اتنی دوری کے فاصلہ پر ہے) اور قوم کے لوگ پیچھے ہیں انہوں نے کہا چل۔ عورت نے کہا کہاں؟ کہا اللہ کے رسول کے پاس اس نے کہا وہ تو نہیں جس کو لوگ صابی کہتے ہیں۔ کہا انہیں کے پاس جن کو تو سمجھی چل تو سہی۔ آخر وہ دونوں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ سے سارا قصہ بیان کیا۔ پھر لوگوں نے اس عورت کو اس کے اونٹ سے اتار لیا۔ اور حضور نے ایک برتن منگوایا۔ اور دونوں پکھالوں یا مشکوں کا منہ کھول کر ان سے پانی لینا شروع کیا۔ پھر اوپر کے منہ کو بند کیا اور نیچے کا کھول دیا۔ اور لوگوں کو بلایا گیا کہ پانی لاؤ اور پیو۔ تو جس نے چاہا جانوروں کو پلایا اور جس نے چاہا خود پیا۔ آخر میں آپ نے ایک برتن پانی اس شخص کو بھی دیا۔ جس کو نہانے کی حاجت ہوئی تھی۔ اور فرمایا اس سے نہا لو۔ وہ عورت کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی ہے جو اس کے پانی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ خدا کی قسم جب پانی لینا بند کیا گیا تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اب وہ مشکیں اس سے زیادہ بھری ہوئی ہیں جیسے شروع میں بھری ہوئی تھیں۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اب اس عورت کے لئے جمع کرو (یعنی کچھ اس کی خدمت کرو) تو لوگوں نے عجوہ، کھجور، آٹا، ستو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بہت سا کھانے کا سامان جمع ہوگیا۔ وہ سب ایک کپڑے میں رکھا۔ اور اس کو اونٹ پر سوار

يَا فُلَانَةُ قَالَتِ الْعَجَبُ لَقِيَنِيْ رَجُلَانِ فَذَهَبَا بِيْ إِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا فَوَاللّٰهِ إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةِ فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ تَعْنِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَوْ إِنَّهُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا فَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدُ يُغِيْرُوْنَ عَلٰى مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا يُصِيْبُوْنَ الصِّرْمَ الَّذِيْ هِيَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا مَا أُرٰى أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ قَدْ يَدْعُوْنَكُمْ عَمْدًا فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ فَأَطَاعُوْهَا فَدَخَلُوْا فِي الْإِسْلَامِ

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ صَبَأَ خَرَجَ مِنْ دِيْنٍ إِلٰى غَيْرِهٖ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ الصَّابِئِيْنَ فِرْقَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ الزَّبُوْرَ

أَصْبُ أَمِلْ

(بحذف)

کیا۔ اور وہ کھانے کی گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی تب آپ نے اس عورت سے فرمایا تو جانتی ہے ہم نے تیرا پانی ذرا بھی کم نہیں کیا۔ اللہ ہی نے ہم کو پانی پلایا۔ پھر وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی۔ اور چونکہ وہ راہ میں روک لی گئی تھی اس لئے انہوں نے پوچھا اتنی دیر کیوں ہوئی۔ وہ کہنے لگی عجیب بات ہوئی۔ دو آدمی مجھ کو ملے وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جس کو لوگ صابی کہتے ہیں اس نے ایسا ایسا کیا۔ تو قسم خدا کی جتنے لوگ اس کے اور اس کے بیچ میں ہیں۔ اس نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی اٹھا کر آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا، ان سب میں، وہ بڑا جادوگر ہے۔ یا اللہ کا سچا رسول ہے۔ پھر مسلمانوں نے یہ کیا کہ عورت کے (گاؤں کے) ارد گرد جو مشرک رہتے تھے۔ ان کو لوٹتے اور جن لوگوں میں وہ عورت رہتی تھی ان کو چھوڑ دیتے۔ ایک دن اس عورت نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ میں سمجھتی ہوں۔ کہ مسلمان جو تم کو چھوڑ دیتے ہیں تو جان بوجھ کر چھوڑ دیتے ہیں تو کیا تم چاہتے ہو کہ مسلمان ہو جاؤ انہوں نے اس کی بات مان لی اور مسلمان ہو گئے۔ امام بخاری نے کہا کہ صابی صباء سے مشتق ہے جس کے معنے اپنا دین چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرنے کے ہے۔ اور ابو العالیہ نے کہا۔ صابئین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں (اور سورۂ یوسف میں) جو اصب کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "جھک جاؤں" ہے۔

فوائد و مسائل حدیث ہذا میں علیك بالصعید فانه یکفیك کا جملہ موجود ہے۔ یہی محل ترجمہ ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر جنبی کو پانی پر قدرت نہ ہو تو وہ بھی تیمم کر سکتا ہے۔ اور جنبی کے لئے غسل کی جگہ تیمم کافی ہے (۲) اس حدیث کو امام نے باب علامات النبوۃ میں بھی ذکر کیا

ہے اور مسلم نے صلوٰۃ میں ذکر کیا (۲)۔ راویان حدیث میں حضرت عمران قابل ذکر ہیں۔ عمران بن حصین ان کی کنیت ابو نجید ہے۔ خزاعی وکعبی ہیں۔ عام خیبر ۷ھ میں ایمان لائے۔ صحابہ میں بڑے فاضل اور فقیہ تھے۔ بصرہ میں قاضی مقرر ہوئے بڑے نیک عابد و زاہد تھے۔ فرشتے انہیں سلام کرتے تھے۔ ان سے کل ۱۸۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۱۲ بخاری میں ہیں ۵۲ھ میں بصرہ میں وصال فرمایا (عینی ج ۲ ص ۱۸، فتح الباری و تذکرۃ الذہبی)

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے :۔

(۱) بزرگوں کی تعظیم اور ان کے ساتھ ادب سے پیش آنا ضروری ہے۔ اگر ان کو جگانے کی ضرورت ہو تو اس میں بھی ادب کا خیال رکھا جائے۔ جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ کو بیدار کرنے کے لئے بلند آواز سے تکبیر کہی (۲) جب حضورؐ آرام فرما ہوتے تو صحابہ کرام حضورؐ کو جگاتے نہیں تھے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ خواب میں آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو (۳) یہ نہ کہا جائے کہ حقیقت میں حضورؐ بھی غافل تھے۔ یہاں تک کہ نماز فجر قضا ہو گئی اور سورج نکل آیا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کے قلب اقدس پر غفلت طاری نہیں ہو سکتی۔ خود ہی فرماتے ہیں میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے (۴) اگر بلا قصد و اختیار نماز قضا ہو جائے تو گناہ نہیں (۵) جس کو نہانے کی حاجت ہو اور پانی پر قدرت نہ ہو اس کو تیمم کرنا جائز ہے (۶) نماز با جماعت پڑھنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے (۷) فوت شدہ نماز کی قضا واجب ہے۔ اور تاخیر سے وہ ساقط نہیں ہوتی (۸) قضا کرنے میں بلا عذر تاخیر کرنا گناہ ہے (۹) قضا نماز کے لئے اذان کہنا مستحب ہے (۱۰) قضا نماز با جماعت پڑھنا جائز ہے (۱۱) اجنبی عورت کے ساتھ خلوت جائز ہے۔ جبکہ ضرورت شرعیہ ہو اور فتنہ کا خوف بھی نہ ہو (۱۲) مشرکوں اور کافروں کے برتن کا استعمال جائز ہے جب کہ ان کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو (۱۳) طبرانی کی حدیث ہے۔ کہ آپ نے مشکوں سے جو پانی پہلے لیا تھا۔ اس میں کلی فرمائی تھی اور وہ پانی مشکوں میں ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے پانی میں برکت پیدا ہو گئی۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ کے ساتھ سفر کرنے والوں کی تعداد ۴۰ تھی۔ ان چالیس افراد نے پانی پیا اور انہوں نے اپنے جانوروں کو بھی پلایا مگر پانی میں کمی نہ ہوئی۔ یہ حضور علیہ السلام کا عظیم و جلیل معجزہ تھا (۱۴) حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ وہ عورت چونکہ کافرہ حربیہ تھی اس لئے اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال لینا جائز تھا ——— لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں نے اس کا پانی لیا ہی کہاں۔ جو پانی مسلمانوں نے استعمال کیا۔ وہ محض فضل الٰہی تھا اور حضورؐ کا اعجاز۔ اور اس عورت کے مشکیزوں سے اس اعجاز کے ظہور میں حکمت یہ تھی۔ کہ اس کے ذریعہ بہتوں کی ہدایت ہو گی چنانچہ ہوئی اور اس عورت کی قوم مشرف باسلام ہوئی۔ خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عورت کو مخاطب کر کے یہ فرمایا :۔

ما رزئنا من مائك شيئا (ہم نے تیرا پانی کچھ کم نہیں کیا) البتہ اس عورت کو گھر پہنچنے میں جو تاخیر ہوئی۔ اس کے عوض میں اس کو ستو، آٹا کھجوریں دے دی گئیں ——— کفار حضور علیہ السلام کو صابی کہتے تھے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کے دین کو باطل قرار دیا تھا۔ اور دین اسلام کو جاری فرمایا تھا۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ بتایا کہ حدیث میں جو صابی کا لفظ ہے اس کے معنے ایک دین کو چھوڑ

سرے دین کو اختیار کرنے کے ہیں۔ اور قرآن میں جو صابی کا لفظ آیا ہے اس کے معنی اور ہیں:

ب إِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلٰى نَفْسِهِ الْمَرَضَ أَوِ
ـرتَ أَوْ خَافَ الْعَطَشَ تَيَمَّمَ
وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ
أَجْنَبَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فَتَيَمَّمَ وَتَلَا
وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا
فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ (بخاری)

باب جب جنبی کو غسل کرنے کی وجہ سے مرض میں مبتلا ہونے یا موت کا یا پیاس کا ڈر ہو تو وہ تیمم کرے۔

اور حضرت عمرو بن العاص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں سردی کی رات میں نہانے کی حاجت ہوئی۔ تو انہوں نے تیمم کر لیا۔ اور یہ آیت پڑھی۔ اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔ اللہ تم پر مہربان ہے پھر حضور علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے باز پرس نہ کی۔

ضاحت عنوان

اگر جنبی کو یہ اندیشہ صحیح ہو کہ غسل کرے گا تو مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔ یا مرض بڑھ جائے گا کوئی عضو ضائع ہو جائے گا۔ تو ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔ خواہ یہ صورت سفر میں ہو یا حضر میں۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، شافعی۔ مالک، ثوری رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے ر غسل کرنے سے موت واقع ہو جانے کا اندیشہ صحیح ہو تو تمام ائمہ کے نزدیک ایسے شخص کو تیمم کرنا جائز ہے صورت سفر میں ہو یا حضر میں (۳) اسی طرح پانی موجود ہے مگر اس قدر ہے کہ صرف غسل یا وضو کے سکتا ہے۔ لیکن غسل یا وضو کرنے کی صورت میں خود یا ساتھی یا جو اس کے ساتھ جانور ہے پیاسا رہ جائے گا وقت میں پیاسا رہ جانے کا خطرہ ہو تو بھی تیمم کرنا جائز ہے

(۴) حضرت عمرو بن عاص قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عابد و زاہد صحابی تھے۔ ۸ ہجری میں مسلمان ہوئے۔ نہایت ادب و حیا کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ مجلس میں ہمیشہ نیچی نگاہ رکھتے تھے۔ حضور نے انہیں عمان کا والی اور قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ آپ سے کل ۳۹ حدیثیں ہیں۔ ان میں سے تین بخاری میں ہیں (۵) حضرت عمرو بن العاص کے اثر کو ابو داؤد و حاکم نے سناد ذکر کیا۔ جس کا مضمون یہ ہے —— میں غزوۂ ذات السلاسل میں جنبی ہو گیا۔ مجھے خطرہ کہ اگر اس سردی میں غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے تیمم کر کے نماز فجر پڑھائی۔ صحابہ نے یہ واپس آ کر بحضور نبوی ﷺ پیش کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم نے ایسا کیا۔ میں نے غسل نہ کرنے کی وجہ بیان کی اور ے اس فعل کی دلیل میں سورہ نساء پ۵ کی آیت لا تقتلوا انفسکم الآیۃ پیش کی۔ حضورؐ یہ سن کر مسکرائے خاموش ہو گئے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے اس عمل پر خاموش ہو جانا سنت تقریری ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنبی اگر پانی کے ستعمال پر قادر نہ ہو تو اسے تیمم کرنا جائز ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ متیمم کے پیچھے متوضی کی نماز درست ہے۔

قَالَ كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي
مُوْسٰى فَقَالَ لَهُ أَبُوْ مُوْسٰى أَرَأَيْتَ
يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ إِذَا أَجْنَبَ فَلَمْ

حضرت شقیق بن سلمہ کا بیان ہے کہ میں عبد اللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری کے پاس تھا کہ ابو موسیٰ نے حضرت ابن مسعود سے کہا اے عبد الرحمٰن

يَجِدْ مَاءً كَيْفَ يَصْنَعُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لَا يُصَلِّي حَتّٰى يَجِدَ الْمَاءَ فَقَالَ أَبُو مُوسٰى فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ عَمَّارٍ حِيْنَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْفِيْكَ قَالَ أَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِذٰلِكَ مِنْهُ فَقَالَ أَبُو مُوسٰى فَدَعْنَا مِنْ قَوْلِ عَمَّارٍ كَيْفَ تَصْنَعُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ فَمَا دَرٰى عَبْدُ اللهِ مَا يَقُوْلُ فَقَالَ إِنَّا لَوْ رَخَّصْنَا لَهُمْ فِي هٰذَا لَأَوْشَكَ إِذَا بَرَدَ عَلٰى أَحَدِهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَدَعَهُ وَيَتَيَمَّمَ فَقُلْتُ لِشَقِيْقٍ فَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللهِ لِهٰذَا فَقَالَ نَعَمْ

(بخاری)

اسی مضمون کی ایک اور حدیث امام نے ذکر کی تھی۔ جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔

یعنی ابن مسعود) جب کوئی جنبی ہو اور پانی نہ پائے۔ تو کی کرے۔ تو عبداللہ بن مسعود نے فرمایا جب تک پانی ن نماز نہ پڑھے۔ ابو موسیٰ نے کہا پھر تم عمار کی روایت کا کیا جواب دو گے۔ جب کہ نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا تجھ کو یہ کافی تھا۔ یعنی منہ اور ہاتھ کا کرنا (حضرت عمار کا واقعہ گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے)

حضرت ابن مسعود نے جواب دیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر رض نے عمار کی بات قناعت کی۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا اچھا حضرت عمار کے قو کو جانے دو۔ تم اس آیت کا کیا جواب دو گے (یعنی تیمم کا جس میں جنبی اور بے وضو دونوں کے لئے جب کہ پانی پر قدرت نہ ہو تیمم کا حکم ہے)

پس عبداللہ بن مسعود کو کوئی جواب نہ بن پڑ کہنے لگے۔ اگر ہم لوگوں کو (جنابت کی حالت میں) تیمم کی اجازت دے دیں تو پھر ایسا ہوگا۔ کہ جس کو پانی ٹھنڈا معلوم ہو گ وہ غسل چھوڑ کر تیمم کرے گا۔ اعمش نے کہا۔ میں نے شقیق سے کہا۔ کہ عبداللہ بن مسعود نے جنبی کو تیمم کرنا مصلحت سے برا جانا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں!

واضح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ تھی۔ کہ جنبی کو تیمم جائز نہیں ہے۔ اور باقی صحابہ کرام جواز کے قائل تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے مابین اسی مسئلہ پر بحث ہوئی۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا۔ اگر آپ کے نزدیک جنبی کو تیم جائز نہیں۔ تو روایت عمار جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنبی کو تیمم کا حکم دیا۔ اس کا آپ کے پاس کی جواب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا۔ حضرت عمر نے روایت عمار پر قناعت نہیں کی (حضرت عمر در اصل اس سفر میں خود موجود تھے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے حضرت عمار کو جنبی ہونے کی وجہ سے تیمم کا حکم د تھا۔ مگر حضرت عمر رض کو یہ واقعہ یاد نہ رہا اس بنا پر انہوں نے روایت عمار پر قناعت نہ کی۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ نے کہا اچھا تو آپ کے پاس آیت تیمم کا کیا جواب ہے۔ جس میں مطلقاً تیمم کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی جنبی اور بے وضو دونوں کے لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کا حکم ہے۔ تو عبداللہ بن مسعود لاجواب ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اگر ہم کے لئے تیمم کا حکم دے دیں۔ تو پھر ہر وہ شخص جس کو سردی میں نہانے سے تکلیف ہوگی۔ تیمم کر لے گا۔

حرف اصل حضرت عمر و ابن مسعود دونوں سے اس مسئلہ میں خطاء اجتہادی واقع ہوئی۔ اور جب مسئلہ

اصل پوزیشن ان دونوں حضرات پر کھلی تو دونوں نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا۔ جیسا کہ نووی اور ابن ابی شیبہ نے تصریح کی ہے (۲) یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

(۱) جنبی کو اگر پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرے جیسا کہ احادیث مرفوعہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور جمہور صحابہ اور ائمہ دین کا یہی مسلک ہے (۲) حق کی وضاحت کے لئے مناظرہ جائز ہے (۳) مناظرہ کے وقت ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل سے حجت پکڑنا جائز ہے۔ جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بھی ایسا ہی کیا تھا:

فائدہ آیۂ تیمم میں "لمستم النساء" کا لفظ بھی ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضہ کی رائے میں لمس سے مراد جماع نہ تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک مس بشرہ ناقض وضو ہے۔ اس لئے ان کی رائے یہ ہوئی کہ جنبی کو تیمم جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ان کنتم جنبا فاطهروا ـــــــ لہٰذا یہ نہ کہا جائے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے آیت کی بھی پروا نہ کی۔ مگر حضرت ابو موسیٰ نے جب یہ آیت پیش کی تھی تو ان کے ذہن میں لمس بمعنی جماع ہی تھا۔ اگر حضرت عبد اللہ بن مسعود کی رائے میں بھی لمس بمعنی جماع ہوتا تو وہ اسی وقت رجوع فرما لیتے۔ فافہم

(۲) یہاں یہ نہ کہا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حدیث رد کر دی۔ اور اپنی رائے پر قائم رہے حضرت عمر رضہ نے نہ تو حدیث کو رد کر دیا اور نہ حضرت عمار کو جھوٹا قرار دیا۔ ہُوا یہ کہ حضرت عمر خود اس سفر میں موجود تھے جس کے متعلق حضرت عمار کا بیان تھا کہ حضورؐ نے مجھے بحالت جنابت تیمم کرنے کی اجازت دی چنانچہ حضرت عمار نے جب یہ واقعہ بیان کیا تو حضرت عمر رضہ نے فرمایا:۔

"عمار! خدا سے ڈرو۔ حضرت عمار رضہ نے عرض کی۔ اگر آپ کہیں تو میں یہ حدیث بیان نہ کروں (کیونکہ حدیث بیان کرنے کا جو فرض مجھ پر عائد ہوتا تھا وہ میں پورا کر چکا ہوں) اس پر حضرت عمر رضہ نے کہا۔ میں تیرا کام تجھ پر ہی ڈالتا ہوں" (مسلم شریف)

اس سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ حضرت فاروق اعظم رضہ نے حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ انہیں یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے عمار سے بھول ہو گئی ہو۔ اور یہ خیال انہیں اس لئے پیدا ہوا۔ کہ وہ خود سفر میں موجود تھے چنانچہ جب حضرت عمار رضہ نے یہ کہا کہ "آپ کہیں تو میں یہ حدیث بیان کرنا چھوڑ دوں"۔ تو حضرت عمر رضہ نے ان کو اس حدیث کے بیان کرنے سے منع نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ "میں تیرا کام تجھ ہی پر ڈالتا ہوں"۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضہ متردد تھے۔ اور تردد کی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ خود اس سفر میں موجود تھے۔ اور انہیں یاد نہ تھا کہ حضورؐ نے حضرت عمار رضہ کو بحالت جنابت تیمم کا حکم دیا تھا۔ لیکن اس شک و تردد کے باوجود وہ حضرت عمار کو جھوٹا نہیں قرار دیتے تھے۔ چہ جائیکہ حدیث کو رد کریں۔

چنانچہ جب حضرت عمر رضہ کو یہ یقین ہو گیا کہ حضرت عمار کا بیان صحیح ہے۔ تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا حتیٰ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے بھی رجوع کر لیا۔ فافہم و تدبر

بَابُ التَّيَمُّمِ ضَرْبَةٌ

باب۔ تیمم میں ایک بار ہاتھ مارنا کافی ہے۔

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے، جس میں حضرت ابوموسیٰ و حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مناظرہ کا ذکر ہے۔ اور حدیث عمار لکھی ہے۔ جن کو نہانے کی حاجت ہوگئی تھی۔ اور انہوں نے زمین میں لوٹ لگائی تھی۔ ان دونوں حدیثوں کی تفہیم و ترجمانی اوپر ہو چکی ہے۔ ہم یہاں عنوان کے مناسب الفاظ ذکر کئے دیتے ہیں۔

۱۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہانے کی حاجت ہوگئی اور پانی موجود نہ تھا۔ آپ نے زمین میں لوٹ لگائی اور نماز پڑھی۔ پھر حضور علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا تجھے زمین پر لوٹ لگانے کی بجائے ایسا کرنا کافی تھا۔

فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ اَنْ تَصْنَعَ
هٰكَذَا وَضَرَبَ بِكَفِّهٖ ضَرْبَةً عَلَى
الْاَرْضِ ثُمَّ نَفَضَهَا ثُمَّ مَسَحَ بِهَا
ظَهْرَ كَفِّهٖ بِشِمَالِهٖ اَوْ ظَهْرَ شِمَالِهٖ
بِكَفِّهٖ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ (بخاری)

اور آپ نے زمین پر اپنا ہاتھ ایک بار مارا پھر اس کو جھاڑا۔ پھر بائیں سے دائیں ہاتھ کی پشت پر مسح کیا یا اپنے سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت پر مسح کیا۔ پھر اپنے چہرہ پر دونوں ہاتھوں کو پھیر لیا

فوائد و مسائل امام نے عنوان مذکورہ یہ ثابت کرنے کے لئے قائم کیا ہے۔ کہ تیمم میں صرف ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کا زمین پر مارنا کافی ہے۔ اور ایک ہی ضرب سے دونوں ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث عمار کے لفظ "ضرب بکفہ ضربۃ" (الحدیث) سے اپنے مسلک کا اثبات کیا ہے۔ لیکن جمہور علماء و احناف کے نزدیک چہرہ کے مسح کے لئے علیحدہ اور ہاتھوں کے مسح کے لئے علیحدہ زمین پر ہاتھ مارنا ضروری ہے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بیان کیا ہے :

باب یہاں باب کا لفظ بلا ترجمہ ہے۔ اور اس کے ضمن میں امام نے ایک حدیث لکھی ہے جو یہ ہے :۔ حضرت عمران بن حصین الخزاعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس شخص نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا کہ تو نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ عرض کی :۔

مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ فَقَالَ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ اَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ قَالَ
عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ (بخاری)

یا رسول اللہ مجھے نہانے کی حاجت ہے اور پانی نہیں ہے۔ فرمایا مٹی لے لے (یعنی تیمم کر لے) وہ تجھے کفایت کرے گی۔

جہاں امام صرف لفظ باب بلا ترجمہ لکھتے ہیں۔ وہ غالباً پچھلی فصل یا باب کا خلاصہ اور تتمہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی اس حدیث کو ذکر کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے جب پانی پر قدرت نہ ہو مٹی سے تیمم کیا جائے :

خاتمہ کتاب التیمم میں سترہ حدیثیں ہیں۔ ان میں سے ۱۰ مکرر اور دو معلق ہیں بلا تکرار سات حدیثیں ہیں۔ ان میں سے ایک معلق اور باقی موصول ہیں۔ آثار صحابہ و تابعین دس ہیں۔ ان میں سے ۲ موصول ہیں :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ

۱۔ طہارت جو شرائط نماز سے ہے۔ اس کے احکام بیان کرنے کے بعد اب نماز کا بیان شروع کیا جا رہا ہے۔ عنوان سے مقصود نماز کی فرضیت اور اس کی کیفیت کو بتانا ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے شرائط نماز کا ذکر کیا ہے۔ جن کا نماز سے پہلے ہونا ضروری ہے ارت کے چونکہ بہت سے باب تھے۔ اس لئے اس کے لئے کتاب الطہارۃ کا عنوان قائم فرمایا۔ ترتیب شرائط صلوٰۃ یوں رکھی ہے۔ فرضیت صلوٰۃ، ستر عورت، استقبال قبلہ۔ پھر اس کے ذیل میں مسجد، سترہ، دخول وقت، اذان، جماعت، امامت، صفت نماز کا بیان ہے۔ اس کے بعد اقسام نماز یعنی جمعہ و عیدین وغیرہ کا تذکرہ ہے:

صلوٰۃ کے معنی

(۲) لغت میں صلوٰۃ کے معنے دعا کے ہیں۔ قرآن پاک میں فرمایا وصل علیھم اور حدیث میں ہے وان کان صائما فلیصل۔ اس آیت اور حدیث میں صلوٰۃ بمعنی ہے۔ امام نووی نے فرمایا۔ صلوٰۃ کا اشتقاق صلوین سے ہے۔ اور صلوین سرین کی دو ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ ور قسطلانی نے فرمایا۔ صلوٰۃ "صلی" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی بانس کو انگاروں پر رکھ کر سیدھا کرنے کے ہیں۔ بعض نے کہا صلوٰۃ کے اصل معنی رحمت کے ہیں۔ لہذا صلوٰۃ کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ رحمت ہے۔ یا اس لئے کہ اس میں نمازی رکوع و سجود میں اپنے سرین ہلاتا ہے یا اس لئے کہ صلوٰۃ سے آدمی امت پر آجاتا ہے۔ تو جس کی کجی نماز سے جاتی رہے۔ قیامت کے دن اسے آگ سے سیدھا کرنے کی ورت نہ رہے گی (انشاء اللہ العزیز)

مصلی

بعض علماء نے فرمایا۔ کہ صلوٰۃ مصلی سے مشتق ہے۔ وہ گھوڑا جو سابق گھوڑے کے پیچھے ہو (تالی) اس کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اس پیچھے والے گھوڑے کا سر آگے والے گھوڑے کے سرین کے پیچھے ہوتا ہے۔ اور وہ اس کا تابع ہوتا ہے تو صلوٰۃ کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ مصلی اپنے امام کا تابع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:۔

امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے (ولا عکس)

سہو امام سے مقتدی پر بھی سجدہ سہو لازم آتا ہے۔

مقتدی کو امام سے پہلے رکوع و سجود ممنوع ہے۔

امام کا سترہ مقتدیوں کے حق میں بھی کافی ہے وغیرہ وغیرہ

اس کے علاوہ ہر وہ عبادت جو تعظیم و خشیت خالق کے لئے ہو۔ اس کو صلوٰۃ کہہ سکتے ہیں۔ اور اس معنے میں صلوٰۃ افراد انسانی کے ساتھ خاص نہیں رہتی بلکہ تمام مخلوقات کے لئے مشترک ہو جاتی ہے۔ تو ہر چیز

کی صلوٰۃ اس کے مناسب حال ہوگی۔ اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا کل قد علم صلاته وتسبیحه اس آیت میں اشارہ ہے۔ کہ تمام مخلوقات وظیفۂ صلوٰۃ میں مشترک ہیں۔ البتہ اس کی نوعیت وصورت میں فرق ضرور ہے۔ جیسے سجدہ ہی کو لے لیجئے۔ تمام مخلوقات اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہے۔ وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض۔ لیکن سجدہ کی صورت میں فرق ہے۔ انسان کے سجدہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے سات اعضا پر سجدہ کرتا ہے۔ اور دوسری اشیاء کے سجدہ کی صورت اور ہے۔

نماز کی اہمیت

حضور سید عالم جب مبعوث ہوئے تو توحید کے بعد سب سے پہلا حکم جو آپ کو ملا وہ نماز کا تھا جیسا یایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر یہ ہی نماز کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ نماز تکمیل کے مدارج طے کرتی ہوئی اس نقطہ پر پہنچ گئی۔ جو روحانی معراج کی آخری سرحد ہے۔

قرآن پاک کی تصریح کے مطابق دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا۔ جس نے اپنی امت کو نماز کی تعلیم نہ دی ہو اور اس کی تاکید نہ کی ہو۔ خصوصاً ملت ابراہیمی میں تو اس کی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت شعیب، حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت لقمان، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا ان سب جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق قرآن پاک نے بتایا ہے سب کے سب نماز پڑھتے تھے۔ اپنے اہل وعیال اور اپنی قوم کو نماز کا حکم دیتے تھے۔ دیکھو سورۂ مریم، ہود، انبیاء، لقمان، ابراہیم، طٰہٰ، یونس، مائدہ، آل عمران۔

قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے زمانہ میں بھی بعض یہودی اور عیسائی نماز پڑھتے تھے (آل عمران)

قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے زمانہ میں بھی بعض یہودی اور عیسائی نماز پڑھتے
تھے (آل عمران ۱۳) حضور علیہ السلام نے فرمایا یہودیوں کی طرح ننگے نماز نہ پڑھو (کنز العمال ج ۴ صفحہ ۱۴۱)

نماز اسلام کا سب سے اہم واکرم فریضہ ہے۔ عبادات میں سب سے اشرف وافضل نماز ہی ہے۔ قرآن پاک میں تقریباً سو مرتبہ سے زیادہ نماز کی تعریف اور اس کی بجا آوری کی تاکید آئی ہے۔ اور اس کے ادا کرنے میں سستی اور کاہلی نفاق کی علامت اور اس کا ترک کفر کی نشانی بتائی گئی ہے۔ یہ وہ فرض ہے جو اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا۔ اور اس کی تکمیل اس شبستان قدس میں ہوئی جس کو معراج کہتے ہیں۔

واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین (الروم)	اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

آیت بالا سے ایک تو توحید وایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ثابت ہوئی۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ترک نماز سے کفر وشرک میں گرفتار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ جب دل کی کیفیت کو بیرونی اعمال کے ذریعہ نہ بڑھاتے رہا جائے۔ تو خود اس کی کیفیت (ایمان) کے زائل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ خاص طور سے نماز پر زور دیا اور اس کے تارک کے متعلق شرک وکفر کا فتویٰ ظاہر فرمایا ہے

روزِ محشر کہ جاں گداز بود　　اولین پرسش نماز بود

تارک صلوٰۃ کافر ہے؟ حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں جانتے سوا نماز کے۔ بہت سی ایسی حدیثیں آئیں۔ جن کا ظاہر یہ ہے کہ قصداً نماز کا ترک کفر ہے۔ اور بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت فاروق اعظم، عبدالرحمان بن عوف، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، ابوہریرہ، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب ہے۔ بعض ائمہ کرام مثلاً حضرت امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مبارک و امام نخعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہ و دیگر ائمہ کرام نیز کثیر صحابہ کرام تارک صلوٰۃ کو کافر نہیں کرتے۔ مگر کیا یہ تھوڑی بات ہے۔ کہ ان جلیل القدر حضرات کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث کے لئے اہل علم حضرات نیل الاوطار، نووی اور عینی کا مطالعہ کریں

(۲) ہر مکلف یعنی عاقل و بالغ پر نماز فرض عین ہے۔ اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ اور جو قصداً چھوڑ دے اگرچہ ایک ہی وقت کی وہ فاسق ہے اور جو نماز نہ پڑھتا ہو قید کیا جائے حتیٰ کہ نماز پڑھنے لگے۔ بلکہ ائمہ ثلاثہ مالک، شافعی، احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سلطان اسلام کو اس کے قتل کا حکم ہے (در مختار) (۳) نماز خالص عبادت بدنی ہے۔ اس میں نیابت جاری نہیں ہو سکتی یعنی ایک کی طرف سے دوسرا نہیں پڑھ سکتا (۴) فرضیت نماز کا سبب اصلی امر الٰہی ہے اور ظاہری سبب وقت ہے۔ کہ اول وقت سے آخر وقت تک جب بھی پڑھے ادا ہو جائے۔ اور فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا (۵) بچہ جب سات برس کی عمر کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنا سکھایا جائے اور جب دس برس کا ہو جائے ضرورت پڑے تو سختی سے پڑھوانی چاہیئے:

بابُ كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ فِي الْإِسْرَآءِ

باب معراج میں نماز کیسے فرض ہوئی؟

(۱) جمہور اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں روح و جسم کے ساتھ معراج ہوئی۔ مسجد حرام سے لے کر عرش الٰہی یا جہاں تک اللہ نے چاہا۔ مسلسل ایک ہی معراج ہے۔ جمہور محدثین فقہاء و متکلمین کا یہی مذہب ہے۔ اور اس کی سب سے صاف اور سیدھی دلیل یہ ہے۔ کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کر دے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ (وہ) نفس حالت بیداری میں پیش آیا۔ قرآن پاک کے الفاظ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات میں لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں۔ اس لئے بے شبہ یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا۔ یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی بجسم:

البتہ کس مہینہ میں ہوئی اس میں گو اختلاف ہے مگر رجب شریف کا مہینہ اور اس کی ۲۷ تاریخ ہی اکثریت نے مانی ہے اور اسی پر تعامل امت بھی ہے (زرقانی ج ۱ ص ۳۵۵ تا ص ۳۵۸)

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعیین میں دشواری کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جبکہ تاریخ اور سیرت کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ اور عرب میں عموماً اسلام سے قبل کسی خاص سن کا رواج بھی نہ تھا۔ البتہ اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہے یہ واقعہ رات میں ہوا جو قرآن نے اسریٰ بعبدہ لیلاً فرمایا ہے اور تمام روایات بھی اس پر متفق ہیں اور اتنی بات پر

بھی سب کا اتفاق ہے کہ معراج بعثت اور آغازِ وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے ہوئی۔ اور اسی میں نماز پنجگانہ فرض ہوئیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رض حَدَّثَنِي أَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فِي حَدِيْثِ هِرَقْلَ فَقَالَ يَأْمُرُنَا يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَا

(بخاری)

اور حضرت ابن عباس نے فرمایا مجھ سے ابوسفیان بن حرب نے بیان کیا ہرقل کے قصہ میں۔ ابوسفیان نے کہا سو وہ یعنی حضور علیہ السلام ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے اور حرام سے بچنے کا حکم فرماتے تھے۔

یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو باب بدءُ الوحی (فیوض الباری ج ۱ ص ۹۴) پر گذر چکی ہے، حدیث کے اس ٹکڑے سے امام کا مقصود یہ بتانا ہے کہ نماز قبل ہجرت مکہ معظمہ میں فرض ہوئی کیونکہ حضرت سفیان نے ہرقل سے حضورؐ کے متعلق وہی باتیں بیان کی تھیں۔ جو انہوں نے مکہ میں قبل ہجرت حضور علیہ السلام سے سنی یا دیکھی تھیں ——— ظاہر ہے کہ اس حدیث کا عنوان سے تعلق قائم نہیں ہوتا کیونکہ عنوان تو یہ ہے کہ نماز کیسے فرض ہوئی۔ اور حدیث میں کیفیت کا نہیں بلکہ وقت فرض (ذات) کا بیان۔ جواب یہ ہے کہ امام کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب وہ کسی بات کا عنوان باندھتے ہیں۔ تو بعض اوقات اس کے مناسبات لوازمات و متعلقات کو بھی بیان کر دیتے ہیں، یہاں بھی یہی صورت ہے۔ کیونکہ معرفت کیفیت الشئی مستلزم و مسبوق کی معرفت ذات کو تو امام نے پہلے ذات صلاۃ کی معرفت من حیث الفرضیت حدیث زیر بحث سے کرائی ہے۔ اور کیفیت فرض کی معرفت اسراء سے کرائی ہے۔ جو یہ ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَبُوْ ذَرٍّ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِيْ وَأَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَفَرَجَ عَنْ صَدْرِيْ ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيْمَانًا فَأَفْرَغَهُ فِيْ صَدْرِيْ ثُمَّ أَطْبَقَهُ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِيْ فَعَرَجَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ افْتَحْ قَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ قَالَ هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَعِيَ مُحَمَّدٌ فَقَالَ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فُتِحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلَى يَمِيْنِهِ أَسْوِدَةٌ وَعَلَى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ إِذَا

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر بیان کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں مکہ میں تھا پھر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ انہوں نے میرا سینہ چاک کیا پھر اس کو آبِ زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لائے اس کو میرے سینہ میں ڈال کر بند کر دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے چڑھے۔ جب میں آسمانِ دنیا پر پہنچا۔ تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کھول لو۔ اس نے کہا کون؟ جواب دیا جبریل۔ اس نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ اس نے سوال کیا کیا وہ بلائے گئے ہیں انہوں نے کہا ہاں۔ بہرحال جب اس نے کھولا تو ہم آسمان دنیا پر چڑھے وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے دائیں

نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهٖ بَكٰى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ لِجِبْرِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اٰدَمُ وَهٰذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ نَسَمُ بَنِيْهِ فَأَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِيْ عَنْ شِمَالِهٖ أَهْلُ النَّارِ فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهٖ بَكٰى حَتّٰى عَرَجَ بِيْ إِلَى السَّمَآءِ الثَّانِيَةِ فَقَالَ لِخَازِنِهَا افْتَحْ فَقَالَ لَهٗ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُ فَفَتَحَ قَالَ أَنَسٌ فَذَكَرَ أَنَّهٗ وَجَدَ فِي السَّمٰوٰتِ اٰدَمَ وَإِدْرِيْسَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى وَإِبْرٰهِيْمَ وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ أَنَّهٗ ذَكَرَ أَنَّهٗ وَجَدَ اٰدَمَ فِي السَّمَآءِ الدُّنْيَا وَإِبْرٰهِيْمَ فِي السَّمَآءِ السَّادِسَةِ قَالَ أَنَسٌ فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِدْرِيْسَ قَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا إِدْرِيْسُ ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوْسٰى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا مُوْسٰى ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيْسٰى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا عِيْسٰى ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرٰهِيْمَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا إِبْرٰهِيْمُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ أَنَّ ابْنَ

بائیں بہت سی پرچھائیں تھیں جب وہ دائیں جانب دیکھتا تھا تو ہنستا تھا اور جب بائیں جانب نگاہ جاتی تھی تو روتا تھا اس نے مجھے دیکھ کر کہا مرحبا اے نبی صالح اور اے فرزند صالح میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون ہیں انہوں نے کہا یہ آدم ہیں اور ان کے دائیں بائیں کی پرچھائیاں ان کی اولاد کی روحیں ہیں اور دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں اس لئے جب وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں پھر جبریل مجھے دوسرے آسمان پر لیکر چڑھے۔ وہاں کے داروغہ سے کہا کھولو۔ اس داروغہ سے بھی اسی قسم کا سوال وجواب ہوا اور اس نے دروازہ کھول دیا —— حضرت انس نے کہا حضرت ابوذر نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے آسمانوں میں حضرت آدم ادریس، موسیٰ عیسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا لیکن ابوذر نے مجھ سے پیغمبروں کے منازل کی تعیین نہیں بیان کی۔ البتہ اتنا انہوں نے بیان کیا کہ حضور نے آسمان اول پر آدم علیہ السلام کو اور آسمان ششم پر ابراہیم خلیل کو پایا —— حضرت انس نے کہا حضرت جبریل علیہ السلام حضور کو لئے ہوئے ادریس پیغمبر کے پاس سے گذرے تو انہوں نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور اے بھائی صالح میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون ہیں انہوں نے کہا یہ ادریس ہیں پھر میں موسیٰ پر سے گذرا تو انہوں نے کہا اے نبی صالح اور اے بھائی صالح میں نے پوچھا یہ کون ہیں انہوں نے کہا یہ موسیٰ ہیں پھر میں عیسیٰ پر سے گذرا تو انہوں نے کہا اے نبی صالح اور بھائی صالح میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ جبریل نے کہا یہ عیسیٰ ہیں پھر میں ابراہیم پر سے گذرا تو انہوں نے کہا مرحبا اے نبی صالح اے بیٹے صالح۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں جبریل علیہ السلام نے جواب دیا یہ ابراہیم خلیل ہیں۔ ابن شہاب نے کہا مجھے ابوبکر حازم نے خبر دی کہ عبداللہ بن عباس و ابوحبہ عامر بن عمرو

عَبَّاسٍ وَّ اَبَا حَبَّةَ الْاَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُوْلَانِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عُرِجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَّاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى اُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى اُمَّتِكَ قُلْتُ فَرَضَ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى قُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُهٗ فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّيْ ثُمَّ انْطَلَقَ بِيْ حَتَّى انْتَهٰى بِيْ اِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَغَشِيَهَا اَلْوَانٌ لَّا اَدْرِيْ مَا هِيَ ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا فِيْهَا حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ وَاِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ

(بخاری)

انصاری دونوں کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جبریل مجھے لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ہموار مقام پر پہنچا۔ جہاں قلم (قدرت) کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی —— ابن حزم اور انس بن مالک نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے میری امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔ میں یہ عطیہ روحانی لے کر حضرت موسیٰ کے پاس سے گذرا۔ تو انہوں نے پوچھا۔ خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا۔ میں نے کہا پچاس وقت کی نمازیں حضرت موسیٰ ع نے کہا۔ اپنے رب کے پاس دوبارہ جائیے آپ کی امت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میں بحضور الٰہی حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ کم کر دیا۔ پھر میں موسیٰ کے پاس آیا۔ اور کہا اللہ نے ایک حصہ نمازیں کم کر دی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے کہا۔ دوبارہ خدا کے پاس جائیے۔ آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی میں واپس ہوا۔ تو اللہ عزوجل نے ایک حصہ کی پھر تخفیف کر دی پھر میں موسیٰ کے پاس لوٹا انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس پھر جاؤ آپ کی امت میں اس کی بھی قوت نہیں پھر میں بحضور الٰہی حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نمازیں پانچ ہیں اور (حقیقت میں) پچاس ہیں۔ میرے ہاں بات نہیں بدلا کرتی۔ پھر میں موسیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے تخفیف مزید کے لئے کہا پھر جائیے میں نے کہا مجھے شرم آتی ہے —— پھر جبریل مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ سدرۃ المنتہیٰ تک مجھے پہنچایا اور کئی طرح کے رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جنہیں میں نہیں جانتا وہ کیا تھے پھر مجھے جبریل جنت میں لے گئے پس وہاں کی عمارتیں موتیوں کی تھیں اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری نے حج، بدء الخلق، الانبیاء اور باب قولہ تعالیٰ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے ایمان میں ترمذی نے تفسیر میں نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

(۱) حدیث ہذا کی عنوان سے مناسبت بالکل ظاہر ہے یعنی اس میں فرضیت نماز کی کیفیت کا بیان ہے۔ یہ حدیث معراج

اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ اگر تمام امور پر بحث کی جائے تو اس کے لئے دفتر درکار ہے چند ضروری امور بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) جبریل امین سونے کا طشت لائے اور اس کے سرمایہ کو سینہ نبوی میں رکھ دیا۔ اس سے سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ فعل جبریل امین کا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو احکام ان کے لئے ہیں وہ ہمارے لئے بھی ہوں۔ اس کے علاوہ سونے چاندی کے ظروف کے استعمال کی حرمت مدینہ میں ہوئی۔ اور یہ واقعہ اس سے پہلے ہے (۲) شق صدر بھی عجیب شان سے ہوا۔ نہ کسی نشتر کا استعمال ہوا اور نہ کسی قسم کی تکلیف، پھر قلب مبارک کو نکالا گیا مگر اس کے باوجود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی میں کوئی تغیر نہیں ہوا ——

بعض علماء نے فرمایا معراج کی شب جو شق صدر ہوا یہ سیر ملکوت اور مشاہدہ حق کے لئے ایک قسم کا وضو تھا:

شق صدر

کے متعلق یہ تو قطعی بات ہے کہ واقع ہوا، تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلاف ہے مگر یہ اختلاف ایسا نہیں جو مسئلہ کی اصل حیثیت پر اثر انداز ہو۔ روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپ پر اس کیفیت کا طاری ہونا ظاہر ہوتا ہے:-

اول: جب کہ آپ کی عمر مبارک پانچ سال کی تھی اور آپ حضرت حلیمہ رضہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔

دوم: جب کہ آپ کی عمر شریف دس برس کی ہوئی۔

سوم: جب کہ آپ بیس برس کی عمر کو پہنچے

چہارم: شب معراج جس کا ذکر حدیث زیر بحث میں ہے

لیکن تیسری کیفیت کے گذرنے کو محدثین بلکہ خود ارباب سیر نے بھی غیر ثابت قرار دیا ہے۔ باقی چار موقعوں کو علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فتح الباری ج۱ ص۳۴۳ میں بیان کیا ہے۔ اور ہر اختلاف روایت کو ایک واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق و تطبیق دی ہے (زرقانی ج۱ ص ۱۸۰)

جن لوگوں نے شق صدر کی روایات پر تنقید کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ در اصل شق صدر ایک بار ہی ہوا یعنی صغر سنی میں۔ اور باقی روایتوں کو مجروح یا راویوں کا سہو قرار دیا ہے۔ اس کا اصل محرک صرف یہ ہے کہ جب سینہ اقدس کو ایک بار پاک و صاف اور روشن و منور کر دیا گیا، تو بار بار اس کیفیت کے طاری کرنے سے فائدہ؟ اور یہ کہ ایک بار جو چیز پاک و منور ہو جائے دوبارہ پاکی و طہارت کی محتاج نہیں رہتی؟

لیکن ان کا یہ خیال الٰہی حکمتوں کے نہ سمجھنے کی بنا پر ہے۔ اگر متعدد اوقات میں شق صدر کی روایات صحیح ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کو الگ الگ واقعہ تسلیم نہ کریں —— رہا یہ سوال کہ سینہ اقدس کا پاک و صاف ہو کر روشن و منور ہو جانا ایک ہی دفعہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ علم و حکمت سے جب سینہ اقدس پُر کر دیا گیا۔ تو دوبارہ سہ بارہ اس کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ یہ محض ایک غلط اندازہ ہے کیونکہ علم و حکمت، پاکی و طہارت، روشنی، نور کوئی محدود چیز نہیں ہے بلکہ اس کی وسعت کا اندازہ فہم انسانی سے بالاتر ہے۔

اگر اللہ عزوجل نے اپنے رسول معظم کے سینہ اقدس و قلب مقدس کو ایک بار نہیں بلکہ کروڑ بار بھی علم و حکمت سے بھرا ہو اور روشن و منور فرمایا ہو، تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو کھٹکے۔ کیونکہ علم و حکمت سکینت رحمت و شفقت، ایمان و

عرفان ایسی چیزیں ہیں جنہیں ناپا تولا نہیں جاتا۔ اور نہ ان کی کوئی حد یا وزن مقرر کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ایک دفعہ علم وحکمت سے لبریز کر دینے کے بعد علم وحکمت میں مزید توسیع کے لئے اور پاکیزگی وطہارت میں مزید زیادتی کے لئے بھی شق صدر ہو سکتا ہے۔

شق صدر واقعی ایک حقیقی کیفیت تھی یا اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا۔ جو لوگ شق صدر کو عالم روحانی سے قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ شق صدر کی تمام مستند و مجروح روایات میں جن امور کا سینہ اقدس سے نکالے جانے کا بیان ہے جیسے حسد بغض وغیرہ اور جن امور کا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے جیسے سکینہ (تسلی)، رحمت و شفقت، ایمان وحکمت وغیرہ ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیت سے نہیں۔ لہٰذا یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں۔ جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں۔ جس طرح حالتِ خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متشکل ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے فرمایا:۔

> "لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا ہے اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۲۰۵ عربی)

لیکن یہ ایک تاویل ہے۔ اور حدیث کے الفاظ جب بالکل صاف وصریح ہیں۔ اور اس میں شق صدر کے تمثیلی ہونے کی تصریح بھی نہیں ہے تو اس کو تمثیلی قرار دینے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ جب حضورؐ یہ فرماتے ہیں کہ:۔

> "میرا سینہ چاک کیا گیا۔ زمزم سے دھو کر سونے کے طشت میں علم وحکمت لایا گیا۔ اس کا سرمایہ میرے سینہ مبارک میں بھر دیا گیا۔ اور شگاف پر کر دیا گیا"

تو یہی ماننا چاہیئے کہ واقعی ایسا ہوا ہے اور اسی عالم میں ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

بہرحال شق صدر کی حقیقت وماہیت خواہ کچھ بھی ہو۔ اس کا نتیجہ بالکل واضح ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وفہم انسانی تعلیم وتعلم اور مادی حکمت ودانائی سے پاک ومنزہ ہے۔ وہ اپنے اخذ نتائج اور اثبات دعویٰ کے لئے گذشتہ تجربات اور منطق کے استقراء وتمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہیں۔ بلکہ وہ جو کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں اس کا ماخذ ومرکز تعلیم الٰہی، القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہے ؎

ایسا امی کس لئے منت کش استاد ہو
کیا کفایت اس کو اقرأ وربک الاکرم نہیں

حکمت کا لفظ نہایت معنی خیز ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بارگاہ خداوندی سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں ان میں ایک خاص اور نہایت ہی اہم نعمت ہے۔ قرآن پاک میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرہ میں یہ اعلان کیا گیا کہ انہیں کتاب وحکمت دی گئی۔ حضور علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا:۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری (نساء)

عرب کی مبسوط و مستند کتاب لسان العرب میں ہے :-

والحکمة عبارة عن معرفة افضل الاشیاء بافضل العلوم

اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعے جاننے کو کہتے ہیں۔

حضرت امام راغب اصفہانی مفردات میں فرماتے ہیں :-

والحکمة اصابة الحق بالعلم والعقل الحکمة من الله تعالیٰ معرفة الاشیاء وایجادها علی غایة الاحکام ومن الانسان معرفة الموجودات وفعل الخیرات (ص۱۲۷ مصری)

اور حکمت علم اور عقل کے ذریعہ سچی اور صحیح بات کو پہنچنا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت چیزوں کا جاننا اور ان کو کمال و خوبی پیدا کرنا ہے اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا اور اچھی باتوں کا کرنا ہے۔

امام مجاہد نے فرمایا الحکمة فهم القرآن۔ حکمت قرآن کا فہم ہے۔ امام مالک و ابو رزین نے فرمایا۔ حکمت دین میں سمجھ اور اس فہم کو کہتے ہیں (هو سجیة ونور من الله تعالیٰ) جو پاک ہے اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک نور ہے۔ لیکن بعض نے کہا الحکمة وضع الاشیاء مواضعها۔ اشیاء کو ان کی مناسب جگہ دینا حکمت ہے (تفسیر بحر المحیط مصری ج۱ ص۳۹۴)

ابن زید نے کہا الحکمة الدین الذی لا یعرفونه الا به حکمت دین کا وہ حصہ ہے جو صرف رسول کے ذریعہ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ امام قتادہ نے فرمایا۔ حکمت سے مراد سنت نبوی ہے۔ امام طبری نے فرمایا کہ حکمت "حکم" سے ماخوذ ہے بمعنی الفصل بین الحق والباطل جس کے معنی حق اور باطل میں تمیز کرنے کے ہیں (ابن جریر طبری)

سیدنا امام شافعی علیہ الرحمة فرماتے ہیں حکمت سنت رسول ہے اس کے بعد فرماتے ہیں :-

وسنة الحکمة التی فی روعه من الله تعالیٰ (کتاب الرسالہ)

اور حضور علیہ السلام کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی

غرضکہ حکمت ایک آسمانی فہم دینی عقل نورانی قوت ہے۔ جو بشری عقل سے فوق ہے۔ اور جس کے ذریعہ نبی وحی کی تشریح اسرار شریعت و دقائق حکمت کی توضیح۔ مجمل و مبہم امور کی تبیین، حق و باطل میں تمیز اور اشیاء کو ان کے مناسب مقام پر رکھتا ہے اور مرضی الٰہی کی ترجمانی فرماتا ہے ——— حکمت یعنی وہ معرفت اور نور الٰہی ہے جو جد و جہد اور سعی و محنت سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ خداوند قدوس کی عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری ربانی استعدادوں اور فطری بخششوں کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں نہیں ملا۔ بلکہ حسب استعداد معمولی حکمت سے لے کر اعلیٰ ترین اور کامل ترین حکمت تک لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ اور یہ فیض حسب استعداد نبی کے اتباع میں دوسروں کو بھی ملتا ہے [اسی لئے فرمایا۔ رشک اس پر کیا جا سکتا ہے (اتاه الله الحکمة۔ بخاری) جس کو اللہ نے حکمت عطا فرمائی] مگر کامل ترین اور اعلیٰ ترین درجہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے اور کامل ترین سے کامل ترین اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین درجہ و مرتبہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے۔ جس کا حدیث زیر بحث میں بھی ذکر ہے۔

یہ عطیہ حکمت کا ہی نتیجہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طیبانہ فیصلے اور حکیمانہ تعلیمات تمام تر وحی ربانی

کی عملی وزبانی تفسیر وتشریح ہیں —— یہ اسی حکمت کے ثمرات ہیں کہ

قیود زمانی ومکانی کے دنیاوی قوانین سے آپ مستثنیٰ ہیں۔ زمین پر جلوہ فرما ہوتے ہوئے عالم ملکوت کا مشاہدہ فرماتے ہیں عرش وفرش کے مناظر مخفیہ بے حجابانہ آپ کے سامنے آجاتے ہیں۔ آپ کے احساس وادراک کی قوتیں اس قدر بلند ہیں کہ جو چیزیں عام انسانوں کو نظر نہیں آتیں۔ وہ آپ کو نظر آتی ہیں۔ عام انسان جن کو نہیں سن سکتے۔ حضورؐ اس کو بھی سن لیتے ہیں حتیٰ کہ حریم خلوت گاہ قدس میں پہنچ کر مشاہدۂ حق سے سرفراز ہوتے ہیں:

شب معراج میں ارواح مومنین وکفار کا اجتماع

حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب جنتیوں کی روحیں اور بائیں جانب دوزخیوں کی روحیں تھیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار کی روحیں سجین میں اور مومنین کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! فلا تفتح لھم ابواب السماء یعنی ارواح کفار کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے۔ اور وہ رد کر دی جاتی ہیں سجین کی طرف۔ تو معراج کی شب آسمان اول پر کافر و مومن کی روحیں کیسے جمع ہو گئیں۔ شارحین کرام نے اس اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں (دیکھیئے عینی جلد دوم۔ فتح الباری وقسطلانی) جن میں سے ایک جواب یہ ہے۔ کہ ارواح کے حق میں قرب وبعد بلکہ تعدد امکنہ حالت واحدہ میں جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارواح مومنین علیین میں ہوتے ہوئے بھی قبروالے کا سلام سنتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر ہیں۔ مگر اس کے باوجود حضور علیہ السلام نے انہیں شب معراج اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ قرآن مجید میں ہے فاطلع فراٰہ فی الجحیم۔ ایک جنتی نے جنت سے جھانکا تو دیکھا کہ اس کا ساتھی دوزخ میں ہے۔ حالانکہ دوزخ وجنت کے درمیان لاکھوں کروڑوں میل کا فاصلہ ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ عالم ارواح ہمارے عالم کے قوانین سے مستثنیٰ ہے۔ وہاں اوپر نیچے قریب و بعید کی حدیں اور جہتیں نہیں ہیں۔ لہٰذا ارواح کفار کا سجین میں ہونا جو زمین کے نیچے ہے۔ اور ارواح مومنین کا علیین میں ہونا جو آسمانوں کے اوپر ہے اس امر کا مانع نہیں ہو سکتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں حضور علیہ السلام نے ارواح مومنین و کفار کو ملاحظہ فرمایا۔ کیونکہ عالم ارواح قرب وبعد، تحت وفوق کے قوانین سے مستثنیٰ ہے۔

نیز الفاظ حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ازل تا آخر تمام ارواح کا اجتماع ہوا۔ حتیٰ کہ وہ روحیں بھی جو اب تک یا اس وقت تک اس دنیا میں نہیں آئی تھیں۔ ان کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ اور ان تمام ارواح اولین وآخرین کے اجتماع میں حکمت یہ تھی۔ کہ تمام ارواح بشری میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ ومقام کا اظہار ہو جائے۔ کہ یہ وہ ہستی مقدس ہیں کہ ان کو وہ کچھ دکھایا جا رہا ہے۔ جو سب کی حد نظر سے مستور رہا ہے اور وہ کچھ دیا جا رہا ہے جو اس سے قبل کسی کو نہیں دیا گیا۔

مختلف آسمانوں پر الگ الگ انبیاء کرام کی ملاقات متعدد حکمتوں پر مبنی تھی۔ ایک حکمت یہ بھی تھی۔ جس طرح شاہان عالم معزز مہمان کے اکرام کے لئے سارے راستہ میں اپنے دربار کے امراء کو مقرر کرتے ہیں۔ اسی طرح بلاتمثیل حضورؐ کے اعزاز واکرام کے لئے ان انبیاء کرام کا تعین آسمان اول سے آسمان ہفتم تک کیا گیا۔

علامہ قسطلانی نے فرمایا۔ یہ جو آسمان پر پہنچنے کے بعد جب جبریل امین نے بتایا کہ حضورؐ میرے ساتھ ہیں اور بحکم خدا آئے ہیں۔ تب دربان نے دروازہ کھولا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر دروازے پہلے ہی کھلے ہوئے ہوتے تو اس طرح حضورؐ کے لئے خصوصی طور پر دروازوں کا کھولا جانا ثابت نہ ہوتا۔

اسراء کے معنیٰ رات میں چلانے یا لے جانے کے ہیں۔ چونکہ حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ معجزانہ سفر رات میں ہوا۔ اس لئے اس کو اسرا کہتے ہیں۔ قرآن پاک نے بھی آپ کے اس سفر کو اسریٰ سے تعبیر کیا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا	پاک ہے اس ذات کو جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندہ کو لے گیا

سُبْحَانَ اللہِ! لے جانے والا کون ہے؟ رب العالمین۔ اور جانے والے کون ہیں؟ رحمۃ للعالمین۔ اور بات بھی یہی ہے کہ خود جانے میں مزہ نہیں بلائے جانے میں لطف ہے ؎

طور اور معراج کے قصہ سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی کہ حضورؐ نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ خود حضورؐ نے ملکوت میں اپنی ذات مبارکہ کی صورت ملاحظہ فرمائی فاذا ھو عروس المملکۃ (تو اپنے کو عروس مملکت پایا) (مواہب ج ۲ ص ۲)

شب معراج افضل ہے لیلۃ القدر

اس کے متعلق ابو امامہ ابن النقاش فرماتے ہیں۔ کہ شب معراج حضورؐ کے حق میں تمام راتوں سے افضل ہے۔ کیونکہ اس شب مبارک میں حضورؐ نے آیات الٰہیہ کا مشاہدہ فرمایا۔ اور لیلۃ القدر امت کے لئے بہترین رات ہے کیونکہ اس میں اعمال کی فضیلت آئی ہے (مواہب لدنیہ)

مگر میں کہتا ہوں کہ جب شب معراج حضورؐ کے حق میں افضل ہے تو امت کے حق میں بطریق اولیٰ افضل ہونی چاہیئے۔ اگر شب معراج میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب میں اضافہ ہوا ہے۔ تو آپ کے صدقہ میں امت کا مرتبہ بھی بڑھا ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ جب اللہ نے یہ چاہا کہ اپنے حبیب کو اپنی آیات دکھائے۔ تو آپ کو ملکوت کی سیر کرائی۔ حتیٰ کہ آپ اس مقام پر پہنچے۔ جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز آرہی تھی اس کے بعد حضورؐ تنہا رہ گئے۔ جبریل، براق، رفرف ان سے بھی آپ کا کوئی تعلق نہ رہا۔ اس وقت آپ کو نور میں غوطہ دیا گیا۔ اور ندا آئی ٹھہریے آپ کا رب آپ پر صلوٰۃ فرماتا ہے۔

صلوٰۃ کے بعد حضورؐ کو بارگاہ ایزدی میں حضوری کا شرف حاصل ہوا۔ پھر اپنی بارگاہ خاص میں اللہ نے اپنے محبوب سے گفتگو فرمائی جو فرمائی۔

وکان ھذا الاسراء بجسدہ الشریف	اور یہ معراج حضورؐ کو آپ کے جسم اقدس کے ساتھ ہوئی (الیواقیت الجواہر ج ۲ ص ۳۱)

معراج جسمانی کے ہونے پر شیخ نے ایک دلیل یہ دی ہے کہ جب حضورؐ اس مقام پر پہنچے جہاں تنہا رہ گئے تو آپ کو وحشت ہوئی۔ پھر اس وقت آپ کو نور میں غوطہ دیا گیا۔ تو یہ معراج جسد مبارک کے ساتھ تھی

جبھی تو آپ کو وحشت ہوئی۔ کیونکہ ارواح مجردہ کو وحشت نہیں ہوتی۔

فان الارواح المجردة لاتوصف بالوحشة

امام شعرانی فوائد معراج کے سلسلے میں فرماتے ہیں: شب معراج حضور علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ نے ان کو چھٹے آسمان پر دیکھا۔ اسی طرح دیگر انبیاء کرام کو ملاحظہ فرمایا۔ جس سے ایک جسم کا آن واحد میں متعدد مقام پر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انبیاء تو اپنی قبروں میں ہیں۔ اور آسمان پر حضورؐ نے انبیاء کی روحوں کو دیکھا۔ اس شبہ کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے بیت المقدس میں یا آسمان اول پر آدم و موسیٰ یا عیسیٰ کی روحوں کو دیکھا۔ بلکہ ہر مقام پر آپ نے فرمایا کہ میں نے آدم کو دیکھا۔ ابراہیم کو دیکھا یعنی روح مع الجسم کے ساتھ دیکھا۔ حضرت موسیٰ سے تو حضورؐ نے طویل گفتگو بھی فرمائی۔ حالانکہ یہ انبیاء اپنی قبروں میں موجود تھے۔ جیسا حدیث میں وارد ہے۔ اب وہ شخص جو ایک جسم کے آن واحد میں متعدد جگہوں پر موجود ہونے کا منکر ہے میں پوچھتا ہوں کہ اس حدیث معراج پر تیرا ایمان کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگر تو مومن ہے۔ تو تجھے مضمون حدیث کو بغیر چون و چرا ماننا چاہیئے۔ اور تسلیم کرنا چاہیئے۔ کہ ایک جسم آن واحد میں کئی جگہ موجود ہو سکتا ہے۔ اور اگر مومن عالم ہے تو تجھے اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ علم اس قسم کے اعتراضات سے روکتا ہے۔ اور اگر حقائق اشی کے علم سے تو بے خبر ہے تو اس کا علم حقیقی صرف اللہ کو ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ معترض اولیاء اللہ پر اعتراض کرتا ہے۔ کہ آن واحد میں ان کا متعدد مقامات پر ہونا ممکن نہیں۔ حالانکہ حضرت قضیب البان جو ایک ولی کامل تھے ایک ہی وقت میں متعدد جگہوں پر موجود ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ بات اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج۲ ص۳۴)

معراج جسمانی

(۱) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ معراج بعثت اور آغاز وحی کے بعد ہجرت سے پہلے ہوئی۔ یہ واقعہ مکہ معظمہ میں پیش آیا۔ مہینہ کے تعین کے متعلق گو اختلاف ہے۔ مگر رجب شریف کا مہینہ ہی جمہ تے۔ (۲) یہ معراج جسم اقدس اور روح مبارک کے ساتھ بحالت بیداری ہوئی۔ مسجد حرام سے عرش الٰہی یا جہاں تک اللہ نے چاہا۔ مسلسل ایک ہی معراج ہے۔ جمہور محدثین۔ فقہاء و متکلمین کا یہی مذہب ہے۔ اور اس سے عدول کسی طرح جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے خلاف کوئی دلیل عقلی و نقلی موجود نہیں۔ بلکہ اس کے ثبوت و وقوع پر عقل و نقل شاہد عدل ہیں۔

(۱) قرآن حکیم میں ہے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (قرآن)	پاک ہے وہ خدا جو شب معراج اپنے بندے کو لے گیا

یہ آیہ مبارکہ اس امر کے اظہار میں نص صریح ہے کہ یہ واقعہ بیداری کا ہے اور روح مع الجسد کے ساتھ ہے۔ اگر یہ خواب ہوتا تو اس کی تصریح کر دی جاتی۔ عبدہ کی جگہ روحہ ہوتا۔ اسریٰ کے لفظ کو بھی استعمال نہ کیا جاتا۔ تو جب الفاظ قرآن میں خواب کی تصریح ہی نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کو خواب قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ عبد کا اطلاق جسم و روح دونوں کے مجموعہ پر آتا ہے۔ تنہا روح کو عبد نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ روح و جسم دونوں کے مجموعہ کو معراج مانی جائے چنانچہ

(۱) أرأیت الذی ینھیٰ عبداً اذا صلّٰی

(۲) وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ

یہ دونوں آیتیں بھی اس امر پر شاہد ہیں کہ عبد کا اطلاق اولاً و بالذات روح مع الجسد پر ہی آتا ہے۔ جب تک کوئی قرینہ خارجی اس کے مساوی نہ ہو۔ مجازی معنے لینا درست نہیں ہو سکتے۔

(۳) واقعاتِ معراج میں حضورؐ نے یہ الفاظ بھی ارشاد فرماتے ہیں:-

عرج بی لیلۃ اسری بی (الخ)

جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں براق پر سوار ہوا جبریل میرے ساتھ تھے میں نے دودھ کا پیالہ پیا

یہ سب جسم کے خواص ہیں نیز اسریٰ فعل ہے۔ اور افعال میں اصل یہ ہی ہے۔ کہ وہ بیداری پہ محمول ہوں جب تک خلاف اصل پہ کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ اصل سے عدول جائز نہیں سوار ہونا۔ پینا۔ جبریل کا ساتھ ہونا یہ سب روح و جسم کے خواص ہیں۔ روح کے متعلق یہ کوئی نہیں کہتا کہ روح سوار ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا یہ معراج روح مع الجسد کے ساتھ تھی۔

(۴) اگر معراج رویا یا خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے۔ خواب میں تو محال سے محال چیز بھی نظر آتی ہے اور جب سنائی جاتی ہے تو کوئی اس پر تعجب نہیں کرتا۔ اگر یہ واقعہ خواب ہوتا۔ تو اس میں انکار کی کون سی بات تھی؟

(۵) نیز قرآن نے اس مشاہدہ معراج کو لوگوں کے لئے معیار و آزمائش قرار دیا ہے۔ اور قرآن و حدیث نے اس واقعہ کو بڑی اہمیت کے ساتھ اظہار کیا ہے۔ اگر یہ خواب ہوتا تو اس میں آزمائش کی کون سی بات تھی اور اس پر ایمان لانا کیا مشکل تھا۔

(۶) پھر ان سب باتوں کے علاوہ دیکھنا تو یہ ہے کہ سبحٰن الذی اسریٰ کا فاعل سیر کرانے والا اور حضور کو بلانے والا کون ہے؟ اور اس کی طاقت کیا ہے ——— کیا وہ قادر۔ قدیر خدا نہیں ——— اگر ہے اور ضرور ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی قدرت کے اس کرشمہ کو ہم نہ تسلیم کریں۔ اور معراج کو روحانی قرار دے کر اس کی قدرت کے منکر ہو جائیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قرآن سے جسمانی اور بیداری میں ہونا سمجھی جاتی ہے۔ اور اس کے خلاف پر یہاں یا کسی دوسری آیت میں کوئی دلیل ہی نہیں ہے؛

معراج روحانی

معراج روحانی کے قائلین اس آیۂ مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں:-

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ

ہم نے جو رویا تم کو دکھایا اس کو لوگوں کے لئے معیار آزمائش بنایا ہے۔

وہ کہتے ہیں رؤیا کے معنی خواب دیکھنے کے ہیں جمہور امت نے ان کے استدلال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

اوّل: اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ آیۂ مبارکہ معراج کے متعلق ہے۔ تو یہاں معراج کو خواب، مجازاً کہا گیا ہے۔

اور قرینہ یہ ہے کہ معراج جس سرعت کے ساتھ وقوع پذیر ہوئی۔ وہ خواب ہی کی طرح تھی۔ جیسے کہ خواب میں انتہائی طویل مسافت آنِ واحد میں طے ہو جاتی ہے۔ تو قرآن نے مجازاً رویاء کہہ کر اس امر کا اظہار کیا ہے۔ کہ یہ واقعہ انتہائی سرعت کے ساتھ پورا ہوا۔

دوم: یہ آیہ مبارکہ معراج کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد بدر کا رویا ہے۔ جو جبرئیل نے بحالت بیداری حضورؐ کو کفارِ بدر کی قتل گاہیں دکھائی تھیں۔ اور کفار نے اس بات کا مسخر اڑایا تھا۔ جبکہ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ یہاں ابوجہل قتل ہوگا اور یہاں فلاں؛

سوم: رویا اور رویت جیسے قربیٰ اور قربۃ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ رویاء سے مراد یہاں خواب ہے ہی نہیں۔ بلکہ آنکھ کا بحالتِ بیداری دیکھنا ہے۔ چنانچہ بخاری باب الاسریٰ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے آپ نے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا:-

ھی رویاء عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اسری بہ الی بیت المقدس	یہ آنکھ کا دیکھنا تھا جو حضورؐ کو دکھایا گیا ہے جبکہ شب معراج آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا

پس جب سیدنا ابن عباس جیسا مفسر اعظم رویا سے حقیقی آنکھ کا دیکھنا مراد لے رہا ہے۔ تو پھر یہی کہا جائے گا۔ کہ اس رویا سے مراد خواب نہیں ہے بلکہ بیداری کی حالت میں دیکھنا مراد ہے۔

وہ معراج کو خواب پر محمول کرنے والے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے بھی استدلال کرتے ہیں:-

ما فقدت جسدہ الشریف	میں نے معراج کی رات حضورؐ کے جسم شریف کو گم نہیں کیا

جس کے بھی متعدد جواب علمائے امت نے دیئے ہیں:-

اوّل: واقعہ معراج جسمانی کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ پیدا ہی نہ ہوئی تھیں۔ اور اگر حسب اختلاف روایات ان کی پیدائش ہو گئی تھی۔ تو یہ قطعی بات ہے۔ کہ وہ اس وقت آپ کی زوجیت سے مشرف نہیں ہوئی تھیں۔ جب وہ واقعہ معراج جسمانی کے وقت موجود ہی نہ تھیں۔ تو ان کا یہ قول معراج جسمانی کے متعلق کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لئے ان کا یہ قول دوسری معراجوں کے متعلق ہے جو روحانی تھیں۔ کیونکہ حضور کو متعدد معراجیں ہوئیں صرف ایک جسمانی تھی باقی روحانی؛

دوم: علامہ تفتازانی نے بر تقدیر صحت قول عائشہؓ اس کے یہ معنے کئے کہ جسم مبارک روح اقدس سے گم نہیں ہوا بلکہ ساتھ ہی رہا یعنی معراج روح مع الجسم کو ہوئی۔

سوم: ایک جواب یہ ہے کہ واقعہ معراج اس سرعت سے ہوا کہ ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم ٭ ایک دم میں سرِ عرش گئے آئے محمدؐ

تو حضرت عائشہؓ نے اسی سرعت کے اظہار کے لئے فرمایا۔ کہ میں نے حضورؐ کے جسد اطہر کو گم ہی نہیں کیا یعنی مجھے آپ کے جسم مبارک کے گم ہونے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اور یہ محاورہ روزمرہ کا ہے۔ عموماً کہا کرتے ہیں اتنی جلدی کیسے آگئے، تم ہو آئے ہو واقعی؟

تو واقعہ معراج کی سرعت کی وجہ سے آمد و رفت میں اتنی تیزی تھی۔ کہ اس درمیان میں جدائی کے وقت کو

سیدہ عائشہ صدیقہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محسوس ہی نہ فرمایا۔ اور اسی کا یوں اظہار کیا ما فقدت میں نے تو سرکار کے جسد اطہر سے جدائی کو محسوس ہی نہ کیا؛

معراج کے دو حصّے جسمانی اور منامی

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ معراج شریف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بیداری کی حالت میں ہوئی۔ اور مسجد اقصیٰ سے آسمانی معراج خواب کی حالت میں ہوئی۔ اپنے اس دعویٰ کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ اگر تمام معراج بیداری کی حالت میں ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ ذکر معراج میں مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى پر اکتفا نہ فرماتا۔ بلکہ آسمانی معراج کو بھی اس کے ساتھ بیان فرما دیتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے معراج کی نہایت مسجد اقصیٰ کو قرار دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بیداری کی حالت میں صرف مسجد اقصیٰ تک معراج ہوئی۔ آسمانی معراج بحالتِ خواب ہوئی۔ ان کے اس استدلال کے بھی متعدد جوابات ہیں۔

اوّل، یہ کہ اس میں شک نہیں کہ قرآن نے معراج کی غایت مسجد اقصیٰ کو قرار دیا ہے۔ لیکن یہ تفریق کرنا کہ مسجد اقصیٰ تک بیداری میں ہوئی اور اس کے بعد منامی۔ اس فرق و امتیاز کی قرآن نے تو کوئی تصریح نہیں کی۔ پھر بلا دلیل اس امتیاز کو کیوں پیدا کیا جا رہا ہے۔ قرآن نے مسجد اقصیٰ کو معراج کی غایت قرار دیا ہے جس کو آپ بھی جسمانی مان رہے ہیں۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کے آسمانی سفر کو جن لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ وہ بھی جسمانی پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا معراج کے دونوں حصوں کو جسمانی ماننے میں کونسا انکار ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ قرآن نے مسجد اقصیٰ تک معراج کو کیوں بیان فرمایا۔ تو اس کی حکمت کفار قریش کا وہ سوال ہے۔ جو انہوں نے واقعہ معراج کی تحقیق کے لئے بیت المقدس کی بابت حضور سے کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر آپ ایک شب میں خانہ کعبہ سے بیت المقدس گئے ہیں۔ تو بتائیے بیت المقدس کی ہیئت کیا ہے اور کفار کو معلوم تھا کہ حضورؐ نے بیت المقدس کا سفر نہیں کیا ہے۔ ایسی صورت میں جب ان کو آپ بیت المقدس کا حال بتا دیں گے۔ تو یہ بات معراج کی صداقت پر ان کے حق میں دلیل بن جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آسمانوں کے متعلق سوال نہیں کیا۔ کیوں کہ کفار نہ آسمان پر گئے تھے۔ اور نہ وہاں کی چیزیں ان کو معلوم تھیں۔ تو اب واضح ہو گیا۔ کہ قرآن میں مسجد اقصیٰ کے ساتھ تخصیص کی اصل حکمت بیت المقدس کے متعلق کفار کا سوال تھا۔ یہ نہیں کہ معراج جسمانی کی غایت مسجد اقصیٰ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی بات ہے۔ کہ قرآن صرف اصول دیتا ہے۔ اور اپنے اصول کی خود تشریح نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آیت اسریٰ میں زمین و آسمان کی پوری معراج مذکور ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسجد اقصیٰ تک کی معراج تفصیلاً مذکور ہے اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک کی معراج اجمالاً۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى	پاک ہے وہ خدا جو شب معراج اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا۔

آیت کے اس حصہ میں مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی معراج کا تفصیلی ذکر ہے۔ جس کو

الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَهٗ تک بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ جملے،

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا | تاکہ دکھائیں اس کو ہم اپنی آیتیں

اس حصہ میں آسمانی معراج کا اجمالی ذکر ہے۔ کیونکہ آیت، نشانی سے مراد آسمانی نشان ہیں۔ مثلاً جنت او لوح و قلم، سدرہ، کوثر اور دیگر آسمانی عجائب و غرائب، پھر

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ | بے شک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے

یہاں اس قرب خاص کا ذکر ہے۔ جس کا بیان آیہ مبارکہ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَ اَوْ اَدْنٰی میں فرمایا گیا۔ غرضکہ آیہ اسریٰ میں معراج کے دونوں حصوں کا بیان ہے۔ جب اس کا پہلا ح بیداری میں اور جسمانی ہے۔ تو دوسرا بھی یقیناً جسمانی ہی ہے —— نیز آسمانی معراج اور وہ قر خاص جو حضور کو حاصل ہوا۔ اس کو اجمال کے ساتھ ہی بیان کرنا اولیٰ تھا۔ کیونکہ الفاظ و حروف میں وہ صلاحیت استعداد کہاں ہے۔ جو اس کیفیت کو بیان کر سکیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا قادر نہ تھا۔ وہ تو قاد مگر عقل انسانی اس کے ادراک سے یقیناً قاصر ہے۔ اس لئے مسجد اقصیٰ تک تو تفصیل فرمائی گئی۔ اور آسم سفر اور قرب خاص کو مجمل رکھا گیا۔

دوم یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ جس طرح آسمانی معراج محال عادی ہے۔ اسی طرح مسجد حر سے مسجد اقصیٰ تک رات کے قلیل حصہ میں آنا جانا بھی عادۃً محال ہے۔ تو جب مسجد اقصیٰ تک جسمانی معراج مان لی گئی۔ تو پھر آسمانی معراج کو جسمانی ماننے میں کیا استحالہ ہے۔ ورنہ جو بات م آسمانی کے جسمانی ہونے کے لئے رکاوٹ بن رہی ہے وہی یہاں بھی بن رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حرام سے مسجد اقصیٰ تک معراج جسمانی مانی جائے۔ اور اس کے بعد آسمانی معراج کو روحانی اور کہہ دیا جائے اور وہ بھی بلا دلیل؟

اس لئے اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی کے الفاظ سے معراج آسمانی کو روحانی ثابت کرنا کسی طرح در نہیں ہے۔ لہٰذا جب مسجد اقصیٰ تک کی معراج کا وقوع جسمانی ہے تو آسمانی معراج بھی جسمانی ماننی پڑے یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ تمام انبیاء کرام و رسل عظام کو معراج ہوئی۔ اور اللہ کا قرب حاصل ہوا معراج جسمانی اور سیر آسمانی۔ خاص حضور اکرم کی خصوصیت ہے۔ جو کسی اور کے لئے ثابت نہیں ہے۔ یہ بات کی وضاحت کرتی ہے۔ کہ حضور اکرم کو عروج خاص کی طرح قرب خاص الخاص بھی عطا ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ بے حجاب جمال الٰہی رویت سے مشرف ہوئے اور آپ نے بلاواسطہ حریم حق میں پہنچ کر اللہ سے کلام کیا۔

پس حجاب دنیٰ مصطفیٰ خدا سے ملے | خبر ہوئی نہ فرشتوں کو اس جا سے ملے

(۳) علامہ عینی نے لکھا کہ فتنزل جبریل و عرج بی کے الفاظ سے واضح ہوا کہ حضور کو پیشی گاہ الٰہی سے وہ ملا جو اور کے حصہ میں نہیں آیا۔ باقی مسائل حدیث یہ ہیں:-

(۴) آسمان کے دروازے ہیں اور ان پر دربان مقرر ہیں (۵) حضور علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی او سے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے ابن الصالح کے الفاظ سے حضور کا خیر مقدم کیا (۶) امام شافعی علیہ

نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ وتر واجب نہیں ہیں۔ کیونکہ وتر کی فرضیت کا اس میں ذکر نہیں ہے لیکن احناف بھی وتر کے وجوب کا استدلال اس حدیث سے نہیں کرتے۔ وتر کا وجوب تو اس کے بعد ہوا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ان اللہ زادکم صلوٰۃ۔ یہی وجہ ہے کہ وتر کا درجہ وجوب کا رہا۔ اور پانچ نمازوں کی فرضیت دلیل قطعی سے ثابت ہے (۱)۔ جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں۔ اور ابن بطال نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنت آسمان پر ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ حِيْنَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِيْ صَلٰوةِ الْحَضَرِ

(بخاری)

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے (شب معراج) نماز فرض کی تو دو دو رکعتیں فرض کیں، حضر اور سفر دونوں میں پھر سفر کی نماز تو دو دو ہی رہیں اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا

اس حدیث کو امام نے ہجرت میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم، نسائی اور ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا (۱)۔ ابن اسحاق کی روایت میں اتنا زیادہ ہے الا المغرب یعنی مغرب کی نماز کی تین رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں (الحدیث) اور ظہر و عصر و عشا کی دو دو رکعتیں۔ پھر جب حضور علیہ السلام نے مکہ سے ہجرت فرمائی۔ اور مدینہ میں جلوہ فرما ہوئے۔ تو فجر و مغرب کی نماز کی رکعتیں بدستور قائم رہیں لیکن ظہر و عصر و عشاء کی چار چار رکعتیں مقرر ہوئیں (ابن حبان، ابن خزیمہ، بیہقی) اور سفر کی حالت میں ظہر و عصر و عشا کی دو دو رکعتیں ہی مقرر رہیں۔

مسافر پر نماز میں قصر کرنا واجب ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ سفر میں نماز کی دو دو رکعتیں بدستور مقرر رہیں۔ لہذا مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز میں قصر کرے یعنی چار رکعت والے فرض کو دو رکعت پڑھے۔ اس کے حق میں دو رکعتیں پوری نماز ہے۔ حضرات عمر، علی، ابن عمر، جابر، ابن عباس، عمر بن عبد العزیز، حسن بصری، قتادہ، امام مالک، احمد بن حنبل، امام اعظم ابوحنیفہ، اکثر علماء و فقہاء سلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے (۲)۔ اور فاقرت کے لفظ سے یہ واضح ہوا کہ سفر میں قصر کرنا ہی کمال ہے۔ رخصت نہیں ہے۔ یعنی یہ اختیار نہیں ہے کہ چاہے تو قصر کر لے اور چاہے نہ کرے۔ بلکہ قصر کرنا واجب ہے۔ اور قصداً عمداً چار پڑھنا گناہ ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں:-

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ

(۱) فرض اللہ الصلوۃ علی لسان نبیکم فی الحضر اربع رکعات وفی السفر رکعتین (مسلم)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان پر حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں فرض کیں

(۲) افترض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین فی السفر کما افترض فی الحضر اربعا (طبرانی، مجمع ج ۲ ص ۱۵۴)

رسول کریم علیہ السلام نے سفر میں دو رکعت فرض کیں۔ جیسے حضر میں چار رکعت فرض فرمائیں۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:-

قال صلوٰۃ السفر رکعتان (نسائی۔ ابن ماجہ)

کہ نماز سفر دو رکعتیں ہیں

(۴) نیز حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ کہ میں سفر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ رہا

فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللّٰہ (متفق علیہ)

تو حضور علیہ السلام نے سفر میں دو سے زیادہ رکعت نہیں پڑھیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا

اسی طرح حضرت ابوبکر و عثمان کے ہمراہ بھی میں نے سفر کیا۔ مگر انہوں نے بھی بحالت سفر دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی

ایک شبہ کا ازالہ

قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (قرآن مجید)

جب تم زمین میں سفر کرو۔ تو تم پر اس کا گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرو۔ اگر خوف ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے۔

اس آیت سے ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ قصر نماز کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ خوف ہو۔ لیکن امن و عافیت کے زمانہ میں قصر نہیں ہونا چاہئیے۔ یہی شبہ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق پوچھا۔ تو جناب فاروق اعظم رض نے فرمایا۔ مجھے بھی یہی خیال پیدا ہوا تو میں نے حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:۔

صدقۃ تصدق اللّٰہ بہا علیکم فاقبلوا صدقتہ (مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان)

یہ ایک صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر تصدق فرمایا اس کا صدقہ قبول کرو

اس سے واضح ہوا کہ:

(۱) سفر کی حالت میں اگرچہ امن ہو پھر بھی قصر کرنا واجب ہے۔ کیونکہ "اقبلوا" امر کا صیغہ ہے۔ جو وجوب پر دلالت کرتا ہے

(۲) نیز "تصدق اللّٰہ" کے معنی حکم علیکم کے ہیں۔ کیونکہ جو تصدق خداوند قدوس کی طرف سے ہو۔ وہ تملیک کا احتمال نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ اسقاط اور عفو کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔

(۳) یہ بھی واضح ہوا کہ آیت مذکورہ میں قصر کا مطلب اصل نماز میں کم کرنا۔ یعنی چار رکعت فرض کو دو پڑھنا مراد نہیں۔ بلکہ قصر سے مراد قصر فی الاوصاف ہے یعنی دشمن کے خوف کے موقع پر قیام، قعود، رکوع و سجود ترک کئے جا سکتے ہیں۔ اور ان کو اشارہ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آیت میں قصر کو خوف پر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اصل صلوٰۃ میں قصر بحالت خوف بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔ بلکہ صلوٰۃ میں قصر سفر کے ساتھ متعلق ہے۔ ہاں بحالتِ خوف قصر فی الاوصاف جائز ہے۔ اور احناف کے نزدیک بھی قصر فی الاوصاف بحالتِ خوف جائز ہے۔ واجب نہیں۔

لہٰذا امام شافعی و دیگر ائمہ کا آیت سے یہ استدلال فرمانا کہ بحالتِ سفر قصر فی الصلوٰۃ رخصت ہے صحیح نہیں۔

بہرحال امام شافعی و احمد و مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ مسلک ہے کہ سفر میں نماز کا قصر کرنا رخصت ہے۔ اور م علیہ الرحمۃ کے نزدیک واجب ہے۔ اور اس اختلاف کا ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ:۔

"اگر کسی نے بحالت سفر چار رکعت فرض کو چار رکعت ہی پڑھ لیا۔ تو امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ چاروں رکعتیں فرض قرار پائیں گی۔ اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر چار پڑھ لیں اور قعدۂ اولیٰ کر لیا۔ تو پہلی دو فرض ہوں گی۔ اور پچھلی دو نفل ہو جائیں گی۔ اور اگر قعدہ نہیں کیا۔ تو چاروں رکعتیں نفل قرار پائیں گی۔ اور قصداً عمداً چار پڑھنے والا گنہگار بھی ہوگا:

ب وُجُوْبِ الصَّلٰوۃِ فِی الثِّیَابِ | باب نماز کے لئے ستر عورت کا واجب ہونا

واضح ہو کہ صحت نماز کی چھ شرطیں ہیں۔ طہارت۔ ستر عورت۔ استقبال قبلہ۔ وقت۔ نیت۔ تحریمہ۔ جمہور فقہاء ختیار و محدثین کے نزدیک ستر عورت شرط نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ | ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو

زمانہ جاہلیت میں عورتیں ننگی ہو کر طواف کرتی تھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تقریباً اس پر سب کا اتفاق ے کہ زینت سے مراد کپڑے ہیں۔ جن سے شرمگاہ وغیرہ ڈھکی رہے۔

ماز کے لئے ستر عورت شرط ہے اس کے ضروری مسائل

اتنا باریک کپڑا جس سے بدن چمکتا ہو ستر عورت کے لئے کافی نہیں۔ ایسے کپڑے کو پہن کر اگر نماز پڑھے تو نہ ہوگی۔ یونہی اگر چادر یا دوپٹہ سے عورت کے بالوں کی سیاہی چمکے نماز نہ ہوگی۔ بعض لوگ باریک ساڑھیاں تہبند باندھ کر نماز پڑھتے ہیں کہ ران چمکتی ہے۔ ان کی نمازیں نہیں ہوتیں۔ اور ایسا باریک کپڑا پہننا جس سے ستر نہ ہو سکے علاوہ نماز کے بھی حرام ہے۔

(۱) نماز میں ستر کے لئے پاک کپڑے کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی اتنا نجس نہ ہو جس سے نماز نہ ہو سکے۔ اور نا دبیز ہونا چاہئے جس سے بدن نظر نہ آئے (۲) مرد کے لئے ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے تک ستر ہے۔ یعنی اس کا چھپانا فرض ہے۔ ناف اس میں داخل نہیں گھٹنے داخل ہیں۔ اور آزاد رت کے لئے سارا بدن عورت ہے۔ سوائے منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلووں کے۔ سر کے ہوئے بال اور گردن اور کلائیاں بھی عورت ہیں۔ ان کا چھپانا بھی فرض ہے (۳) جن اعضاء کا ستر فرض ہے۔ ان میں سے کوئی عضو چوتھائی سے کم کھل گیا۔ نماز ہو گئی۔ اور اگر چوتھائی عضو کھل گیا اور چھپا لیا جب بھی ہو گئی۔ اور اگر بقدر ایک رکن یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے کھلا رہا یا بالقصد اگرچہ فوراً چھپا لیا نماز جاتی رہی۔ دوبارہ پڑھے۔

(۴) عورت کا چہرہ اگرچہ عورت نہیں۔ مگر بوجہ فتنہ غیر محرم کے سامنے منع ہے۔ یوں ہی اس کی طرف نظر کرنا غیر محر بھی نہیں

(۱) وَيُذْكَرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَزُرُّهٗ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ وَفِيْ إِسْنَادِهٖ نَظَرٌ	اور حضرت سلمہ بن اکوع سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کو ٹانک لے اگرچہ ایک کانٹے ہی سے سہی۔ اس کی سند میں گفتگو ہے
(۲) وَمَنْ صَلّٰى فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ يُجَامِعُ فِيْهِ مَا لَمْ يَرَ فِيْهِ اَذًى	اور جس نے اس کپڑے میں نماز پڑھی جس میں وہ جماع کرتا ہے جب تک اس میں کوئی گندگی نہ دیکھے جائز ہے
(۳) وَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ	اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص بیت اللہ کا ننگا ہو کر طواف نہ کرے۔

فوائد و مسائل

حدیثوں پر نمبر لگا دیئے ہیں۔ نمبروار ہی مسائل بیان کئے جاتے ہیں

(۱) ابوداؤد میں ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے عرض کی۔ یا رسول اللہ میں ایک شکا
آدمی ہوں۔ کیا ایک ہی قمیص میں نماز پڑھ سکتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ اور گریبان کو بند کرلے
کانٹے سے ہی بند کرلے (نسائی، ابوداؤد)

ابن الاعرابی نے کہا۔ امام نے یہ حدیث اس امر کے ثبوت میں ذکر کی ہے۔ کہ نماز میں ستر عورت
ہے۔ اور اس طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ کہ آیت میں زینت سے مراد کپڑے پہننا ہے۔ بناؤ سنگار نہیں۔
لگانے میں حکمت یہ ہے کہ بوقت سجدہ یا رکوع نمازی کو اپنا ستر نظر نہ آئے۔

(۲) ومن صلی سے امام بخاری نے حدیث ابوداؤد اور نسائی کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ
ویہ رضؓ نے اپنی بہن ام حبیبہ رضؓ سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ السلام اس کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ جس
صحبت فرماتے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ ہاں جبکہ کپڑے میں نجاست وغیرہ نہ لگتی۔

اس حدیث سے امام نے یہ واضح کیا ہے کہ نماز میں مقصود تو ستر عورت ہے۔ خواہ کسی کپڑے سے
ہو جائے۔ بشرطیکہ کپڑا پاک ہو۔

(۳) اس حدیث سے امام نے یہ واضح کیا ہے۔ کہ جب برہنہ ہو کر طواف کرنا ممنوع ہے تو نماز تو بطریق
منع ہونی چاہیئے۔ کیونکہ طواف نماز کے مشابہ ہے۔

اس کے بعد امام نے ایک حدیث لکھی ہے۔ جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے:-

امّ عطیہ کہتی ہیں کہ ہم کو حکم ہوا کہ دونوں میں حائضہ اور پردہ دار عورتیں حاضر ہوں۔ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک ہوں اور حیض والی عورتیں نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیسے نکلے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا (بخاری)	اس کی ساتھ والی عورت اپنی چادر میں سے کچھ اوڑھا دے

یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ دوم ص۵۸ پر گذر چکی ہے۔ اس لئے ہم نے اس حدیث کے الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ جو ترجمۃ الباب ہیں۔ امام نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے۔ کہ جب حضور ﷺ ...توں کو عیدین میں لے جانے کے لئے کپڑے پہننے کی اس قدر تاکید فرمائی۔ کہ عاریۃً لے کر بھی پہنے۔ تو فرض نماز میں کپڑا پہننا ستر عورت بطریق اولیٰ ضروری ہوا (فتح الباری و قسطلانی)

بَابُ عَقْدِ الْإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِي الصَّلٰوةِ

صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِي أُزُرِهِمْ عَلٰى عَوَاتِقِهِمْ (بخاری)

قَالَ صَلّٰى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

باب۔ تہبند نماز میں اپنی گدی پر باندھ لینا

ابو حازم نے سہل بن سعد سے روایت کیا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز ادا کی۔ اپنی تہبند کندھوں پر باندھ کر۔

اور حضرت جابر نے ایک تہبند میں نماز پڑھی جس کو اپنی گدی پر باندھ لیا تھا اور ان کے کپڑے ایک تپائی پر رکھے ہوئے تھے (یہ دیکھ کر) ایک کہنے والے نے کہا (یعنی عبادہ بن ولید نے کہا) آپ ایک تہبند میں نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت جابر نے جواب دیا میں نے یہ اس لئے کیا تاکہ تجھ جیسا احمق مجھے (ایک کپڑے میں نماز پڑھتا ہوا) دیکھ لے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگوں میں سے کس کے پاس دو کپڑے تھے

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهٖ

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيْ حَدِيْثِهٖ الْمُلْتَحِفُ الْمُتَوَشِّحُ وَهُوَ الْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ وَهُوَ الْاِشْتِمَالُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ

وَقَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ اِلْتَحَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَوْبٍ لَهٗ وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ (بخاری)

باب:۔ ایک ہی کپڑے کو لپیٹ کر نماز پڑھنا یعنی التحاف کرنا

امام زہری نے اپنی روایت میں کہا التحاف توشیح کو کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ کپڑے کے دونوں کناروں کو مونڈھوں پر ڈال لینا۔ سیدھی طرف کا کونہ بائیں طرف اور بائیں طرف کا سیدھی طرف آ کی کو اشتمال بھی کہتے ہیں۔

حضرت ام ہانی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا لپیٹا۔ اور اس کے دونوں کناروں کو دونوں مونڈھوں پر الٹ کر ڈال لیا۔

اس کے بعد امام بخاری نے اسی مضمون کی دو ایک حدیثیں اور لکھی ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث

حضرت ام ہانی کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں:-

فَصَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ (بخاری)

کہ حضورؐ نے آٹھ رکعتیں نماز چاشت کی ایک کپڑے میں ملتحف ہو کر پڑھیں۔

اور آخر میں یہ حدیث ہے:-

إِنَّ سَائِلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ أَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ

حضرت ابوہریرہ رضی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں۔

فوائد و مسائل امام نے دو عنوان قائم کئے تھے۔ اوّل: یہ کہ اگر نمازی تہبند کو گدی پر باندھ کر نماز پڑھے تو جائز ہے۔ دوم یہ کہ ایک ہی کپڑا پہن کر نماز پڑھے تو یہ بھی جائز ہے۔ خواہ وہ ایک ایسا لمبا کرتا ہو جس سے ستر عورت ہو جائے یا بڑی چادر ہو جسے باندھ کر نماز پڑھی جائے۔

ان عنوانات کے ماتحت امام نے جو حدیثیں ذکر کی ہیں، وہ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں، اور باب سے مناسبت یہی ہے کہ نماز میں ستر عورت ضروری ہے۔

(۲) وہ لکڑیوں کو ملا کر کھڑونچی کی طرح بناتے ہیں۔ اس پر دھوبی کپڑے سکھاتے ہیں۔ اور مشک بھی پر لٹکا دیتے ہیں تاکہ پانی ٹھنڈا ہو جائے۔ اس کھڑونچی کو مشجب اور مشجاب کہتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کپڑے میں نماز اس لئے پڑھی۔ تاکہ معترض کو معلوم ہو جائے ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

واضح ہو کہ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ البتہ دو کپڑے یعنی قمیص یا پاجامہ یا تہبند میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ ابتدائی دور میں مسلمان غریب تھے۔ کسی کے پاس صرف ایک کرتہ ہوتا۔ اور کسی کے پاس صرف ایک چادر تو صحابہ کرام ایک کرتہ یا چادر میں نماز پڑھتے تھے۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی چنانچہ جمہور صحابہ جیسے ابن عباس، علی، معاویہ، انس بن مالک، خالد بن ولید، ابوہریرہ، عائشہ صدیقہ، ابوسعید خدری، اسماء، عمار بن یاسر، جابر بن عبد اللہ، ابی ابن کعب، اور ام ہانی، اور تابعین میں سے حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، سعید بن مسیب، ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن، محمد بن حنفیہ، عطاء، عکرمہ بن مسیب، امام اعظم ابوحنیفہ، فقہاء میں سے امام ابو یوسف، محمد، شافعی، مالک، احمد بن حنبل فی روایۃ اور اسحاق بن راہویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ (عینی ج ۲ ص ۱۲۱)

مذکورہ بالا حدیث میں جو ملتحفا کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چادر کا وہ کنارہ جو دائیں پر ہو۔ اس کو بائیں ہاتھ کے بغل سے نکال کر اور جو بائیں مونڈھے پر ہو اس کو دائیں ہاتھ کے بغل سے نکال دونوں کناروں کو گدی یا سینہ پر باندھ لیا جائے۔ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ملتحفا کے یہی معنے کئے

شیح اور اشتمال علی المنکبین بھی کہتے ہیں۔ اور چادر میں اس طرح لپیٹ کر نماز پڑھنا کہ سب اعضاء بند ہو جائیں مکروہ ہے اور دوسری حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ ایک جماعت کا مسلک یہ ہے۔ کہ دو کپڑوں پر قدرت ہوتے ہوئے ایک ے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ ایک کپڑا ہو تو اس کو لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ بلکہ اس ت میں تہبند باندھ لے یعنی اوڑھے نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا چادر لپیٹ کر نماز پڑھ رہا ہے (اشتمال الصماء) تو آپ نے فرمایا۔

مَنْ لَمْ يَجِدْ مِنْكُمْ إِلَّا ثَوْبًا وَاحِدًا فَلْيَتَّزِرْ (طحاوی شریف۔ عینی ج ۲ ص ۱۷)	جو تم میں سے صرف ایک کپڑے پر قدرت رکھے اس کو چاہیے کہ وہ اس کی تہبند کرے۔
بُ إِذَا صَلَّى فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلْيَجْعَلْ عَلَى عَاتِقَيْهِ	باب جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے۔ تو اپنے مونڈھوں پر اس کو ڈال لے
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ (بخاری)	حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ تم میں کوئی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے۔ جب کہ اس کے کندھے پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو
يَقُولُ مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ (بخاری)	حضرت ابوہریرہ رضؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے۔ وہ اس کے دونوں کناروں کو الٹ لے۔

ذو مسائل مذکورہ بالا مضمون کی حدیثوں سے امام علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال فرمایا ہے۔ کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا اس صورت میں ممنوع ہے۔ جبکہ کاندھے پر کچھ نہ ہو۔ تو اگر باوجود قدرت کے کسی نے ت کھلے رکھے تو نماز نہ ہوگی۔ ہاں اگر کپڑا چھوٹا ہے۔ اور ستر عورت کے لئے کوئی اور کپڑا نہیں ہے تو ستر عورت کر لے س صورت میں کاندھے کھلے رہیں تو نماز ہو جائے گی۔

احناف یہ کہتے ہیں۔ کہ مذکورہ بالا حدیثوں میں کاندھے ڈھکنے کا جو حکم ہے۔ وہ ندبی ہے۔ تو اگر کسی نے ود قدرت کے کاندھے نہ ڈھکے اور نماز پڑھی تو جائز ہو گئی۔ کیونکہ یہ بھی ثابت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے ک کپڑے میں نماز پڑھی اور اس کپڑے کا ایک کنارہ آپ کی ایک زوجۂ محترمہ پر تھا جو سو رہی تھیں۔ ظاہر ہے ے کا وہ حصہ جو حضور علیہ السلام کے جسم اقدس پر تھا وہ تہبند کے لئے کافی ہوا ہوگا۔ اس میں اتنی وسعت ہوگی کہ کندھے بھی ڈھک سکیں؟

واضح ہو کہ مراتب امر و نہی باب اجتہاد سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجتہدین کرام میں سے کوئی امر و نہی کو وجوب و تحریم پر محمول کرتا ہے۔ اور کوئی استحباب و کراہت پر۔ اور ہر ایک دیانت داری کے ساتھ جس نتیجہ پر پہنچتا ہے اور حدیث پر عمل کرتا ہے۔ اس لئے امور اجتہادیہ میں زبان طعن دراز

نہیں کی جا سکتی۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی رائے کے مقابل حدیث کو اس کے تمام مراتب کے ساتھ چھوڑ دے۔ تو وہ یقیناً تارک حدیث ہے۔ اور گمراہ ہے۔

اسی طرح امر کے تارک پر جب وعید وارد ہو جائے۔ یا نہی کے فاعل پر وعید وارد ہو جائے تو پھر امر و نہی بلا شبہ وجوب و تحریم پر دلالت کریں گے۔ اس صورت میں اس کو استحباب پر محمول کرنا جائز نہ ہوگا۔

بَابٌ إِذَا كَانَ الثَّوْبُ ضَيِّقًا عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

فَقَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهٖ فَجِئْتُ لَيْلَةً لِبَعْضِ أَمْرِيْ فَوَجَدْتُهٗ يُصَلِّيْ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ وَاحِدٌ فَاشْتَمَلْتُ بِهٖ وَصَلَّيْتُ إِلٰى جَانِبِهٖ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَا السُّرٰى يَا جَابِرُ فَأَخْبَرْتُهٗ بِحَاجَتِيْ فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ مَا هٰذَا الْاِشْتِمَالُ الَّذِيْ رَأَيْتُ قُلْتُ كَانَ ثَوْبًا قَالَ فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهٖ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهٖ۔

(بخاری)

باب تنگ کپڑے میں نماز کے متعلق

سعید بن حارث نے کہا ہم نے جابر بن عبد اللہؓ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا تو میں ایک کام سے حضورؐ کے ہاں رات کو حاضر ہوا۔ دیکھا تو آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت میرے بدن پر ایک ہی کپڑا تھا میں نے اس کو لپیٹ لیا۔ اور آپ کے بازو میں نماز پڑھنے لگا جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا جابر اس وقت رات میں کیسے آنا ہوا۔ میں نے اپنا کام عرض کیا جب میں اپنی بات عرض کر چکا۔ تو فرمایا یہ کپڑا لپیٹنا کیسا ہے میں نے عرض کی کہ ایک ہی کپڑا تھا اس لئے اسی میں نماز پڑھ لی، حضورؐ نے فرمایا اگر کپڑا کشادہ ہو تو التحاف کرو اور اگر تنگ ہو تو تہبند باندھ لو۔

فوائد و مسائل علامہ خطابی نے فرمایا۔ حضورؐ نے حضرت جابرؓ کو جس اشتمال سے منع فرمایا۔ وہ اشت تھا۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی چادر میں اپنے پورے بدن کو چھپالے۔ اور ا اندر بند ہو جائے۔ اس طرح چادر پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا۔ کہ اگر چادر کشادہ ہے تو پھر التحاف کر کے نماز پڑھے۔ اور چادر ایسی ہے کہ التحاف نہیں ہو سکتا۔ تو پھر تہبند باندھ لے اور نماز پڑھے۔ التحاف کی تعریف اوراق میں گذر چکی ہے۔

قَالَ كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِيْ أُزُرِهِمْ عَلٰى أَعْنَاقِهِمْ كَهَيْئَةِ الصِّبْيَانِ وَيُقَالُ لِلنِّسَاءِ لَا تَرْفَعْنَ رُءُوْسَكُنَّ

حضرت سہلؓ نے کہا کہ کچھ لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ بچوں کی طرح اپنی تہبندیں گردنوں پر باندھے ہوئے نماز پڑھا کرتے اور اس وقت عورتوں کو حکم یہ تھا کہ تم نماز میں اپنا سر اس وقت تک نہ اٹھاؤ

حَتّٰی یَسْتَوِیَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا (بخاری) جب تک مرد سیدھے ہو کر بیٹھ نہ جائیں

عورتوں کو یہ ہدایت اس لئے دی گئی کہ سر اٹھانے میں مردوں کے ستر کے مقام پر ان کی نظر نہ پڑے۔ یہ ابتدائی دور کے حالات تھے جبکہ بوجہ عسرت صحابہ کرام کے پاس ایسا کپڑا نہ ہوتا تھا جو پوری طرح ستر کا کام دے سکے ؛

باب الصَّلٰوۃِ فِی الْجُبَّۃِ الشَّامِیَّۃِ

باب جبہ شامیہ میں نماز پڑھنا

(۱) وَقَالَ الْحَسَنُ فِی الثِّیَابِ یَنْسُجُهَا الْمَجُوْسُ لَمْ یَرَ بِهَا بَأْسًا

امام حسن بصری نے فرمایا جن کپڑوں کو مجوسی بنیں ان میں نماز پڑھنے میں حرج نہیں

یعنی جو کپڑے کہ غیر مسلموں کے ہاتھوں کے بنے ہوئے ہوں۔ ان کو بغیر دھوئے استعمال کرنا اور ان میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور جب تک یہ یقین نہ ہو کہ یہ نجس ہیں اس وقت تک ان کے نجس ہونے کا حکم نہیں کیا جائے گا۔ جبہ شامیہ کی قید اس لئے ہے کہ اس وقت شام کا ملک دار الکفر تھا۔ تو جو چیز وہاں سے بن کر آتی تھی ظاہر ہے کہ وہ غیر مسلموں ہی کی بنائی ہوئی ہوتی تھی ——— حضرت امام حسن بصری جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور اس اثر کو نعیم بن حماد نے وصل کیا۔

(۲) وَقَالَ مَعْمَرٌ رَأَیْتُ الزُّهْرِیَّ یَلْبَسُ مِنْ ثِیَابِ الْیَمَنِ مَا صُبِغَ بِالْبَوْلِ

معمر نے کہا میں نے زہری کو دیکھا وہ یمن کے کپڑے پہنتے جو کہ پیشاب میں رنگے جاتے تھے دھونے کے بعد؛

اس اثر کو علامہ عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں وصل کیا (۲) یمن سے جو کپڑے آتے تھے۔ وہ جن اشیاء سے دھوئے جاتے تھے ان میں پیشاب بھی ہوتا تھا۔ حضرت زہری ان کپڑوں کو پاک کرنے کے بعد پہنا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تصریح کی هو محمول على انه كان يغسله قبل لبسه۔ بعض نے یہ کہا کہ چونکہ امام زہری کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔ اس لئے وہ بغیر دھوئے اور پاک کئے ان کپڑوں کو پہن لیتے تھے۔ لیکن امام زہری کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب پاک نہیں ہے جیسا کہ مصنف عبد الرزاق کی روایت سے واضح ہے۔ اور بخاری مصری ج ۱ صفحہ ۸۰ میں خود امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس طرف اشارہ کیا ہے یعنی باب هل تشرب ابوال الابل۔ میں فافهم

(۳) وَصَلّٰى عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ ثَوْبٍ غَیْرِ مَقْصُوْرٍ

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک کورے کپڑے میں نماز پڑھی

اس اثر کو ابن سعد نے وصل کیا۔ مقصورہ اس کپڑے کو کہتے ہیں۔ جو بننے کے بعد دھو لیا جائے۔ اور غیر مقصورہ وہ جو کورا ہو۔ اس اثر میں اگرچہ کفار کے بنے ہوئے کپڑے کی تصریح نہیں ہے۔ لیکن امام بخاری کا اس اثر کو اس باب میں لانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کورا کپڑا جس میں حضرت علی رض نے نماز پڑھی۔ کفار کا بنا ہوا ہو گا ——— بہر حال ان آثار سے یہ واضح ہوا کہ حسب ذیل کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور جب تک ان کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو۔ انہیں ناپاک نہیں قرار دیا جائے گا

(۱) وہ کپڑے جو غیر مسلموں کے بنے ہوئے ہوں (۲) وہ کپڑے جو پیشاب کی آمیزش دے کر رنگے گئے ہوں

اور ان کو بعد میں دھو لیا گیا ہو۔ (۳) اور وہ کپڑے جو کورے ہوں اور بننے کے بعد ان کو دھویا نہ گیا ہو۔
(۴) حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں۔ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھا۔ حضور نے فرمایا۔ اے مغیرہ پانی کی ڈولچی لاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آپ چلے۔ حتیٰ کہ میری نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔

فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَارٰى عَنِّيْ فَقَضٰى حَاجَتَهٗ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ فَذَهَبَ لِيُخْرِجَ يَدَهٗ مِنْ كُمِّهَا فَضَاقَتْ فَاَخْرَجَ يَدَهٗ مِنْ اَسْفَلِهَا فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ فَتَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلّٰى (بخاری)

آپ نے قضاء حاجت فرمائی۔ اس وقت آپ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے اس کی آستین میں سے ہاتھ نکالنا چاہا۔ وہ تنگ تھی۔ آخر آپ نے جبہ کے اندر سے ہاتھ نکالا میں نے وضو کے لئے آپ پر پانی ڈالا۔ آپ نے نماز کے وضوء کی طرح وضوء کیا اور موزوں پر مسح کیا پھر نماز پڑھی

فوائد ومسائل اس حدیث کو امام بخاری نے جہاد اور لباس میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم و نسائی و ابن ماجہ نے طہارت میں ذکر کیا۔ عنوان کے مناسب اس حدیث میں "علیہ جبة الشامیة" کے الفاظ ہیں۔ اس حدیث کے مسائل و فوائد فیوض الباری پارہ اول صفحہ ۳۹۹ پر گزر چکے ہیں

بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّعَرِّيْ فِي الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا

باب بلا ضرورت برہنہ نماز پڑھنے اور غیر نماز میں برہنہ رہنے کی کراہت کے بیان میں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ اِزَارُهٗ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهٗ يَا ابْنَ اَخِيْ لَوْ حَلَلْتَ اِزَارَكَ فَجَعَلْتَ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُوْنَ الْحِجَارَةِ قَالَ فَحَلَّهٗ فَجَعَلَهٗ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا

(بخاری)

جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضور علیہ السلام بھی لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا رہے تھے اور آپ تہبند باندھے ہوئے تھے تو آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا اے بھتیجے اگر تم تہبند اتار کر [illegible] نیچے رکھ لو تاکہ اٹھانے میں آسانی ہو۔ جابر کہتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے تہبند مبارک اتارا اور اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ اسی وقت آپ بیہوش ہو کر زمین پر آ رہے۔ اس واقعہ کے بعد آپ کو کبھی برہنہ نہیں دیکھا گیا۔

فوائد ومسائل اس حدیث کو امام نے بنیان کعبہ میں اور مسلم نے طہارت میں ذکر فرمایا ترجمۃ الباب حدیث کے یہ الفاظ ہیں فما رای بعد ذلک عریاناً جو نماز کی حالت اور غیر نماز کی حالت دونوں کو شامل ہے ——— اس حدیث سے واضح ہوا۔ کہ ستر عورت ہر حال میں واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا نہ ہو۔ تنہا ہو یا کسی کے سامنے۔ بلا غرض صحیح تنہائی میں بھی برہنہ ہونا جائز نہیں

اور لوگوں کے سامنے یا نماز میں تو ستر بالاجماع فرض ہے۔ یہاں تک کہ اگر اندھیرے مکان میں نماز پڑھی اگرچہ وہاں کوئی نہ ہو۔ اور اس کے پاس اتنا پاک کپڑا موجود ہے کہ ستر کا کام دے سکے۔ اور اس نے برہنہ نماز پڑھی، بالاجماع نماز نہ ہوگی۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ حدیث مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام قبل نبوت اور بعد نبوت رذائل و معائب سے محفوظ و معصوم ہیں۔ اور بحالت صغر سنی بھی اخلاقِ جاہلیت سے منزہ ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی جبلت میں حسنِ اخلاق اور حیا کامل رکھی ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ حضور علیہ السلام پردہ نشین عورتوں سے بھی زیادہ حیا والے تھے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْقَمِيْصِ وَالسَّرَاوِيْلِ وَالتُّبَّانِ وَالْقَبَاءِ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ اَوَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ ثُمَّ سَاَلَ رَجُلٌ عُمَرَ فَقَالَ اِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَاَوْسِعُوْا جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ صَلّٰى رَجُلٌ فِيْ اِزَارٍ وَّرِدَاءٍ وَّقَمِيْصٍ فِيْ اِزَارٍ وَّقَبَاءٍ فِيْ سَرَاوِيْلَ وَرِدَاءٍ فِيْ سَرَاوِيْلَ وَقَمِيْصٍ فِيْ سَرَاوِيْلَ وَقَبَاءٍ فِيْ تُبَّانٍ وَّقَبَاءٍ فِيْ تُبَّانٍ وَّقَمِيْصٍ قَالَ وَاَحْسِبُهُ قَالَ فِيْ تُبَّانٍ وَّرِدَاءٍ

(بخاری)

باب قمیص اور پاجامے اور شلوار اور جانگیہ میں نماز پڑھنے کے متعلق

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بحضور نبوی سوال کیا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنی جائز ہے؟ فرمایا کیا تم سب کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں؟ پھر ایک شخص نے یہی مسئلہ جناب عمر رضہ سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ تم کو فراخی دے تو تم بھی فراخی کرو۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنے کپڑے جمع کرے۔ کوئی تہبند اور چادر میں نماز پڑھے کوئی تہبند اور قمیص میں۔ کوئی تہبند اور قبا میں۔ کوئی پاجامے اور چادر میں اور کوئی پاجامے اور قمیص میں۔ کوئی پاجامہ اور قبا میں، کوئی جانگیہ اور قبا میں۔ کوئی جانگیہ اور قمیص میں۔ (ابوہریرہ نے کہا میرا گمان ہے کہ حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا) کہ کوئی جانگیے اور چادر میں

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے "باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد" میں بھی ذکر کیا عنوان سے حدیث کی مناسبت یہ ہے۔ کہ اس میں مذکورہ بالا کپڑوں میں نماز کے جائز ہونے کا بیان ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے۔ اور دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ اگر کسی کے پاس دو کپڑے نہ ہوں تو ایک ہی کپڑے سے ستر عورت کرکے نماز پڑھ سکتا ہے (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں نو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ مقصود ان سے حصر نہیں ہے۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ جو بھی ان کپڑوں کے قائم مقام ہو جائے اور ان سے ستر عورت ہو جائے۔ اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں (۳) تبان اس چھوٹے پاجامے کو کہتے ہیں۔ جس سے صرف شرمگاہ چھپ جائے یعنی جانگیہ اور

ازار تہبند کو اور ردا چادر کو کہتے ہیں مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ازار نصف اسفل کے لئے ہوتا ہے اور
ردا نصف اعلیٰ کے لئے (فافہم)

واضح ہو کہ جانگیہ پہننے کی صورت میں سترعورت نہیں ہوتا کیونکہ ران اور گھٹنے کھلے رہتے ہیں۔ لیکن جب جانگیہ پہن کر
اوپر سے قبا پہنے گا۔ یا چادر اوڑھ لے گا یا پاجامہ کرتہ پہن لے گا تو سترعورت ہو جائے گا۔

امام بخاری نے اس کے بعد ایک اور حدیث لکھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے ایک شخص نے استفس
کیا کہ آدمی بحالت احرام حج کیا پہنے؟ آپ نے فرمایا۔ قمیص، پاجامہ، شلوار، بارانی کوٹ، زعفران یا ورس میں رنگے ہ
کپڑے نہ پہنے۔ اور جس شخص کو جوتیاں نہ ملیں۔ وہ موزے کاٹ کر پہن لے کہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔ یہ حدیث
کتاب العلم کے آخیر میں (فیوض الباری ج۱ ص۲۹) پر گذر چکی ہے

(۲) امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے واضح کیا ہے۔ کہ محرم کو مذکورہ بالا قسم کے کپڑے پہننے منع ہ
اس سے معلوم ہوا کہ غیر محرم کو مذکورہ بالا کپڑے پہننے جائز ہیں۔ لہٰذا ان کپڑوں میں نماز بھی جائز ہے۔ اور اس حدیث سے
امام نے یہ بتایا ہے کہ قمیص و پاجامہ کے بغیر بھی نماز درست ہے۔ یعنی دو چادروں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ محرم احر
باندھے ہوتا ہے اور انہیں چادروں میں نماز پڑھتا ہے۔

بَابُ مَا يُسْتَرُ مِنَ الْعَوْرَةِ

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَاَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ (بخاری)

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ عَنِ اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ وَاَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ (بخاری)

باب نماز میں سترعورت کے متعلق

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتمال صماء سے منع فرمایا۔ اور احتباء فی ثوب واحد سے بھی منع کیا۔ جبکہ شرمگاہ کھلی رہے

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کی بیع سے منع فرمایا! لماس اور نباذ سے اور اشتمال صماء سے، احتباء فی ثوب واحد سے بھی منع فرمایا۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام بخاری نے لباس، بیوع و استیذان میں بھی ذکر کیا۔ اور ابوداؤد نے
بیوع میں۔ نسائی نے بیوع اور زینت میں اور ابن ماجہ نے تجارات میں ذکر کیا۔ او
حدیث دوم کو امام بخاری نے صلوٰۃ میں۔ لباس میں۔ مسلم نے بیوع میں اور ترمذی و نسائی نے بھی بیوع
اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ و تجارات اور لباس میں ذکر کیا۔

(۱) اشتمال صماء۔ صخرۃ صماء اس پتھر کو کہتے ہیں۔ جس میں سوراخ وغیرہ نہ ہو۔ تو یہ اشتمال بھی اس
کے مشابہ ہوتا ہے۔ یعنی اشتمال صماء یہ ہے کہ ایک کپڑے کو اس طرح لپیٹ لے کہ ہاتھ وغیرہ اندر بند ہو جائیں۔ ا
طرح چادر میں لپٹ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے یا سارے بدن پر کپڑا لپیٹا جائے۔ اور پھر اس کی ایک طرف
کو اٹھا کر کندھے پر ڈال لے اور اس طرح کرنے سے شرمگاہ کھل جائے۔ یہ بھی اشتمال صماء ہے۔ اور اس ط

پہنتا کہ شرم گاہ کھل جائے نماز و غیر نماز دونوں میں حرام ہے (۳) احتباء کے معنی گھوٹ مارنے کے ہیں۔ یعنی اپنے دونوں سرین کے بل بیٹھے۔ اور دونوں پنڈلیاں کھڑی کر دے۔ اور ہاتھ سے یا کپڑے سے گھوٹ ے۔ اور جب آدمی اس طرح بیٹھے اور شرمگاہ پر کپڑا نہ ڈالے۔ تو اکثر شرم گاہ کھل جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس طرح گھوٹ مار کر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا (۴) ملامسہ یہ ہے۔ کہ مال کو چھو دینے سے بیع ہو جائے اور منابذہ یہ ہے کہ کپڑا یا کوئی اور چیز ایک دوسرے کی طرف پھینک دینے سے بیع لازم قرار پائے اس کی بیع و شرا جو زمانہ جاہلیت میں ہوتی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اس کو ممنوع قرار دیا۔ کیونکہ اس طرح کی بیع و شرا سے ک تو جانبین میں سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے دوسرے جھگڑا و فساد۔

کتاب البیوع میں انشاء اللہ العزیز مسائل بیع و شرا تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي مُؤَذِّنِينَ يَوْمَ النَّحْرِ نُؤَذِّنُ بِمِنًى أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ فِي الْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ أَرْدَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ

(بخاری)

حمید بن عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ مجھے حضرت ابوبکر نے اعلان کرنے والوں کے ساتھ اس حج کے موقعہ پر جو انہوں نے حجۃ الوداع سے پہلے کیا تھا ذی الحجہ کی دس تاریخ کو بھیجا تھا کہ ہم یہ اعلان کر دیں۔ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے۔ حمید بن عبد الرحمن نے کہا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابو بکرؓ کو بھیجنے کے بعد جناب علی رض کو حکم دیا۔ کہ وہ سورہ برأت سنا دیں۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ منیٰ میں دس ذی الحجہ کو حضرت علی نے بھی یہ اعلان کیا کہ اس کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف ہی کرے۔

ائد و مسائل اس حدیث کو امام نے جزیہ، مغازی، حج اور تفسیر میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم و ابوداؤد نسائی نے حج میں ذکر فرمایا

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ بِغَيْرِ رِدَاءٍ | باب بغیر چادر کے نماز پڑھنے کے بیان میں

اس عنوان کے تحت امام نے جو حدیث لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:-

محمد بن منکدر کہتے ہیں۔ میں نے حضرت جابر کو دیکھا۔ وہ ایک کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اور ان کی چادر الگ پڑی تھی۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے کہا۔ آپ بغیر چادر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا۔ ہاں میں نے چاہا۔ جو لوگ جاہل ہیں۔ وہ مجھے دیکھ لیں۔ میں نے حضور علیہ السلام کو بھی اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (بخاری)

یہ حدیث باب عقد الازار علی القفا میں مع تفہیم کے گذر چکی ہے۔ اور اس سے واضح ہوا کہ ایک کپڑے کو کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ البتہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنا سب کے نزدیک افضل ہے۔

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّجَرْهَدٍ وَّمُحَمَّدِ ابْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ

باب۔ ران کے عورت ہونے کے متعلق جو روایات آئی ہیں)

امام بخاری نے فرمایا۔ کہ حضرت ابن عباس و جرہد و محمد بن جحش نے حضور علیہ السلام سے روایت کیا۔ کہ ران عورت ہے۔

فوائد و مسائل

امام نے حدیث بالا کو بصیغۂ تمریض تین افراد حضرت ابن عباس و جرہد و محمد بن جحش سے کیا ہے۔

(۱) حدیث ابن عباس کو امام ترمذی و امام احمد نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو موصولاً روا کیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور اس حدیث کے ایک راوی ابو یحییٰ القتات ہیں۔ اور یہ کنیت سے مشہور ہیں اور ان کے نام میں چھ قول ہیں ——— اور حدیث جرہد کو امام مالک موطا میں روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی و ابن حبان نے حسن صحیح اور امام بخاری نے تاریخ میں اضطراب کی وجہ سے حدیث جرہد کو ضعیف قرار دیا ——— اور حدیث محمد بن جحش کو حاکم، طبرانی نے روایت کیا۔ کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں، صرف ایک راوی ابو کثیر کو ابن حزم نے مجہول قرار دیا ہے۔

وَقَالَ اَنَسٌ حَسَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَخِذِهٖ ۔ (بخاری)

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ وَحَدِيْثُ اَنَسٍ اَسْنَدُ وَحَدِيْثُ جَرْهَدٍ اَحْوَطُ حَتّٰى نَخْرُجَ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ (بخاری)

حضرت انس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے جنگ خیبر میں اپنی ران مبارک ظاہر فرمائی

امام بخاری نے فرمایا۔ کہ حدیث انس سند کی رو سے قوی ہے اور جرہد کی حدیث میں احتیاط ہے تاکہ ہم ان کے اختلافات سے نکل جائیں۔

ران کے عورت ہونے کے متعلق بحث

واضح ہو کہ حدیث جرہد جو قولی حدیث ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ ران عورت ہے۔ اور حدیث انس "حضور علیہ السلام جنگ خیبر میں اپنی ران ظاہر فرمائی" سے واضح ہوتا ہے کہ ران عورت نہیں ہے ورنہ حضور علیہ السلام اس کو نہ فرماتے ——— اب سوال پیدا ہوا کہ جب حدیث انس اصح ہے اور حدیث جرہد صحیح ہے تو کس پر عمل کرنا چاہیئے بخاری نے جواب دیا کہ اگرچہ حدیث انس حدیث جرہد سے اصح ہے۔ مگر حدیث جرہد عملاً احوط ہے۔ اور احتیاط اسی ہے کہ حدیث جرہد پر عمل کیا جائے اور ران کو عورت قرار دیا جائے۔

علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ جمہور تابعین و امام اعظم ابو حنیفہ و امام مالک و شافعی و احمد سے صحیح روایت امام ابو یوسف و امام محمد کا بھی یہی قول ہے کہ ران عورت ہے اور اس کا چھپانا واجب ہے۔ علامہ شوکانی نے لکھا ران کا عورت ہونا ہی حق ہے۔ اور جرہد کی حدیث قولی ہے اور قولی فعلی پر مقدم ہے علاوہ ازیں یہ

ممکن ہے کہ جن آثار میں یہ آیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ران کھلی رکھی۔ یہ حضورؐ کی خصوصیات سے ہو۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہ بھی ممکن ہے کہ جن آثار میں حضور علیہ السلام کا اپنی ران کھلی رکھنے کا ذکر ہے۔ اس وقت تک ران کے ستر کا حکم نہ ہوا ہو۔ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے حدیث جرہد و حدیث محمد بن جحش (جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنی ران ڈھانپ لو فان فخذ الرجل عورۃ۔ کیونکہ مرد کی ران عورت ہے) کو متعدد طرق سے روایت کر کے لکھا کہ ان حدیثوں سے ران کا عورت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کے کھل جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی تصریح کی کہ ران کے عورت نہ ہونے کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ ران کے عورت نہ ہونے کے متعلق کوئی قولی حدیث نہیں ہے۔ صرف فعلی آثار ہیں۔ جن میں یہ آتا ہے کہ فلاں موقع پر حضور علیہ السلام نے اپنی ران کھلی رکھی۔ انہیں آثار فعلیہ سے بعض لوگوں نے ران کے عورت نہ ہونے کی دلیل لی ہے مگر یہ دلیل تام نہیں ہے (نیل الاوطار جلد ا صفحہ ۲۶، عینی ج ۲ صفحہ ۴۴)

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ حضور علیہ السلام ایک دن اپنا گھٹنا کھولے ہوئے جلوہ فرما تھے کہ حضرت عثمان آ گئے۔ آپ نے گھٹنا چھپا لیا۔	وَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰى غَطَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ (بخاری)

یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جسے امام بخاری نے مناقب میں ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ كَانَ قَاعِدًا فِىْ مَكَانٍ فِيْهِ مَاءٌ۔ حضور علیہ السلام ایسے مقام پر جلوہ فرما تھے۔ جہاں پانی تھا۔ اور پانی سے بچنے کے لئے آپ نے گھٹنے سے کپڑا اٹھایا ہوا تھا ——— علامہ عینی نے فرمایا۔ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ جب گھٹنا عورت ہے۔ تو ران بطریق اولیٰ عورت قرار پائے گی کیونکہ ران شرم گاہ سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

توضیح اور وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام ران کھولے جلوہ فرما تھے۔ کہ حضرت ابوبکر آئے پھر عمر آئے تو آپ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب حضرت عثمان رضہ آئے تو آپ نے اپنی ران ڈھانپ لی حضرت عائشہ صدیقہ کے استفسار پر حضورؐ نے فرمایا۔ عثمان رضہ شرم و حیا کے پتلے ہیں۔ اگر وہ مجھے اس حالت میں دیکھ لیتے تو اپنا کام پورا نہ کر سکتے۔

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال فرمایا کہ اگر ران عورت ہوتی۔ تو حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر اور عمر فاروق کے سامنے اپنی ران کھلی نہ رکھتے ——— لیکن اس مضمون کی روایات میں حسب ذیل امور قابل غور و فکر ہیں۔

اول۔ یہ فعلی حدیث ہے قولی نہیں ہے

دوم۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات حضورؐ کی خصوصیات سے ہو

سوم۔ یہ کہ اس وقت ران کے ستر کا حکم نہ آیا ہو (نیل الاوطار و عینی و قسطلانی)

چہارم۔ امام اجل طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا مذکورہ بالا حدیث ان لفظوں کے ساتھ غریب ہے۔

اس حدیث کو جماعت اہل بیت نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس میں کشف فخذین کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا اس
سے یہ استدلال صحیح نہیں کہ ران عورت نہیں ہے

پنجم: ابو عمر نے کہا حدیث حفصہ جس میں کشف فخذین کا ذکر ہے مضطرب ہے

ششم: امام شافعی نے فرمایا جس روایت میں کشف فخذین کا ذکر ہے مشکوک ہے (بیہقی)

ہفتم: امام طبرانی نے فرمایا کہ "جن روایات میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر آئے اور حضور علیہ السلام اپنی ران کھولے ہوئے جلوہ فرما تھے"۔ ان کی اسناد واہی ہے۔ اور وہ اخبار و آثار جن میں ران کے چھپانے کا حکم آیا ہے اخبار صحیحہ ہیں۔ (کتاب تہذیب الآثار والاخبار)

ہشتم: حدیث عائشہ و عثمان جس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس میں فخذ کی جگہ یہ لفظ ہیں۔ وھو مضطجع علی فراشه لابس مرط عائشة۔ اس سے واضح ہوا کہ اصل قصہ میں کشف فخذین کا ذکر ہی نہیں ہے۔ رہی مسلم کی دوسری روایت سو اس میں بھی عن فخذیه او ساقیه کے الفاظ ہیں۔ اسی لئے امام شافعی نے فرمایا کہ کشف فخذین والی روایات مشکوک ہیں۔

خلاصہ بحث یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے
ران عورت ہے۔ اور احناف کے نزدیک ناف سے لے کر گھٹنے سمیت عورت ہے۔ اور نماز و غیر
میں اس کا چھپانا واجب ہے:

وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُهٗ عَلٰى فَخِذِيْ فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتّٰى خِفْتُ أَنْ تُرَضَّ فَخِذِيْ (بخاری)

حضرت زید بن ثابت نے کہا۔ اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی۔ اس وقت آپ کی ران مبارک میری ران پر تھی تو وہ اتنی بھاری ہو گئی کہ میں ڈرا کہیں میری ران بوجھ سے کچل نہ جائے۔

فوائد و مسائل

اس تعلیق کو امام نے تفسیر سورہ نساء (فی قوله تعالی۔ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ) میں وصل کیا۔ اور کتاب الجہاد میں اس حدیث کو ذکر کیا۔ اور ترمذی
تفسیر میں اور نسائی نے جہاد میں ذکر کیا۔

حضرت زید بن ثابت

انصاری۔ صحابی جلیل القدر اور کاتب وحی ہیں۔ جس وقت یہ مدینہ میں تش
لائے ان کی عمر ۱۱ سال تھی۔ جلیل القدر علماء و فقہاء صحابہ میں ان کا شمار
علم فرائض کے امام ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ افرضکم زیدٌ (احمد) حضور کے ارشاد کے مطابق آپ نے یہود کی
نصف ماہ میں اور سریانی زبان ۱۷ دن میں سیکھ لی تھی۔ تاکہ غیر زبان والوں کو تبلیغ کر سکیں۔ قرآن پاک
تدوین میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ خلافت صدیقی میں انہوں نے قرآن مجید کی کتابت بھی کی۔ اور قرآن کو مص
سے خلافت عثمانی میں نقل کیا۔ ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کی۔ آپ سے کل ۹۲ حدیثیں مروی ہیں
میں ۹ ہیں۔ ۴۵ھ میں بعمر ۵۶ سال وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ (قسطلانی)

واضح ہو کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ران عورت نہیں ہے کیونکہ احتمال قوی ہے۔ کہ

حائل ہو کیونکہ عموماً آدمی ران کھول کر نہیں بیٹھتا خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلٰوةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ أَبُوْ طَلْحَةَ وَأَنَا رَدِيْفُ أَبِيْ طَلْحَةَ فَأَجْرٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ زُقَاقِ خَيْبَرَ وَإِنَّ رُكْبَتِيْ لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ حَسَرَ الْإِزَارَ عَنْ فَخِذِهٖ حَتّٰى إِنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ وَخَرَجَ الْقَوْمُ إِلٰى أَعْمَالِهِمْ فَقَالُوْا مُحَمَّدٌ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا وَالْخَمِيْسُ يَعْنِي الْجَيْشَ قَالَ فَأَصَبْنَاهَا عَنْوَةً فَجُمِعَ السَّبْيُ فَجَاءَ دِحْيَةُ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ أَعْطِنِيْ جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ فَقَالَ اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً فَأَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ أَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ وَتَصْلُحُ إِلَّا لَكَ قَالَ ادْعُوْهُ بِهَا فَجَاءَ بِهَا فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذْ جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا قَالَ فَأَعْتَقَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَزَوَّجَهَا فَقَالَ لَهٗ ثَابِتٌ يَا أَبَا حَمْزَةَ مَا أَصْدَقَهَا قَالَ نَفْسَهَا

حضرت انس بن مالک سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی ہم لوگوں نے صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور ابو طلحہ بھی سوار ہوئے اور میں ابو طلحہ کے پیچھے ایک ہی سواری پر تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی گلیوں میں اپنی سواری کو دوڑایا اور اس دوران میں میرا گھٹنا حضور کی ران مبارک سے چھو جاتا۔ پھر آپ نے اپنی ران مبارک سے تہبند اٹھائی حتیٰ کہ میں نے آپ کی ران کی سپیدی دیکھی جب آپ خیبر کی بستی میں داخل ہوئے۔ تو فرمایا اللہ اکبر خربت خیبر۔ خیبر برباد ہو اور ہم جب کسی قوم کے صدر مقام میں اتریں۔ تو جو لوگ ڈرائے گئے ان کی صبح منحوس ہوتی ہے۔ حضور نے یہ جملے تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اہل خیبر (یہودی) اپنے کام کاج کے لئے نکلے تھے (آپ کو دیکھ کر) کہنے لگے لو وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے عبد العزیز نے کہا ہمارے ساتھیوں نے اتنا اور زیادہ کیا (یعنی یہود نے یہ کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور لشکر آگیا) حضرت انس نے فرمایا ہم نے خیبر کو طاقت سے فتح کر لیا۔ پھر قیدی اکٹھے کئے گئے تو دحیہ کلبی آئے کہنے لگے اے اللہ کے نبی ان قیدیوں میں سے ایک لونڈی مجھے بھی عطا ہو آپ نے فرمایا ایک لونڈی لے لے اس نے صفیہ بنت حیی کو لے لیا پھر ایک آدمی حضور نبوی حاضر ہوا عرض کی اے اللہ کے نبی آپ نے صفیہ بنت حیی جو بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردارہ تھی دحیہ کو دے دی وہ تو آپ ہی کے لائق ہے فرمایا اچھا دحیہ کو صفیہ سمیت بلا لاؤ وہ ان کو لیکر آئے آپ نے فرمایا دحیہ تم قیدیوں میں سے کوئی اور لونڈی لے لو۔ حضرت انس

أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا حَتّٰى إِذَا كَانَ
بِالطَّرِيْقِ جَهَّزَتْهَا لَهٗ أُمُّ سُلَيْمٍ
فَأَهْدَتْهَا لَهٗ مِنَ اللَّيْلِ فَأَصْبَحَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرُوْسًا فَقَالَ مَنْ
كَانَ عِنْدَهٗ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهٖ وَبَسَطَ
نِطَعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْئُ بِالتَّمْرِ وَجَعَلَ
الرَّجُلُ يَجِيْئُ بِالسَّمْنِ قَالَ وَأَحْسِبُهٗ
قَدْ ذَكَرَ السَّوِيْقَ قَالَ فَحَاسُوْا حَيْسًا
فَكَانَتْ وَلِيْمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری)

کہتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو آزاد کر دیا
نکاح فرمایا۔ ثابت نے انس سے پوچھا مہر کیا مقرر ہوا۔
نے کہا یہی صفیہ کا نفس۔ آپ نے ان کو آزاد کیا اور نکاح
آپ راستے ہی میں تھے کہ ام سلیم نے صفیہ کو رات کو
نبوی پیش کر دیا۔ صبح کو حضور دولہا تھے۔ آپ نے حاضر
فرمایا جس کے پاس جو کھانا وغیرہ ہو وہ لے آئے اور ایک دستر
بچھا لیا کوئی کھجور لایا کوئی گھی عبد العزیز نے کہا میرا خیال
انس نے یہ بھی کہا کہ کوئی ستو لایا۔ انس نے کہا پھر
کھانے کی اشیاء کو ملا کر ملیدہ بنایا اور سب نے کھایا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ

فوائد ومسائل (۱) یہ وہی حدیث ہے جس کو امام نے تعلیقاً ذکر کیا تھا۔ امام نے اس حدیث کو نکاح
اور مسلم نے نکاح و مغازی میں۔ ابوداؤد نے خراج میں اور نسائی نے نکاح و ولیمہ
میں ذکر کیا (۲) اس حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی ران کھلی ہوئی تھی۔ اور حضرت انس رض نے
کی ران کی سپیدی کو دیکھ لیا یہی ترجمۃ الباب ہے۔ اور اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا
عورت نہیں۔ اگر وہ عورت ہوتی تو حضور علیہ السلام اسے کھولتے؟ —— لیکن یہ استدلال تام نہیں
کیونکہ امکان قوی ہے کہ گھوڑے کے دوڑنے کی وجہ سے آپ کی ران مبارک سے کپڑا ہٹ گیا ہو۔ فائدہ
(۳) خیبر مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے۔ نہایت زرخیز جگہ ہے یہاں یہود نے متعدد مضبوط قلعے بنائے
اور عرب میں یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا عبرانی زبان میں خیبر قلعہ کو کہتے ہیں بعض نے
کہ خیبر نامی ایک شخص یہاں آ کر سب سے پہلے مقیم تھا اسی کے نام سے یہ جگہ مشہور ہو گئی ——
۷ھ میں غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لئے حضور علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔
کی تعداد ۱۴۰۰ تھی جن میں ۲۰۰ سوار تھے اور باقی پیدل۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ ساتھ
حضور نے پہلی بار اس غزوہ کے لئے تین علم بنائے تھے۔ دو حباب بن منذر اور سعد بن عبادہ کو عنایت
اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چادر مقدس سے تیار
حضرت علی المرتضیٰ کو عطا ہوا (۴) خربت خیبر۔ خیبر برباد ہوا۔ یہ جملہ حضور علیہ السلام نے بطور
فرمایا تھا اور یہ غیب کی خبر ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ بطور دعا یا بطور تفاؤل ارشاد
لیکن اس کو بطور خبر قرار دینا اس لئے اولیٰ ہے کہ فوج کا نشان جب حضور نے حضرت علی رض کو دیا تھا
فرمایا تھا کہ جس کے ہاتھ میں فوج کا نشان ہوگا اس کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوگا۔ فافہم (۵) جملہ محمد
یہاں واؤ بمعنی مع ہے اور لشکر کو خمیس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں:۔
مقدمۃ الجیش، ساقۃ الجیش۔ قلب الجیش۔ میسرۃ الجیش۔ میمنۃ الجیش (فتح الباری) (۶) عنوۃ کے

ے ہیں (بفتح العین)، امام منذری نے فرمایا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ خیبر کے کچھ حصے تو لڑ جھگڑ کر (عنوۃً) فتح کچھ حصے صلح سے اور بعض سے ان کے مکینوں کو جلاوطن کیا گیا۔ اس معنی کی بنا پر احادیث خیبر میں و جاتی ہے (عینی ج ۲ صفحہ) (۲) جو چیز لڑائی میں کافروں سے بطور قہر و غلبہ حاصل ہو اس کو کہتے ہیں۔ غنیمت میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ نکال کر باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ فتح کے بعد کے کافر مسلمان نہ ہوں تو انہیں لونڈی غلام بنا لیا جاتا ہے اور ان کو بھی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے رت دحیہ نے بھی ایک لونڈی مانگی۔ حضورؐ نے انہیں ایک لونڈی منتخب کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ پ نے غالباً اپنے حصہ میں سے دی تھی یا بطور انعام کے دی تھی۔ جس کا امام کو اختیار ہوتا ہے۔ رت صفیہ بنت حیی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ یہود میں صاحب عزت اور ان کی بیٹی تھیں۔ بنی قریظہ و بنی نضیر انہیں کے زیر سیادت تھے۔ حضرت صفیہ کے خاوند کنانہ بن ربیع خیبر میں مارے گئے (۵) پھر ایک صاحب نے حضورؐ کو مشورہ دیا کہ حضرت صفیہ معزز خاتون ہیں رت دحیہ کے مناسب نہیں ہیں۔ مسلم میں ہے۔ ان کے مشورہ پر حضورؐ نے سات غلاموں کے عوض صفیہ کو دحیہ سے خرید لیا اور آزاد کر کے ان کے ساتھ نکاح فرمایا

دیث زیر بحث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

کفار سے جنگ کرتے وقت تین بار بلند آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے (۲) سردار کا اپنی لونڈی کو کے اس سے نکاح کرنا مستحب ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ایسے شخص کے لئے دو اجر ہیں (۳) یث سے یہ استدلال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے نکاح کرے اور اس کی آزادی رار دے تو جائز ہے۔ حضرت سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، عامر شعبی، اوزاعی، محمد ہری، عطا بن ابی رباح، قتادہ، طاؤس، حسن بن حیی و احمد و اسحاق علیہم الرحمۃ کا یہی مسلک ہے۔ و ترمذی انه مذهب الشافعی ایضاً ——— اور حضرت لیث بن سعد و ابن شبرمہ عبد اللہ و امام اعظم ابو حنیفہ، زفر و امام مالک یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورت میں نکاح تو صحیح ہے ی مہر نہیں قرار پائے گی۔ بلکہ شوہر کو مہر مثل دینا پڑے گا۔ کیونکہ آزادی ایک وصف ہے مال نہیں۔ ور صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ کی آزادی کو مہر قرار دینا تو یہ حضورؐ کی خصوصیات سے ہے۔ ب قرآن میں اللہ تعالے نے حضورؐ کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ بغیر مہر کے بھی نکاح فرمالیں۔ تو آپ کو لی جائز ہونا چاہیئے کہ آپ عتاق کے عوض نکاح فرمالیں جو مہر نہیں بن سکتا۔ وہ آیت یہ ہے مُؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ ...... الخ لہذا عتاق کو مہر بنا لینا حضور علیہ السلام کے لئے جائز ہے اوروں کے یں (۴) ولیمہ کرنا سنت ہے عام طور پر لوگ ولیمہ نہیں کرتے اور دوسری دعوتیں کر دیتے ہیں۔ جن کو توفیق نا چاہیئے اور ولیمہ کو دوسری دعوتوں پر ترجیح دینی چاہیئے،

ولیمہ، ولم سے ہے جس کے معنے جمع کے ہیں۔ کیونکہ اس رات مرد و عورت جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے کہتے ہیں۔ ولیمہ کا اطلاق خاص اس دعوت پر ہوتا ہے۔ جو شب زفاف کے بعد دی جاتی ہے

(۵) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ولیمہ کے لئے لمبے چوڑے تکلف کی ضرورت نہیں۔ حسب توفیق اپنے عزیز و اقرباء کی دعوت کر دی جائے۔ اور جو میسر ہو وہ ان کے سامنے پیش کر دیا جا اگرچہ صرف کھجور ہی کیوں نہ ہو۔

بَابٌ فِي كَمْ تُصَلِّي الْمَرْاَةُ مِنَ الثِّيَابِ

(۱) وَقَالَ عِكْرِمَةُ لَوْتَوَارَتْ جَسَدَهَا فِيْ ثَوْبٍ جَازَ

(۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَيَشْهَدُ مَعَهُ نِسَآءٌ مِّنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِيْ مُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَرْجِعْنَ اِلٰى بُيُوْتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ (بخاری)

باب عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے

اور حضرت عکرمہ نے کہا اگر عورت اپنا سارا بدن ایک ہی کپڑے سے چھپاکر نماز پڑھے تو درست ہے

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، حضور علیہ السلام نماز فجر ادا فرماتے اور آپ کے ساتھ مسلمان عورتیں بھی شریک ہوتیں۔ اپنی چادریں لپیٹی ہوئیں پھر (نماز کے بعد) اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں۔ کوئی ان کو نہ پہچانتا

فوائد ومسائل حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس فقہاء مکہ میں سے ہیں۔ اس تعلیق کو امام عبد الرزاق رح مصنف میں وصل کیا جس کے الفاظ یہ ہیں:-

لو اخذت المرأة ثوباً تقنعت به حتی لا یری من جسدها شیئ اجزأ عنها

اگر عورت ایک کپڑے سے سارے بدن کو ڈھانپ لے اس طرح کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آئے تو جائز ہے۔

اور حدیث نمبر ۲ کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسلم، ابوداؤد نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا مُرُوط اس چادر کو کہتے ہیں جو ریشم اون اور کتان سے بنائی گئی ہو۔ عبد الملک نے شرح مؤطا میں کہا۔ اس اوڑھنی کو کہتے ہیں جو باریک اون سے بنائی جاتی ہے ——— امام بخاری نے ان دونوں روایتوں یہ ثابت کیا ہے کہ اگر عورت صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھے۔ اور اس کپڑے سے اس کا پورا بدن چھ جائے تو جائز ہے ——— واضح ہو کہ آزاد عورت کا سارا بدن عورت ہے ؛

عورتوں کے لئے نماز میں سارے بدن کو چھپانا فرض ہے اور اس کے ضروری مسائل

سوائے منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور پاؤں کے ——— کے لٹکتے ہوئے بال اور گردن اور کلائیاں بھی عورت ان کا چھپانا بھی فرض ہے۔ اور کپڑا ایسا ہونا چاہیئے سے بدن کی رنگت نظر نہ آئے۔ اتنا باریک کپڑا جس بدن چمکے یا ایسا باریک دوپٹہ جس سے بالوں کی سیاہی چمکے عورت نے اوڑھ کر نماز پڑھی نہ ہوگ اگر ایسے باریک کپڑے پر کوئی ایسا کپڑا اوڑھ لے جس سے بال وغیرہ کا رنگ چھپ جائے۔ تو نماز گی ورنہ نہیں ——— بعض آثار اور اقوال فقہاء میں تصریح ہے۔ کہ عورتیں تین کپڑوں یا دو د (قمیص، پاجامہ، اوڑھنی) میں نماز پڑھیں۔ مگر یہ حکم استحبابی ہے۔ اور ایک کپڑے می

پڑھنا جبکہ اس سے پورا ستر ہو جائے جائز ہے (۲) اس حدیث میں ہے کہ عورتیں چادر میں لپٹی ہوئی آتیں۔ اور جب اپنے گھروں کو واپس ہوتیں تو پہچانی نہ جاتی تھیں مسلم و ابن ماجہ میں ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اندھیرے میں نماز فجر ادا کی جاتی تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ پہچانے جانے کی وجہ یہ ہو کہ وہ چادر اوڑھنے میں مبالغہ کرتی تھیں۔

نماز فجر اجالے میں پڑھنا مستحب ہے

حدیث کے اس آخری ٹکڑے سے سیدنا امام مالک و امام شافعی و احمد و اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ استدلال فرمایا۔ نماز فجر غلس (اندھیرے) میں پڑھنا افضل ہے لیکن یہ استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں

اول:۔ کوئی مرفوع قولی حدیث ایسی نہیں ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فجر اندھیرے (غلس) میں پڑھنے کا حکم دیا ہو ——— اس کے برعکس کثیر مرفوع متصل صحیح حدیثوں میں حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز (اسفار) اجالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور اسی کو باعث اجر کثیر قرار دیا

اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں:۔

(۱) لاتزال امتی علی الفطرۃ ما اسفروا بالفجر (طبرانی عن ابوہریرہ)	میری امت اس وقت تک فطرت پر رہے گی جب تک فجر کی نماز اجالے میں پڑھے گی
(۲) اصبحوا بصلاۃ الصبح فانہ اعظم للاجر (نسائی، ابن ماجہ)	فجر کی نماز روشن وقت میں پڑھو کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے

اس مضمون کی حدیث کو ابوداؤد نے رافع بن خدیج سے روایت کیا۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز ابن حبان طبرانی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔

(۳) اسفروا بصلاۃ الصبح فانہ اعظم للاجر (بزار)	حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فجر اسفار میں پڑھو اس میں زیادہ ثواب ہے۔
(۴) یا بلال نور بصلاۃ الصبح حتّٰی یبصر القوم مواقع نبلھم (ابوداؤد طیالسی، طبرانی)	حضور علیہ السلام نے فرمایا اے بلال! نماز فجر اتنے اجالے میں ادا کرو کہ لوگ تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیں۔

ان مضامین کی احادیث کو حسب ذیل صحابہ کرام نے روایت کیا ہے:۔
حضرت بلال (بزار) حضرت انس (بزار) قتادہ بن نعمان (بزار) ابن مسعود (طبرانی) ابوہریرہ (ابن حبان) ابوہریرہ و ابن عباس (طبرانی) ابوالدرداء (ابواسحاق) حواء الانصاریۃ وکانت من المبایعات (عینی ج ۲ ص۲۵۲ تا ص۲۵۴)

یہ تمام قولی حدیثیں ہیں جن میں حضور علیہ السلام نے نماز فجر اجالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب قولی و فعلی حدیث میں تعارض ہو تو قولی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

دوم:۔ عامہ صحابہ کرام نماز فجر اجالے میں پڑھتے تھے

(۱) حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ ہم کو حضرت ابوبکر رض نے نماز پڑھائی۔ اور اس میں سورہ آل عمران پڑھی۔ فقالوا کادت الشمس تطلع تو لوگوں نے کہا سورج نکلنے کے قریب ہے (بیہقی)

(۲) حضرت عبد الرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ نماز پڑھتے فکان یسفر بصلاۃ الصبح تو آپ نماز فجر اجالے میں ادا کرتے تھے۔ (طحاوی شریف)

(۳) ابو عثمان نہدی سے روایت ہے۔ کہ ہم نے حضرت عمر فاروق اعظم کے پیچھے نماز پڑھی۔ تو جب آپ نے سلام پھیرا تو عقل والے لوگوں نے خیال کیا کہ ان الشمس طلعت سورج نکلا ہی چاہتا ہے۔ (بیہقی)

(۴) علی ابن ربیعہ کہتے ہیں میں نے علی المرتضےٰ کو یہ کہتے ہوئے سنا

یاقنبر اسفر اسفر (طحاوی)	اے قنبر اجالا کرو۔ اجالا کرو (یعنی نماز فجر اجالے میں پڑھی جائے۔

ان آثار سے واضح ہوتا ہے کہ عام صحابہ کرام نماز فجر اجالے میں ادا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے عمل کے خلاف متفق نہیں ہو سکتے۔ صحابہ کا یہ عمل اس امر کی وضاحت کرتا ہے۔ کہ افضل یہی ہے کہ نماز فجر اجالے میں پڑھی جائے۔ اور غلس اندھیرے میں پڑھنا گو جائز ہے مگر افضل نہیں۔ بلکہ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے ان آثار پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جن احادیث میں نماز فجر اندھیرے میں ادا کرنے کا ذکر ہے قولی حدیثوں سے منسوخ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کا نماز فجر کو اجالے میں پڑھنے پر اتفاق ہے

امام طحاوی نے ابراہیم نخعی سے باسناد صحیح روایت کی

قال ما اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی شیئ ما اجتمعوا علی التنویر فی الفجر	کہ حضور کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے۔ جیسے نماز فجر کو اجالے میں پڑھنے پر متفق ہوئے ہیں

غرضکہ صحابہ کرام کا اتفاق بھی اس امر پر دال ہے کہ نماز فجر کو اجالے میں پڑھنا افضل ہے

واضح ہو کہ فجر کی نماز اندھیرے یا اجالے میں پڑھنے کے متعلق جو اختلاف ہے۔ وہ جواز وعدم جواز کا نہیں ——— یعنی اگر کسی نے نماز فجر (غلس) اندھیرے میں ادا کی تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز نہ ہوئی کیونکہ غلس میں پڑھنا بھی وقت ہی میں پڑھنا ہے۔ اختلاف محض اس بات میں ہے کہ نماز فجر کا جو وقت ہے۔ اس کے بالکل اولین وقت (غلس) میں نماز ادا کرنا افضل ہے یا اسفار میں جب خوب اجالا ہو جائے اس میں افضل ہے تو احادیث و آثار کے غائر مطالعہ کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ فجر کے اولین لمحہ میں فجر کی نماز پڑھنا گو جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ اسفار میں پڑھے جیسا کہ احادیث قولیہ سے ثابت ہے۔

اور اسفار کا مطلب یہ ہے کہ خوب اجالا ہو زمین روشن ہو جائے تو نماز شروع کرے مگر ایسا وقت ہونا مستحب ہے کہ چالیس سے ساٹھ آیت تک ترتیل کے ساتھ پڑھ سکے۔ پھر سلام پھیرے تو اتنا وقت باقی رہے کہ اگر نماز میں فساد ظاہر ہو تو طہارت کر کے ترتیل کے ساتھ چالیس سے ساٹھ آیت تک دوبارہ پڑھ سکے۔ اور اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ طلوع آفتاب کا شک ہو جائے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔

مسئلہ زیر بحث کی مزید تشریح و تفصیل کے لئے طحاوی شریف و عینی ج ۲ صفحہ ۲۵ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

نماز فجر کا وقت

وقت فجر طلوع صبح صادق سے آفتاب کی کرن چمکنے تک ہے۔ صبح صادق ایک روشنی ہے جو پورب کی جانب سے جہاں سے آج آفتاب طلوع ہونے والا ہے۔ اس کے اوپر آسمان کے کنارے میں دکھائی دیتی ہے جب اس کا بالکل اول وقت ہوتا ہے زمین پر خوب اجالا نہیں ہوتا۔ اسی کو غلس کہتے ہیں۔ امام مالک و شافعی غلس میں فجر ادا کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ لیکن پھر یہ بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے اور زمین پر اجالا ہو جاتا ہے جب یہ خوب پھیل جائے۔ تو اس کو اسفار سے تعبیر کرتے ہیں۔ احناف کے نزدیک اسفار میں نماز فجر پڑھنا افضل ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَمِيْصَةٍ لَهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰى اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهٖ اِلٰى اَبِيْ جَهْمٍ وَاْتُوْنِيْ بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِيْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِيْ اٰنِفًا عَنْ صَلَاتِيْ وَقَالَ هِشَامٌ عَنِ ابْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰى عَلَمِهَا وَاَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَاَخَافُ اَنْ تَفْتِنَنِيْ

(بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منقش لوئی میں نماز پڑھی۔ آپ نے نماز میں اس کے نقش و نگار پر ایک نظر ڈالی۔ جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا یہ لوئی ابوجہم کو واپس دے دو اور ان کی سادہ لوئی لے آؤ۔ کیونکہ اس لوئی نے مجھے ابھی نماز سے غافل کر دیا یعنی خشوع میں خلل انداز ہوئی۔ اور ہشام کی روایت یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں اس لوئی کے نقش و نگار کی طرف نماز میں دیکھتا تھا۔ تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ نماز میں خلل انداز نہ ہو۔

فوائد و مسائل ۱؎

انبجانیۃ موٹے کپڑے کی اس سادہ چادر کو کہتے ہیں۔ جس میں نقش و نگار حاشیہ وغیرہ نہ ہو۔ اور خمیصہ اس چادر کو کہتے ہیں۔ جس میں نقش و نگار بیل بوٹے چھپے ہوئے یا کڑھے ہوئے ہوں۔

فوائد و مسائل ۲؎

امام نے اس حدیث کو کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا۔ ابو داؤد و ابن ماجہ نے بھی کتاب اللباس میں اور مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) ایسا کپڑے جس میں بیل بوٹے چھپے ہوئے ہوں یا کڑھے ہوئے ہوں پہننا جائز ہے۔ اور نماز ایسے کپڑوں میں پڑھنا درست ہے (۲) بحالت نماز اگر دل نقش و نگار کی طرف متوجہ ہو۔ تو گو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مگر چاہیئے کہ اس طرف خیال کو جانے سے روکے اور ایسی صورت میں دائیں بائیں دیکھنے سے اجتناب کرے اور صرف سجدہ گاہ پر نظر رکھے (۳) نماز میں خشوع و خضوع مطلوب و محمود ہے اور حتی المقدور ایسے لباس اور ایسے امور سے پرہیز کرنا چاہیئے جو خشوع و خضوع میں خلل انداز ہوں (۴) ابوجہم قرشی مدنی صحابی ہیں۔ ان کا نام عامر بن حذیفہ عدوی ہے۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ اور خلافت امیر معاویہؓ کے آخری دنوں میں وصال فرمایا۔ بعض نے کہا ان کا نام عبید تھا۔ قریش کے معززین میں سے تھے۔

اور انساب کے ماہر تھے۔ انہوں نے ایک منقش لوئی حضور علیہ السلام کو ہدیۃً دی تھی۔ حضور علیہ السلام نے منقش لوئی
ان سے سادی لوئی طلب فرمائی تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو کہ میرا تحفہ واپس فرما دیا۔

واضح ہو کہ پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ حضور نے فرمایا۔ اس لوئی کے نقش ونگاروں نے مجھے
سے غافل کر دیا اور عن ہشام کی روایت میں یہ ہے کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں لوئی کے نقش ونگار
خلل انداز ہوں۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا۔ پہلی روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے کمال حضور میں
پہلا اور دوسری روایت نے یہ واضح کیا کہ آپ کے حضور قلب میں خلل واقع نہیں ہوا۔ بلکہ آپ
خلل انداز ہونے کا خطرہ محسوس فرمایا۔ جیسا کہ مالک کی روایت میں ہے (فتح الباری) علامہ
نے فرمایا۔ حضور علیہ السلام کی دو حالتیں تھیں۔ ایک حالت بشری اور دوسری حالت خاص
حالت بشری کی طرف نظر کرتے ہوئے آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے غافل کر دیا۔ اور حالت ملکی کی
کرتے ہوئے غفلت کا خوف ظاہر فرمایا۔

بَابٌ إِنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ مُصَلَّبٍ أَوْ تَصَاوِيرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ وَمَا يُنْهَى عَنْ ذٰلِكَ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي۔ (بخاری)

باب۔ اگر ایسے کپڑے میں نماز پڑھے۔ جس صلیب یا جاندار کی تصویریں بنی ہوں تو نماز ہوگی نہیں اور اس کی ممانعت کا بیان

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ کے پاس ایک پردہ تھا جسے انہوں نے اپنے گھر میں ایک طرف لٹکایا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس پردہ کو ہٹا دو اس کی تصویریں بار بار نماز میں میرے سامنے آتی ہیں۔

فوائد ومسائل امام نے اس حدیث کو کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور نسائی نے "یا عائشۃ اخرجی ھذا
ساتھ روایت کیا (۲) قرام کی جمع قرم ہے۔ قرام اون کے نہایت باریک منقش پردے
ہیں۔ یہ پردہ جاندار کی تصویروں پر مشتمل تھا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنے حجرہ میں لٹکایا ہوا تھا۔ حض
السلام نے فرمایا۔ اس پردہ کو یہاں سے نکال دو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کپڑے پر جاندار کی تصویر ہو
استعمال جائز نہیں۔ اور جب اس کا لٹکانا جائز نہیں تو پہننا بطریق اولیٰ ناجائز قرار دیا جائے گا۔

جس کپڑے پر جاندار کی تصویر ہو اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے

واضح ہو کہ جس کپڑے میں جاندار کی تصویر ہو اس کو پہن کر نما
مکروہ تحریمہ ہے۔ اسی طرح نمازی کے سر پر یعنی چھت میں
معلق ہو سجدہ کی جگہ میں ہو کہ اس پر سجدہ واقع ہو۔
مکروہ تحریمہ ہوگی۔ اسی طرح نمازی کے آگے یا داہنے
تصویر کا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ اور پس پشت ہونا بھی مکروہ ہے (اگرچہ مذکورہ بالا تینوں صورتوں سے
کی کراہت کم ہے)۔ اور مذکورہ بالا چاروں صورتوں میں کراہت اس وقت ہے جب کہ تصویر آگے پیچھے

معلق ہو یا نصب ہو یا دیوار وغیرہ میں منقوش ہو۔ اور اگر تصویر فرش میں ہے اور اس پر سجدہ نہیں تو کراہت [نہ]یں —— اگر تصویر غیر جاندار کی ہے۔ جیسے پہاڑ، باغ، باغیچہ، دریا، سمندر وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر تصویر ذلت کی جگہ ہے۔ مثلاً جوتیاں اتارنے کی جگہ یا کسی جگہ فرش پر کہ لوگ اسے روندتے ہیں یہ وغیرہ پر کہ زانو وغیرہ کے نیچے رکھا جاتا ہے۔ تو ایسی تصویر مکان میں ہونے سے کراہت نہیں۔ اور خاص نماز میں کراہت آئے جب کہ سجدہ اس پر نہ ہو (۳) اگر ہاتھ میں یا کسی جگہ میں تصویر ہو۔ گر سے چھپی ہو یا انگوٹھی پر چھوٹی تصویر منقوش ہو۔ یا آگے پیچھے داہنے بائیں اوپر نیچے کسی جگہ ایسی تصویر ہو کہ اس کو زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں۔ تو اعضاء کی تفصیل نہ دکھائی دے یا پاؤں کے بیٹھنے کی جگہ ہو تو ان سب صورتوں میں نماز مکروہ نہیں (۴) روپے پیسے یا نوٹ پر تصویر ہو۔ اور یہ یا جیب میں چھپے ہوں تو نماز میں کراہت نہیں —— یہ تمام احکام نماز کے ہیں۔ جاندار کی تصویر رکھنے اور بنانے کے متعلق احکام اپنی جگہ پر بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز

بَابُ مَنْ صَلّٰى فِيْ فَرُّوْجِ حَرِيْرٍ ثُمَّ نَزَعَهُ

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهُ فَصَلّٰى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهُ وَقَالَ لَا يَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (بخاری)

باب جو شخص ریشمی قبا میں نماز شروع کرے پھر اس کو اتار دے

عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے ایک ریشمی قبا بطور ہدیہ دی۔ آپ نے اس کو زیب تن فرما کر نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو جلدی سے اس کو اتار دیا جیسے کوئی برا جان کر اتارتا ہے اور فرمایا یہ متقیوں کے لائق نہیں ہے۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام نے کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا۔ مسلم و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا (۲) عقبہ بن عامر جہنی ان کی کنیت ابو حماد ہے۔ یہ امیر معاویہ کی طرف ے مصر کے گورنر تھے۔ پھر انہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معزول کر دیا تھا۔ ان سے کل ۵۵ حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں ت آٹھ ہیں صحابہ اور بہت سے تابعین نے ان سے روایت کی۔ اور ۵۸ھ میں مصر میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (۳) "فروج" اس قبا کو کہتے ہیں جس میں پیچھے کی طرف چاک بنا ہو۔ یہ قبا اکیدر بن عبد الملک والی دومۃ الجندل نے جو نصرانی تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ زمانہ نبوی میں اکیدر سے صلح ہو گئی تھی۔ اور یہ بدستور قلعہ دومۃ الجندل پر قابض ہو گیا تھا۔ یہ قلعہ مدینہ سے منزل دور تھا۔ خلافت صدیقی میں جب حضرت خالد بن ولید نے قلعہ دومۃ الجندل کا محاصرہ کیا تو یدر مقتول ہوا (ابن کثیر، عینی ج ۲ صفحہ ۲) (۴) اس حدیث سے واضح ہوا کہ اس وقت ردوں کو ریشم پہننا حرام نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے ریشمی قبا پہن کر نماز پڑھی اور اس کو اتار دیا اور فرمایا یہ متقیوں کے لائق نہیں ہے: خط کشیدہ جملے بھی یہ ظاہر تے ہیں کہ اس وقت ریشم پہننے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو چیز حرام ہو وہ متقی

اور غیر متقی دونوں کے لئے یکساں حرام ہوتی ہے۔ نیز حضورؐ نے اس نماز کا اعادہ نہیں
سے یہ دلیل نہ لی جائے کہ ریشمی کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ نماز نہ لوٹانے کی وجہ یہ
نے حرمت سے پہلے ریشمی قبا پہن کر نماز پڑھی تھی ——— علامہ نووی نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے
نہی اس وقت وارد ہوئی جب کہ حضور اقدس نے اس قبا کو اتار دیا جیساکہ حدیث جابر میں ہے۔ کہ حضو
اسلام نے ریشمی قبا پہن کر نماز پڑھی۔ پھر اس کو اتار دیا اور فرمایا۔

نَهَانِي عَنْهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (مسلم) | جبریل امین نے اس کے پہننے سے منع کیا ہے

چنانچہ ممانعت کا حکم آتے ہی حضور علیہ السلام نے ریشمی قبا اتار دی۔

مردوں کو ریشمی کپڑے پہننا حرام ہے

واضح ہو کہ مردوں کے لئے ریشمی کپڑے استعمال کرنا حرام ہے۔ اور ا
نے حرمت کی حدیثیں مندرجہ ذیل صحابہ کرام سے روایت کیں۔
عمر، علی، عبداللہ ابن عمر، معاویہ، حذیفہ، عمران بن حصین، براء ابن
عبداللہ بن زبیر، ابو سعید خدری، انس بن مالک، مسلمہ بن مخلد، عقب
جہنی، ابو امامہ، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الحریر والذهب حلال لاناث امتی حرام علی ذکورها (ابن ماجہ) | ریشم اور سونا میری امت کی عورتوں کے لئے حل
ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے۔

ریشمی کپڑے پہن کر نماز پڑھنا کروہ تحریمہ ہے ——— حدیث زیر بحث سے یہ
ہوا کہ امام وقت کو کسی مصلحت کی وجہ سے مشرک کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ جیسے حضور علیہ ا
اکیدر مشرک کا ہدیہ قبول فرمایا تھا۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ

عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذٰلِكَ الْوَضُوءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً لَهُ فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ

باب سرخ کپڑے میں نماز پڑ

عون بن ابی جحیفہ اپنے باپ سے راوی ہیں
ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو میں نے
میں دیکھا حضور بطحا میں، چمڑے کے ایک سرخ قب
اندر تشریف فرما ہیں۔ اور بلال نے حضورؐ کے وضو کا
لیا اور لوگ جلدی جلدی اسے لے رہے ہیں
اس میں سے کچھ پا جاتا ہے اسے بدن پر ملتا۔ اور ج
نہیں پاتا وہ کسی اور کے ہاتھ کی تری نے لیتا۔
بلال نے ایک نیزہ نصب کر دیا پھر حضور سر
کا جوڑا پہنے تشریف لائے اپنا تہبند ا
ہوئے اور آپ نے نیزہ کی طرف منہ کر کے
رکعت نماز پڑھا لی۔ اور میں نے آدمیوں ا

ـتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّوْنَ مِنْ
بَيْنِ يَدَيِ الْعَنَزَةِ (بخاری)

چوپایوں کو نیزہ کے آگے سے گزرتے دیکھا
(بخاری)

مسائل امام نے اس حدیث کو لباس، سترۃ الامام باب الصلوٰۃ الی العنزۃ میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم و ابن ماجہ و ابو داؤد نے صلوٰۃ میں اور نسائی نے زینت میں ذکر کیا (۲) قبہ کے ے ہیں۔ ادم چمڑے کو کہتے ہیں (۳) حضور علیہ السلام جب وضو فرماتے تو صحابہ کرام آپ کے و کو حاصل کرنے کے لئے پروانہ وار لوٹ پڑتے۔ علامہ عینی نے لکھا تبرکاً باثارہ الشریفۃ کے آپ وضو کو صحابہ کرام بطور تبرک حاصل کرتے تھے۔ مسلم کی حدیث میں ہے۔ کہ ایک جب آپ کا آب وضو اپنے چہرہ پر ملا تو فرمایا!

اذا هي ابرد من الثلج واطيب ريحا
من المسك (عینی ج ۲ صـ)

وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک و عنبر سے
زیادہ خوشبودار تھا

حمراء (۴) یہ محل ترجمہ ہے۔ حلہ دو کپڑوں کو کہتے ہیں۔ تہبند اور چادر۔ ابن قیم نے لکھا کہ ی دو چادریں تھیں جن میں سیاہ رنگ کے ساتھ سرخ سوت کی دھاریاں تھیں (نیل الاوطار) کے معنے اٹھانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے تہبند اقدس اٹھایا ہوا تھا۔ کہ آپ کی ں تھیں جیسا کہ روایت مسلم میں ہے کانی انظر الی بیاض ساقیہ (۵) یہ دو رکعت نے پڑھائی تھی ظہر کی نماز تھی۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

سرخ رنگ کے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے (۲) بوقت ضرورت خیمہ لگانا جائز ہے (۳) کو متبرک سمجھنا (۴) جب نماز جنگل یا شارع عام پر پڑھی جائے تو امام کے سامنے کوئی یا برچھی وغیرہ گاڑ دی جائے۔ یہ امام اور مقتدی دونوں کے لئے سترہ ہو جائے گا۔ اور اب جماعت گذرنا جائز ہے (۵) نمازی کے آگے سے آدمی یا جانور گذرے تو نماز فاسد نہیں ہوتی البتہ و گذرنے والا گنہگار ہوگا (۶) سترہ کے ضروری مسائل آئندہ صفحات میں آرہے ہیں۔

عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا۔

فضل وضوء النبي صلى الله عليه
وسلم فانه طاهر من بدن طاهر وهو
طهور ايضا اطهر من كل طاهر
وطيب (عینی ج ۲ صـ)

حضورؐ کے وضو سے بچا ہوا پانی طاہر و مطہر ہے
کیونکہ بدن طاہر کا غسالہ ہے۔ یہ غسالہ ہر
طاہر سے اطہر اور اطیب ہے

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى السُّطُوْحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ

باب چھت، منبر اور لکڑی پر نماز پڑھنے کے بیان میں

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ
بَاْسًا اَنْ يُّصَلِّيَ عَلَى الْجَمَدِ وَالْقَنَاطِيْرِ

امام بخاری نے فرمایا کہ حسن بصری جمے ہوئے پانی
(برف) اور پل پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج

وَإِنْ جَرَى تَحْتَهَا بَوْلٌ أَوْ فَوْقَهَا أَوْ أَمَامَهَا
إِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ
(بخاری)

نہیں دیکھتے۔ اگرچہ ان کے نیچے یا اوپر یا سامنے پیشاب بہتا ہو۔ بشرطیکہ نمازی اور اس کے درمیان سترہ ہو۔

جَمَدْ دراصل اس جگہ کو کہتے ہیں جو اٹھی ہوئی ہو اور سخت ہو۔ محکم میں ہے کہ جَمَدْ ے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ اگر نہر یا دریا یا سمندر کا پانی جم جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے۔ اگرچہ جمے ہوئے برف کے نیچے نجاست ہو نماز درست ہے کیونکہ نجاست نماز پڑھنے کی جگہ تک نہیں پہنچتی۔ اسی طرح پل پر نماز پڑھی جائے خواہ پل کے نیچے نجاست بہہ رہی ہو یا ایسا نل یا پائپ ہو کہ جس کے اندر نجاست بہ رہی ہو اور اوپر اور نیچے کی سطح پر نجاست کا اثر نہ تو اس پائپ کے نیچے اور اوپر نماز پڑھنا درست ہے۔

وَصَلَّى أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ
بِصَلَاةِ الْإِمَامِ (بخاری)

اور ابو ہریرہ نے مسجد کی چھت پر امام کی اقتداء میں نماز پڑھی

اثر ابو ہریرہ کو ابن ابی شیبہ نے موصولاً ذکر کیا جس کے ایک راوی صالح میں کلام کیا گیا ہے مگر سعید ابن منصور نے اس اثر کو دوسری وجہ سے موصولاً بیان کیا۔ اس لئے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس اثر کو بصیغہ جزم ذکر فرمایا۔ فافہم ——— اس اثر سے واضح ہوا کہ اگر امام نیچے ہو اور مقتدی او چھت پر ہوں اور اس کی ضرورت ہو تو نماز درست ہے مگر بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ عَلَى الثَّلْجِ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر نے برف پر نماز پڑھی۔

یعنی اگر نہر یا دریا کا پانی خوب اچھی طرح جم جائے اور زمین کی طرح سختی اس میں پیدا ہو جائے۔ تو اس پر نماز درست ہے ——— اس کے بعد امام نے ایک حدیث ذکر کی ہے۔ جس کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ یہ ہے۔

لوگوں نے سہل بن سعد سے پوچھا۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا منبر کس چیز کا تھا۔ سہل نے کہا اب اس کا جاننے والا لوگوں میں مجھ سے زیادہ کوئی نہ رہا۔ یہ منبر اثل غابہ سے بنا۔ فلاں شخص جو فلانی عورت کا غلام تھا اس نے بنایا۔ جب مسجد میں رکھا گیا۔ تو آپ اس پر کھڑے ہوئے۔ اور قبلہ کی طرف منہ کرکے آپ نے تکبیر کہی۔ اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ آپ نے قرات کی۔ رکوع کیا لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں رکوع کیا۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا۔ اور الٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ پھر زمین پر سجدہ کیا۔

عَادَ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ رَكَعَ
ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ
الْقَهْقَرَى حَتَّى سَجَدَ بِالْأَرْضِ
فَهٰذَا شَأْنُهُ (بخاری)

پھر دوبارہ منبر پر چڑھے۔ قرات کی رکوع کیا پھر رکوع سے سر اٹھایا پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ کیا یہ ہے منبر کا قصہ

مسائل امام نے اس حدیث کو کتاب الصلاۃ میں بھی ذکر کیا۔ مسلم، ابوداؤد، نسائی نے قتیبہ سے روایت کیا نیز مسلم، ابن ماجہ نے صلاۃ میں ذکر کیا۔

ل الغابۃ: غابہ مدینہ منورہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ جس جھاؤ کی لکڑی کا منبر بنا تھا اوں سے لائی گئی تھی۔ جھاؤ ایک مشہور درخت ہے۔ اس کی لکڑی عمدہ ہوتی ہے۔ اور برتن وغیرہ ی سے بنائے جاتے ہیں۔ اس کے پتوں سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں (قسطلانی)

حدیث ہذا میں منبر بنانے والے کا نام مذکور نہیں ہے۔ دوسری روایات میں بڑھئی کا نام میمون اور غلام تھا اس کا نام عائشہ انصاریہ بتایا گیا ہے۔ (فتح الباری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ لکڑی پر نماز پڑھنا درست ہے۔ خواہ لکڑی کا تخت ہو یا منبر (۲) حدیث زیر بحث سے یہ استدلال کیا کہ لکڑی پر نماز پڑھنا درست ہے۔ اس حدیث سے ح ہوا کہ امام و مقتدی کے مقام میں بلندی و پستی کا کچھ فرق ہو تو حرج نہیں۔ نیز تھوڑا کو فاسد نہیں کرتا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ عَنْ فَرَسِهٖ فَجُحِشَتْ سَاقُهُ أَوْ كَتِفُهُ وَآلَى مِنْ نِسَائِهٖ شَهْرًا فَجَلَسَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ دَرَجَتُهَا مِنْ جُذُوعِ نَخْلٍ فَأَتَاهُ أَصْحَابُهُ يَعُودُونَهُ فَصَلَّى بِهِمْ جَالِسًا وَهُمْ قِيَامٌ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا وَإِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَنَزَلَ لِتِسْعٍ وَعِشْرِينَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ

(بخاری)

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں حضور علیہ السلام اپنے گھوڑے سے فرش زمین پر آ رہے تو آپ کی پنڈلی یا کندھا چھل گیا۔ آپ نے اپنی ازواج سے ایلاء کر لیا تھا ایک مہینہ کا۔ پس آپ بالاخانہ پر جلوہ فرما رہے جس کی سیڑھیاں کھجور کی لکڑی کی تھیں۔ آپ کے اصحاب برائے عیادت حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اور وہ سب کھڑے ہوئے تھے جب آپ نے سلام پھیرا۔ تو فرمایا کہ امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو جب رکوع اور سجدہ کرے تم بھی رکوع اور سجدہ کرو۔ اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو۔ ۲۹ دن کے بعد حضورؐ بالاخانہ سے اترے۔ صحابہؓ نے عرض کی سرکار آپ نے تو ایک مہینہ کی قسم کھائی تھی۔ فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

مسائل امام نے اس حدیث کو مظالم، صوم، نذور، نکاح، طلاق میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے کتاب الصلاۃ میں ذکر کیا۔

حضور علیہ السلام نے اپنی ازواج سے ایلاء کیا۔ اس سے ایلاء فقہی مراد نہیں۔ بلکہ یہ ایلاء ایک قسم

تھی یعنی حضور علیہ السلام نے یہ قسم کھائی تھی۔ کہ میں ایک ماہ تک ازواج مطہرات کے مکان میں داخل نہ ہوں گا اور ایلاء فقہی یہ ہے۔ کہ یہ قسم کھائے کہ عورت سے قربت نہیں کروں گا۔ یا چار مہینہ قربت نہیں کروں گا۔ ایلاء کے مسائل اپنی جگہ ذکر ہوں گے۔

(۲) امام نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ لکڑی پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ وہ مشربہ بالاخانہ جس میں حضور علیہ السلام نے قیام فرمایا اور نماز پڑھی۔ غالب یہی ہے کہ وہ کھجور کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ بالاخانہ تو پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اسی لئے حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس کی سیڑھی لکڑی کی تھی۔ تو پھر بھی حدیث زیر بحث کی مطابقت عنوان سے ظاہر رہے گی یعنی یہ کہ چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

حدیث ہٰذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے

(۱) چھت پر اور لکڑی کے بالاخانہ یا تخت وغیرہ پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے (۲) بوقت ضرورت کسی چیز کی قسم کھانا جائز ہے (۳) یہ کہ مہینہ ۳۰ دن یا ۲۹ دن کا ہوتا ہے نہ اس سے کم اور نہ زیادہ۔ اور مہینے ہمیشہ ۳۰ دن کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ تو جس شخص نے کسی مہینہ کو متعین کر کے نذر مانی مثلاً یوں کہا کہ میں ماہ رجب کے روزے رکھوں گا۔ اب اگر رجب کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوا تو اس پر ۲۹ دن کے ہی روزے واجب ہوں گے ——— اور اگر بغیر تعین کے نذر مانی مثلاً یہ کہا کہ میں ایک ماہ کے روزے رکھوں گا تو اس صورت میں پورے ۳۰ دن کے روزے رکھنے ہوں گے ———

اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں؟

حدیث زیر بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں۔ چنانچہ حضرت امام احمد و اسحاق و ابن حزم داود ظاہری علیہم الرحمۃ کا یہی مسلک ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو نماز کے بعد حضورؐ نے فرمایا۔ کہ امام کا منصب یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب وہ رکوع و سجدہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ کریں جب وہ کھڑا ہو تو مقتدی بھی کھڑے ہوں ——— ان کلمات کا مقصد یہی تھا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیئے۔ جواب یہ ہے۔ کہ بے شک حدیث زیر بحث سے یہی ظاہر ہوتا ہے مگر حضورؐ کے آخری فعل سے یہ حکم منسوخ ہے۔

کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض وفات میں جو نماز پڑھائی۔ اس میں آپ بیٹھ کر پڑھا رہے تھے اور مقتدی کھڑے ہو کر پڑھ رہے تھے۔ اور اس وقت حضور علیہ السلام نے منع نہیں فرمایا۔ جس سے واضح ہوا کہ پہلا حکم منسوخ ہے۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ و شافعی، ثوری، ابو ثور و جمہور سلف کا یہی مسلک ہے۔ کہ اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو جو مقتدی قیام پر قادر ہیں انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ قیام فرض ہے

(۴) مقتدی کو امام سے پہلے رکوع و سجدہ جائز نہیں

(۵) اور یہ کہ جو شخص قیام پر قادر نہ ہو اسے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے

بَابُ إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّيْ اِمْرَأَتَهُ إِذَا سَجَدَ

باب سجدہ کرتے وقت آدمی کا کپڑا اپنی بیوی کے جسم سے چھو جائے تو کیا حکم ہے۔

حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھتے۔ اور میں حیض کی حالت میں آپ کے برابر ہوتی۔ یعنی ایک طرف آرام فرما ہوتیں اور حضور ان کے قریب ہی نماز ادا فرماتے)

وَرُبَّمَا أَصَابَنِيْ ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ قَالَتْ وَكَانَ يُصَلِّيْ عَلٰى خُمْرَةٍ (بخاری)

اور جب کبھی آپ سجدہ کرتے تو آپ کا کپڑا میرے جسم سے چھو جاتا اور آپ خمرہ پر نماز ادا فرماتے۔

فوائد و مسائل (۱) امام نے اس حدیث کو طہارت و صلوٰۃ میں اور مسلم و ابوداؤد اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ (۲) ابن بطال نے کہا کہ خمرہ چھوٹے مصلے کو کہتے ہیں۔ اور اگر بڑا ہو۔ تو حصیر (چٹائی) کہتے ہیں۔ خمرہ کے اصل معنے چھپانے کے ہیں۔ مصلی آدمی کے چہرے کو زمین سے چھپاتا ہے۔ اسی طرح خمار (اوڑھنی) سر کو چھپا دیتی ہے۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:-

(۱) بحالت نماز اگر آدمی کا کپڑا اس کی بیوی کے جسم سے چھو جائے۔ اگرچہ وہ حائضہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی (۲) حائضہ عورت کی نجاست حکمی ہے۔ لہذا اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے میں حرج نہیں۔ مصلے پر نماز بلا کراہت جائز ہے اور اس پر علماء و فقہاء کا اتفاق ہے ——— غیر مقلد علماء نے کہا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت کی محاذاۃ سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ کہنا کہ فاسد ہو جاتی ہے اس حدیث کی رو سے باطل ہے لیکن یہ محض ایک مغالطہ ہے جو صورت محاذاۃ زیر بحث حدیث میں ہے ایسی محاذاۃ سے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ کیونکہ امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ جب عورت و مرد مشترک فی التحریمہ و اداء ہوں تو نماز فاسد ہوتی ہے۔ اور حدیث زیر بحث میں اس کی تردید نہیں ہے ——— فافہم

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْحَصِيْرِ

وَصَلّٰى جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبُوْ سَعِيْدٍ فِي السَّفِيْنَةِ قَائِمًا (بخاری)

باب چٹائی پر نماز پڑھنے کے متعلق

اور جابر بن عبداللہ و ابوسعید خدری نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

اس تعلیق کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے بسند صحیح عبداللہ بن عقبہ مولی انس سے وصل کیا کہ میں نے ابوالدرداء اور ابوسعید خدری و جابر ابن عبداللہ اور متعدد افراد کے ساتھ کشتی میں سفر کیا۔ امام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا تھا اور ہم اس کے پیچھے بیٹھ کر پڑھ رہے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو کشتی کو لنگر انداز کر دیتے (یعنی دریا کے ٹھہرا لیتے۔

(۲) وَقَالَ الْحَسَنُ تُصَلِّيْ قَائِمًا مَا لَمْ تَشُقَّ عَلٰى أَصْحَابِكَ تَدُوْرُ مَعَهَا وَإِلَّا فَقَاعِدًا (بخاری)

امام حسن بصری نے کہا کشتی میں نماز کھڑے ہو کر پڑھے جب تک دشواری نہ ہو اور کشتی کے ساتھ گھومتا جائے ورنہ بیٹھ کر پڑھے۔

(۲) عنوان تو تھا چٹائی پر نماز پڑھنا۔ اور آثار امام بخاری نے وہ ذکر کئے جن میں کشتی میں نماز پڑھنے کا بیان ہے۔ تو مسئلہ دراصل یہ بتاتا ہے۔ کہ نماز میں پیشانی کا اصل زمین سے مل جانا ضروری نہیں ہے۔ چٹائی یا مصلے پر جب نماز پڑھی جاتی ہے۔ تو پیشانی اصل زمین پر نہیں لگتی، تو کشتی بھی گویا اس معاملہ میں چٹائی کی طرح ہے کہ جب کشتی میں نماز پڑھی جائے تو پیشانی زمین پر نہیں لگتی۔ مطلب یہ ہے۔ کہ پیشانی کا اصل زمین سے مل جانا شرط نماز نہیں ہے۔

کشتی میں نماز پڑھنے کے مسائل

اگر کشتی پر سوار ہو اور وہ چل رہی ہو تو اگر چکر آنے یا گرنے کا گمان غالب نہ ہو تو پھر فرض و واجب نماز کو اور سنت فجر کو کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے۔ اور اگر چکر آئیں یا گرنے کا گمان غالب ہو تو پھر بیٹھ کر پڑھ لینا جائز ہے۔ نیز کشتی پر اسی وقت نماز (فرض۔ واجب سنت فجر) پڑھنا جائز ہے۔ جبکہ وہ بیچ دریا میں ہو۔ اور اگر کنارے پر ہو۔ اور خشکی پر آسکتا ہو۔ تو کشتی پر بھی نماز فرض جائز نہیں۔ ایسی صورت میں زمین پر اتر کر نماز ادا کرنا ضروری ہے۔ چلتی کشتی میں نماز پڑھے تو وقت تحریمہ قبلہ کی طرف کرے۔ اور جیسے جیسے وہ گھومتی جائے۔ یہ بھی قبلہ کی طرف منہ پھیرتا رہے اگرچہ نفل نماز ہو۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ جَدَّتَهٗ مُلَيْكَةَ
دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهٗ فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ
قُوْمُوْا فَلِاُصَلِّيَ لَكُمْ قَالَ اَنَسٌ فَقُمْتُ
اِلٰى حَصِيْرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا
لُبِسَ فَنَضَحْتُهٗ بِمَاءٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ
وَالْيَتِيْمُ وَرَاءَهٗ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَائِنَا
فَصَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ

(بخاری)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ ان کی نانی حضرت ملیکہ نے حضور علیہ السلام کی دعوت کی حضور تشریف لے گئے۔ کھانا تناول فرمایا فراغت کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ آؤ کھڑے ہو جاؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں حضرت انس رض کہتے ہیں کہ میں ایک چٹائی اٹھا لایا جو بچھے بچھے کالی ہو گئی تھی۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا حضور علیہ السلام اس چٹائی پر کھڑے ہوئے اور میں نے اور یتیم بچے ضمیرہ نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور میری بڑھیا نانی ہمارے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ پس حضور نے دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیرا۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ مسلم، ابوداؤد و ترمذی، نسائی نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) دعوت قبول کرنا مستحب ہے (۲) بلا اہتمام و تداعی نوافل باجماعت پڑھنا جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے کھانا تناول فرمانے کے بعد جو دو رکعت پڑھی ہیں وہ نفل تھے (۳) دعوت کرنے والے کے گھر میں برکت کے لئے نماز پڑھنا۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیم نے بحضور نبوی عرض کی کہ

ضورؐ ہمارے مکان میں جلوہ فرما ہوں اور نماز پڑھیں فنتخذہ مصلی (تو جس جگہ حضور نماز پڑھیں، ہم جگہ کو نماز پڑھنے کے لئے مقرر کرلیں (۴) چٹائی عرصے سے بچھی ہوئی تھی اور کالی پڑ گئی حضرت انس نے اس چھڑکا تاکہ نرم اور صاف ہوجائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلی، چٹائی اور وہ جگہ جہاں نماز پڑھی جائے، س کو صاف ستھرا رکھنا مستحب ہے (۵) دن کے نوافل میں افضل دو رکعتیں ہیں۔ ہمارے امام کے نزدیک ت دن کے نوافل میں افضل چار رکعتیں پڑھنا ہے (۶) سمجھ والے بچے کی نماز درست ہے (۷) ب مقتدی دو ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے (۸) اگر صف کے پیچھے ایک آدمی کھڑا ہوجائے تو اس کی نماز درست ہے۔ کیونکہ وہ بڑھیا عورت حضرت انس کی نانی ملیکہ اکیلی صف کے پیچھے ہوئی تھیں (۹) عورتوں کو نماز میں مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے:۔

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْخُمْرَۃِ | باب مصلے پر نماز پڑھنا

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

یُصَلِّیْ عَلَی الْخُمْرَۃِ (بخاری) | چھوٹے مصلے پر نماز پڑھتے

معلوم ہوا کہ مصلے پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس حدیث سے ان لوگوں کے خیال کی تردید مقصود ہے جو ہیں کہ سجدہ میں زمین پر بالاتصال رکھنا ضروری ہے اور مصلے وغیرہ پر نماز جائز نہیں۔

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْفِرَاشِ | باب فراش پر نماز پڑھنے کے متعلق

جو چیز زمین پر بچھائی جائے اس کو فراش کہتے ہیں۔ خواہ وہ کسی طرز و ہیئت کی ہو۔ قالین، دری، چٹائی، مجنوں، بچھونا وغیرہ۔

عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّھَا قَالَتْ کُنْتُ اَنَامُ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَایَ فِیْ قِبْلَتِہٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِیْ فَقَبَضْتُ رِجْلَیَّ وَاِذَا قَامَ بَسَطْتُھُمَا قَالَتْ وَالْبُیُوْتُ یَوْمَئِذٍ لَّیْسَ فِیْھَا مَصَابِیْحُ	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ہم حضور علیہ السلام کے سامنے سوجاتیں اور میرے پاؤں آپ کے قبلہ میں ہوتے۔ تو جب آپ سجدہ فرماتے تو مجھ کو چھوتے اور میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوجاتے تو میں اپنے پاؤں پھیلادیتی اور ان دنوں گھروں میں چراغ نہ تھے

اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد، نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا

ومسائل حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

(۱) عورت کو ہاتھ لگانا ناقض وضو نہیں ہے۔ روایت ابوداؤد میں یہ تصریح ہے۔ کہ حضورؐ کا دست حضرت عائشہ رضہ کے پاؤں سے چھوتا تھا (۲) عورت کی طرف نماز پڑھنے یا عورت کا نمازی کے سے گذر جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ جمہور فقہائے سلف و خلف جن میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و ک وشافعی بھی ہیں سب کا یہی مسلک ہے (۳) عمل یسیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۴) اور یہ جو فرمایا ن زمانہ میں گھروں میں چراغ نہ تھے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر روشنی ہوتی۔ تو میں خود

اپنے پاؤں [illegible]ی۔ اور حضور علیہ السلام کو دست مبارک سے متوجہ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

وَكَانَ يُصَلِّي وَهِيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ اعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ

(بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام اپنے گھر کے بچھونے پر نماز پڑھتے۔ اور وہ (عائشہ) آپ کے اور قبلہ کے درمیان جنازے کی طرح آڑی لیٹی ہوتیں۔

اس کے بعد امام نے اسی مضمون کی ایک اور حدیث ذکر کی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ وہ بستر جس پر میاں۔ بیوی آرام کریں۔ اگر وہ پاک ہو۔ تو اس پر بلا کراہت نماز جائز ہے۔

بَابُ السُّجُودِ عَلَى الثَّوْبِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ وَقَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُونَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ (بخاری)

باب گرمی کی شدت کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کرنا اور حسن بصری نے فرمایا کہ صحابہ کرام عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے اور ان کے دونوں ہاتھ آستینوں میں ہوتے

فوائد و مسائل

اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ و امام عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں موصولاً بیان کیا۔ حضرت حسن بصری جلیل القدر تابعی ہیں اور صحابہ کے شاگرد ہیں ——— اس سے واضح ہُوا کہ سخت سردی یا گرمی کی وجہ سے نمازی اپنے کپڑے یا ٹوپی یا پگڑی پر سجدہ کرے تو جائز ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ مالک و احمد و اسحاق و اکثر علماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے۔ اور پگڑی کے کور (پیچ) پر سجدہ کیا تو اگر ماتھا خوب جم گیا تو سجدہ ہوگیا اور اگر ماتھا جما نہیں۔ بلکہ صرف ذرا چھو گیا کہ وہ پاتے بت اور دبے گا یا ماتھا معلق رہا تو سجدہ نہ ہُوا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِي مَكَانِ السُّجُودِ (بخاری)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ کہ ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ نماز ادا کرتے۔ تو سخت گرمی کی وجہ سے کوئی ہم میں سے اپنے کپڑے کا کنارہ سجدہ کی جگہ رکھ لیتا۔

فوائد و مسائل

امام نے اس حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں مکرر ذکر کیا۔ مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے بھی صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

اس حدیث سے واضح ہُوا کہ اگر زمین اتنی گرم ہو جائے کہ سجدہ کرنا دشوار ہو۔ تو نمازی اپنے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم، عطاء، طاؤس، اوزاعی، نخعی، زہری، مکحول، مسروق، شریح و ابراہیم و جمہور علماء اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے ——— ابراہیم نے کہا۔ ایک دن جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ تو آپ نے اپنے کپڑے کا ایک کنارہ زمین پر ڈال دیا۔ اور اس پر سجدہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا جب تم میں سے کوئی گرمی محسوس کرے تو وہ۔

فَلْيَسْجُدْ عَلٰى طَرْفِ ثَوْبِهٖ (رواہ ابن ابی شیبہ۔ عینی ج ۲ ص ۲۲۸)	اپنے کپڑے کے کنارہ پر سجدہ کرے

اس سے معلوم ہوا کہ کپڑا بچھا کر سجدہ کرنا یا اگر وہاں کنکریاں ہیں یا زمین سخت گرم یا سرد ہے تو پہنے ہوئے کپڑے کے کونہ کو بچھا کر اس پر سجدہ کرنا یا وہاں موصول ہے۔ اور عمامہ کو گرد سے بچانے کے لئے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے —— اور بلا عذر یا پیشانی کو خاک سے بچانے کے لئے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي النِّعَالِ	باب، جوتوں سمیت نماز پڑھنا
قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ قَالَ نَعَمْ (بخاری)	ابو مسلمہ سعید بن یزید ازدی نے حضرت انس سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں سمیت نماز ادا فرماتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں۔

فوائد و مسائل

امام نے اس حدیث کو باب اللباس میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم ترمذی، نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ جوتا پاک ہو۔ اور ایسا نرم ہو کہ سجدہ مسنون طریقے سے ادا ہو سکے —— نیز علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا۔ کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا اولیٰ ہے۔ بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہود کی مخالفت کرو۔ وہ جوتی اور موزے میں نماز جائز نہیں سمجھتے (حاکم) لہٰذا بقصد مخالفت یہود جوتی یا موزے پہن کر نماز پڑھنا مستحب قرار پائے گا —— لیکن یہ ظاہر ہے کہ جوتی پہن کر نماز پڑھنا سنت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ امر مقصود بالذات نہیں ہے۔ کیونکہ روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں ہے کہ

رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي حافيا ومنتعلا (ابو داؤد)	میں نے حضورؐ کو ننگے پاؤں بھی اور جوتے پہن کر بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا

جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے

واضح ہو کہ ہمارے زمانہ میں جس قسم کے جوتے پہنتے ہیں۔ انہیں پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو پہن کر سجدہ صحیح طریقے سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر ایسے نرم چمڑے کا جوتا ہو کہ سجدہ کرنے میں انگلیاں مڑ جائیں۔ اور انگلیوں کے پیٹ زمین سے چپک جائیں تو ایسے جوتے کو پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے —— حدیث زیر بحث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پاک جوتے پہن کر مسجد میں چلنا جائز ہے لیکن زیادہ ادب اسی میں ہے کہ برہنہ پا جائے۔

فائدہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو حکم ہوا کہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ۔ اپنی جوتیاں اتار دیجئے۔ بعض نے کہا جوتی اتارنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ان کی جوتی مردار دراز گوش کے کھال کی تھی۔ لیکن ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوتا اتارنے کا حکم بطور ادب تھا۔ اسی لئے (اَنَا رَبُّكَ) کا جملہ مقدم ہے اور فَاخْلَعْ

نَعْلَيْكَ کا ترجمہ اس پر مرتب ہے۔ مگر یہاں بھر اس سے جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوسکتی۔ مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ بحضور خداوندی برہنہ پا رہنے میں زیادہ ادب ہے۔ ویسے بھی ہمارا عرف ابتداء اسلام سے یہی رہا ہے کہ برہنہ پائی عجز انکسار اور تعظیم کی نشانی ہے۔ سیدنا امام مالک علیہ الرحمۃ نے کبھی مدینہ طیبہ کی زمین پر جوتی نہیں پہنی ——— لہٰذا جہاں تک میں اس سلسلہ کی احادیث اور آثار پر غور کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ

جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور برہنہ پا پڑھنے میں زیادہ ادب ہے۔ البتہ یہود کی مخالفت کی نیت سے جوتے پہن کر نماز پڑھنا مستحب قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ امر کا کم سے کم درجہ (حدیث ابوداؤد میں)[1] استحباب ہونا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْخِفَافِ

باب موزے پہنے ہوئے نماز پڑھنا

اس عنوان کے ماتحت امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ——— ہمام بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے جریر بن عبداللہ کو دیکھا۔ انہوں نے استنجا کیا پھر وضو کیا۔ پھر موزوں پر مسح کیا۔ پھر نماز پڑھی اور فرمایا

(۱) رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هٰكَذَا (بخاری)	میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسے کرتے دیکھا ہے
(۲) وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ وَصَلّٰى (بخاری)	حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ آپ نے موزوں پر مسح فرمایا

ان دونوں حدیثوں کو ذکر کرکے امام نے یہ واضح کیا ہے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اور چمڑے کے موزے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس مضمون کی احادیث پر مفصل و مکمل بحث فیوض الباری جلد اول میں گذر چکی ہے، ضرور مطالعہ کیجئے:

بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُوْدَ

باب جب کوئی پورا سجدہ نہ کرے (اس کا کیا حکم ہے

عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأٰى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهُ وَلَا سُجُوْدَهُ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهُ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)	حضرت ابووائل نے حضرت حذیفہ سے روایت کی کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع و سجود کو پورا نہیں کرتا تھا جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہ نے فرمایا تو نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ ابووائل کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرت حذیفہ نے یہ بھی فرمایا تو اسی حالت میں مرجاتا تو حضورؐ کی سنت پر نہ مرتا

فوائد و مسائل مَا صَلَّيْتَ جو شخص رکوع و سجود اچھی طرح نہیں کر رہا تھا۔ اس سے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا تو نے نماز ہی نہیں یعنی نفی سے مراد نفی کمال ہے۔ یعنی سجدہ اور رکوع کرنے کا جو حق تھا۔ وہ تو نے ادا نہیں کیا غیر کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے سجدہ اور رکوع مسنون طریقہ سے نہیں کیا۔ اور اسی حالت میں مرگیا۔ تو وہ حضور علیہ السلام کے طریقہ پر نہ مرا۔ اس میں تعدیل ارکان نہ کرنے والوں کے لئے سخت شدید وعید ہے:

نماز میں رکوع و سجدہ کا طریقہ : واضح ہو کہ رکوع اور سجدہ فرائض نماز سے ہے۔ اتنا جھکنا۔ کہ ہاتھ بڑھ جائے۔ تو گھٹنے کو پہ

---

[1] الفاظ حدیث یہ ہیں: خالفوا الیہود فانھم لا یصلون فی نعالھم ولا خفافھم ۱۲

جائیں۔ یہ رکوع کا ادنیٰ درجہ ہے اور پورا رکوع یہ ہے کہ پیٹھ سیدھی بچھا دے ۔۔۔ پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا شرط ہے۔ تو اگر کسی نے ایسے سجدہ کیا کہ پاؤں زمین سے اٹھے رہے ۔ یا صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی نماز نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کا عوام تو کیا بعض علماء بھی خیال نہیں کرتے (۲) ہر رکعت میں دو بار سجدہ کرنا فرض ہے (۳) ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کیا جائے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے پیشانی زمین پر نہیں لگا سکتا تو صرف ناک سے سجدہ کرے پھر بھی صرف ناک کی نوک کا لگنا کافی نہیں بلکہ ناک کی ہڈی کا زمین پر لگنا ضروری ہے ۔ اس مسئلہ کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ اگر سجدہ میں پیشانی خوب نہ دبی نماز ہی نہ ہوگی۔ اور ناک ہڈی تک نہ دبی تو مکروہ تحریمی ہوئی۔ دوبارہ پڑھے ۔۔۔ کمانی دار گدے پر سجدہ میں پیشانی خوب نہیں دبتی لہذا نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح ریل کے بعض درجوں میں اسی قسم کے گدے ہوتے ہیں۔ ان پر بھی سجدہ ادا نہ ہوگا۔ ایسے گدے بستر پر نماز نہ پڑھی جائے ۔۔۔ احناف کے نزدیک رکوع وسجدہ میں طمانیت سنت ہے ۔

بَابٌ يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي جَنْبَيْهِ فِي السُّجُودِ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا صَلّٰى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ

باب سجدہ میں دونوں بازوؤں کو کشادہ رکھے اور کروٹوں سے دور رکھے ۔

حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کو کشادہ رکھتے حتیٰ کہ بغل مبارک کی سپیدی ظاہر ہو جاتی ۔

فوائد ومسائل

امام نے اس حدیث کو سنن الکبریٰ میں اور مسلم ونسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا (۲) اس عنوان کا مقصود سجدہ کا مسنون طریقہ بتانا ہے کہ مرد کے لئے سجدہ میں سنت یہ ہے کہ بازو کروٹوں سے جدا ہوں پیٹ رانوں سے اور کلائیاں زمین پر نہ بچھائے۔ البتہ جب صف میں ہو گا تو بازو کروٹوں سے زیادہ جدا نہ ہو سکیں گے ۔۔۔ غرضکہ سجدہ میں کہنیوں کو پیٹ، رانوں، پہلو کو زمین سے الگ رکھے۔ اور مرد سجدہ میں اپنا پچھا بھی اٹھائے ۔

عورتیں کس طرح سجدہ کریں

لیکن عورت سمٹ کر سجدہ کرے۔ یعنی بازو کروٹوں سے ملائے۔ اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے اور اپنا پچھا نہ اٹھائے ۔۔۔ اس مسئلہ کی چند احادیث یہ ہیں

(۱) حضور علیہ السلام نے سجدہ کیا تو اپنا چہرہ اقدس دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا (نصب الرایہ ص۳)

(۲) حضور علیہ السلام جب سجدہ کرتے تو آپ کے دونوں ہاتھ دونوں کانوں کے برابر ہوتے (طحاوی ص۱۵۱)

(۳) جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو یہاں تک کشادہ کرتے کہ آپ کی بغل کی سپیدی نظر آجاتی۔ (بخاری)

(۴) حضور علیہ السلام جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کروٹوں سے دور رکھتے ۔ یہاں تک کہ ہاتھوں کے نیچے سے اگر بکری کا بچہ گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔

(۵) حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تو سجدہ کرے تو ہتھیلی کو زمین پر رکھ دے اور کہنیاں اٹھائے (مسلم شریف)

(۶) حضور علیہ السلام نے فرمایا سجدہ میں اعتدال کرو اور کتے کی طرح اپنے بازو نہ بچھاؤ (مسلم وبخاری)

(۷) حضور علیہ السلام نے کوے کی طرح ٹھونگ مارنے کی طرح سجدہ کرنے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ ص۸۴)

(۸) حضور علیہ السلام جب سجدہ کو جاتے تو پہلے گھٹنے رکھتے۔ پھر ہاتھ اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے۔ پھر گ
(ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

(۹) سجدہ میں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتے (بخاری)

(۱۰) سجدہ میں اپنی ناک اور پیشانی کو حضور علیہ السلام نے زمین پر رکھا (بخاری)

(۱۱) حضور علیہ السلام جب دو سجدوں میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے (مسلم شریف)

(۱۲) دوسری رکعت کے لئے جب کھڑے ہوتے تو اسی طرح قدموں پر سیدھے کھڑے ہو جاتے (یعنی بیٹھ کر
اٹھتے) بلکہ فوراً کھڑے ہو جاتے۔ (آثار السنن ص ۱۲۱)

(۱۳) دونوں سجدوں میں جاتے ہوئے اللہ اکبر کہتے۔ نیز دونوں سجدوں کے درمیان یہاں تک ٹھہرتے
ہڈی اپنی اپنی جگہ پر آجاتی (بخاری)

یہ احادیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں ان کا بغور مطالعہ کیجئے۔

خاتمہ ستر عورت کے ابواب اس حدیث پر ختم ہو گئے۔ ان بابوں اور اس سے قبل کے باب وانبدار فرض میں کل ۳۹ حدیثیں ہیں۔ اگر اخیر کے دونوں بابوں کی حدیثیں بھی ان میں شامل کر لی جائیں۔ تو کل حدیثیں ۴۱ ہیں۔ ان میں مکرر ۱۵ اور معلق ۴۔ اور اگر اخیر کے باب کی بھی معلق حدیث ملا لی جائے تو ۵ ہو جا ان میں دس یا گیارہ مکرر ہیں۔

اَبْوَابُ اِسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ وَمَا يَتْبَعُهَا مِنْ آدَابِ الْمَسَاجِدِ

باب قبلہ کی طرف منہ کرنے اور اس کے متعلقات نیز کے آداب وغیرہ کے بیان میں

شرائط نماز میں سے پہلی شرط طہارت تھی دوسری ستر عورت۔ جب ان دونوں کا بیان ہو گیا۔ تو اب قبلہ کا بیان شروع کیا گیا کہ ستر عورت کے بعد استقبال قبلہ کا ہی نمبر ہے —— نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے اور استقبال کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ عین کعبہ معظمہ کی طرف منہ ہو جیسے مکہ والوں کے لئے یا اس جہت جیسے اوروں کے لئے۔ جہت کعبہ کی طرف منہ کرنے کے یہ معنے ہیں کہ منہ کی سطح کا کوئی جز کعبہ کی سمت میں واقع ہو تو اگر کچھ انحراف ہے مگر منہ کا کوئی جز کعبہ کے مواجہہ میں ہے تو نماز ہو جائے گی۔ اس کی مقدار ۴۵ درجہ رکھی گئی ہے۔ تو اگر ۴۵ زائد انحراف ہے تو استقبال قبلہ نہ پایا گیا۔ نماز نہ ہوگی

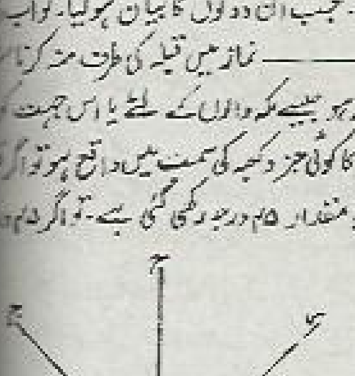

مثلاً اب ایک خط ہے اس پر ج د عمود ہے اور فرض کرو کہ کعبہ معظمہ عین نقطہ ج کے محاذی ہے دونوں زاویے ا د ج اور ج د ب کی تنصیف کرتے ہوئے خطوط ہ د، د ح نکالے تو یہ زاویے ۴۵، ۴۵ درجے کے ہوں گے کہ قائمہ ۹۰ درجے ہے۔ اب جو شخص مقام د پر کھڑا ہے۔ اگر نقطہ ج کی طرف منہ کرے تو عین کعبہ کی طرف منہ ہے۔ اور اگر دائیں بائیں ہ یا ح کی طرف جھکے تک ہ ج یا ج ح کے اندر ہے جہت کعبہ میں ہے اور جب ہ سے بڑھ کر ا یا ح سے گذر کر ب کی طرف

گی قریب ہو گا تو اب جہت سے نکل گیا اور نماز نہ ہو گی۔

(۲) صحیح یہ ہے کہ جو شخص عین کعبہ کی سمت خاص تحقیق کر سکتا ہے اگرچہ کعبہ آڑ میں ہو جیسے مکہ کے مکانوں پر مثلاً چھت پر چڑھ کر کعبہ کو دیکھ سکتے ہیں۔ تو اس کے لئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ جہت کی طرف منہ کرنا کافی نہیں۔ اور جس کے لئے یہ تحقیق ناممکن ہو اگرچہ وہ خاص مکہ میں ہو اس کے لئے جہت کعبہ کو منہ کرنا کافی ہے۔

(۳) قبلہ بناء کعبہ کا نام نہیں بلکہ وہ ایک فضا ہے اس بناء کی محاذات میں ساتویں زمین سے عرش تک قبلہ ہی ہے لہذا گر معاذ اللہ کعبہ کی عمارت منہدم ہو جائے اور اس فضا کی طرف نماز پڑھی ہو گئی ——— اسی طرح اگر بلند پہاڑ پر یا کنویں کے اندر نماز پڑھی اور فضاء کعبہ کی طرف منہ کیا نماز ہو گئی۔

بَابُ فَضْلِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ

يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ قَالَهُ أَبُوْ حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

باب قبلہ کی طرف منہ کرنے کی فضیلت میں

اور ابو حمید صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ نمازی نماز میں اپنے پاؤں کی انگلیاں بھی قبلہ کی طرف رکھے۔

یہ تعلیق ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام نے باب سنۃ الجلوس فی التشہد میں ذکر کیا ہے۔ ابو حمید عبد الرحمن بن سعد الساعدی انصاری مدنی کا نام منذر ہے کنیت سے مشہور ہیں۔ خلافت امیر معاویہ کے آخری ایام میں ان کا انتقال ہوا (ع) اس حدیث کے ذکر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نمازی نماز میں اپنے تمام اعضاء کو کعبہ کی طرف کرے تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی (ان شاء اللہ العزیز)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہ ہے وہ مسلمان جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ اور رسول پر ہے تو اللہ کے ذمہ کو نہ توڑو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِذَا قَالُوْهَا وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ (بخاری)

حضرت انس ؓ سے ہی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں جب وہ یہ کہہ لیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں۔ تو ہم پر ان کے جان و مال حرام ہو گئے مگر کسی حق کے بدلے اور ان کا حساب اللہ پر رہے گا۔

(۴) ایک اور حدیث بھی امام نے اس عنوان کے تحت ذکر کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے

میمون بن سیاہ نے حضرت انس ؓ سے سوال کیا کہ اے ابو حمزہ آدمی کے خون اور مال کو کون چیز (حرام) محفوظ کرتی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے۔ ہماری

طرح نماز پڑھے۔ ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہ مسلمان ہے۔

لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ (بخاری)	جو مسلمان کے حقوق ہیں وہی اس کے ہیں جو مسلمان پر لازم ہے وہی اس شخص پر لازم ہے

فوائد و مسائل

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ان تینوں حدیثوں کو ذکر کرکے یہ واضح کیا ہے۔ کہ نماز میں استقبال قبلہ ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی (۲) ذمہ کے معنے عہد، امان اور حفاظت کے ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جو شخص تمام ضروریات دین کی تصدیق و اقرار کے ساتھ مذکورہ بالا امور بجا لائے اس کے احکام اور حقوق وہی ہیں ایک مسلمان کے ہوتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں کسی کے دل کو چیر کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہم اس کے ہیں کہ دلوں کی کیفیات پر حکم لگائیں۔ لہٰذا جو شخص اسلام کے ظواہر پر عمل کرتا ہے۔ اور ضروریات دین میں سے کسی امر کا نہیں کرتا اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔

حدیث مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا کا مطلب

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کرے اس کے باوجود ہماری طرح نماز پڑھے۔ ہمارا ذبیحہ کھائے اور قبلہ کی طرف منہ کرے وہ بھی مسلمان ہے کیونکہ اس نوع کی جس قدر احادیث ہیں ان کا مقصود کسی تحدید اور تعریف کو بیان کرنا نہیں۔

مثلاً حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا وہ جنتی ہے یا اس نے اپنا مال و جان محفوظ کر لیا۔ تو کیا اس کا یہ ہے کہ محض توحید کے اقرار سے آدمی مسلمان ہو جائے گا۔ خواہ نبوت و رسالت حشر و نشر وغیرہ ضروریات دین کا منکر ہی

مثلاً قرآن مجید میں فرمایا:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝	جس نے اپنے نفس کو پاک بنایا۔ اللہ کا نام لیا اور نماز پڑھی وہ کامیاب ہے

تو کیا اس آیت کا یہ مطلب لینا درست ہے کہ نماز پڑھنے اور اللہ کا ذکر کرنے سے آدمی مسلمان ہو جائے گا۔ چا توحید و رسالت کا انکار ہی کرے —— ان دو مثالوں سے واضح ہو گیا۔ کہ کتاب و سنت میں جہاں کسی ایک کے اقرار یا کسی ایک فعل یا چند افعال کی بجا آوری کو اسلام قرار دیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہی ہوتا ہے کہ آدمی دین کی ضروری باتوں کو مانے اور تمام ضروری باتوں پر عمل بھی کرے۔

یہی مطلب زیر بحث حدیث کا ہے۔ کہ جو شخص مذکورہ بالا امور بجا لائے اسے مومن و مسلمان اسی صورت میں دیا جائے گا۔ جبکہ وہ تمام ضروریات دین کی تصدیق و اقرار بھی کرے۔ اور اگر ضروریات دین میں سے کسی ایک امر کا کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ شعائر اسلام کا پابند بھی ہے تو ایسے شخص کو نہ عقلاً مسلم قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ نقلاً۔ مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے فیوض الباری جلد اول صـ۱۰۵ تا صـ۱۰۸ و صـ۱۲۲ تا صـ۱۲۳ و صـ۱۳۲ تا صـ۱۴۳ کا بہت مفید رہے گا۔

(۳) اور حدیث ۳۹۲ میں جو فرمایا الا بحقها اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا امور بجا لائے گا۔ اس و مال محفوظ ہو ہی جائے گا۔ لیکن اگر اس سے کوئی جرم صادر ہوگا تو اس کو سزا دی جائے گی۔ یہ نہ ہوگا۔ کہ مسلمان ہونے اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

وحسابھم علی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دل میں کفر رکھے گا تو اس کا حساب اللہ عزوجل خود فرمائے گا تو صرف اس امر کا مکلف کیا گیا ہے کہ اس کے ظاہری عقائد و اعمال کو دیکھیں۔ اگر وہ اسلامی ہوں تو اس کو مسلمان سمجھیں اور غیر اسلامی ہوں تو اسے کافر جانیں۔

بَابُ قِبْلَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَالْمَشْرِقِ

لَيْسَ فِي الْمَشْرِقِ وَلَا فِي الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا

باب مدینہ والوں اور شام والوں کے قبلہ کا بیان اور مشرق کا بیان

اہل مدینہ کا قبلہ مشرق و مغرب کی طرف نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا پیشاب و پاخانہ کرتے وقت قبلہ کو منہ اور پیٹھ نہ کرو۔ لیکن مشرق و مغرب کی طرف منہ کرو۔

مقصود عنوان یہ واضح کرنا تھا کہ اہل مدینہ و شام کا قبلہ مغرب و مشرق کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ جنوب کی طرف ہے۔ لہٰذا مدینہ و شام کو جنوب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہئے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اہل مدینہ سے فرمایا۔ بوقت قضاء حاجت قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ، لیکن مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ کا قبلہ جنوب کی طرف ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں بوقت قضائے حاجت مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

امام نے اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی ذکر کی ہے جسے ہم نے چھوڑ دیا۔

بوقت قضائے حاجت، کعبہ کو استقبال و استدبار کے متعلق فیوض الباری جلد اول پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ اور حدیث بحث کے تمام مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں

بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (بخاری)

باب اللہ عزوجل کے ارشاد کہ "مقام ابراہیم کو مصلے بناؤ"۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں مقام ابراہیم کے سوا کسی اور طرف منہ نہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ مقام ابراہیم بے کے ایک طرف یعنی مشرق کی جانب ہے۔ تو اگر مغرب شمال اور جنوب کی طرف منہ کر کے مسجد حرام میں نماز پڑھی جائے۔ تو مقام ابراہیم کی طرف منہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ کعبہ کے چاروں طرف نماز پڑھنا درست ہے لہٰذا آیت کا ظاہری مراد نہیں ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھی ہے۔ نیز عنوان زیر بحث کے ماتحت حدیث مذکور میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام نے طواف کے بعد مقام ابراہیم میں نماز پڑھی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ کعبہ کے طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ وہ مقام ابراہیم میں پڑھی جائیں۔ اور طواف سے غ ہو کر مقام ابراہیم میں جو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ یہ واجب ہیں۔ آیت مذکورہ کا یہی مطلب ہے

مقام ابراہیم

وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی بنا فرمائی۔ اور اس پتھر پر آپ کے قدم مبارک کا نشان بھی آ گیا تھا۔ یہ پتھر اب تک موجود ہے۔ مقام ابراہیم کو نماز کا مقام بنانے کا حکم استحبابی ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نماز سے طواف کی دو رکعتیں مراد ہیں۔ تفسیر احمدی حضرت جابر کا بیان ہے کہ جب حضور علیہ السلام بہ کا طواف فرمایا۔ تو جناب فاروق اعظم نے عرض کی حضور یہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے۔ ہم اسے لے نہ بنا لیں؟ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں مقام ابراہیم کو مصلے بنانے کی ہدایت دی گئی

حضرت مجاہدؒ نے فرمایا مقام ابراہیم سے سارا حرم مراد ہے۔ لیکن مسلم شریف کی روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مقام صرف وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم خلیل نے کعبہ کی بنا فرمائی تھی ——— حضرت جابر فرماتے ہیں مقام ابراہیم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانہ میں اسی جگہ پر تھا جہاں اب ہے خلافت فاروقی میں سیلاب اور یہ پتھر بہہ گیا تلاش کے بعد مکہ کے نشیب میں ملا اس کو لایا گیا اور کعبہ کے پردوں سے باندھ دیا گیا۔ پھر جناب فاروق اعظم نے اور انہوں نے اس کے اصل مقام کی تحقیق کی۔ اور اس کو اصل جگہ میں رکھ کر اس کے گرد عمارت بنادی۔ چنانچہ جب سے اب تک وہیں موجود ہے (مسلم شریف) ——— سنا گیا ہے کہ سعودی حکومت توسیع حرم کے سلسلہ میں مقام ابراہیم اس کے اصل مقام سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھنا چاہتی ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گی تو یہ ایک نہایت ہی غلط قدم ہو

(۲) واضح ہو کہ عنوان بالا کے تحت امام بخاری نے چند حدیثیں درج کی ہیں۔ یہ حدیثیں کتاب الحج میں آئیں گی۔ اس لئے یہاں ہم صرف ان کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں

حدیث اول حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا۔ کہ جس شخص نے عمرہ کے لئے طواف کیا۔ اور صفا و مروہ کی سعی نہیں کی۔ کیا اس کو اپنی عورت سے صحبت کرنا جائز ہے؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے۔ سات بار طواف کعبہ کیا۔ اور مقام ابراہیم میں دو رکعتیں پڑھیں اور صفا و مروہ کی سعی کی۔ اور تمہارے لئے رسول کریم بہترین نمونہ ہیں (بخاری)

اور عمرو بن دینار کہتے ہیں ہم نے اسی مسئلہ کو جابر بن عبداللہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا

فَقَالَ لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتّٰى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ (بخاری)	جب تک صفا و مروہ کی سعی نہ کرلے۔ اس وقت تک جماع نہ کرے

حدیث دوم مجاہد کہتے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر ہیں؟ حضرت ابن عمر کہتے ہیں۔ اس سوال پر میں مسجد حرام میں آیا۔ اور حضور دروازہ کعبہ سے باہر تشریف لاتے تھے۔ اور حضرت بلال کو کعبہ کے دروازہ کے درمیان کھڑا ہوا پایا۔ میں نے بلال سے پوچھا کیا نبی علیہ السلام نے کعبہ میں نماز پڑھی؟

قَالَ نَعَمْ رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ اللَّتَيْنِ عَلٰى يَسَارِهٖ (بخاری)	انہوں نے کہا ہاں آپ نے ان ستونوں کے درمیان جو جاتے وقت بائیں ہاتھ پر ہیں۔ دو رکعت نماز پڑھی پھر حضور باہر تشریف لائے اور کعبہ کے سامنے دو رکعت پڑھیں

حدیث سوم حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کعبہ میں داخل ہوئے۔ تو آپ نے کعبہ کے ہر گوشہ میں دعا کی۔ اور نماز نہیں پڑھی باہر آنے تک۔ جب آپ باہر آئے تو کعبہ کی طرف منہ کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا۔

هٰذِهِ الْقِبْلَةُ	یہی قبلہ ہے

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام نے حج میں دو بار ذکر کیا اور نسائی و مسلم نے بھی کتاب الحج میں ذکر کیا۔ حدیث سے واضح ہوا کہ عمرہ میں سعی واجب ہے جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ طواف سات

وری ہے۔ اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نفل پڑھنا سنت ہے۔ اور حدیث دوم کو امام نے کتاب الحج صد بار ذکر کیا اور مغازی و صلوٰۃ میں بھی۔ اور مسلم و نسائی۔ ابوداؤد و ابن ماجہ نے کتاب الحج میں ذکر کیا۔

ئل حدیث یہ ہیں۔

خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا جائز ہے۔ حنفی کہتے ہیں ہے کہ جو حج کرے اسے کعبہ میں داخل ہونا اور دو رکعت نفل پڑھنا تحب ہے جوتے یا موزے پہن کر کعبہ میں داخل نہ ہو۔ بلکہ برہنہ پا داخل ہو (عینی جز ۲ صفحہ ۳۰۳)

اور حدیث سوم کو مسلم نے مناسک میں اور نسائی و ابوداؤد نے بھی ذکر کیا (۱) یہ جو حضور نے فرمایا: "یہ قبلہ ہے" خطابی نے فرمایا کہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ ہمیشہ کے لئے قبلہ مقرر ہو چکا ہے۔ اور اب کعبہ کا قبلہ ہونا منسوخ ہو گا ——— اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ کعبہ کو قبلہ حضور علیہ السلام کی مرضی اور سفارش سے مقرر فرمایا گیا تھا۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور نے کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی۔ اور حدیث دوم میں ہے کہ حضور نے کعبہ کے اندر بھی نماز پڑھی دونوں میں تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ ہوا یہ کہ ایک بار حضور نے نماز پڑھی اور ایک بار نہیں پڑھی۔ ان احادیث کے بقیہ سائل ان شاء اللہ العزیز کتاب الحج میں ذکر کئے جائیں گے۔

بَابُ التَّوَجُّهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ

وَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَكَبِّرْ (بخاری)

باب آدمی جہاں کہیں ہو قبلہ کی طرف منہ کرے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ کی طرف منہ کر اور تکبیر کہہ

ود و مسائل مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ آدمی سفر میں ہو یا حضر میں، وہ فرض نماز میں بہر صورت جہت کعبہ کی طرف ہی متوجہ ہو۔ یہ عنوان در اصل قرآن پاک کی آیت وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ماخوذ ہے۔ اور زیر عنوان تعلیق کو خود امام بخاری نے کتاب الاستیذان میں ذکر کیا

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يُّوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَتَوَجَّهَ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَقَالَ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ فَصَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ مَا صَلّٰى فَمَرَّ عَلٰى قَوْمٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ

حضرت براء سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی اور حضور کی مرضی یہ تھی کہ آپ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت قد نری تقلب وجہک نازل فرمائی۔ اور آپ نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا۔ اس پر بیوقوف لوگ کہنے لگے انہیں پہلے قبلہ سے کس نے پھیر دیا؟ تم فرما دو مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے ——— ایک شخص نے جب قبلہ بدلا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ تو اس شخص نے انصار کے کچھ لوگوں کو دیکھا جو عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فِي صَلٰوةِ الْعَصْرِ يُصَلُّوْنَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهٗ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَتَحَرَّفَ الْقَوْمُ حَتّٰى تَوَجَّهُوْا نَحْوَ الْكَعْبَةِ (بخاری)

کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور آپ نے کعبہ کی طرف منہ کیا یہ سن کر وہ لوگ (نماز ہی میں) کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے باب الصلوٰۃ من الایمان اور تفسیر میں بھی ذکر کیا۔ مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ اور ایمان میں ذکر فرمایا

اس حدیث کے مسائل یہ ہیں

(۱) نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور اس پر اجماع بھی ہے (۲) کعبہ ابراہیمی ہی ہمیشہ کے لئے قوم مسلم کا قبلہ ہے۔ اور اب یہ منسوخ نہ ہوگا (۳) کعبہ ابراہیمی کو حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور آپ کی رضا جوئی کے لئے قبلہ مقرر کیا گیا (۴) یہ حدیث باب الصلوٰۃ من الایمان میں گذر چکی ہے وہاں ہم نے اس کے پورے مسائل و احکام بیان کئے ہیں۔ قارئین کرام فیوض الباری جلد اول کو ملاحظہ کریں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيْضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ (بخاری)

جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر نماز پڑھتے۔ جدھر بھی اس کا منہ ہوتا۔ جب آپ فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے اترتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز فرض ادا کرتے۔

فوائد و مسائل

امام نے اس حدیث کو باب تقصیر الصلوٰۃ اور مغازی میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم و ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور دار قطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا۔ امام ترمذی نے کہا حسن صحیح ہے۔

نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے ——— البتہ اگر عذر شرعی ہے۔ تو پھر استقبال قبلہ معاف ہے اور اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:۔

استقبال قبلہ سے عاجز ہونے کی صورتیں

(۱) جو شخص استقبال قبلہ سے عاجز ہو مثلاً مریض ہے کہ اتنی طاقت نہیں کہ قبلہ کی طرف رخ کرے۔ اور نہ وہاں کوئی ایسا ہے جو اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دے۔ یا اس کے پاس اپنا یا امانت کا مال ہے۔ جس کے چوری ہو جانے کا صحیح اندیشہ ہے۔ یا کشتی کے تختہ پر بہتا چلا جا رہا ہے اور صحیح اندیشہ ہے کہ اگر قبلہ کی طرف منہ کرے گا تو ڈوب جائے گا یا شریر جانور پر سوار ہے کہ اترنے نہیں دیتا۔ یا اتر تو جائے گا مگر بے مددگار سوار نہ ہونے دے گا یا یہ بڑھاپا ہے کہ پھر خود سوار نہ ہو سکے گا اور ایسا کوئی نہیں جو سوار کرا دے۔ ان سب صورتوں میں جس طرح نماز پڑھ سکے پڑھ لے اور اعادہ بھی نہیں

ہاں اگر سواری کے روکنے پر قادر ہو تو روک کر پڑھے۔ اور ممکن ہو تو قبلہ کی طرف منہ کرے ورنہ جیسے بھی ہو سکے پڑھے ——— چلتی کشتی میں نماز پڑھتے وقت بوقت تکبیر تحر

قبلہ کو منہ کرے اور جیسے جیسے وہ گھومتی جائے یہ بھی قبلہ کی طرف منہ پھیرتا جائے اگرچہ نفل نماز ہو وغیرہ۔ اگر کوئی شخص قید میں ہے اور حکام جیل قبلہ کی طرف منہ نہیں کرنے دیتے تو جیسے بھی ہو سکے نماز پڑھ لے۔ مگر اس صورت میں جب موقع مل جائے۔ وقت میں یا بعد میں اس نماز کو دوبارہ پڑھ لے۔

سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے

حدیث زیر بحث سے واضح ہوا۔ کہ محمل، سواری اور گاڑی پر نفل نماز مطلقاً جائز ہے۔ جبکہ تنہا پڑھے۔ اور نفل جماعت سے پڑھنا چاہے۔ تو اس کے لئے شرط ہے کہ امام و مقتدی الگ الگ سواریوں پر نہ ہوں ——— بیرون شہر سواری پر بھی نفل پڑھ سکتا ہے (اس صورت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط نہیں۔ بلکہ سواری جس رخ جا رہی ہو ادھر ہی منہ ہو۔ اور اگر ادھر نہ ہو تو نماز جائز نہ ہو گی۔ اور نماز شروع کرتے وقت بھی قبلہ کی طرف منہ ہونا شرط نہیں بلکہ سواری جدھر جا رہی ہو اُدھر منہ ہو اور رکوع و سجود اشارے سے کرے۔ اور سجدہ کا اشارہ بہ نسبت رکوع کے پست ہونا چاہیئے۔ (یہ حکم صرف نفل نماز کے لئے ہے)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا اَدْرِيْ زَادَ اَوْ نَقَصَ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا فَثَنّٰى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمَّا اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ اِنَّهٗ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَاِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ

(بخاری)

حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو ابراہیم نے کہا مجھے معلوم نہیں حضور نے ظہر کی نماز کی چار رکعتیں پڑھیں یا پانچ جب آپ نے سلام پھیرا۔ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آیا ہے۔ فرمایا کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کی آپ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں یہ سن کر حضور نے اپنے پاؤں پھیرے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دو سجدہ سہو کئے۔ اور سلام پھیر کر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آتا تو تمہیں خبردار کرتا۔ لیکن میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو جب میں بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو۔ اور جب کوئی تم میں اپنی نماز میں شک کرے تو ٹھیک بات سوچ لے۔ پھر اسی کے مطابق اپنی نماز پوری کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کرے

امام نے اس حدیث کو متعدد میں بھی ذکر کیا اور مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا یہ نماز جو حضور نے پڑھائی اور جس میں سہو ہوا وہ ظہر کی نماز تھی۔ جو چار رکعت کی بجائے پانچ رکعت پڑھا دی تھیں (۲) اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا کہ اگر نمازی نماز میں نماز کی اصلاح کے لئے کلام کرے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ سے بات کی پھر سجدہ سہو فر ——— لیکن

لہ ابراہیم نخعی ہیں جو اس روایت کو علقمہ سے اور وہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرنے والے ہیں۔ بحوالہ عمدۃ القاری

یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب کہ نماز میں کلام کرنے کی ممانعت نہیں آئی تھی۔ چنانچہ ابوداؤد نسائی و مسلم کی حدیث میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا!

ان هذه الصلوٰة لا يصلح فيها شئ من كلام الناس

کہ نماز میں تسبیح و تکبیر و قراۃ قرآن کے سوا اور کسی قسم کی بات کی گنجائش نہیں ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ ہم حضورؐ کو نماز میں سلام عرض کرتے۔ تو آپ نماز کی حالت میں جواب عطا فرماتے مگر جب ہم نجاشی کے ہاں سے واپس ہوئے اور بارگاہِ نبوی میں سلام عرض کیا تو حضورؐ نے جواب نہ دیا ہمارے استفسار پر حضورؐ نے فرمایا میں نماز میں تھا ——— اور ابوداؤد کی حدیث میں یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ عزوجل اپنا جو حکم چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے اور جو ظاہر فرمایا اس میں سے ایک یہ ہے کہ نماز میں کلام نہ کرو"۔

کلام مفسد نماز ہے

یہ حدیثیں حدیث زیر بحث کی ناسخ ہیں۔ اور اس امر میں نص صریح ہیں کہ کلام مفسد نماز ہے۔ خواہ اصلاح صلوٰۃ ہی کے لئے ہو۔ قصداً ہو یا سہواً یا خطاءً۔ اپنی خوشی سے کلام کرے یا کسی کے مجبور کرنے پر۔ مقتدی کرے یا امام ——— خطاء کے معنے یہ ہیں۔ قرأت وغیرہ اذکار نماز کہنا چاہتا تھا مگر غلطی سے کوئی اور بات زبان پر آگئی اور سہو کے معنے یہ ہیں کہ اسے اپنا نماز میں ہونا یاد نہ رہا۔

ترک واجب سے سجدہ سہو واجب ہے

(۱) واجباتِ نماز میں سے جب کوئی واجب بھولے سے رہ جائے۔ تو اس کی تلافی کے لئے سجدہ سہو واجب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ التحیات کے بعد داہنی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے۔ پھر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ حضور علیہ السلام نے جو سجدہ سہو فرمایا ہے وہ تاخیر سلام کی وجہ سے فرمایا۔ یعنی چار رکعت کے بعد سلام پھیرنا چاہیئے تھا۔ مگر آپ نے سہواً پانچویں پڑھ کر سلام پھیرا اور سلام میں تاخیر ہو گئی۔ جس کی تلافی سجدہ سے فرمائی ——— اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے چار رکعت پڑھ کر قعدہ اخیرہ کر لیا۔ پھر پانچویں کے لئے کھڑا ہوا اور پانچویں رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ پھر یاد آیا کہ پانچ پڑھی ہیں اور سجدہ سہو کر لیا (چھٹی رکعت اور نہیں پڑھی) فرض ادا ہو گئے مگر پانچویں رکعت بوجہ ایک ہونے کے لغو ہو گئی ——— اس صورت میں یہ چاہیئے۔ کہ جب بقدر تشہد قعدہ اخیرہ کر چکا ہے۔ اور پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا ہے۔ اور پانچویں کا سجدہ کر لیا ہے۔ تو ایک رکعت اور پڑھ لے۔ اور سجدہ سہو کر لے۔ تاکہ چار فرض اور دو نفل ہو جائیں۔ اور پانچویں بوجہ ایک ہونے کے لغو نہ ہو۔

(۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ سہو کے دو سجدے ہیں۔ اور یہ کہ سجدہ سہو سلام کے بعد کیا جائے۔ اور سجدہ سہو کے بعد تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے ——— اور حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں۔ سلام سے پہلے سجدہ سہو کر لے مگر یہ اختلاف جواز یا عدم جواز کا نہیں ——— بلکہ اولیت و افضلیت کا ہے۔ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرنا افضل ہے۔ تو اگر کسی نے بغیر سلام پھیرے سجدہ سہو کر لیا۔ احناف کے نزدیک بھی نماز ہو جائے گی۔ فافہم (اشعۃ اللمعات ج ۱ صـ۴۸)

(۳) اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا اذا شك احدكم کہ جب تم میں سے کسی کو رکعتوں کے شمار میں شک ہو تو تحری کرے۔ مثلاً یہ شک ہو کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو تین پر تو یقین ہوا۔ چوتھی میں شک ہے تو تین کو اختیار کرے۔ اور چوتھی اور پڑھ لے یا مثلاً دو پڑھی ہیں یا تین تو دو پر تو یقین ہے لہذا ایک اور پڑھ لے اور سجدہ سہو کرے۔

حدیث ہذا میں اگرچہ بنا علی الاقل کا ذکر نہیں ہے مگر تحری سے کام نہ بنے تو پھر اقل پر ہی بنا رکھنی پڑے گی

کعت میں شک ہو تو کیا کرے

واضح ہو کہ شک کے باب میں تین حدیثیں وارد ہیں:-

اول: یہ کہ جب شک ہو تو از سر نو پڑھے

دوم:- یہ کہ جب شک ہو تو تحری کرے

سوم:- یہ کہ جب شک ہو تو یقین پر بنا کرے

حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تمہیں شک ہو کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ تین یا چار فلیطرح الشک ولیبن ستیقن (مسلم) تو شک کو دور کرے اور اس چیز پر عمل کرے جو یقینی ہے۔

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ نے ان تینوں حدیثوں میں جمع کی صورت یہ پیدا فرمائی

جس کو شمار رکعت میں شک ہو مثلاً تین ہوئیں یا چار اور بلوغ کے بعد یہ پہلا واقعہ ہے تو سلام پھیر کر یا کوئی عمل منافی ے توڑ دے اور اس نماز کو از سر نو پڑھے۔ حدیث اول کا یہی مطلب ہے

اور اگر یہ شک پہلی بار نہیں بلکہ پیشتر بھی ہو چکا ہے۔ تو اگر گمان غالب کسی طرف ہو تو اس پر عمل کرے۔ حدیث مطلب ہے

اور اگر گمان غالب نہ ہو تو کم کی جانب کو اختیار کرے مثلاً تین اور چار میں شک ہو تو تین قرار دے۔ اور اگر دو اور شک ہو تو دو۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور تیسری چوتھی دونوں میں قعدہ کرے کہ تیسری رکعت کا چوتھی ہونا محتمل ہے۔ اور چوتھی کے سجدہ سہو کرکے سلام پھیرے۔ حدیث سوم کا یہ مطلب ہے۔

فائدہ: گمان غالب کی صورت میں سجدہ سہو نہیں۔ مگر جب کہ سوچنے (تحری) میں بقدر ایک رکن کے وقفہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہوگیا۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ سجدہ سہو آخیر صلوٰۃ میں کیا جائے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر دوران نماز میں کوئی اور غلطی ہو جائے تو اس کی تلافی بھی ایک ہی سجدہ سے ہو جائے۔

ور نسیان کی تعریف

نسیان: لغت میں حفظ و ذکر کی ضد ہے۔ اور اصطلاح میں کسی بات سے دل کے غافل ہو جانے کو نسیان کہتے ہیں۔ اور نسیان ترک کے معنے میں بھی آتا ہے۔ جیسے اس نسوا اللہ فنسیھم ۲، اور ولا تنسوا الفضل بینکم میں۔

شک، لغت میں یقین کی ضد ہے۔ اور اصطلاح میں شک کے معنے یہ ہیں کہ طرف علم و جہل مساوی ہو جائے۔ ور نہیں۔ یا ایک اور دو کے درمیان ٹھہر جانا اس طرح کہ دونوں طرفوں یعنی ہاں اور نہیں۔ یا ایک اور دو میں سے طلب کا میلان نہ ہو۔ یعنی زید نے ظہر کی نماز پڑھی اور اب اس کو شک ہو گیا کہ نہیں معلوم کہ چار پڑھی ہیں یا پانچ۔ تو ور پانچ کے درمیان شک میں مبتلا ہے اور اس کا دل کسی کو ترجیح نہیں دے رہا۔

پس اگر ایک طرف میلان ہو جائے تو ظن محض ہے اور اگر ایک طرف ایسا میلان ہو کہ آدمی اس کو اختیار کرے اور دوسری چھوڑ دے تو یہ ظن غالب ہے۔ اس کو غالب رائے سے بھی موسوم کرتے ہیں:

کرام کو سہو و نسیان ہو سکتا ہے؟

واضح ہو کہ امور تبلیغیہ میں انبیاء کرام سے سہو و نسیان اور خطا محال ہے۔ یعنی امور دینیہ

احکام تبلیغیہ مسائل شرعیہ و اخبار معاد (جن کا سرچشمہ وحی جلی ہو یا خفی) اس میں انہیں نہ شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ نہ
نسیان اور خطا۔ وہ اپنے فرض نبوت کو نہایت یقین و اطمینان، سکون و وقار کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور دین سے
بات کو اس کی صحیح حیثیت اور پوزیشن کے ساتھ پیش فرماتے ہیں۔ وہ خوشی اور ناراضگی حتیٰ کہ مزاح کی حالت میں بھی
قول و عمل سے دین کی جس بات کا اظہار فرماتے ہیں۔ اس میں بھی سہو و نسیان اور خطا واقع نہیں ہو سکتی اور یہ بالکل ایک
ہے۔ اور کتاب و سنت کی نصوص صریحہ سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع بھی ہے۔

علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا

اما السهو فی الاقوال البلاغیة فاجمعوا
علی منعه (العینی ج ۲ ص ۲۱۳)

امور تبلیغیہ میں انبیاء سے سہو و نسیان نہ ہونے پر
اجماع ہے

البتہ بعض اوقات ان کے ایسے افعال میں جو امور بلاغیہ سے نہ ہوں حکمت الٰہیہ کے پورے ہونے کے لئے
واقع ہو سکتا ہے مگر وہ بھی شاذ و نادر ہوتا ہے اور عارضی ہوتا ہے پھر زائل ہو جاتا ہے شیطان کے عمل کو اس میں قطعاً دخل
اور اس عارضی سہو سے بھی متعدد مسائل شرعیہ امت کو معلوم ہو جاتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:۔

وفائدة جواز السهو فی مثل ذالك
بیان الحكم الشرعی اذا وقع مثله لغيره
(نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۲۹)

اور ایسے امور میں نبی سے جواز سہو کا فائدہ حکم
شرعی کا ظاہر ہونا ہے۔ جبکہ اس جیسا سہو غیر نبی
سے واقع ہو

اس سے واضح ہوا کہ انبیاء کرام کے افعال میں جو سہو واقع ہوتا ہے مثلاً نماز میں یا روزہ میں۔ تو اس کی اصل
یہ ہوتی ہے کہ امت کو اگر سہو ہو تو وہ اس کے متعلق حکم شرعی جان لے چنانچہ ـــــ حضور علیہ السلام کو نماز میں سہو ہوا
نے چار کی جگہ پانچ رکعت پڑھیں تو متعدد مسائل معلوم ہو گئے۔

(۲) خوب یاد رکھئے کہ انبیاء کرام کے افعال میں جو سہو واقع ہوتا ہے۔ اس میں شیطان کا دخل قطعاً نہیں ہوتا بلکہ
یہ ہوتی ہے کہ جب وہ متوجہ الی الحق ہوتے ہیں۔ تو توجہ ادھر سے ہٹ جاتی ہے۔

حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

و گویند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز
در شک نیفتاد از جہت بودن آں از تلبیس
شیطانی و در سہو و نسیان افتادہ بغلبہ استغراق
و توجہ بعالم دیگر۔ و حکم شک نیز حکم سہو است۔
(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۲۹)

اور علماء فرماتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تلبیس
کی وجہ سے شک میں مبتلا نہیں ہو سکتے۔
کے افعال میں جو سہو واقع ہوتا ہے وہ بسبب غلبہ
اور دوسرے عالم کی طرف توجہ کی وجہ سے ہوتا ہے
کا حکم بھی سہو کے حکم کی طرح ہے

اس سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام کے سہو کو عام لوگوں کے سہو و نسیان کی طرح نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ
شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے سہو و نسیان و شک و شبہ میں مبتلا ہوتے ہیں ـــــ مگر حضور سید عالم صل

لہ چنانچہ ایک بوڑھی عورت کو حضور نے مزاحاً یہ فرمایا تھا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ اور یہ بات حق تھی اور ہے ۱۲

ت اقدس پر شیطان کا تسلط ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ آپ کے قلب اطہر میں وسوسہ ڈال سکتا ہے۔ حضور
عض افعال میں جو سہو واقع ہوا —— اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مراقبۂ حق کی وجہ سے آپ کی توجہ ادھر نہ قائم
سکی اور بس —— ۱

کے افکار و اعمال شیطانی عمل دخل سے پاک و منزہ ہوتے ہیں

اور حضور علیہ السلام نے حدیث زیر بحث میں جو نسیان کی نسبت اپنی ذات کی طرف فرمائی ہے۔ تو اس کا مطلب بھی یہ ہے جو اوپر مذکور ہوا —— اور منکرین شان نبوت کا اسی حدیث کے مذکورہ بالا جملہ سے یہ استدلال کرنا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو بھی بالکل اسی طرح اور اسی نوعیت کا سہو و نسیان ہوتا ہے جیسے عام لوگوں کو ہوتا ہے باطل محض ہے اور اپنے باطنی کا اظہار ہے کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ عام انسانوں کے سہو و نسیان میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ عام انسان بالکل یقینی امور میں بھی شک و شبہ و سہو و نسیان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ خدا کے وجود تک میں شک کرنے لگتے ہیں۔ مگر انبیاء خصوصاً حضور سید عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر شیطان کو کسی قسم کا تسلط حاصل نہیں ہے وہ امور یقینیہ شک و شبہ تو درکنار سہو و نسیان میں بھی مبتلا نہیں ہو سکتے۔ البتہ ان کے افعال میں سہو واقع ہو سکتا ہے مگر وہ بھی شاذ و نادر اور ہوتا ہے اور اس کی وجہ ذات خداوندی کے مشاہدہ میں استغراق ہے۔

حضرت علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے شفا میں اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اس سلسلہ میں ملحدین نے جو اعتراض کئے ہیں ان کے مکمل جواب بھی دیئے ہیں (دیکھو شرح شفا ملا علی قاری ج ۲ ص ۲۱۳) چنانچہ فرماتے ہیں:-

واعلم ان الامۃ مجمعۃ علی عصمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الشیطان وکفایتہ منہ لا فی جسمہ بانواع الاذی ولا علی خاطرہ بالوساوس	جان لو کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور علیہ السلام شیطان کی دست برد سے بالکل محفوظ ہیں۔ نہ حضور کے جسم اقدس کو کسی قسم کا ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ قلب مبارک میں وسوسہ ڈال سکتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:-

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان	میرے بندوں پر تجھے کوئی تسلط نہیں ہے

اور حدیث میں فرمایا کہ میرا قرین جو شیاطین سے تھا۔ فاسلم (بخاری و مسلم) وہ میرا تابع فرمان ہو گیا۔ اس کے شیطان نے جس موقع پر بھی دخل اندازی کی کوشش کی کامیاب نہ ہوا۔ اس سلسلہ کی چند احادیث یہ ہیں

(۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا بحالت نماز شیطان وسوسہ ڈالنے کے لئے آیا۔ تو میرے رب نے طاقت عطا فرمائی فذعتہ۔ تو میں نے اس کا گلا خوب زور سے دبایا۔ اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دوں۔

حتی تصبحوا تنظروا	حتیٰ کہ صبح کو تم اسے بندھا ہوا دیکھتے

میرے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا (وھب لی ملکا الآیۃ) یاد آ گئی۔ اس لئے میں نے ایسا نہ کیا (بخاری)

(۲) روایت ابن ابی الدنیا کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

خرابی ڈالنے کے قصد سے شیطان آیا۔ تو میں نے اس کو حلق سے پکڑ لیا۔ اور اس زور سے پکڑا کہ اس وقت نہیں چھوڑا

حتی وجدت برد لسانه علی یدی (شفا ملا علی قاری ج ۲ ص ۱۴۱)	جب تک کہ اس کی زبان کی ٹھنڈک میرے ہاتھ نے محسوس کی۔

(۳) حدیث ابی الدرداء میں ہے کہ شیطان بحالت نماز آگ کے چنگارے میرے دہن میں ڈالنے کے قصد سے آیا۔ تو میرا ارادہ ہوا کہ اس کو جکڑ کر ڈال دوں

یلاعب به ولدان اهل المدینة (شفا محولہ مذکورہ)	اور صبح کو مدینہ کے بچے اس سے کھیلیں

غرض اس نوع کے متعدد آثار ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ شیطان حضور کے لئے مسخر ہے۔ اور حضور کے اعمال و اقوال افکار و خیالات پر اس کا کوئی عمل کارگر نہیں ہو سکتا ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ انسی کما تنسون اس میں بھی مشابہت من کل الوجوہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ملا علی قاری وقاضی علیہما الرحمۃ نے اسی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا۔

(نعم) لیس نسیانه کنسیان غیره من کل وجه (بل حالة النسیان والسهو) ای نسیانه وسهوه هنا (ای فی هذا المحل بخصوصه (فی حقه علیه السلام سبب افادة علم) لامته (وتقریر شرع) لملته (شرح شفا ج ۲ ص ۳۹۱)	ہاں حضور ﷺ کا نسیان ہر حیثیت سے دوسروں کے نسیان کی طرح نہیں۔ بلکہ اس مقام میں حضور ﷺ کا نسیان آپ کے حق میں سبب ہے۔ آپ کی امت کے افادہ اور آپ کی ملت بیضاء کے احکام کی تقریر و تحقیق کا۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا سہو بھی عام انسانوں کے سہو کی طرح نہیں۔ فافہم وتدبر ——— بلکہ ایک حدیث میں خود حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

(بل قد روی لست انسی) ای حقیقة (ولکن اُنسّٰی) بصیغة المجهول۔ (حوالہ مذکور)	میں بھولا نہیں یعنی حقیقت میں مجھ کو نسیان نہیں ہوا، بلکہ گیا ہوں تاکہ مسئلہ معلوم ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ	باب مسائل قبلہ کے بیان میں
وَمَنْ لَّمْ يَرَ الْإِعَادَةَ عَلٰى مَنْ سَهَا فَصَلّٰى إِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ وَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهٖ ثُمَّ أَتَمَّ مَا بَقِيَ (بخاری)	اور جس نے یہ کہا کہ اگر کوئی بھولے سے قبلہ کے سوا اور طرف نماز پڑھ لے تو اس نماز کا اعادہ واجب نہیں (اور اس کی دلیل یہ ہے) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور لوگوں کی طرف منہ کر لیا پھر باقی نماز پوری فرمائی۔

فوائد و مسائل مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ جس کو قبلہ کی شناخت نہ ہو اور وہ تحری کر کے نماز پڑھے بعد کو معلوم ہوا کہ قبلہ کی نماز نہیں پڑھی گئی تو اس صورت میں دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو قبلہ کی شناخت نہ ہو اور کسی بھی ذریعہ اور وسیلہ سے وہ جہت قبلہ معلوم نہ کر ے تو اسے تحری کرنی چاہیئے۔ یعنی سوچنا چاہیئے۔ پھر جدھر قبلہ ہونے پر دل جمے۔ ادھر ہی منہ کر کے نماز ے اس کے حق میں وہی قبلہ ہے ——— اور اگر تحری کر کے نماز پڑھی بعد کو معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف ہیں پڑھی گئی۔ نماز ادا ہو گئی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت امام نخعی، شعبی، عطاء، سعید ابن مسیب، حماد، ثوری، امام بخاری، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی ک ہے ——— اور امام مالک و زہری کے نزدیک مسئلہ یہ ہے۔ کہ اگر وقت کے اندر غلطی معلوم ہو جائے تو اعادہ ے ورنہ نہیں۔ اور امام شافعی مطلقاً اعادہ کو لازم قرار دیتے ہیں ——— عنوان کے ماتحت تعلیق حدیث ابو ہریرہ کا کرہ ہے جس میں ذوالیدین کا قصہ مذکور ہے۔

عنوان سے مطابقت بالکل ظاہر ہے یعنی حضور قبلہ سے منہ پھیرنے کی حالت میں نمازی کے حکم میں تھے۔ اس سے واضح ھولے سے قبلہ کے سوا دوسری طرف منہ کرنا نماز کو باطل نہیں کرتا اور یہ کہ اس کا اعادہ بھی نہیں ہے۔ فافہم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ ثَلَاثٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَنَزَلَتْ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى وَاٰيَةُ الْحِجَابِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَ نِسَآءَكَ اَنْ يَّحْتَجِبْنَ فَاِنَّهٗ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَآءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ

(بخاری)

حضرت انس بن مالک سے ہے، کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تین امور میں اللہ تعالیٰ نے میری موافقت فرمائی (۱) میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیں تو کیا اچھا ہو تو اس وقت سورہ بقرہ کی آیت اتری واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی پھر پردہ کی آیت میں نے عرض کی یا رسول اللہ (۲) ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرمائیں کیونکہ اچھے برے سب ہی ازواج مطہرات سے بات کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے پردہ کی آیت نازل فرمائی۔
(۳) اسی طرح ایک بار ایسا ہوا کہ آپ کی ازواج نے آپ کے خلاف اجتماع کیا۔ تو میں نے ان سے کہا۔ کہ عجب نہیں کہ آپ کا رب آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے اور تم کو طلاق دلوا دے پس یہ آیت نازل ہوئی۔

ئد و مسائل

اس حدیث کو امام نے کتاب التفسیر میں دوبارہ ذکر کیا اور نسائی و ترمذی نے تفسیر میں ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

وافقت: باب مفاعلہ سے ہے جس میں فعل کی نسبت جانبین کی طرف ہوتی ہے۔ مگر یہاں اس کے معنے یہ ہیں لہ عز و جل نے میری رائے کے مطابق حکم نازل فرمایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ادب کی وجہ سے موافقت سبت بجائے ذات الٰہی کے اپنے نفس کی طرف فرمائی۔

فی ثلاث: یعنی اللہ عز و جل نے تین مواقع پر حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق حکم نازل فرمایا۔ مگر شارحین کرام نے

تصریح کی کہ تین کی تعداد میں حصر نہیں ہے چنانچہ فتح الباری نے ۱۵ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ۲۱ مو
ذکر فرمائے۔ اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں علامہ ابن حجر ہیتمی نے صواعق محرقہ فصل سادس میں اور

موافقات سیدنا فاروق اعظم

ابن کثیر و علامہ محمود آلوسی علیہم الرحمۃ نے اپنی تفاسیر میں خاص طور پر ان موافقات کو ذکر کیا ہے ——— یہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خصوصیات سے ہے کہ جو حکم اللہ نے مقدر فرمایا اس کے نزول سے قبل وہی حکم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا ہو گیا۔ اور وحی الٰہی نے حضرت عمر کی رائے کی تصدیق و موافقت فرمائی۔ ترمذی شریف میں ابن عمر سے منقول ہے کہ جس امر میں حضرت عمر اور دیگر صحابہ کا اختلاف ہوتا تو قرآن مجید حضرت عمر کے قول کے مطابق نازل ہوتا۔ سیدنا علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔ کہ ہم سب بالاتفاق یہ خیال کرتے تھے۔ کہ حضرت عمر کی زبان سے سکینہ جاری ہوتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ عمر ایک بات کہتے اور قرآن ان کی تصدیق و موافقت فرماتا ہے۔ (ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۹۵)

حدیث زیر بحث میں تین موافقات کا ذکر ہے۔

اول: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کاش کہ مقام ابراہیم کو مصلے بنا لیا جائے پر سورہ بقرہ کی آیت واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى نازل ہوئی۔ مقام ابراہیم کے بحث گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضہ نے بحضور نبوی عرض کی یا رسول اللہ کیا اچھا
دوم: ہو کہ آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرمائیں ——— علامہ آلوسی نے لکھا حضرت فاروق اعظم نے اہلبیت کے لئے پردہ کی وہ محض حضور کی محبت کی بنا پر تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حجاب کا حکم نازل فرمایا (روح المعانی و ازالۃ الخفاء ص ۱۹۲)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے ہاں جلوہ فرمانے کے باری مقرر فرما رکھی تھی۔ ایک دفعہ حضور
سوم: حضرت حفصہ کے محل میں جلوہ فرما تھے۔ انہوں نے حضور سے اپنے والد حضرت عمر کی عیادت کے لئے جانے کی اجازت طلب کی۔ حضور نے اجازت دے دی۔ وہ تشریف لے گئیں اور حضور نے اسی حجرہ میں حضرت ماریہ قبطیہ کو سرفراز خدمت فرمایا۔ جب حضرت حفصہ واپس آئیں۔ تو ماریہ قبطیہ کو دیکھ کر رشک کرنے لگیں اس پر حضور نے دل جوئی کے لئے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔

حضور علیہ السلام جب ام المومنین زینب بنت جحش کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ شہد پیش کرتیں قریب سے حضور ان کے ہاں کچھ زیادہ دیر تشریف فرما رہتے۔ یہ بات حضرت عائشہ و حفصہ کو ناگوار ہوئی اور انہیں رشک حضور حضرت زینب کے ہاں زیادہ دیر کیوں جلوہ فرما ہیں۔ چنانچہ باہم مشورہ سے یہ طے پایا کہ جب حضور اقدس تشریف لائیں عرض کیا جائے کہ دہن اقدس سے مغافیر کی بو آتی ہے اور مغافیر کی بو حضور کو ناپسند تھی چنانچہ ایسا کیا گیا۔ حضور ان کا منشا معلوم تھا۔ فرمایا مغافیر تو میرے قریب نہ آیا۔ ہاں زینب کے ہاں سے شہد میں نے پیا ہے اس کو میں اوپر حرام کرتا ہوں۔ مقصود یہ کہ حضرت زینب کے ہاں شہد کے شغل سے تمہاری دل شکنی ہوتی ہے شہد ہی ترک فرما دیتے ہیں۔

اس پر آیت مبارکہ لم تحرم ما احل الله لك نازل ہوئی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ک

پ نے ازواج مطہرات کو وعظ کیا اور فرمایا: تمہیں ہر معاملہ میں حضورؐ کی دلجوئی کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ اور اگر حضورؐ نے طلاق دے دی۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا۔ حضرت فاروقؓ کی زبان سے جب یہ جملے صادر ہوئے نے ان کی تائید و موافقت فرمائی۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

عسیٰ ربہٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ	ان کا رب قریب ہے اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں کہ انہیں تم سے بہتر بیویاں بدل دے۔

صاحب کشاف نے سوال اٹھایا ہے کہ زمین پر تو امہات المومنین سے بڑھ کر بہتر کوئی عورت نہیں ہے پھر قرآن نے یہ تم سے بہتر بیویاں بدل دے۔ جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض ایسا ہوتا کہ حضورؐ کو ایذا پہنچتی۔ اور نافرمانی کی وجہ سے حضورؐ انہیں دیتے تو وہ خیر نساء الارض کی صفت پر باقی نہ رہتیں (عینی ج۲ ص۴۲۲)

اس حدیث سے حضرت عمرؓ کی بعض فضیلات ثابت ہوتی ہے۔ کہ بعض اوقات جو بات آپ کے دل میں پیدا ہوتی تو قرآن اس کی موافقت میں نازل ہوتا ——— اور صحیح و درست فیصلوں اور حکموں کا کسی کے دل میں ہام ہو جانا قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔

(۱) واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ

(۲) فالھمھا فجورھا وتقواھا

(۳) واوحیٰ ربک الی النحل

(۲) ظاہر ہے کہ غیر انبیاء کے الہام و القاء و خواب دین اور شریعت نہیں بن سکتے۔ اور نہ الہام کی بنیاد پر کسی امر دینی کا اثبات ہو سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر نبی کے الہام و القاء کا معصوم و محفوظ ہونا ضروری نہیں ہے ——— جب قرآن یا حضور علیہ السلام کسی کے الہام یا القاء یا خواب کی تائید و توثیق کر دیں۔ اور اس کو تشریعی حیثیت دے دیں بھی دین و شریعت بن جاتا ہے۔ (فافہم و تدبر)

(۳) ترجمۃ الباب:۔ حدیث زیر بحث کے حرف "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی" کے جملے ہیں نے مقام ابراہیم سے کعبہ مراد لیا ہے۔ ان کے قول پر تو مناسبت ظاہر ہے اور جنہوں نے وہ پتھر مراد لیا جس پر کھڑے ہو کر براہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیوار بنائی۔ ان کے قول پر ترجمۃ الباب میں متعلقات قبلہ مراد ہوں گے۔

اس کے بعد امام نے ایک حدیث لکھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:۔ لوگ فجر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھ رہے تھے۔ تو ایک شخص آئے۔ اور انہوں نے کہا کہ اب تو کعبہ کی کے نماز پڑھنے کا حکم آ گیا ہے یہ سن کر وہ لوگ کعبہ کی طرف نماز ہی میں پھر گئے" ——— یہ حدیث مکمل تفہیم و ترجمانی فیض الباری کی جلد ۲ میں گذر چکی ہے اس لئے صرف خلاصہ پر اکتفاء کیا گیا ——— اس حدیث کی مناسبت کے جزو اول سے یہ ہے کہ استقبال کعبہ کا حکم دیا گیا ہے اور جزو ثانی سے یہ ہے کہ وہ لوگ ناواقف ہونے کی وجہ سے بیت المقدس منہ کرکے نماز پڑھ رہے تھے اور ناواقف بھی گویا بھول چوک والے کے حکم میں ہے لہٰذا اگر کوئی بھول کر غیر کعبہ کی طرف منہ نماز پڑھے اور بعد میں غلطی معلوم ہو تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) اس کے بعد امام نے ایک حدیث ذکر کی ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے سہواً ظہر کی پانچ رکعت

پڑھائیں۔ یہ حدیث اور یہ تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ دیکھو حدیث ۳۴۱ صفحہ ۱۵ پارہ دوم)

بَابُ حَكِّ الْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ

باب مسجد میں تھوک لگا ہوا دیکھے تو اس کو ہاتھ سے کھرچ

اس عنوان کے تحت امام نے تین حدیثیں لکھی ہیں۔ تینوں کے مضمون تقریباً ایک ہی سے ہیں۔ ہم یہاں تینوں حد مکمل متن لکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد کے عنوانات میں بھی یہ حدیثیں آئی ہیں۔ مگر وہاں ہم صرف حدیث کے وہ الفاظ جو ترجمۃ الباب ہیں

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ فِي وَجْهِهٖ فَقَامَ فَحَكَّهٗ بِيَدِهٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهٖ فَاِنَّهٗ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ اَوْ اِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ اَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ اَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا

(بخاری)

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میں قبلہ کی طرف بلغم لگا ہوا دیکھا تو آپ کو یہ بہت ناگوار ہوا حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ اقدس پر ناراضگی کے نمایاں ہو گئے پھر آپ نے اس کو دست مبارک صاف کر دیا۔ اور فرمایا جب کوئی تم میں سے نماز کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے بیچ میں ہوتا ہے نماز کی حالت میں انتہائی قرب حاصل ہوتا ہے تو کوئی تم قبلہ کی طرف نہ تھوکے (البتہ اگر تھوک نہ رکے) تو بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک لے پھر آپ نے چادر اٹھائی اس کے ایک کونے میں تھوکا پھر آپ نے اس کو الٹ پلٹ کر دیا اور فرمایا ایسا کرے۔

(۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى بُصَاقًا فِيْ جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ يُصَلِّيْ فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ قِبَلَ وَجْهِهٖ اِذَا صَلّٰى

حضور علیہ السلام نے قبلہ کی دیوار پر تھوک دیکھا اس کو کھرچ ڈالا۔ اور فرمایا جب کوئی تم میں سے نماز پڑھے تو قبلہ کے سامنے نہ تھوکے۔ اس لئے کہ نمازی کے چہرہ کے سامنے اللہ عزوجل ہوتا ہے۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى فِيْ جِدَارِ الْقِبْلَةِ مُخَاطًا اَوْ بُصَاقًا اَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهٗ مِنَ الْمَسْجِدِ (بخاری)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قبلہ کی دیوار پر رینٹ یا تھوک یا بلغم دیکھا تو اس کو صاف فرما دیا۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام نے حسب ذیل ابواب میں ذکر کیا ہے۔ باب کفارۃ البزاق فی المسج اذا بدرہ البزاق، باب لا یبصق عن یمینہ فی الصلاۃ، باب لیبصق یسارہ، باب ما یجوز من البزاق، باب المصلی یناجی ربہ اور مسلم، ترمذی و نسائی نے بھی

میں اس حدیث کو درج کیا ہے

حدیث دوم کو امام نے ادب میں ذکر کیا۔ اور مسلم و نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

اور حدیث سوم کو امام بخاری نے صلاۃ میں اور مسلم نے بھی صلاۃ میں ذکر کیا ہے

یہ تینوں حدیثیں حسب ذیل مسائل پر مشتمل ہیں:-

جد کو گندگی اور ہر گھن کی چیز سے صاف رکھنا ضروری ہے

مسجد کو ہر قسم کی گندگی اور گھن کی چیز جیسے بدن کا میل کچیل، تھوک، رینٹ، کھنگار وغیرہ سے پاک و صاف رکھنا واجب ہے (۲) مسجد کی خبر گیری متولی یا منتظم یا امام کے فرائض میں سے ہے (۳) آدمی کے فضلات پسینہ، تھوک، رینٹ وغیرہ پاک ہیں، اور بحالت نماز کپڑے میں بضرورت لے لینے میں حرج نہیں (۴) مسجد میں وضو کلی کرنا مسجد کی دیواروں، چٹائیوں پر یا ان کے نیچے تھوکنا اور ناک سنکنا ممنوع ہے۔ اور چٹائیوں کے نیچے ڈالنا اور پھر ڈالنے سے ہے۔ اور اگر ناک سنکنے یا تھوکنے کی ضرورت پڑ جائے تو کپڑے میں لے لے (۵) جب تھوکے تو قبلہ کی طرف نہ تھوکے کی حدیث میں ہے حضور نے فرمایا۔ جو قبلہ کی جانب تھوکے قیامت کے دن اس طرح آئے گا۔ کہ اس کا تھوک دونوں کے درمیان ہوگا۔ اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔

اور اس سلسلہ کی احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ رخ تھوکنا کم از کم مکروہ تحریمہ ضرور ہے۔ کیونکہ اس پر وعید آئی ہے۔ اور ابوداؤد و ابن حبان میں سائب ابن خلاد کی حدیث میں ہے۔ کہ ایک امام کو حضور نے قبلہ رخ کی وجہ سے امامت سے معزول کر دیا۔ اور فرمایا انك اذيت الله و رسوله (تو نے اللہ اور اس کے رسول کو دی ہے) اور یہ ممانعت کا حکم مسجد و خارج مسجد دونوں کو شامل ہے ——— علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا۔ کہ میں بضرورت بھی تھوکنا خطا ہے۔ تھوکنا پڑ جائے تو کپڑے میں لے لے۔ (عینی ج ۲ صفحہ ۳۲)

کی طرف پاؤں کرنا منع ہے

قبلہ کی طرف قصداً پاؤں پھیلانے کو ہمارے فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔ خواہ سوتے میں پھیلائے یا جاگتے میں غالباً اس مسئلہ کے متعلق کوئی نص صریح نہیں ہے۔ مگر جب قبلہ کی جانب تھوکنا منع ہے تو پاؤں کرنا بھی منع ہونا چاہیئے۔

(۶) اور یہ جو فرمایا کہ قبلہ کی طرف نہ تھوکو، کیونکہ نمازی اور قبلہ کے درمیان خدا ہے۔ اس سے مقصود ہے کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہونا اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ ہے۔ لہذا مواجہت رب کے وقت کوئی ستہ حرکت نہ کی جائے۔

(۷) معتزلہ نے حدیث کے اس ٹکڑے فان الله قبل وجهه سے یہ استدلال کیا کہ معاذ اللہ اللہ عزوجل ہر جگہ و مکان میں بعینہٖ موجود ہے۔ لیکن ان کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے باطل و مردود ہے

(اولاً) اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر مکان میں بعینہٖ موجود ہے تو بائیں طرف اور پاؤں کے نیچے تھوکنا بھی منع ہونا چاہیئے مسند احمد و ترمذی کی حدیث میں اس کی تفسیر موجود ہے فان الرحمة تواجهه (اللہ کی رحمت نمازی کے سامنے ہے) نہ یہ کہ خود اللہ عزوجل وہاں موجود ہوتا ہے (ثانیاً) اس نوع کے الفاظ در اصل متشابہات سے ہیں۔ جیسے ک میں ہاتھ اور پنڈلی کی نسبت خدا کی طرف کی گئی ہے اور ثم استوی علی العرش بھی فرمایا گیا ہے اور متشابہات

پر بلا کیف و کم ایمان لانا ضروری ہے اور ان کی گہرائی میں جانے کا ہمیں مکلف نہیں کیا گیا۔

بَابُ حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصٰى مِنَ الْمَسْجِدِ	باب مسجد میں رینٹ دیکھے تو اس کو کنکری سے کھرچنے کے بیان میں
وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنْ وَطِئْتَ عَلٰى قَذَرٍ رَطْبٍ فَاغْسِلْهُ وَاِنْ كَانَ يَابِسًا فَلَا (بخاری)	حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر تو گیلی نجاست پر چلے تو اس کو دھو ڈال اور اگر سوکھی پر چلے تو اس کو دھونا ضروری نہیں

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ عنوان مذکورہ سے امام بخاری نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قبلہ رخ دیوار تھوکنے کی ممانعت کی اصل علت احترام قبلہ ہے، محض تاذی نہیں ہے یعنی ایذا بھی علت ہے لیکن احترام قبلہ آکد ہے۔ لئے امام بخاری نے تھوک کے تر یا خشک ہونے میں فرق نہیں کیا ——— اور زیر عنوان تعلیق کو ابن ابی نے بسند صحیح روایت کیا۔ "قذر" دراصل ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آدمی کو طبعاً نفرت ہو۔ خواہ وہ فی ا نجاست ہو یا نہ ہو۔

(۲) ترجمۃ الباب سے اس تعلیق کی مناسبت غالباً یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص گیلے تھوک یا رینٹ پر چلے۔ پاؤں میں لگ جائے تو جب مسجد میں آئے تو اس کو چاہئے کہ پاؤں دھولے۔ ہاں اگر یہ چیزیں سوکھی ہوئی ہوں۔ تو پھر دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مسجد کی دیوار پر بلغم دیکھا

فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَتَّهَا (بخاری)	تو اس کو ایک کنکری سے کھرچ دیا
بَابٌ لَا يَبْصُقُ عَنْ يَمِينِهٖ فِي الصَّلٰوةِ	باب بحالت نماز دائیں طرف نہ تھوکے

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا

فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ يَمِينِهٖ (بخاری)	جب کوئی تم میں سے کھنکارے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے اور نہ دائیں طرف تھوکے۔
بَابٌ لِيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى	باب بائیں طرف یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکنے کے بیان میں

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو اپنے رب سرگوشی کرتا ہے تو اپنے سامنے نہ تھوکو اور نہ دہنی طرف تھوکو۔

وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ	البتہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک لو۔

ان ابواب کی احادیث سے واضح ہوا۔

فوائد و مسائل (۱) دہنی طرف تھوکنا بھی اچھا نہیں کیونکہ دہنی طرف نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہوتا ہے امام نووی نے دہنی طرف تھوکنے کی ممانعت مطلق ہے خواہ نماز میں یا غیر نماز میں مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نماز کے علاوہ بھی دہنی طرف تھوکنے کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ معاذ ابن جبل

ب سے میں مسلمان ہوا ہوں۔ کبھی داہنی طرف نہیں تھوکا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے۔ کہ وہ اپنی اولاد کو داہنی طرف کنے سے مطلقاً منع فرماتے تھے۔

(۵) علامہ خطابی نے فرمایا کہ بائیں طرف تھوکنا چاہیئے لیکن بائیں طرف کوئی اور نمازی ہو۔ تو پھر نہ داہنی طرف تھوکے نہ بائیں طرف پنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے یا کپڑے میں لے لے (عینی جز ۲ صفحہ ۳۲۹-۳۳۰)

(۱) نسائی کی حدیث میں ہے کہ مسجد میں قبلہ کی جانب تھوک دیکھ کر حضور کا چہرہ اقدس سرخ ہو گیا۔ ایک انصاری عورت نے کھرچ دیا۔ اور وہاں خوشبو لگادی۔ حضور نے فرمایا بہت اچھا کیا۔

(۲) صحیح مسلم میں بروایت ابوذر مرفوعاً آیا ہے۔ کہ میں نے اپنی امت کی بداعمالیوں میں یہ بھی پایا ہے۔ کہ مسجد میں تھوک ہو اور اسے مٹایا نہ جائے۔

(۳) مسند احمد میں بروایت سعد بن ابی وقاص مرفوعاً آیا ہے۔ کہ جس شخص کو مسجد میں کھنگار آجائے۔ تو چاہیئے کہ اسے دے ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کے جلد یا کپڑے پر لگنے کے باعث اسے ایذا ہو۔

(۴) مسند احمد و طبرانی میں بروایت ابی امامہ مرفوعاً آیا ہے کہ مسجد میں تھوک کر دفن نہ کرنا گناہ ہے اور دفن کر دینا یعنی پونچھ دینا نیکی ہے

(۵) سعید بن منصور کی روایت میں ہے کہ ابوعبیدہ بن الجراح ایک رات مسجد میں تھوک کر اسے صاف کرنا بھول گئے ر جا کر یاد آیا تو آگ کا ایک شعلہ لے کر آئے۔ اس کی روشنی میں تھوک تلاش کر کے مٹی میں دبا دیا۔ اور فرمانے لگے۔ اللہ لے کے لئے تعریف ہے جس نے آج کی رات مجھے گناہ سے بچا لیا۔

بَابُ كَفَّارَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ	**مسجد میں تھوکنے کا کفارہ**
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا (بخاری)	حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوکنا خطا ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا ہے۔

اس حدیث کو مسلم و ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

فوائد ومسائل مطلب حدیث یہ ہے کہ اگر بضرورت مسجد میں تھوک دیا یا غلطی سے تھوک دیا۔ اور مسجد کی زمین کچی ہے۔ تھوک کو مٹی وغیرہ سے دبادے اور اگر فرش پختہ ہو تو پھر اس کو صاف کرنا ضروری ہے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ مسجد کو ہر قسم کی چیز سے پاک وصاف رکھنا اور اس کے احترام میں فرق نہ آنے دینا نہایت ضروری ہے۔

بَابُ دَفْنِ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ	**باب بلغم کو مسجد میں دفن کر دینا**

اس عنوان کے تحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔ اور جس میں یہ ہدایت دی گئی ہے۔ اگر مسجد میں تھوک دیا ہے تو اس کو دبا دینا چاہیئے۔ بصورت دیگر صاف کر دینا چاہیئے۔

بَابُ إِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ	**باب جب تھوک کا غلبہ ہو تو نمازی اپنے دامن میں تھوک لے۔**

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نمازی کو چاہیئے کہ قبلہ کی جانب نہ تھوکے۔ البتہ بائیں طرف یا

پاؤں کے نیچے تھوکے۔

ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَآئِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ وَرَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ قَالَ اَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا

(بخاری)

پھر آپ نے اپنی چادر کا کونہ اٹھایا اور اس میں تھوک کر الٹ پلٹ کر دیا (تاکہ جذب ہو جائے) اور فرمایا یا اس طرح کرلے

فی زمانہ چونکہ مسجدیں پختہ ہوتی ہیں اور فرش و فروش سے مزین۔ لہٰذا زیادہ مناسب یہ ہے کہ جب تھوک کا غلبہ ہو۔ تو اخذ طرف ردائہ فبصق فیہ پر عمل کرے یعنی کپڑے میں لے لے۔

بَابُ عِظَةِ الْاِمَامِ النَّاسَ فِیْ اِتْمَامِ الصَّلٰوةِ وَذِكْرِ الْقِبْلَةِ

باب امام کا لوگوں کو اچھی طرح نماز پڑھنے کا وعظ کرنا اور قبلہ کا بیان

مقصود عنوان یہ ہے۔ کہ امام کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ مقتدیوں کو نماز کے احکام و مسائل بتائے مثلاً صف بندی کی تاکید، ارکان نماز کی حسب مسنون ادائیگی، خشوع و خضوع، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ وغیرہ امور کو سنت کے مطابق ادا کرنے ہدایت کرتا رہے اور لوگوں کا فرض ہے کہ وہ امام سے مسائل نماز سیکھیں

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِیْ هٰهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا يَخْفٰى عَلَیَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَا رُكُوْعُكُمْ اِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَآءِ ظَهْرِیْ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو۔ میرا قبلہ یہ ہے بخدا مجھ پر نہ تمہارا خشوع پوشیدہ ہے اور نہ رکوع۔ میں تم کو پس پشت سے بھی دیکھتا ہوں

اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى لَنَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً ثُمَّ رَقِیَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ فِی الصَّلٰوةِ وَفِی الرُّكُوْعِ اِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآئِیْ كَمَآ اَرَاكُمْ

انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی پھر نماز کے بعد منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور فرمایا میں تم کو پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے

فوائد و مسائل ھل ترون قبلتی الخ استفہام انکاری ہے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ رویت جہت قبلہ کے سا خاص نہیں ہے بلکہ تمام جہات میری پیش نظر ہیں ——— جمہور علماء نے فرمایا یہ بات حضو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ جیسے آگے سے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے کے حالات سے بھی باخبر رہتے تھے۔ رویت سے مراد ادراک حقیقی ہے اسی لئے امام بخاری نے اس حدیث کو علامات نبوت میں بھی ذکر کیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام کے دونوں مونڈھوں کے درمیان سوئی کے ناکے کی طرح دو آنکھیں تھیں جن سے پیچھے کے لوگوں کو دیکھ لیتے تھے۔ لیکن مونڈھوں کے درمیان آنکھوں کا ہونا غالباً شارحین کا قیاس ہے۔

اس کے علاوہ حدیث میں صرف پیچھے کی طرف دیکھنے ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ ولا خشوعکم کہ مجھ پر تمہارا خشوع بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ خشوع دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا قد اف المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون۔ اور خشوع و خضوع ایسی چیز نہیں جو آنکھوں سے نظر آسکے۔ مگر نگاہ نبوی سے قلب کی کیفیات بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔

اے فروغت صبح آثار وجود
چشم تو بینندۂ ما فی الصدور

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ
حضور علیہ السلام کی مقدس آنکھیں عام لوگوں کی آنکھوں کی طرح نہ تھیں۔ حضور آگے پیچھے اوپر نیچے یکساں دیکھتے تھے۔ یہ کہ افعال وارکان نماز کو مسنون طریقے سے ادا کرنا چاہیئے۔ اور امام سے پہلے رکوع وسجدہ میں نہیں جانا چاہیئے

بَابُ هَلْ يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِيْ فُلَانٍ | باب کیا مسجد فلاں فلاں کہنا جائز ہے۔

سیدنا امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ عنوان قائم کرکے ایک تو ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کسی بات کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ اور یہ بتایا ہے کہ امور خیر کی نسبت غیر اللہ کی طرف کر دینا جائز ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ یہ مسجد فلاں کی ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ اس نسبت کا مقصود محض شناخت اور معرفت ہوتی ہے۔ فتح الباری میں حافظ علیہ الرحمۃ نے لکھا

ويستفاد منه جواز اضافة المسجد الى بانيها او المصلي فيها ويلتحق به جواز اضافة اعمال البر الى اربابها (فتح الباری)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَاَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلٰى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ سَابَقَ بِهَا (بخاری)

مساجد کی نسبت و اضافت ان کے بانی یا نمازی کی طرف کرنی جائز ہے۔ اسی طرح دیگر اعمال خیر کی نسبت بھی جائز ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضمار شدہ گھوڑوں کی دوڑ حفیاء سے لے کر مقام ثنیۃ الوداع تک مقرر کی۔ اور غیر اضمار شدہ گھوڑوں کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے بنی زریق کی مسجد تک مقرر کی۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر ان لوگوں میں تھے۔ جنہوں نے گھوڑوں کی مسابقت کی شرط کی تھی۔

امام نے اس حدیث کو مغازی میں بھی ذکر کیا۔ ابوداؤد نے جہاد میں اور نسائی نے خیل میں ذکر کیا۔

فوائد ومسائل اضمار کے معنے یہ ہیں کہ گھوڑے کو چالیس دن تک خوب کھلاتے پلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خوب موٹا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی خوراک میں کمی کر دیتے ہیں اور جھول ڈال کر پسینہ دلاتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے اس کی سستی کاہلی اور بے فائدہ موٹاپا ختم ہو جاتا ہے اور وہ چست ہو جاتا ہے۔ اور دوڑنے میں اس کا سانس نہیں پھولتا۔ حفیاء ایک موضع کا نام ہے۔ ثنیۃ الوداع سے یہاں تک چھ میل کا فاصلہ ہے اور ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک ایک میل کا فاصلہ ہے۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) جانوروں کی اصلاح اور ان کو کام کا بنانے کے لئے انہیں بھوکا رکھنا جائز ہے۔ جیسے خصی کرنا جائز ہے

؎ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص ومعجزات کی تفصیل کے لئے مصنف کی تالیف خصائص مصطفےٰ اور جامع المعجزات کا مطالعہ کیجئے۔ یہ دونوں کتابیں مکتبہ رضوان لاہور سے مل سکتی ہیں۔

(۱) مسابقت جائز ہے۔ امام شافعی نے فرمایا سنت ہے۔

مسابقت کا بیان

مسابقت کا مطلب یہ ہے کہ چند اشخاص آپس میں یہ طے کر لیں کہ کون آگے بڑھ جاتا ہے۔ جو سبق لے جائے اس کو یہ دیا جائے گا۔ یہ مسابقت صرف تیر اندازی اور گھوڑ دوڑ میں ہو سکتی ہے۔ اس کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ صرف ایک جانب سے مال شرط ہو۔ مثلاً زید و بکر دونوں میں سے ایک نے یہ کہا کہ اگر گھوڑا آگے نکل گیا یا تیر نشانہ پر لگا تو میں تمہیں ایک سو روپے انعام دوں گا۔ اور اگر میں آگے نکل گیا تو تم سے کچھ نہ لوں گا صورت جواز کی یہ ہے کہ تیسرا شخص ان دونوں سے یہ کہے کہ تم میں جو آگے نکل گیا۔ اس کو میں سو روپے انعام دوں گا۔ مسا میں یہ بھی ضروری ہے کہ مسافت اتنی ہو جسے گھوڑے طے کر لیں۔ اور جتنے گھوڑے لے جائیں وہ سب ایسے ہوں جن میں ہو کہ ہر ایک آگے نکل جائے گا۔ اسی طرح تیر اندازی اور آدمیوں کی دوڑ میں بھی یہی شرط ہے۔

(۲) اگر دونوں جانب سے مال شرط ہو مثلاً زید بکر سے کہے کہ اگر تم آگے ہو گئے تو میں سو روپے دوں گا۔ اور اگر میں آگے گیا تو سو روپے تم سے لوں گا یہ صورت جوئے کی ہے اور حرام و ناجائز ہے۔

(۳) اگر سبقت لے جانے میں کوئی چیز مشروط نہ ہو تو پھر مسابقت ہر چیز میں ہو سکتی ہے۔

(۴) سابق کے لئے جو کچھ شرط ہوا ہے وہ اس کے لئے حلال و طیب ہے مگر وہ اس کا مستحق نہیں۔ یعنی اگر دوسرا نہ د تو سابق قاضی کے ہاں دعویٰ کر کے جبراً وصول نہیں کر سکتا۔

(۵) اگر مسابقت صرف لہو و لعب کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تیر اندازی اور گھوڑ دوڑ میں جو حصہ لیا۔ تو اس سے مقصود لہو و لعب نہ تھا۔ بلکہ جہاد کے لئے تیاری تھی یعنی ایک قسم کی یہ جنگی مشقیں تھیں۔

(ب) حدیث زیر بحث میں مسجد بنی زریق کے لفظ آئے ہیں۔ یہی ترجمۃ الباب ہے۔ اور اس سے ثابت ہوا کہ مس اور دیگر اعمال خیر کی نسبت و اضافت غیر اللہ کی طرف کر دینا جائز ہے جیسے کہا جائے مسجد وزیر خاں۔ شاہی مسجد، میمن مسجد، و اسی طرح حضور غوث پاک کی نیاز کا بکرا۔ خواجہ اجمیری کا بکرا۔ کہ اس سے مقصود محض معرفت ہوتی ہے۔ کہ یہ بکرا یا کھانا غوث پاک کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لئے ہے اور بس۔

بَابُ الْقِسْمَةِ وَتَعْلِيْقِ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْقِنْوُ الْعِذْقُ وَالْاِثْنَانِ قِنْوَانِ وَالْجَمَاعَةُ اَيْضًا قِنْوَانٌ مِثْلُ صِنْوٍ وَصِنْوَانٍ

قَالَ اِبْرَاهِيْمُ يَعْنِي ابْنَ طَهْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَ انْثُرُوْهُ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ اَكْثَرَ مَالٍ اُتِيَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

باب مسجد میں مال تقسیم کرنا اور کھجور کا خوشہ لٹکانا

امام بخاری نے فرمایا۔ قنو خوشہ کو کہتے ہیں۔ اس کی تثنیہ قنوان ہے۔ اور جمع بھی قنوان ہے۔ جیسے صنو کی جمع صنوان ہے

ابراہیم بن طہمان نے عبد العزیز بن صہیب سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کی۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کو مسجد میں رکھ دو۔ اور یہ مال ان سب سے زیادہ تھا جو حضور کے پاس آیا۔ پھر حضور نماز کے لئے تشریف

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ فَمَا كَانَ يَرٰى أَحَدًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِذْ جَاءَهُ الْعَبَّاسُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَعْطِنِيْ فَإِنِّيْ فَادَيْتُ نَفْسِيْ وَفَادَيْتُ عَقِيْلًا فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ فَحَثَا فِيْ ثَوْبِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهٗ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ قَالَ لَا قَالَ فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ عَلَيَّ قَالَ لَا قَالَ فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ احْتَمَلَهٗ فَأَلْقَاهُ عَلٰى كَاهِلِهٖ ثُمَّ انْطَلَقَ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُتْبِعُهٗ بَصَرَهٗ حَتّٰى خَفِيَ عَلَيْنَا عَجَبًا مِّنْ حِرْصِهٖ فَمَا قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ (بخاری)

لائے۔ اور اس کی طرف التفات نہ فرمایا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو مال کے پاس آکر بیٹھ گئے اور جو بھی نظر آیا اس کو عطا فرمانے لگے۔ اتنے میں حضرت عباس آئے عرض کی مجھے بھی کچھ دیجئے میں نے بدر کی لڑائی میں اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا تھا۔ حضور نے فرمایا تم بھی لے لو۔ تو انہوں نے کئی لپیں روپوں کی بھر کر اپنے کپڑے میں ڈال لیں۔ پھر اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکی۔ عرض کی یا رسول اللہ کسی کو حکم دیجئے کہ مجھے اٹھوا دے۔ فرمایا نہیں۔ عرض کی۔ تو پھر آپ اٹھوا دیجئے۔ فرمایا نہیں۔ آخر انہوں نے اس میں سے کچھ کم کر کے پھر عرض کی۔ کسی کو حکم دیجئے کہ اٹھوا دے فرمایا نہیں۔ عرض کی آپ ہی اٹھوا دیجئے۔ آخر حضرت عباس نے پھر اس میں سے کچھ کم کیا اور اس کو اپنے کندھے پر رکھ کر چل دیئے اور حضور علیہ السلام برابر ان کو دیکھتے رہے حتی کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے۔ آپ نے ان کی حرص پر تعجب فرمایا پھر آپ اس وقت تک نہ اٹھے جب تک کہ اس مال میں سے ایک درہم بھی باقی رہا یعنی سب کا سب تقسیم فرما دیا۔

فوائد و مسائل ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عنوان تو تھا۔ مسجد میں مال تقسیم کرنا اور انگور کا خوشہ لٹکانا مگر حدیث زیر بحث میں خوشہ کا ذکر نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ خوشہ بھی ایک قسم کا مال ہی ہے۔ تو جب مساکین میں تقسیم کے لئے مال مسجد میں رکھنا جائز ہوا تو مساکین کو دینے کے لئے خوشہ کا مسجد میں لٹکانا بھی جائز ہوا۔ یا عنوان میں نسائی کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے۔ جو عوف بن مالک سے مروی ہے اور جس میں خوشہ کا ذکر ہے۔ اور امام نے اس روایت کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ ان کی شرط پر نہ تھی۔ یا اس روایت کی طرف اشارہ ہے جو ثابت سے کتاب الدلائل میں مذکور ہے۔ اور جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہر باغ میں سے کچھ پھل وغیرہ طلبا و مساکین کے لئے مسجد میں رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس کی تقسیم و حفاظت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی تھی (عینی ج ۲ صہ ۴۴۳)

من البحرین اہل بحرین سے صلح کر لی گئی تھی۔ اور آپ نے حضرت علاء بن حضرمی کو وہاں کا گورنر مقرر کیا تھا یہ مال بحرین کا خراج تھا۔ جو ایک لاکھ درہم تھے۔ اور یہ پہلا خراج تھا۔ یہ خراج و جزیہ ہر سال

رہا تھا اور حضور علیہ السلام سے مستحقین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ جس سال حضور کا وصال ہوا، آپ نے حضرت جابر سے وعدہ تھا کہ اب کے جو بحرین کا خراج آئے گا اس میں سے تمہیں بھی دوں گا۔ لیکن خراج بحرین کے آنے سے قبل آپ کا وصال ہو گیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی طرف سے یہ وعدہ پورا فرمایا۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:-

فقراء و مساکین میں تقسیم کرنے کے لئے مسجد میں مال غنیمت، صدقہ و خیرات وہدیہ و خراج رکھنا جائز ہے۔ حضرت امام مالک نے مسجد میں فتویٰ دینا، مسائل دینیہ کا اظہار و بیان کرنا اور لوگوں کے پینے کے لئے پانی رکھ دینا جائز ہے۔

(۲) مال کی حرص کرنا اور حاجت سے زیادہ طلب کرنا اچھا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عباس نے اپنے لئے مال جمع کیا اٹھا سکے تو حضور نے نہ خود اٹھوانے میں مدد کی نہ دوسرے سے مدد دلوائی۔

(۳) امام کا یہ فرض ہے کہ صدقات، خیرات، جزیہ اور خراج کی رقوم مستحقین میں تقسیم کر دے اور اس میں تاخیر نہ کرے۔

(۴) حضور علیہ السلام نہایت سخی تھے۔ آپ اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک کہ وہ سارا مال مستحقین میں تقسیم نہ ہو گیا۔

بَابُ مَنْ دُعِيَ لِطَعَامٍ فِي الْمَسْجِدِ وَمَنْ أَجَابَ مِنْهُ

قَالَ وَجَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ نَاسٌ فَقُمْتُ فَقَالَ لِي أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ لِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ قُومُوا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

(بخاری)

باب مسجد میں کھانے کی دعوت دینا۔ اور مسجد ہی میں قبول کرنا

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو مسجد میں بیٹھے ہوئے پایا۔ اور آپ کے پاس اور لوگ بھی تھے۔ میں آپ کے قریب کھڑا ہو گیا آپ نے فرمایا تمہیں ابو طلحہ نے کھانے، دعوت کے لئے بلانے کے لئے بھیجا ہے۔ میں نے عرض کی جی ہاں۔ حضور علیہ السلام نے حاضرین مجلس سے فرمایا۔ اٹھو اور پھر ابو طلحہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے اور میں سب سے آگے چلا

فوائد و مسائل

ابو طلحہ جناب انس کے سوتیلے والد ہیں۔ ان سے کل ۹۲ احادیث مروی ہیں۔ بخاری میں بھی ہیں۔ ۳۴ھ میں مدینہ آپ نے انتقال فرمایا۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

مسجد میں کھانے کی دعوت دینا اور اس کا قبول کرنا جائز ہے۔ اگرچہ وہ دعوت، دعوت ولیمہ ہی ہو (۲) صاحب کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھ بن بلائے افراد کو بھی لے جائے۔ لیکن اگر صاحب دعوت کو یہ یقین ہو کہ جن کو میں ساتھ لے ہوں میزبان کو ناگوار نہ ہوں گے اور کھانا بھی سب کے لئے کافی ہو جائے گا۔ تو پھر حرج نہیں ——— حضور علیہ کو اگرچہ یہ معلوم تھا کہ ابو طلحہ کے ہاں جو کھانا ہے وہ سب کے لئے کافی نہیں ہے۔ لیکن آپ جانتے تھے کہ میری برکت کافی ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۳) حضرت انس سب کے آگے اس لئے روانہ ہوئے تاکہ حضرت ابو طلحہ کو اطلاع دیں۔ کہ دعوت تو آپ نے حضور کی کی ہے۔ مگر حضور نے حاضرین مجلس کو بھی ساتھ لے لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت کسی واجب التعظیم کے آگے چلنا خلاف ادب نہیں۔ جیسے روشنی کرنے یا راستہ وغیرہ بتانے کے لئے۔

(۲) امام بخاری نے حدیث زیر بحث مفصل علامات النبوۃ میں ذکر کی۔ وہاں ان شاء اللہ العزیز مزید فوائد ذکر کئے جائیں گے۔

بَابُ الْقَضَاءِ وَاللِّعَانِ فِي الْمَسْجِدِ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

باب مسجد میں فیصلے کرنا اور لعان کرنا

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر مسائل و احکام اسلامیہ بتانا اور نافذ کرنا جائز ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ ے فرمایا کہ مسجد میں شریعت اسلامیہ کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرنا قدیم سے معمول رہا ہے۔ قاضی شریح، حضرت عثمان غنی مسجد میں عدالت کرتے تھے۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی قضایائے صحابہ کا فیصلہ مسجد میں فرمایا —— اور حضرت سعید ابن مسیب سے جو اس کی کراہت منقول ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسجد میں مقدمات فیصل کرنے ں شور و غل ہو اور نماز میں تاخیر اور حرج واقع ہو تو پھر کروہ ہے ورنہ نہیں۔ حضرت امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ ے لکھا کہ عام علماء کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عینی ج ۲)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِهٖ رَجُلًا اَيَقْتُلُهٗ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا شَاهِدٌ

(بخاری)

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بحضور نبوی عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو کیا اس کو قتل کردے۔ آخر اس شخص اور اس کی بیوی نے مسجد میں لعان کیا۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو طلاق، تفسیر، الاعتصام، احکام وغیرہ میں ذکر کیا۔ اور مسلم نے لعان اور ابوداؤد و نسائی وابن ماجہ نے طلاق میں ذکر کیا۔

حدیث ہذا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسجد میں مقدمات کا فیصلہ کرنا جائز ہے۔ یہ حدیث مکمل متن کے ساتھ کتاب اللعان ری ہے۔ وہاں ان شاء اللہ العزیز اس کے مکمل مسائل بیان کئے جائیں گے۔

بَابٌ اِذَا دَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّيْ حَيْثُ شَاءَ اَوْ حَيْثُ اُمِرَ وَلَا يَتَجَسَّسُ

باب جب کسی کے گھر جائیں تو جہاں جگہ ملے یا جس جگہ اہل خانہ چاہیں نماز پڑھے اور تجسس نہ کرے

عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ فِيْ مَنْزِلِهٖ فَقَالَ اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّيَ لَكَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَاَشَرْتُ لَهٗ اِلٰى مَكَانٍ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ

(بخاری)

عتبان بن مالک کہتے ہیں۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز پڑھوں عتبان کہتے ہیں۔ کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کردیا۔ حضور علیہ السلام نے تکبیر کہی۔ اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی۔ اور آپ نے دو رکعت نفل ادا فرمائے۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو مختصر و مفصل تقریباً دس جگہ ذکر کیا ہے۔ اور مسلم و نسائی نے بھی متعدد جگہ ذکر کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے صلوۃ میں ذکر کیا۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے

(۱) جو معذور ہو اور اسے مسجد میں آکر نماز پڑھنا مشکل ہو تو گھر میں کسی جگہ کو خاص طور پر نماز کے لئے مقرر کر لینا مستحب ہے

(۲) گھر میں نماز باجماعت جائز ہے (۳) نوافل بھی باجماعت پڑھ سکتے ہیں (۴) حضور سید عالم صلے اللہ
باوجود جلالت شان اور عظیم وجلیل مرتبہ پر فائز ہونے کے نہایت ہی کریم ورحیم اور متواضع تھے۔ غریب سے غریب
اگر آپ کو اپنے گھر میں جلوہ فرما ہونے کی خواہش کرتا تو حضور پوری فرما دیتے۔

حضرت عتبان نے یہ عرض کی تھی کہ حضور میرے غریب خانہ پر آئیں اور نماز ادا فرمائیں۔ تاکہ
ہو۔ اور آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ کو ہم مصلے بنالیں؛ اسی لئے حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ کس
پڑھوں؟ ورنہ دریافت کرنے کی حاجت نہ تھی۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ فِي الْبُيُوتِ

وَصَلَّى الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِهِ فِي دَارِهِ
جَمَاعَةً

باب گھر میں نماز کے لئے جگہ مقرر کرن
اور حضرت براء بن عازب نے اپنے گھر کی مس
جماعت سے نماز ادا کی

عنوان میں مسجد سے مراد مسجد بیت ہے یعنی وہ مقام جو لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کے لئے مقرر کر
کا حکم مسجد کی طرح نہیں ہے۔ اس عنوان کے تحت امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

محمود بن ربیع الانصاری کہتے ہیں کہ عتبان بن مالک جو اصحاب رسول سے تھے۔ اور بدر کی لڑائی میں شامل ہوئے انھو
نے بحضور نبوی عرض کی یا رسول اللہ میری نظر مجھے جواب دے چکی ہے۔ اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب
بارش ہوتی ہے اور وہ نالہ بہتا ہے جو میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان ہے۔ تو مسجد میں پہنچ کر نماز نہیں پڑھ
سکتا۔ یا رسول اللہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں۔ اور میرے گھر میں نماز پڑھیں

فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى

تو میں اس جگہ کو نماز کے لئے مقرر کر لوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ ایسا کروں گا۔ عتبان نے کہا۔ دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور ابوبکر دن چڑھے میرے مکان پر تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت مانگی میں نے اجازت دے دی۔ آپ
ابھی بیٹھے نہیں تھے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ تو اپنے گھر میں کس جگہ کو پسند کرتا ہے۔ جہاں میں نماز پڑھوں۔ عتبان
میں نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر دیا حضور نے کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہا ہم بھی کھڑے ہوئے اور صف
آپ نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا۔ اور ہم نے حضور کے لئے حریرہ تیار کر کے آپ کو روک لیا۔ پھر محلے کے اور
آدمی گھر میں جمع ہو گئے تو ایک شخص نے کہا

أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ أَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ
فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُلْ ذَلِكَ أَلَا تَرَاهُ قَدْ
قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُرِيدُ بِذَلِكَ
وَجْهَ اللَّهِ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَإِنَّا
نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ

مالک بن دخیشن یا مالک بن دخشن کہاں ہے
کسی نے کہا وہ منافق ہے۔ اللہ اور اس کے
رسول سے محبت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
نے فرمایا۔ ایسا مت کہو۔ اس نے لوجہ اللہ لا
الا اللہ پڑھا ہے۔ اس پر اس شخص نے عرض
اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ مگر ہم اس
کی توجہ اور دوستی منافقوں کے ساتھ ہی پاتے ہیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ
مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ
وَجْهَ اللّٰهِ (بخاری)

حضور نے فرمایا۔ اللہ عزوجل نے تو دوزخ کو اس
پر حرام کر دیا ہے۔ جو خاص اللہ کے لئے
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
پڑھے

و مسائل یہ حدیث حسب ذیل مسائل پر مشتمل ہے۔
(۱) نابینا کی امامت درست ہے۔ بشرطیکہ وہ طہارت اچھی طرح کرتا ہو (۲) سخت آندھی بارش
ں کے خطرہ کی موجودگی کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھ لینا جائز ہے (۳) گھر میں کسی جگہ کو نماز کے لئے معین کر لینا
ہے (۴) صفوں کو سیدھا رکھنا ضروری ہے دیگر احادیث میں اس کی تاکید آئی ہے (۵) گھر میں جو جگہ نماز پڑھنے
ے مقرر کی جائے جسے ——— مسجد بیت کہتے ہیں۔ یہ وقف نہیں ہوتی یعنی اس کے احکام مسجد کے احکام کی طرح
تے (۶) دن میں باجماعت نوافل پڑھنا جائز ہے (۷) جس نے صدق دل سے کلمہ پڑھا اور تمام ضروریات دین
ق کی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں جائے گا (۸) مومن کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اور جو تحقیق اس
فاق کا حکم نہیں لگانا چاہیے (۹) جب کسی کے گھر میں جایا جائے خواہ اس کی دعوت پر ہی جائے تو گھر میں
نے سے قبل صاحب خانہ سے اجازت لے لینا مستحب ہے ——— علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ اس
ے یہ بھی ثابت ہوا کہ (۱۰) بزرگوں کو اگر کوئی برکت کے لئے گھر میں بلائے تو دعوت قبول کرنی جائز ہے۔ (۱۱) بزرگان دین
کے اکرام و اعزاز کے لئے کھانے کا انتظام کرنا جائز ہے (۱۲) جب کوئی بزرگ کسی کے مکان پر جائیں۔ تو
ں اس مکان میں زیارت و اکرام اور ان سے استفادہ کے لئے جمع ہونا مستحب ہے (۱۳) جس جگہ کسی بزرگ نے نماز
بطور تبرک اس جگہ کو نماز کے لئے مقرر کر لینا جائز ہے (عینی ج ۲ صـ۴۲۲ و صـ۴۲۳)

بَابُ التَّيَمُّنِ فِيْ دُخُوْلِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهٖ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ الْيُمْنٰى
فَاِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ الْيُسْرٰى
(بخاری)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ
فِيْ شَأْنِهٖ كُلِّهٖ فِيْ طُهُوْرِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ
وَتَنَعُّلِهٖ
(بخاری)

باب مسجد میں داخل ہوتے وقت اور دیگر کاموں میں داہنی طرف کو اختیار کرنا

اور عبد اللہ بن عمر مسجد میں داخل ہوتے
وقت پہلے داہنا قدم رکھتے اور نکلتے وقت پہلے بایاں
قدم نکالتے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے
کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں حتی المقدور
دہنی طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے طہارت میں
کنگھی کرنے اور جوتی پہننے میں بھی

و مسائل اس حدیث کو امام نے کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا۔ ما استطاع کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک
شرعاً ممکن ہوتا آپ داہنی طرف کو اختیار فرماتے اور جہاں شرعاً تیمن کی اجازت نہیں۔ وہاں سیدھی
نہیں فرماتے جیسے بیت الخلاء میں داخل کے وقت اور مسجد سے نکلنے وقت ——— سوال ہوتا ہے کہ

محبت دل کی کیفیت کا نام ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کو حضورؐ کے دل کی حالت کیسے معلوم ہو گئی؟ جواب یہ ہے کہ کسی کے دل اس کے عمل اور قرائن سے بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ جناب عائشہ رضؓ نے حضور علیہ السلام کے عمل کو دیکھا تو اس سے اندازہ کر لیا کہ میں تیمن محبوب ہے ــــ حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ مسجد میں داخل کے وقت پہلے دایاں قدم اندر رکھنا چاہیے اور نکلتے وقت اسی طرح سیدھے ہاتھ سے کھانا پینا چاہیے۔ جوتا پہنے تو پہلے دائیں قدم سے پہنے۔ کنگھی کرے تو پہلے دائیں طرف کرے طرف۔ اسی طرح وضو و غسل و دیگر امور میں دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے۔

بَابُ هَلْ تُنْبَشُ قُبُوْرُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ وَيُتَّخَذُ مَكَانُهَا مَسَاجِدُ

باب کیا زمانۂ جاہلیت کے مشرکوں کی قبروں کو کھ
ڈالنا اور ان کی جگہ مسجد بنا لینا جائز ہے؟

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ مطلب عنوان یہ ہے کہ جو مشرک زمانۂ جاہلیت میں ہلاک ہوئے۔ ان کی قبر کر وہاں مسجد بنا لینا جائز ہے۔ کیونکہ عنوان میں ھل استفہام تقریری کے لئے ہے۔ اور قبور مشرکین کو کھود کر وہاں میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ قبروں کے کھود ڈالنے میں ان کی تعظیم نہیں ہے بلکہ توہین ہے۔ لیکن مسلمانوں کی قبروں خواہ وہ انبیاء کرام کی ہوں یا غیر مسلمانوں کی۔ حرام و ناجائز ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی حرمت و عزت۔ حیات و ممات میں قائم رہتی ہے۔ علامہ عینی کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

مسلمانوں کی قبروں کو کھودنا یا اکھاڑنا حرام و ناجائز ہے

فیستفاد منه عدم جواز نبش قبور غیرهم سواء کان قبور الانبیاء او قبور غیرهم من المسلمین لما فیه من الاهانة لهم فلا یجوز ذلك لان حرمة المسلم لا تزول حیا و میتا

عنوان سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء کرام اور دیگر مسلمانوں قبروں کو کھودنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح کرنے کی توہین ہے۔ اور مومن کی عزت و حرمت زندگی دونوں حالتوں میں قائم رہتی ہے۔

(عینی ج ۲ ص ۳۵)

حضرت علامہ حافظ ابن حجر نے اسی عنوان کے ماتحت لکھا۔ کہ چونکہ مشرکین کی عند اللہ کوئی عزت نہیں۔ ضرورت ان کی قبروں کو توڑ کر مسجد بنانی جائز ہے۔ لیکن انبیاء کرام اور مسلمانوں کی قبروں کو کھودنا جائز نہیں۔ کیونکہ کی تذلیل ہے اور یہ ناجائز و حرام ہے (فتح الباری)

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (بخاری)

کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ یہود پر لعنت کی ہے۔ انہوں نے انبیاء کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْقُبُوْرِ (بخاری)

اور قبرستان میں نماز پڑھنے کی کراہت کے متعلق

قبر پر نماز پڑھنا یا قبر کے سامنے نماز پڑھنا۔ عنوان ان دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ اور حدیث ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا علیها (عینی ج ۲ ص ۳۵)
الارض کلها مسجد الا المقبرة والحمام

(ترمذی)

قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو تمام زمین مسجد ہے۔ اس پر نماز درست مگر مقبرہ اور حمام

ہو کہ مقبرہ میں جو جگہ نماز کے لئے مقرر ہو اور اس میں قبر نہ ہو تو وہاں نماز میں حرج نہیں۔ اور کراہت واضح اس صورت میں ہے جب کہ قبر سامنے ہو اور نمازی اور قبر کے درمیان کوئی شے سترہ کی قدر حائل نہ ہو ہو دہنے بائیں یا پیچھے ہو یا بقدر سترہ کوئی چیز حائل ہو تو کچھ بھی کراہت نہیں (عالمگیری، غنیہ)

وَرَأَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُصَلِّي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ الْقَبْرَ الْقَبْرَ وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِعَادَةِ (بخاری)

عمر ابن الخطاب نے حضرت انس کو قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا قبر، قبر، لیکن انہیں نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ ایسے نماز پڑھنا کہ قبر نمازی کے سامنے ہو مکروہ ہے اور اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز ہو گئی۔ حضرت عمر نے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ فَذَكَرَتَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُولَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَأُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ کہ حضرت ام حبیبہ اور ام سلمہ نے ایک گرجے کا ذکر کیا۔ جو انہوں نے ملک حبشہ میں دیکھا تھا اس میں تصویریں تھیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا۔ کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی مرجاتا تو اس کی قبر کو سجدہ گاہ قرار دے لیتے۔ اور اس میں ان کی تصویریں بنا کر رکھتے۔ قیامت کے دن اللہ کے حضور یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔

علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ تعظیمی کرتے تھے اور انہوں نے ان کو قبلہ بنا لیا تھا۔ اور نماز میں انہیں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اس لئے کہ مسجدوں میں بزرگوں کی تصویریں رکھ دی تھیں پوجتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں ملعون قرار دیا گیا۔ علامہ ابن بطال نے کہا یہود پر لعنت اس لئے آئی کہ انہوں نے قبروں تصویروں کو الٰہ بنا لیا تھا (لاتخاذھم القبور والصور آلھۃ)

فَأَمَّا مَنِ اتَّخَذَ مَسْجِدًا فِي جِوَارِ صَالِحٍ وَقَصَدَ التَّبَرُّكَ بِالْقُرْبِ مِنْهُ لَا لِلتَّعْظِيمِ لَهُ وَلَا لِلتَّوَجُّهِ إِلَيْهِ فَلَا يَدْخُلُ فِي الْوَعِيدِ الْمَذْكُورِ (عینی ج ۲ ص ۴۳۳)

اگر کسی بزرگ کی قبر کے جوار میں تبرکاً مسجد بنانا۔ کہ ان کی نزدیکی ہو جائے تعظیم کے لئے اور قبر کی طرف توجہ کے لئے نہیں۔ تو ایسا کرنا حدیث زیر بحث کی وعید میں داخل نہیں ہے۔

اور علامہ طیبی نے فرمایا۔ کسی بزرگ کے جوار میں تبرکاً مسجد بنانا جائز ہے ویرجی فیہ النفع ایضا۔ اور اس کی امید ہے ——— شارحین کرام کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حدیث زیر بحث کا مطلب یہ ہے کو سجدہ کرنا۔ ان کو پوجنا۔ ان کو قبلہ بنا کر ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ممنوع و ناجائز ہے۔ اور یہود پر لعنت اسی وجہ بزرگوں کی قبروں کو پوجنے لگ گئے تھے لیکن اگر محض تبرک کے لئے کسی بزرگ کے مزار کے قریب

مسجد بنائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے کہ مسجد نبوی حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے جوار میں بنی ہوئی ہے۔ یا دیگر کی اور مسجدیں کہ ان سے مقصود قبروں کو سجدہ گاہ بنانا نہیں ہے بلکہ حصول برکت ہے۔

اس کے بعد امام نے ایک اور حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ "حضرت انس بن مالک رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب حضور علیہ السلام مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے بلند حصہ میں بنی عمرو بن عوف کے قب میں اترے وہاں آپ نے ۲۴ راتیں قیام فرمایا۔ پھر آپ نے بنی نجار کے لوگوں کو بلا بھیجا۔ وہ تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر و انس نے کہا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر ہیں اور ابوبکر رضی آپ کے پیچھے ہیں اور بنی نجار کے اردگرد تھے اس طرح آپ کی سواری چلی یہاں تک کہ آپ ابو ایوب انصاری کے گھر کے صحن میں اترے۔ آپ کو یہ بات پسند جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہاں نماز پڑھ لیں۔ اور آپ بکریوں کے باڑے میں بھی نماز پڑھ لیتے تھے پھر آپ نے مسجد بنانے کا حکم بنی نجار سے فرمایا تم اپنے اس باغ کی قیمت مجھ سے لے لو انہوں نے عرض کی بخدا ہم اس کا اجر اللہ ہی سے لیں گے۔

قال انس فكان فيه ما اقول لكم قبور المشركين وفيه خرب وفيه نخل فامر النبي صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد وجعلوا عضادتيه الحجارة وجعلوا ينقلون الصخر وهم يرتجزون والنبي صلى الله عليه وسلم معهم وهو يقول اللهم لا خير الا خير الآخرة فاغفر للانصار والمهاجرة

(بخاری)

حضرت انس رضی نے کہا میں تم کو بتاتا ہوں کہ اس باغ کی کیا کیفیت تھی۔ اس باغ میں مشرکوں کی قبریں اور کھنڈر تھے اور کچھ کھجور کے درخت۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مشرکوں کی قبریں اکھیڑ دی گئیں اور کھنڈر، وہ ٹیلے سب برابر کر دیئے گئے اور کھجور کے درخت کاٹ کر ان کی لکڑیاں قبلہ کی طرف جما دیں۔ اور اس کی دونوں طرف پتھروں کی دیوار چن دی گئی اور صحابہ کرام شعر پڑھ پڑھ کر پتھر ڈھو رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ شعر پڑھتے جاتے تھے آپ فرما رہے تھے۔ الٰہی خیر جو کچھ ہے خیر آخرت ہی ہے الٰہی انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ، حج، وصایا، بیوع، ہجرت میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم، ابو داؤد، نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی قبروں کو اکھاڑ کر وہاں مسجد بنا لینا جائز ہے بکریوں کے باڑے میں جائز ہے۔ یعنی چٹائی بچھا کر باڑہ کی زمین کے اس حصہ پر جہاں نجاست وغیرہ کا اثر باقی نہ رہا ہو پھل دار درختوں کو کاٹ لینا جائز ہے۔ اس حدیث کے بقیہ مسائل متعلقہ ابواب میں بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز

باب الصلوٰة في مرابض الغنم

قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في مرابض الغنم ثم سمعته بعد يقول كان يصلي في مرابض الغنم قبل ان يبنى المسجد (بخاری)

باب بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا

ابو التیاح نے بیان کیا کہ حضرت انس نے فرمایا۔ حضو اسلام بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے پھر سے سنا کہتے تھے کہ حضور علیہ السلام مسجد بننے سے قبل بکر باڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے

واضح ہو کر بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھنا شارح علیہ السلام کو مطلوب نہیں ہے بتانا صرف یہ ہے کہ بکریوں کا باڑہ ہو ں کا اگر کوئی اور جگہ نہ ہو تو وہاں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں جبکہ وہ جگہ پاک وصاف ہو یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھی جا سکے۔ ت مرحومہ کے لئے روئے زمین مسجد قرار دی گئی ہے۔ لہذا کسی جگہ کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔ الایہ کہ خود شارع ؑ ی ہو۔ مزید تشریح کے لئے فیوض الباری پارہ اول کا مطالعہ کیجئے :

بَابُ الصَّلٰوةِ فِیْ مَوَاضِعِ الْاِبِلِ
عَنْ نَافِعٍ قَالَ رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ یُصَلِّیْ اِلٰی بَعِیْرِہٖ وَقَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُہٗ (بخاری)

باب اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے کے متعلق
حضرت نافع نے کہا میں نے ابن عمر کو دیکھا وہ اپنے اونٹ کی طرف نماز پڑھ رہے تھے اور کہتے تھے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

ظاہر ہے یہ اثر عنوان کے مناسب نہیں کیونکہ مضمون اثر یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نے اونٹ کی طرف نماز پڑھی نہ یہ کہ اونٹوں میں نماز پڑھی ــــــ بہرحال متعدد احادیث میں حضور علیہ السلام نے اونٹوں کے باڑے اور اونٹوں کے بیٹھنے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ مگر یہ نہی شفقت ہے۔ یعنی اونٹ شریر و سرکش جانور ہے۔ اگر اونٹوں کے باڑہ میں گئی تو ممکن ہے وہ کوئی تکلیف پہنچائے۔ اس لئے حضور ؐ نے ممانعت فرمائی۔ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مقصود بھی ہے کہ اونٹوں کے باڑہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور وہ حدیثیں جن میں ممانعت آئی ہے وہ مطلق نہیں ہے ت اس وقت ہے جبکہ اس امر کا خوف ہو کر اونٹ شرارت کرے گا۔

بَابُ مَنْ صَلّٰی وَقُدَّامَهٗ تَنُّوْرٌ اَوْ نَارٌ اَوْ شَیْءٌ مِّمَّا یُعْبَدُ فَاَرَادَ بِہٖ وَجْهَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ الزُّهْرِیُّ اَخْبَرَنِیْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیَّ النَّارُ وَاَنَا اُصَلِّیْ عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اُرِیْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ مَنْظَرًا کَالْیَوْمِ قَطُّ اَفْظَعَ (بخاری)

باب جو شخص نماز پڑھے اور اس کے سامنے تنور ہو یا آگ ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی مشرک پوجا کرتے ہیں لیکن اس کی نیت اللہ کی عبادت کی ہو اور امام زہری نے کہا مجھے انس بن مالک نے خبر دی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میرے سامنے لائی گئی اور میں نماز پڑھ رہا تھا عبد اللہ بن عباس نے کہا، سورج گرہن ہوا۔ تو رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے گرہن کی نماز پڑھی۔ پھر فرمایا مجھے دوزخ دکھائی گئی۔ تو میں نے آج کی طرح کا ڈراؤنا منظر کبھی نہیں دیکھا

واضح ہو کر ان دونوں حدیثوں سے امام نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ اگر نمازی کے سامنے آگ ہو یا تنور وغیرہ ہو۔ تو بت درست ہوگی ــــــ لیکن امام کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے صحیح نہیں۔

اولاً۔ اس لئے کہ دونوں حدیثوں کا مطلب صرف اس قدر ہے ــــــ کہ حضور علیہ السلام نے نماز میں ھ لیا۔ لیکن اس کی تصریح نہیں ہے جہنم کی جو آگ آپ نے ملاحظہ فرمائی وہ آپ کے سامنے ہی تھی ممکن ہے وہ دائیں کی جانب ہو ثانیاً: مشرک وغیرہ دنیا کی آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ اور کلام بھی دنیا کی آگ کے متعلق ہے اور

حدیث میں نارِ جہنم کا ذکر ہے ثالثاً: دونوں حدیثوں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اگر کسی کو بحالت نماز جہنم نظر آجائے۔ تو نماز بلا کراہت درست ہوگی۔ نہ یہ کہ نمازی کے سامنے دنیا کی آگ روشن ہو تو بھی نماز مکروہ نہ ہوگی۔ رابعاً: حضور علیہ السلام نے جو جہنم ملاحظہ فرمایا۔ تو آپ کے اور جہنم کے درمیان تو ہزاروں برس کا فاصلہ تھا۔ تو اگر مان لیا جائے۔ کہ بحالتِ نماز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے جہنم کی آگ کو ملاحظہ فرمایا تو اتنے فاصلہ کی وجہ سے کراہت کہاں رہی اور سوال تو نمازی کے سامنے آگ کے ہونے کے متعلق ہے۔ غرضیکہ ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نمازی کے سامنے اگر آگ روشن ہو تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ اسی لئے حنفیہ کے نزدیک اگر نمازی کے سامنے آگ ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں مجوس سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ جو آگ پوجتے ہیں۔ لیکن اگر دیا، لیمپ وغیرہ روشنی کے لئے ہو تو حرج نہیں کیونکہ مجوسی اس کو نہیں پوجتے۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) کسوف کی نماز پڑھنا مستحب ہے (۲) دوزخ پیدا ہو چکی ہے اور اب بھی موجود ہے (۳) یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ آپ کی آنکھوں کے لئے کوئی چیز حجاب نہیں تھی۔ اور آپ عالم غیب کی اشیاء بھی ملاحظہ فرماتے ہیں۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّلٰوةِ فِي الْمَقَابِرِ | باب قبرستان میں نماز پڑھنے کی کراہت کے متعلق

واضح ہو کہ قبرستان میں نماز پڑھنا اسی صورت میں مکروہ ہے۔ جبکہ قبر بلا حائل نمازی کے سامنے ہو۔ اور اگر قبر دائیں یا پیچھے ہو تو نماز بلا کراہت درست ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِّنْ صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا (بخاری)	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو۔ اور گھروں کو قبریں مت بناؤ

فوائد و مسائل (۱) اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ گھروں میں نفل نماز پڑھا کرو۔ کیونکہ جب فرض نماز مسجد میں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ تو مذکورہ بالا حکم نوافل کے ساتھ خاص ہو جائے گا۔ (۲) لَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا کے متعدد مطالب شارحین کرام نے بیان کئے:

اوّلاً: یہ کہ جیسے قبر کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے ایسے ہی گھروں میں نماز پڑھنے کو مکروہ نہ جانو بلکہ گھروں میں بھی کرو۔ ثانیاً: یہ کہ جیسے قبروں میں میت نماز پڑھنے ذکر و اذکار کرنے کی مکلف نہیں ہے۔ اسی طرح تم گھروں کو ذکر الٰہی سے نہ رکھو۔ بلکہ گھروں میں بھی نماز، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن کریم جاری رکھو۔ چنانچہ طبرانی کی حدیث میں فرمایا نوروا بیوتکم بذکر اللّٰہ۔ اپنے گھروں کو اللہ کے ذکر سے معمور رکھو (۳) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت اور نوافل گھر میں افضل ہے۔ اور اگر عذر شرعی ہو جیسے سخت بارش ہو یا آندھی۔ یا نابینا ہو کہ مسجد تک جانا دشوار ہے یا جان کا خوف ہے تو بھی گھر ہی پڑھ سکتا ہے ——— اور مستورات کے لئے حکم یہ ہے کہ فرض و نفل تمام قسم کی نمازیں گھر میں بلکہ گھر کی میں پڑھیں۔ ان کو وہیں مسجد کا ثواب مل جائے گا۔

واضح ہو حدیث ہذا میں یہ فرمایا گیا کہ اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ۔ یعنی جیسے قبروں میں مردے نماز اور ذکر و اذکار نہیں کرتے طرح تم اپنے گھروں کو ذکر الٰہی سے خالی نہ رکھو۔ تو اس موقع پر یہ سوال نہ کیا جائے کہ دلائل شرعیہ ہے کہ صالحین امت قبر و برزخ میں بھی نماز پڑھتے ہیں۔ اور تلاوت قرآن کریم کرتے ہیں۔ پھر قبروں کو صلوٰۃ و ذکر سے خالی کیونکر صحیح ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ بات عالم برزخ کی یا عالم غیب کی نہیں ہو رہی۔ بلکہ اسی دنیا کی ہو رہی ہے۔ برزخ میں صالحین

بی میں مشغول رہتے ہیں۔ اول تو وہ اس کے مکلف نہیں ہوتے۔ ثانیاً اس کا تعلق بھی عالم غیب سے ہے جو ہمارے لئے محسوس و
نہیں ہے۔ تو حدیث میں قبروں کو ذکر الٰہی سے خالی قرار دیا گیا ہے۔ تو اسی حیثیت سے خالی قرار دیا گیا ہے۔ کہ قبر میں میت
نہیں محسوس نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی چیز کا حس میں تعطل ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ عالم برزخ میں بھی اس کا تعطل ہو۔ دیکھئے
قبر میں محسوس نہیں ہوتا۔ مگر عالم برزخ میں اس کا وجود ہوتا ہے

ب الصَّلٰوۃِ فِیْ مَوَاضِعِ الْخَسْفِ وَالْعَذَابِ

وَیُذْکَرُ اَنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کَرِہَ الصَّلٰوۃَ بِخَسْفِ بَابِلَ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُوْا عَلٰی ہٰؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِیْنَ اِلَّا اَنْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَیْہِمْ لَا یُصِیْبُکُمْ مَّا اَصَابَہُمْ (بخاری)

باب جہاں زمین دھنس گئی ہو یا اللہ کا اور کوئی عذاب نازل ہوا ہو وہاں نماز کے متعلق

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بابل میں جہاں زمین دھنس گئی ہے نماز پڑھنی مکروہ سمجھی

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عذاب زدہ مقامات میں مت جاؤ مگر روتے ہوئے۔ اگر تم کو رونا نہ آئے تو وہاں نہ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا سا عذاب تم پر آجائے۔

دو مسائل عنوان سے مقصود بتانا ہے۔ کہ موضع عذاب میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور زیر عنوان تعلیق اول کو ابن ابی شیبہ نے وکیع سے روایت کیا۔ کہ ہم لوگ حضرت علی کے ہمراہ بابل کے اس مقام سے گزرے جہاں عذاب الٰہی
ہوا تھا اور زمین دھنس گئی تھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جگہ نماز نہیں پڑھی بلکہ وہاں سے گزر کر نماز ادا فرمائی۔

ود بابل کی ہلاکت بابل کے متعلق مورخین کے متعدد اقوال ہیں۔ اہل تفسیر نے کہا نمرود بن کنعان نے ایک بہت اونچی عمارت بنوائی تھی جس کی بلندی پانچ ہزار ہاتھ تھی۔ اتنی اونچی اس لئے بنوائی تھی۔ کہ بزعم خویش آسمان کا حال
ت کرے جس کا ذکر آیت فاتی اللہ بنیانہم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا۔ اور وہ عمارت اور اس کے مکین مع
کے زمین میں دھنس گئے۔ بعض نے کہا کہ بابل کوفہ کے نزدیک ایک مقام ہے۔ یہاں تبدیلی السنہ ہوا اور رات کو لوگ جب سوئے
کی زبان سریانی تھی صبح کو اٹھے تو ان کی زبان ۷۲ زبانوں میں منقسم ہو گئی۔ ہر گروہ الگ جدا زبان بولتا تھا۔ اس وجہ سے اس
کا نام بابل ہو گیا (قسطلانی)

حدیث دوم کے کلمات حضور علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمائے تھے۔ جبکہ آپ تبوک جاتے ہوئے قوم ثمود کی
میں سے گزرے تھے آپ وہاں ٹھہرے نہیں تھے بلکہ جلدی جلدی گزر گئے تھے۔ باب سے مناسبت یہی ہے کہ آپ جب وہاں
میں ٹھہرے نہیں تو نہ ٹھہرنا مستلزم ہے نماز نہ پڑھنے کو اور نماز نہ پڑھنا کراہت کی وجہ سے تھا۔ اور یہ جو فرمایا کہ اگر ایسے مقام پر
تے ہوئے جاؤ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ان عذاب شدہ مقامات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور اللہ سے ڈرو۔ اس کے
غضب سے پناہ مانگو۔ اور ایسے مقامات کو دیکھ کر خوف نہ کھانا اور عجز و انکسار کا اظہار نہ کرنا بجائے خود جرم ہے۔ اس لئے فرمایا کہ
ہے کہ ان مقامات سے نڈر ہو کر گزرنے والوں پر ویسا ہی عذاب نہ آجائے:

بَابُ الصَّلٰوۃِ فِی الْبِیْعَۃِ

وَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنَّا لَا نَدْخُلُ کَنَآئِسَکُمْ مِنْ اَجْلِ التَّمَاثِیْلِ الَّتِیْ

باب گرجے میں نماز پڑھنے کے متعلق

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصرانیوں سے کہا ہم تمہارے گرجاؤں میں اس وجہ سے نہیں جاتے کہ وہاں

فِيهَا الصُّوَرُ، وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُصَلِّي فِي الْبِيعَةِ إِلَّا بِيعَةً فِيهَا تَمَاثِيلُ (بخاری)

تصویریں ہوتی ہیں ——— اور حضرت ابن عباس گرجے میں نماز پڑھ لیتے مگر اس میں نہیں جس میں تصاویر ہوں۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث عائشہ ذکر کی ہے جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ و ام سلمہ نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حبشہ کے اس کلیسہ کا ذکر کیا جس میں تصویریں تھیں (الی آخرہ) یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام تشریف لائے تو وہاں کے ایک رئیس قسطنطین نامی نصرانی نے کہا میری خواہش ہے کہ آپ میرے ہاں کھانا کھائیں۔ آپ نے فرمایا چونکہ تمہارے گرجاؤں میں مورتیں اور تصویریں ہوتی ہیں۔ اس لئے میں وہاں نہیں جا سکتا۔ معلوم جہاں خلاف شرع امور ہوں وہاں کھانا کھانا بھی ٹھیک نہیں ——— گرجا اور دیگر مذاہب والوں کے عبادت خانوں میں بوقت ضرورت نماز پڑھنی جائز ہے بشرطیکہ وہاں موانع شرعیہ نہ پائے جائیں۔

وضاحت اس کے بعد امام بخاری نے صرف لفظ باب لکھ کر تین حدیثیں لکھی ہیں، جن کا مضمون یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ——— اس مضمون کی حدیث پر اوپر بحث ہو چکی ہے اس لئے ہم نے چھوڑ دیں۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا (بخاری)

باب حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کے متعلق کہ آپ نے فرمایا میرے لئے ساری زمین مسجد و طہور بنائی گئی ہے۔

اس عنوان کے تحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے جو کتاب التیمم کے شروع میں مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض الباری پارہ دوم ص ۹۶ (۲) عنوان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ہر زمین جب تک اس کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو۔ پاک قرار دی جائے گی۔ اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور پانی پر قدرت نہ ہو تو اس سے تیمم بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ حضور علیہ السلام نے مطلقاً زمین کو مسجد و طہور قرار دیا ہے لہٰذا وہ احادیث جن میں مقابر وغیرہ میں نماز نہ پڑھنے کی ہدایت آئی ہے یہ کراہت تحریمی نہیں ہے۔

بَابُ نَوْمِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ وَلِيدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَأَعْتَقُوهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ قَالَتْ فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُورٍ قَالَتْ فَوَضَعَتْهُ أَوْ وَقَعَ مِنْهَا فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَهُوَ مُلْقًى فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطَفَتْهُ قَالَتْ فَالْتَمَسُوهُ فَلَمْ يَجِدُوهُ قَالَتْ فَاتَّهَمُونِي بِهِ قَالَتْ فَطَفِقُوا يُفَتِّشُونِي حَتَّى فَتَّشُوا قُبُلَهَا قَالَتْ وَاللهِ إِنِّي لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ إِذْ مَرَّتِ الْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ قَالَتْ فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ

باب عورت کا مسجد میں سونے کے متعلق

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ عرب کے کسی قبیلہ کے پاس ایک سیاہ فام لونڈی تھی جسے انہوں نے آزاد کر دیا تھا اور انہیں کے پاس رہتی تھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ اس قبیلے کی ایک لڑکی جو دلہن تھی غسل خانہ میں گئی۔ اور اس نے اپنا جو لال رنگ کے چمڑہ کا تھا اتار کر رکھ دیا یا اس کے ہاتھ سے کہیں گر گیا۔ ایک چیل نے اسے دیکھا اور جھپٹ کر لے گئی۔ قبیلہ کے لوگوں نے تلاش کیا نہ ملا۔ اس لونڈی نے کہا۔ ان لوگوں نے مجھ پر چوری کی تہمت لگائی اور میری تلاشی لی۔ حتیٰ کہ میری شرمگاہ بھی دیکھی۔ لونڈی نے کہا: خدا کی قسم میں [illegible] ان کے پاس کھڑی تھی کہ اتنے میں وہاں سے ایک

قَالَتْ فَقُلْتُ هٰذَا الَّذِي اتَّهَمْتُمُونِي بِهِ زَعَمْتُمْ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيئَةٌ وَهُوَ ذَا هُوَ ذَا قَالَتْ فَجَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ قَالَتْ فَكَانَتْ تَأْتِينِي فَتَحَدَّثُ عِنْدِي قَالَتْ فَلَا تَجْلِسُ عِنْدِي مَجْلِسًا إِلَّا قَالَتْ وَيَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيبِ رَبِّنَا ۔ أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِي۔ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لَهَا مَا شَأْنُكِ لَا تَقْعُدِينَ مَعِي مَقْعَدًا إِلَّا قُلْتِ هٰذَا قَالَتْ فَحَدَّثَتْنِي بِهٰذَا الْحَدِيثِ (بخاری)

گدری اور اس نے وہ کمربند پھینک دیا اور وہ ان کے سامنے گرا۔ میں نے ان لوگوں سے کہا: یہی ہے وہ کمربند جس کی چوری مجھے لگائی تھی۔ اور میں بے قصور تھی۔ یہ ہی ہے نا وہ؟ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ اس واقعہ کے بعد وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئی اور مسلمان ہو گئی۔ اور اس کی جھونپڑی فناء مسجد میں تھی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ وہ لونڈی میرے پاس آیا جایا کرتی اور مجھ سے باتیں کرتی۔ مگر جب کبھی وہ میرے پاس آکر بیٹھتی۔ تو یہ شعر ضرور پڑھتی: ہار والا دن خدا کے عجائبات سے ہے۔ اسی خدا نے مجھے کفر کے شہر سے نجات دی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ جب تو میرے پاس بیٹھتی ہے۔ تو یہ شعر ضرور پڑھتی ہے۔ تب اس نے مذکورہ بالا قصہ مجھے سنایا:

فوائد ومسائل ابن بطال نے کہا کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جس کا کوئی گھر بار نہ ہو اسے مسجد میں قیام جائز ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ خیمہ مسجد میں نہ تھا بلکہ فناء مسجد میں تھا۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت ہوگا۔ کہ فناء مسجد میں حسب ضرورت خیمہ وغیرہ جائز ہے ——— اور اس خیمہ کے فناء مسجد میں ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ مسجد نبوی کے بالکل متصل ازواج مطہرات کے حجرے بھی تھے۔ اور یہ حجرے اس قدر متصل تھے۔ کہ حضور علیہ السلام جب مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں تو اس عورت کے لئے بھی مسجد سے بالکل متصل جگہ میں جھونپڑی بنا دی گئی تھی:

بَابُ نَوْمِ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ

(۱) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ عُكْلٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوا فِي الصُّفَّةِ (۲) وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ كَانَ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ الْفُقَرَاءَ (بخاری)

باب مردوں کا مسجد میں سونے کے متعلق

(۱) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں۔ کہ قبیلہ عکل کے چند لوگ بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آئے وہ مسجد کے سائبان میں رہا کرتے تھے (۲) عبد الرحمن بن ابوبکر نے کہا: اصحاب صفہ فقیر تھے۔

فوائد ومسائل (۱) تعلیق اول قصہ عرنیین کا ایک ٹکڑا ہے جسے امام نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے۔ اور ان الفاظ کو امام نے موصولاً کتاب المحاربین میں ذکر کیا ہے (۲) رہط کا اطلاق دس سے کم مردوں پر آتا ہے جن میں کوئی عورت نہ ہو (۳) مسجد نبوی کے سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا یہ ان لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لاتے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے اور دین کا علم حاصل کرتے تھے ——— اور تعلیق دوم ایک طویل حدیث کے اجزاء سے ہے۔ جسے امام نے باب السمر مع الاہل والضیف میں ذکر کیا ہے:

حضرت عبد الرحمن: یہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ جنگ بدر میں کفار کی

طرف سے میدان میں نکلے۔ اور جناب صدیق اکبر رضؓ ہی سے سامنا ہوا۔ حدیبیہ کے سال مشرف باسلام ہوئے۔ اور ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ یہ بڑے بہادر اور اعلیٰ درجہ کے تیر انداز تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بہترین مسلمان ہوئے۔ آپ سے ۸ حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں ۳ ہیں۔ جناب عائشہ صدیقہ و حفصہ وغیرہ نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ ۵۳ھ میں وصال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

إِنَّهُ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لَا أَهْلَ لَهُ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)	حضرت عبداللہ بن عمرؓ جوان تھے اور مجرد۔ ان کے بیوی بچے نہ تھے۔ اور مسجد نبوی میں سوتے تھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے باب فضل قیام اللیل میں اور مسلم و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ اس کے بعد امام نے ایک اور حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے :- ——— حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ تو حضرت علی کو گھر میں نہ پایا۔ آپ نے حضرت فاطمہ رضؓ سے پوچھا تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا۔

قَالَتْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي (بخاری)	کہ میرے اور حضرت علی رضؓ کے درمیان تکرار ہو گئی۔ اور وہ مجھ پر غصہ ہوئے اور یہاں نہیں سوئے۔

حضور علیہ السلام نے کسی سے فرمایا دیکھو حضرت علی رضؓ کہاں سو رہے ہیں۔ اس آدمی نے آ کر کہا مسجد میں۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام مسجد میں آئے۔ حضرت علی لیٹے ہوئے تھے۔ ایک طرف سے ان کی چادر کھسک گئی تھی اور بدن پر مٹی لگ گئی تھی۔

فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَيَقُولُ قُمْ أَبَا تُرَابٍ قُمْ أَبَا تُرَابٍ (بخاری)	تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بدن سے مٹی صاف کرتے گئے۔ فرماتے تھے اٹھو ابو تراب! اٹھو ابو تراب!

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے استیذان اور فضل علی میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم نے فضائل میں ذکر فرمایا۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے :- (۱) باپ کو اپنی بیٹی کے گھر میں اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر جانا جائز ہے (۲) بصورت مسجد میں سونا جائز ہے (۳) کسی کے غضب کو فرو کرنے کے لئے نئی کنیت سے پکارنا جائز ہے (۴) کنیت بغیر اولاد جائز ہے (۵) بخاری کتاب الاستیذان کی حدیث میں ہے۔ کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم ابوتراب کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے (۶) داماد اگر ناراض ہو جائے تو سسر کو محبت و شفقت سے بات کو سلجھا دینا چاہیئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جناب فاطمہ رضؓ سے ناراض ہوئے تو حضور علیہ السلام نے بکمال محبت و شفقت ان کی ناراضگی کو دور فرمایا (۷) حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوئی۔ کہ حضورؐ آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے :

حضرت علیؓ و فاطمہؓ میں شکر رنجی حدیث ہذا سے واضح ہوا۔ کہ بعض اوقات جناب علی مرتضیٰ و فاطمہ زہرا میں شکر رنجی ہو جایا کرتی تھی۔ بلکہ حق الیقین کی روایت سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ بہت ہی شدید ناراضگی ہو جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ناراضگی بغیر ایذا کے نہیں ہو سکتی ——— حدیث ہذا کے اس پہلو پر اگر آپ دیانتداری سے غور کریں۔ تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بخاری میں یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہو گئیں۔ تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہ و علی رضؓ میں بھی ناراضگی ہو جایا کرتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ اس روایت کو بھی لیجئے۔ جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس نے فاطمہ رضؓ کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی ——— پھر صغریٰ کبریٰ ملا کر جو الزام حضرت صدیق اکبر رضؓ پر قائم کیا جائیگا

کہ حضرت علی پر یہ الزام قائم نہیں ہوگا ——— اس کے بعد امام نے ایک حدیث ذکر کی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے: اہل صفہ ستر نفر تھے۔ جن کی غربت کا یہ عالم تھا کہ کسی کے پاس صرف تہبند تھا چادر نہ تھی۔ یا کمبل تھا جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے اور وہ بھی نصف پنڈلی تک پہنچتے تھے اور بعض کے ٹخنوں تک۔

کیا مسجد میں سونا جائز ہے

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ بضرورت مسجد میں سونا جائز ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب ہر کوئی مسجد میں ڈیرے ہی جمادے۔ اور اسے گھروں کی طرح استعمال کرنا شروع کردے مسجد میں اگر بضرورت رہنا پڑ جائے تو اس کے آداب کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ ——— فقہاء احناف نے تصریح کی ہے کہ معتکف اور پردیسی کے سوا کسی کو مسجد میں کھانا پینا سونا جائز نہیں لہٰذا جب کھانے پینے وغیرہ کا ارادہ ہو تو اعتکاف کی نیت کرلے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں سونے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام مالک نے فرمایا میں پسند نہیں کرتا جس کا گھر بار ہو وہ مسجد میں سوتے (عینی ج ۲ ص ۳۸۱)

بَابُ الصَّلٰوةِ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ

(۱) وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ

(۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ مِسْعَرٌ اُرَاهُ قَالَ ضُحًى فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لِي عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي (بخاری)

باب جب سفر سے واپس ہوئے تو نفل پڑھنے کے بیان میں

کعب بن مالک نے کہا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے۔ تو پہلے مسجد میں جاکر نفل پڑھتے۔

(۲) حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ میں بحضور نبوی حاضر ہوا۔ اور حضور علیہ السلام مسجد میں جلوہ فرما تھے۔ مسعر نے کہا میرا خیال ہے کہ محارب نے کہا کہ چاشت کے وقت تو آپ نے فرمایا دو رکعت پڑھ لو۔ اور میرا کچھ قرض حضور پر تھا آپ نے وہ ادا کیا اور زیادہ دیا۔

فوائد و مسائل

تعلیق ۱ کو امام نے مسنداً غزوۂ تبوک میں ذکر کیا ہے۔ جو ایک طویل حدیث ہے۔ جس کا مضمون ہے کہ جب حضور علیہ السلام سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نفل ادا فرماتے ——— اور تعلیق ۲ بھی ایک حدیث کا خلاصہ ہے جسے امام نے کتاب البیوع میں مکمل درج کیا ہے۔ اس حدیث کو امام نے تقریباً بیس مقام پر کہیں مطول کہیں مختصر کہیں معلق کہیں موصول ذکر کیا ہے۔ مطول میں یہ تصریح ہے کہ حضرت جابر سفر سے واپس آئے تھے۔ اور حضور علیہ السلام نے ان سے دو رکعت نفل پڑھنے کو کہا تھا ——— حضرت جابر سے حضور علیہ السلام نے ایک غزوہ میں اونٹ خریدا تھا۔ حضور علیہ السلام مدینہ شریف پہلے آگئے اور حضرت جابر بعد میں پہنچے۔ اس وقت حضور نے انہیں دو رکعت نفل پڑھنے کے لئے فرمایا پھر آپ نے انہیں اونٹ بھی واپس دے دیا اور اونٹ کی قیمت سے زیادہ دام بھی انہیں عطا فرمایا ——— اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقروض اپنی مرضی سے بغیر طے کئے قرض کی رقم سے زیادہ دے دے تو جائز ہے۔

بَابٌ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ

عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

باب۔ جو کوئی تم میں سے مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے

ابی قتادہ سلمی کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ (بخاری)

نے فرمایا کہ تم میں سے جو مسجد میں داخل ہو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے۔

تحیۃ المسجد کے مسائل (۱) جو شخص مسجد میں آئے اسے دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے بہتر یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے پڑھ لے۔ اور اگر بیٹھ گیا تو ساقط نہیں ہوئی اب پڑھے (۲) ایسے وقت مسجد میں آیا جس میں نفل نماز مکروہ ہے۔ مثلاً بعد طلوع فجر یا بعد نماز وہ تحیۃ المسجد نہ پڑھے بلکہ تسبیح و تہلیل و درود شریف میں مشغول ہو حق مسجد ادا ہو جائے گا۔

بَابُ الْحَدَثِ فِي الْمَسْجِدِ

باب مسجد میں حدث ہونے کے متعلق

مقصودِ عنوان یہ بتانا ہے کہ بے وضو آدمی مسجد میں آسکتا ہے۔ اور حدث سے حدثِ اصغر یعنی بے وضو ہونا مراد ہے۔ کہ صحابہ و تابعین بھی بے وضو مسجد میں آنے جانے اور بیٹھنے کے جواز کے قائل ہیں۔ البتہ با وضو مسجد میں آنا افضل ہے اور ابن المسیب حسن بصری فرماتے ہیں بے وضو عمداً مسجد میں نہ آئے۔

عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلَّى فِيهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ تَقُولُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ (بخاری)

ابو الزناد وہ اعرج سے وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک نمازی اپنے مصلے میں بیٹھا ہے اور اس کو حدث نہ ہو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ فرشتے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اس کو بخش دے اس پر رحم فرما۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے کتاب الصلوٰۃ میں اور مسلم، نسائی، ابو داؤد نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (۱) مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد مصلیٰ پر بیٹھے رہنے والے کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں۔ ابن بطال نے فرمایا: کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے گناہ آسانی سے معاف ہو جائیں۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد مصلیٰ پر بیٹھ و وہ وظائف میں مشغول رہے تاکہ فرشتوں کی دعا و استغفار سے اس کے گناہ معاف ہوں (۲) ما لم یحدث کے لفظ سے معلوم کہ مسجد میں بے وضو ہو جانا کوئی جرم نہیں ہے۔

بَابُ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ

باب مسجد بنانے کے متعلق

(۱) وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ

(۱) اور ابو سعید نے کہا۔ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔

(۲) وَأَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ أَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ وَإِيَّاكَ أَنْ تُحَمِّرَ أَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ

(۲) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بنانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا میں لوگوں کو بارش سے بچانا چاہتا ہوں۔

(۳) وَقَالَ أَنَسٌ يَتَبَاهَوْنَ بِهَا ثُمَّ لَا يَعْمُرُونَهَا إِلَّا قَلِيلًا

(۳) اور حضرت انس نے فرمایا۔ لوگ مسجدوں پر فخر کریں گے مگر ان کو آباد کم رکھیں گے۔

(۴) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى۔

(۴) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم لوگ مسجدوں کو ایسے آراستہ کروگے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے گرجوں کو آراستہ کیا

(۵) أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وَسَقْفُهُ الْجَرِيْدُ وَعُمُدُهُ خَشَبُ النَّخْلِ فَلَمْ يَزِدْ فِيْهِ أَبُوْ بَكْرٍ شَيْئًا وَزَادَ فِيْهِ عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلٰى بُنْيَانِهِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيْدِ وَأَعَادَ عُمُدَهُ خَشَبًا ثُمَّ غَيَّرَهُ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيْهِ زِيَادَةً كَثِيْرَةً وَبَنٰى جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوْشَةِ وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عُمُدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوْشَةٍ وَسَقَفَهُ بِالسَّاجِ (بخاری)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مسجد نبوی کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کی چھت کھجور کی شاخوں اور ستون کھجور کی لکڑیوں کے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رض نے اپنی خلافت میں کچھ زیادہ نہیں کیا۔ اور حضرت عمر رض نے اپنے عہد میں مسجد میں توسیع کی لیکن ساز و سامان وہی رکھا جو عہد نبوی میں تھا یعنی کچی اینٹ اور کھجور کی شاخیں اور ستون بھی کھجور کی لکڑی کے قائم کئے۔ پھر حضرت عثمان رض نے اپنے عہد میں کافی توسیع کی۔ اور اس کی دیواریں منقش پتھر اور چونے کی بنوائیں اور ستون بھی منقش پتھر کے لگوائے۔ اور چھت ساگوان کی لکڑی سے بنائی۔

فوائد و مسائل (۱) ابتداء میں مسجد نبوی کچی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے ستون کھجور کی لکڑیوں کے اور چھت کھجور کے پتوں اور شاخوں کی تھی۔ یہ صورت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد تک رہی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں طول و عرض میں زیادتی کی۔ مگر اس کے ساز و سامان میں کوئی تبدیلی نہ فرمائی —— حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کر توسیع فرمائی اور اس کی آرائش کی طرف بھی توجہ دی۔ آپ نے کچی اینٹوں کی جگہ منقش پتھر لگوائے اور کھجور کی شاخوں کی بجائے چھت ساگوان کی لکڑی سے بنوائی —— ان احادیث سے واضح ہوا کہ مسجد کا اصل مقصد اور اس کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ نماز باجماعت اذان وغیرہ کا سنت کے مطابق انتظام و اہتمام کیا جائے اور ذکر الٰہی سے مسجدیں گونج اٹھیں —— یہ نہ ہو کہ ان کی تزئین و آرائش تو خوب کی جائے مگر وہاں نماز پڑھنے اور اللہ کو یاد کرنے والا کوئی نہ ہو —— بہ نیت تعظیم مسجد کی زیب و زینت اور اس کی دیوار میں نقش و نگار اور سونے کا پانی پھیرنا منع نہیں۔ مگر دیوار قبلہ میں نقش و نگار مکروہ ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے۔ جبکہ کوئی اپنے مال حلال سے نقش کرے اور مال وقف سے نقش و نگار حرام ہے۔

بَابُ التَّعَاوُنِ فِيْ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ (بخاری)

باب مسجد کی تعمیر میں تعاون کے متعلق اور ارشاد خداوندی ہے کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد رکھیں۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ جنگ بدر میں حضرت عباس قید ہوئے اور حضرت علی و دیگر صحابہ نے ان کو کفر و شرک پر ملامت کی۔ اس پر حضرت عباس نے کہا تم ہماری بھلائیاں بھی تو دیکھو، ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں۔ کعبہ پر غلاف ڈالتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس پر یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتایا گیا کہ کفر و شرک کے ہوتے ہوئے یہ اعمال باعث اجر و ثواب نہیں ہو سکتے۔ اور مشرکوں اور کافروں کو تو مسجد کی تعمیر اور اس کو آباد رکھنے کا حق ہی نہیں ہے۔ یہ کام تو صرف اور صرف مسلمانوں کا ہے اور انہیں کے لئے اجر و ثواب بھی ہے —— امام بخاری نے اس آیت سے یہ واضح کیا ہے کہ مساجد

کی تعمیر اور اس کی آبادی کے اہل صرف مسلمان ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنا یہ فرض کما حقہ ادا کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے:۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عباس نے مجھ سے اور اپنے صاحبزادہ علی سے کہا تم دونوں ابو سعید کے پاس جاؤ اور ان سے حدیثیں سنو۔ ہم دونوں ان کے گئے دیکھا کہ وہ اپنے باغ کو درست کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی چادر لی اور گوٹ مار کر بیٹھ گئے۔ پھر حدیث بیان کی یہاں کہ مسجد نبوی کے بنانے کا ذکر آیا تو کہنے لگے۔

فَقَالَ كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً وَّعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ فَرَاٰهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ وَيَقُوْلُ وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهُ اِلَى النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ عَمَّارٌ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ (بخاری)

کہ مسجد بناتے وقت ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے۔ اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان پر سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا افسوس عمار کو باغی گروہ شہید کرے گا۔ یہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا۔ اور وہ اس کو جہنم کی طرف بلائیں گے۔ ابو سعید نے کہا عمار رضہ کہا کرتے تھے الٰہی میں فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے کتاب الجہاد میں بھی ذکر کیا —— یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔ (۱) مسجد کی تعمیر میں تعاون کرنا بہترین عمل ہے۔ کیونکہ یہ کام ایسا ہے۔ جس کا اجر و ثواب مرنے کے بھی ملتا رہتا ہے۔ (۲) علم کی بات اپنے سے کم مرتبہ والے شخص سے بھی حاصل کر لینی چاہیئے (۳) عمار بن یاسر جلیل صحابی اور جاں نثار رسول ہیں آپ کے متعلق حضور علیہ السلام نے جو پیشینگوئی فرمائی۔ وہ حضور اکرم کا معجزہ ہے اور حضور کے علم وسیع کی دلیل کہ جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی ہوا (۴) اس حدیث سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ جنگ صفین میں وہ حق پر تھے اور جناب امیر معاویہ رضہ سے خطاء اجتہادی واقع ہوئی تھی (۵) فتنوں سے پنا مانگنا جائز ہے

بَابُ الْاِسْتِعَانَةِ بِالنَّجَّارِ وَالصُّنَّاعِ فِيْ اَعْوَادِ الْمِنْبَرِ وَالْمَسْجِدِ

باب: بڑھئی اور معمار سے مسجد اور منبر بنانے میں مدد لینا۔

(۱) عَنْ سَهْلٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى امْرَاَةٍ مُرِيْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ يَعْمَلْ لِيْ اَعْوَادًا اَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ (بخاری)

(۱) حضرت سہل سے ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ وہ اپنے غلام بڑھئی کو حکم کرے کہ وہ میرے بیٹھنے کے لئے منبر بنا دے۔

(۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ فَاِنَّ لِيْ غُلَامًا نَجَّارًا قَالَ اِنْ شِئْتِ فَعَمِلَتِ الْمِنْبَرَ (بخاری)

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا کہ ایک عورت رضی اللہ عنہا نے عرض کی رسول اللہ میں آپ کے لئے ایک چیز (منبر) بنا دوں جس پر آپ بوقت خطبہ جلوہ فرما ہوں کیونکہ میرا غلام بڑھئی ہے حضور نے فرمایا۔ اچھا جو تمہاری پھر اس نے آپ کے لئے منبر بنوا دیا۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام نے صلوٰۃ میں اور مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور حدیث دوم کو امام نے کتاب البیوع میں اور باب علامۃ النبوۃ میں ذکر کیا —— ان دونوں

ــوں میں تضاد نہیں ہے۔ ہوا یہ تھا کہ عائشہ نامی عورت نے آپ کے لئے منبر بنانے کا وعدہ کیا تھا۔ جب اس نے وعدہ کرنے میں دیر کی تو حضور علیہ السلام نے اس کو وعدہ یاد دلایا —— حدیث ہذا حسب ذیل مسائل پر مشتمل ہے۔ ین مانگے کوئی چیز ملے تو اس کے قبول کرنے میں حرج نہیں (۲) بزرگوں کی خدمت کرنا باعث اجر و ثواب ہے (۳) وعدہ پورا ے کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا

أَنَّهٗ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيْهِ حِيْنَ بَنٰى مَسْجِدَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ أَكْثَرْتُمْ وَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا يَبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ مِثْلَهٗ فِي الْجَنَّةِ (بخاری)

باب مسجد بنانے کے ثواب میں

عبد اللہ خولانی کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا۔ جب انہوں نے مسجد نبوی دوبارہ بنوائی (یعنی جب انہوں نے منقش پتھر اور چونے سے مسجد بنوائی) اور لوگوں نے اس معاملہ میں باتیں کیں۔ تو حضرت عثمان نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: جو مسجد بنائے خالص اللہ کی رضا کے لئے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ویسا ہی گھر بنائے گا۔

د و مسائل اس حدیث کو مسلم و ترمذی و ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا —— حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسجد نبوی کو منقش پتھروں اور چونے سے بنوایا۔ تو بعض صحابہ نے ان کے س فعل پر اعتراض کیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جیسے یہ مسجد زمانہ نبوی میں کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی اسے ی رہنے دیا جائے۔ جناب عثمان غنی نے ان کو جواب دیا۔ کہ میں نے یہ کام محض رضائے الٰہی کے لئے کیا ہے۔ اور حضور علیہ السلام شاد ہے کہ جو جیسی مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ ویسا ہی مکان اسے جنت میں عطا فرماتا ہے —— اس سے واضح ہو گیا۔ کہ نیت کے ساتھ مسجد کی آرائش کرنا اور قیمتی سے قیمتی ساز و سامان سے اسے تعمیر کرنا جائز ہے۔

بَابُ يَأْخُذُ بِنُصُوْلِ النَّبْلِ إِذَا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ

يَقُوْلُ مَرَّ رَجُلٌ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهٗ سِهَامٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا (بخاری)

باب جب کوئی مسجد میں تیر لے ہوئے آئے تو اس کا پھل ہاتھ میں تھامے رہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں تیر لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کا پھل تھامے رہے۔

امام نے اس حدیث کو کتاب الفتن میں بھی ذکر کیا۔ مسلم نے ادب میں، نسائی نے صلوٰۃ میں اور ابن ماجہ نے ادب میں کیا —— اس حدیث سے واضح ہوا کہ مسجد میں ہتھیاروں کے ساتھ داخل ہونا جائز ہے۔ مگر جب ہتھیاروں کے ساتھ داخل ل رکھے کہ کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچے

بَابُ الْمُرُوْرِ فِي الْمَسْجِدِ

نِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَرَّ فِيْ شَيْءٍ مِنْ مَسَاجِدِنَا أَوْ أَسْوَاقِنَا بِنَبْلٍ

باب مسجد میں گذرنے کے متعلق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی ہماری مسجدوں یا بازاروں میں تیر لے کر گذرے تو اس کا پھل تھامے رہے ایسا

فَلْيَأْخُذْ عَلَى نِصَالِهَا لَا يَعْقِرُ بِكَفِّهِ مُسْلِمًا (بخاری)

نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ سے زخمی کرے

اس حدیث کو امام نے فتن میں، مسلم و ابن ماجہ نے ادب میں اور ابو داؤد نے جہاد میں ذکر کیا ——— اس سے ہوا کہ مسجد میں سے ہتھیار لے کر گزرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدوں، بازاروں اور لوگوں کے اجتماع میں کھ لے کر نہ گزرے تاکہ کسی کو ضرر نہ پہنچے۔

بَابُ الشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ

باب مسجد میں شعر پڑھنے کے متعلق

اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْشُدُكَ اللّٰهَ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَا حَسَّانُ أَجِبْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ نَعَمْ (بخاری)

عبدالرحمن بن عوف انصاری کہتے ہیں، کہ انہوں نے حسان بن ثابت سے سنا اور وہ ابوہریرہ سے گواہی چاہتے تھے کہتے تھے اے ابوہریرہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا اے حسان تو اللہ کے رسول کی طرف سے کفار کو جواب دے۔ الٰہی! روح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرما ابوہریرہ نے کہا بے شک ہاں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے بدء الخلق اور ادب میں، مسلم نے فضائل میں، نسائی نے قضاء و صلوٰۃ میں ——— عنوان تو ہے مسجد میں شعر پڑھنا اور زیر عنوان حدیث میں فی المسجد کا ذ گر امام نے جو حدیث بدء الخلق میں ذکر کی ہے، اس میں فی المسجد کی تصریح کی ہے ——— حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں نعتیہ اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمر گزرے تو آپ نے ٹوکا اس پر حضرت حسان نے زیر بحث حدیث اور کہا میں تو حضور علیہ السلام کے سامنے بھی شعر پڑھتا تھا اور پھر حضرت ابوہریرہ سے اس کی شہادت بھی دلوائی۔

حضرت حسان بڑے شاعر اور ادیب تھے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں اشعار کہتے۔ ا حمایت میں کفار کی ہجو فرماتے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کے واسطے میں منبر بچھواتے اور اس پر کھڑے ہو کر حضرت حسان حضور علیہ السلام کی مدح و ثنا کرتے اور کفار کی ہجو فرماتے۔ حضور ان کے متعلق فرماتے وجبریل معک جبریل تمہارے ساتھ ہیں (ابو داؤد) اور کبھی دعا دیتے اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الٰہی روح القدس کے ساتھ حسان کی مدد فرما ——— اس حدیث سے واضح ہوا کہ حمد و نعت و منقبت و ر پر مشتمل اشعار کا مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ اور یہ کہ حضور علیہ السلام کی مدح و ثنا کرنا اور آپ کے دشمنوں کی ہجو کرنا با و ثواب ہے۔ اور جن احادیث میں شعر پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس سے مراد وہ شعر ہیں جو فضول لغو اور خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں۔

بَابُ أَصْحَابِ الْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ

باب اصحاب حراب کا مسجد میں آنا

اصحاب حراب سے مراد وہ فوجی ہیں جو جنگی مشقیں کرتے ہیں۔ اور فن حرب کا مظاہرہ کرتے ہیں تاکہ لوگ اس فن اور انہیں اس کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

إِنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ
وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهٖ
اَنْظُرُ اِلٰى لَعِبِهِمْ ——— عَنْ عَائِشَةَ
قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِحِرَابِهِمْ (بخاری)

کو اپنے گھر کے دروازہ پر جلوہ فرما پایا، اور حبشی مسجد میں فنِ حرب کا مظاہرہ کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ڈھانپے ہوئے تھے اور میں ان کے کرتب دیکھ رہی تھی ——— اور عروہ کی روایت کے لفظ یہ ہیں :- کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا اور حبشی فنِ حرب کے کرتب دکھا رہے تھے۔

و مسائل

امام نے اس حدیث کو عیدین و مناقب قریش میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے عیدین میں

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے : مسجد میں فنِ حرب کا مظاہرہ جائز ہے اور عورتیں بھی باپردہ اُن کے کرتب یں۔ قرآن میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کفار سے مقابلہ کی تیاری کریں، اور آلاتِ جنگ کے استعمال کا طریقہ سیکھیں۔ یہ اسی لئے تھا کہ مسلمانوں میں اس فن کو حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

ذِكْرِ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي الْمَسْجِدِ (بخاری) باب مسجد میں خرید و فروخت کا ذکر منبر پر کرنا

اس عنوان کے ماتحت امام نے جو حدیث لکھی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے : حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ بریرہ ان کے پاس آئی۔ وہ اپنی کتابت کے روپے کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اگر تیری مرضی ہو تو یہ ے مالکوں کو دے دیتی ہوں مگر ولاء میرے لئے ہوگی۔ اور بریرہ کے مالکوں نے کہا : اگر تم چاہو تو جو کتابت کا روپیہ ے ذمہ باقی ہے دے دو۔ حضرت سفیان نے کہا یا بریرہ کے مالکوں نے یہ کہا : کہ اگر تم چاہو تو اس کا روپیہ دے کر اس کو ۔ اور ولاء ہماری ہوگی۔

فَلَمَّا جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ذَكَّرْتُهُ ذٰلِكَ فَقَالَ ابْتَاعِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا
فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَقَالَ
سُفْيٰنُ مَرَّةً فَصَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ
يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ
وَمَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ
فَلَيْسَ لَهٗ وَاِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ (بخاری)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اس کو خرید لو اور آزاد کر دو۔ اور ولاء اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔ پھر حضور علیہ السلام منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور فرمایا لوگوں کو کیا ہوا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں۔ اور جو کوئی ایسی شرط لگائے اگرچہ سو بار لگائے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو وہ کچھ نہیں۔

و مسائل

امام نے اس حدیث کو زکوٰۃ، عتق، مکاتب، ہبہ، بیوع، فرائض، طلاق، شروط، الاطعمہ، کفارۃ الایمان میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور مسلم، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا

——— حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے : ۱۔ مکاتبت جائز ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ مالک اپنے غلام سے مقدار مقرر کرکے یہ کہہ دے کہ اتنا روپیہ ادا کر دے تو آزاد ہے اور غلام اسے قبول بھی کرے اب یہ مکاتب

ہو گی جب کل مال ادا کر دے گا آزاد ہو جائے گا۔ عقد مکاتبت کی مشروعیت قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ثابت ہے:

فکاتبوھم ان علمتم فیہم خیرا

اس حدیث سے واضح ہوا کہ بیع و شراء کے مسائل مسجد کے منبر پر بیٹھ کر بیان کرنا جائز ہے۔ اس حدیث کے بقیہ فوائد مسـ
ور کتاب العتق میں بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز

بَابُ التَّقَاضِيْ وَالْمُلَازَمَةِ فِي الْمَسْجِدِ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ كَعْبٍ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادٰى يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهِ

باب مسجد میں قرضہ کا تقاضہ کرنا اور قرضدار کا پیچھا کرنے کے متـ

حضرت کعب بن مالک نے عبد اللہ بن ابی حدرد سے مسجد میں اپنے قرض کا تقاضہ کیا اور دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ میں ان کی آوازیں سنـ پس آپ باہر نکلے اور حجرہ کا پردہ کھولا اور آواز دی: اے کعب! انہوں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: ایسا کرو تم اپنے قرض میں سے نصف معاف کر دو (آپ نے اشارہ سے یہ فرمایا) کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نصف معاف کر دیا، آپ نے ابن حدرد سے فرمایا، جاؤ ان کا قرض ادا کر دو (بخاری)

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو صلح اور ملازمۃ میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے بیوع میں، ابو داؤد و نسائی نے قضاء میں او
نے احکام میں ذکر کیا۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔ (۱) اپنے حق کا مسجد میں مطالبہ کرنا جائز ہے (۲) اگر مطالبہ میں آواز بلند
تو حرج نہیں، لیکن سخت جھگڑا کرنا اور بہت زور سے آوازیں بلند کرنا جائز نہیں ہے (۳) اشارہ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے
السلام نے حضرت کعب کو اشارہ سے یہ ہدایت دی تھی کہ آدھا قرض معاف کر دو (۴) اچھی بات میں سفارش کرنا اما
جائز ہے (۵) دروازہ پر پردہ ڈالنا جائز ہے۔

فوائد: (۱) بعض احادیث کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بچوں، مجنونوں کو مسجد میں مت لاؤ، شو
بلند کرو اور نہ لڑو جھگڑو۔ علامہ عینی نے لکھا اگرچہ اس مضمون کی احادیث ضعیف ہیں، مگر مختلف طرق سے مروی ہونے
ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا ایسی تمام احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جیسے عام مقامات پر لوگ بے تکلف لڑتے جھگڑتے
بلند کرتے ہیں۔ اس طرح مسجد میں نہ کریں۔ مسجد میں اگر مطالبہ کی نوبت آجائے تو آداب مسجد کا ضرور خیال رکھیں ———
یعنی فحش کلامی، گالی گلوچ تو بہر صورت حرام و ناجائز ہے ——— (۲) قرضدار سے قرض کا تقاضا کرنے کا ذکر تو حدیث
ہے اور اس کو پکڑنے اور پیچھا کرنے کا ذکر اگرچہ اس حدیث میں نہیں مگر امام نے کتاب الصلح میں جو حدیث ذکر کی ہے اس میں پکڑنے کا ذ
امام نے باب میں ملازمۃ کا ذکر کرکے دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ منہ

بَابُ كَنْسِ الْمَسْجِدِ وَالْتِقَاطِ الْخِرَقِ وَالْقَذٰى وَالْعِيْدَانِ

باب مسجد میں جھاڑو دینا اور اس کے چیتھڑے کوڑا کر
اور تنکے چننا

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا أَسْوَدَ أَوِ امْرَأَةً سَوْدَآءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ فَسَأَلَ نَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَقَالُوْا اتَ فَقَالَ أَفَلَا كُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِيْ بِهٖ دُلُّوْنِيْ عَلٰى قَبْرِهٖ أَوْ قَالَ قَبْرِهَا فَأَتٰى بْرَهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهَا (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک سیاہ فام مرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ اس کا انتقال ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا تو صحابہ نے عرض کی اس کا تو انتقال ہو گیا۔ فرمایا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ اچھا مجھے اس کی قبر بتاؤ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

سائل اس حدیث کو امام نے صلاۃ اور جنائز میں ذکر کیا۔ اور مسلم، ابوداؤد و ابن ماجہ نے جنائز میں ذکر کیا —— اگرچہ اس روایت میں راوی کو شک ہے۔ کہ وہ جھاڑو دینے والا مرد تھا یا عورت۔ لیکن ابن خزیمہ و بیہقی کی روایت ہے کہ وہ ایک خاتون تھیں ان کا نام ام محجن تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

سائل حدیث یہ ہیں: مسجد میں جھاڑو دینا، اس کو پاک و صاف رکھنا اور ہر گھن کی چیز وہاں سے الگ کر دینا کار ثواب کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس عورت کو جنت میں ملاحظہ فرمایا۔ علامہ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے فرمایا یدعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد اس کی نماز جنازہ اس لئے پڑھی تاکہ لوگوں کو مسجد کی صفائی کی طرف توجہ دلائی یہ بتلایا جائے کہ مسجد کو صاف کرنا بہت ثواب کا کام ہے۔

ادم و دوست کا حال پوچھنا اور اس کے لئے دعا کرنا مطلوب و محبوب ہے (۳) صالح آدمی سے نماز جنازہ پڑھوانا (۴) صالح آدمی کے جنازہ میں شریک ہونا باعث سعادت ہے (۵) حضرت ابوموسیٰ و ابن عمر و ابن مسعود اوزاعی۔ امام شافعی و احمد و اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ قبر پر جنازہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ تمہید میں حضرت ابو عمر علیہ کہا کہ حضرت امام مالک بھی جواز کے قائل ہیں اور سات حدیثوں سے قبر پر نماز جنازہ کا ثبوت ملتا ہے لیکن علامہ نووی کہ حضرت امام مالک کے ہاں جواز نہیں —— احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کو بغیر نماز پڑھے مٹی بھی دے دی گئی تو اب اس کی قبر پر نماز پڑھیں جب تک لاش کے پھٹنے کا گمان نہ ہو۔ اسی طرح اگر ولی کے سوا کسی اور ولی پر مقدم نہ تھا اور ولی نے اسے اجازت بھی نہ دی تو اگر ولی نماز میں شریک نہ ہوا تو نماز کا اعادہ کر سکتا ہے۔ اور اگر یا تو قبر پر نماز پڑھ سکتا ہے —— حدیث زیر بحث میں بالکل یہی صورت ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ ت کے ولی تھے حضور علیہ السلام پر کوئی اور مقدم بھی نہ تھا حضور اکرم سے اجازت بھی نہیں لی گئی اس لئے حضور علیہ السلام قبر پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھی۔ فافہم

ب تَحْرِيْمِ تِجَارَةِ الْخَمْرِ فِي الْمَسْجِدِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا أُنْزِلَتِ الْاٰيٰتُ مِنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبٰوا خَرَجَ النَّبِيُّ لَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَرَأَ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ تِجَارَةَ الْخَمْرِ (بخاری)

باب مسجد میں کھڑے ہو کر شراب کی تجارت وغیرہ کے احکام بتانا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب سورۂ بقر کی وہ آیت جس میں سود کی حرمت کا بیان ہے نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے۔ اور آپ نے لوگوں کو یہ آیت سنائی اور شراب کی تجارت کو حرام فرمایا

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے کتاب البیوع و تفسیر میں پانچ مرتبہ ذکر کیا۔ اور مسلم، ابوداؤد، نسائی نے بھی بیوع و تف
اور ابن ماجہ نے اشربہ میں ذکر کیا ——— اس حدیث سے واضح ہوا۔ کہ حکم شرعی بت
لئے مسجد میں حرام اور ناپاک چیزوں کا ذکر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ جب تک اس چیز یا فعل کا نام لے کر یہ نہ بتایا جائے کہ ش
میں اس کا حکم کیا ہے لوگوں کو کیسے علم ہوگا۔

بَابُ الْخَدَمِ لِلْمَسْجِدِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا. لِلْمَسْجِدِ يَخْدِمُهُ (بخاری)

باب مسجد کے لئے خادم مقرر کرنا

اور عبداللہ بن عباس نے اس آیت نذرت لک ما فی بطنی محررا کی
تفسیر میں فرمایا ——— یعنی مسجد کے لئے خادم

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ مساجد کی تعظیم اور خدمت امم سابقہ میں بھی مشروع تھی۔ اور اس کے ثبوت میں
مذکورہ بالا آیت پیش کی ہے۔ حضرت حنہ جب حاملہ ہوئیں تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اس
کو میں مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لئے وقف کرتی ہوں۔ چنانچہ حضرت مریم پیدا ہوگئیں۔ تو اگر خدمت مساجد مشروع
تو حضرت حنہ یہ نذر نہ مانتیں ——— اس سے واضح ہوا کہ مساجد کا ادب و احترام اور ان کی خدمت کرنا تقرب ال
خاص ذریعہ ہے ——— تعلیق زیر بحث کو ضحاک نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا۔ اس حدیث کو ذکر کرکے امام نے واضح کیا ہے کہ مسجد کی
کرنا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ امْرَأَةً أَوْ رَجُلًا كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ وَلَا أُرَاهُ إِلَّا امْرَأَةً فَذَكَرَ حَدِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلّٰى عَلٰى قَبْرِهَا (بخاری)

حضرت ابوہریرہ نے کہا۔ ایک عورت یا ایک مرد کی
میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ابو رافع نے کہا میرا خیال
کہ وہ عورت تھی پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بی
کیا کہ آپ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔

بَابُ الْأَسِيْرِ أَوِ الْغَرِيْمِ يُرْبَطُ فِي الْمَسْجِدِ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ عِفْرِيْتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ أَوْ كَلِمَةً نَّحْوَهَا لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلٰوةَ فَأَمْكَنَنِي اللّٰهُ مِنْهُ وَأَرَدْتُّ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلٰى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى تُصْبِحُوْا وَتَنْظُرُوْا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ قَوْلَ أَخِيْ سُلَيْمٰنَ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ قَالَ رَوْحٌ فَرَدَّهُ خَاسِئًا (بخاری)

باب قیدی یا مقروض کو مسجد میں باندھنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنوں میں سے ایک سرکش جن را
اچانک مجھ سے بھڑ گیا تاکہ میری نماز منقطع کرے۔
اللہ تعالیٰ نے مجھے طاقت عطا فرمائی اور میرا ا
ہوا کہ مسجد کے کسی ستون سے اس کو باندھ دوں
کہ صبح کو تم سب اس کو دیکھ لو لیکن مجھے اپنے بھائی
علیہ السلام کا قول: "رب هب لی ملکا لا ینب
لاحد من بعدی" یاد آگیا۔ روح نے کہا: اس پر حضور علیہ السلا
اس کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو صلاۃ، صفۃ ابلیس اور احادیث الانبیاء اور تفسیر میں بھی ذکر کیا اور مسل
اور نسائی نے تفسیر میں ذکر کیا ——— اس حدیث کو ذکر کرکے امام نے یہ استن

حضور علیہ السلام نے اس جن کو مسجد میں باندھنے کا ارادہ فرمایا تو اس سے واضح ہوا کہ قیدی کو مسجد میں باندھ دینا جائز مقروض کو اسی پر قیاس کر لیا کہ وہ بھی قرضخواہ کا ایک طرح قیدی ہی ہوتا ہے ——— اس حدیث سے یہ بھی ہوا کہ جنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسخر ہیں۔ اور یہ حضور علیہ السلام کے قول و عمل و بدن میں کسی قسم کا نہیں کر سکتے (۵) جن بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے یہ آگ سے پیدا کئے گئے (۶) جنوں شریر ہوں ان کو عفریت کہتے ہیں۔

بَابُ الْاِغْتِسَالِ اِذَا اَسْلَمَ وَرَبْطِ الْاَسِيْرِ اَيْضًا فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ شُرَيْحٌ يَأْمُرُ الْغَرِيْمَ اَنْ يُّحْبَسَ اِلٰى سَارِيَةِ الْمَسْجِدِ (بخاری)	باب اسلام لانے کے بعد غسل کرنے اور قیدی کو مسجد میں باندھنے کے متعلق ——— اور قاضی شریح قرضدار کو مسجد کے ستون کے پاس قید کرنے کا حکم دیتے۔

مسائل

شریح بن حارث کندی حضور علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے مگر حضور سے ملاقات نہ ہو سکی جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عمر اور بعد کے خلفاء کی طرف سے ساٹھ برس تک کوفہ کے قاضی رہے اور ۸۰ھ میں وفات اثر زیر بحث کو معمر نے عن ایوب عن ابن سیرین وصل کیا۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت شریح جب اپنی عدالت ڈگری کرتے تو مسجد میں اسے قید رہنے کا حکم دیتے۔ اگر وہ حق ادا کر دیتا تو اسے چھوڑ دیتے ورنہ جیل خانہ بھیج دیتے۔ اس سے مسجد میں قضا یعنی احکام شریعت سنانا اور شریعت کے مطابق فیصلے کرنا جائز ہے کیونکہ یہ عبادت ہے۔ ——— اور یہ بھی کہ قاضی وقتی طور پر کسی ملزم کو مسجد میں قید بھی کر سکتا ہے اور چونکہ اس زمانہ میں مساجد میں عدالتیں قائم تھیں۔ ایسا کرنا ناگزیر تھا ——— زمانہ نبوی میں بھی مسجد میں احکام شرع سنائے جاتے اور فیصلے کئے جاتے تھے امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سواروں کو بھیجا وہ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا

فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (بخاری)	اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے حکم دیا ثمامہ کو آزاد کر دو۔ پھر ثمامہ مسجد کے قریب کھجور کے درختوں کے قریب گئے غسل کیا اور پھر مسجد میں آکر کلمہ پڑھ لیا

مسائل

(۱) اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ، اشخاص اور مغازی میں۔ مسلم نے مغازی میں، ابوداؤد نے جہاد میں اور نسائی نے طہارت میں ذکر کیا (۲) ۶ھ محرم الحرام کی ۱۰ تاریخ کو حضور نے تیس سوار جن کے امیر تھے ثمامہ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا (۳) ثمامہ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ ابن اسحاق نے مغازی میں تصریح کی ہے تین دن تک بندھے رہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ اسلام لے آئیں گے۔ چنانچہ ان کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ ابن خزیمہ و ابو نعیم کی روایات میں ہے کہ حضور اکرم نے ثمامہ کو ابو طلحہ کے باغ میں غسل کرنے کا حکم دیا اور ان کے سر دھلا دیئے پھر انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور اسلام قبول کر لیا (عینی ج ۲ ص ۲۳۶)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ (۱) قیدی کو وقتی طور پر مسجد میں قید کرنا جائز ہے (۲) اسلام لاتے وقت غسل کرنا مستحب ہے

بَابُ الْخَيْمَةِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضَى وَغَيْرِهِمْ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ إِلَّا الدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ فَقَالُوا يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هٰذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ فَإِذَا سَعْدٌ يَغْذُو جُرْحُهُ دَمًا فَمَاتَ مِنْهَا (بخاری)

باب مسجد میں مریض وغیرہ کے لئے خیمہ لگانا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سعد ابن معا کو غزوہ خندق میں رگ اکحل میں تیر لگا۔ تو نبی کریم صلے علیہ وسلم نے مسجد میں ایک خیمہ لگا کر اس میں انہیں رکھا تا کہ نزدیک سے ان کی عیادت کر لیا کریں۔ پھر لوگوں کو اس وقت تشویش ہوئی جبکہ بنی غفار کے خیمہ کی طرف جو مسجد ہی میں تھا خون بہہ بہکر آنے لگا۔ انہوں نے کہا اے اہل خیمہ یہ کیا ہے کہ آرہا ہے۔ دیکھا تو حضرت سعد کے زخم سے خون بہہ رہا ہے آخر اسی زخم کی وجہ سے ان کا وصال ہوا

فوائد ومسائل

امام نے اس حدیث کو صلوٰۃ، مغازی، ہجرت میں اور مسلم نے مغازی میں۔ اور ابو داؤد نے جن اور نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ——— اکحل بروزن افعل اسے عرق الحیاۃ و بھی کہتے ہیں۔ انسان کے ہر عضو میں اس کی شاخ ہوتی ہے۔ ران میں جو شاخ ہے اسے عرق النسا ہے اسے اور ہاتھ کی کلائی میں ہے اسے اکحل کہتے ہیں۔ اس کے کٹ جانے کے بعد عموماً خون بند نہیں ہوتا ہے ہلاک ہو جاتا ہے (عینی ج ۲ ص ۲۸۱)

حضرت سعد بن معاذ

انصاری جلیل القدر اکابر اخیار صحابہ سے ہیں۔ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ مدینہ میں عقبہ وثانیہ کے درمیان اسلام لائے۔ انہیں کی وجہ سے بنی عبد الاشہل اور ان کے خاندان والے لائے۔ انصار کے خاندانوں میں یہ پہلا خاندان تھا جس نے اسلام قبول کیا۔ حضور علیہ السلام نے انہیں سید الانص دیا۔ غزوۂ بدر و احد میں شریک ہوئے اور جوانمردی کے ساتھ لڑے۔ جنگ خندق میں اکحل پر تیر لگا۔ خون بند نہ ایک ماہ بعد ۳۷ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے انتقا عرشِ الٰہی لرز گیا۔ ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

واضح ہو کہ حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ سفر میں جہاں قیام کرتے وہاں ایک جگہ نماز پڑھنے کے مخصوص فرما لیتے تھے۔ اس جگہ کو بھی اصحاب سیر مسجد ہی سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ مسجد فقہی نہیں ہوتی ہے۔ یہ و احزاب کا ہے جس میں مدینہ سے باہر نکل کر خندق کھودی گئی تھی۔ اور تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ کے لئے حضور علیہ السلام نے وہاں بھی کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر فرمائی تھی۔ اور حدیث زیر بحث میں جو حضرت سعد کے کا ذکر ہے وہ اسی جگہ پر تھا۔ چنانچہ خود امام بخاری نے ادب المفرد میں تصریح کی کہ رفیدہ ایک خاتون تھی جو زخمیوں کا علاج کر حضرت سعد انہیں کے پاس علاج کے لئے رکھے گئے تھے (اصابہ)

ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کا ایک خیمہ مسجد نبوی کے پاس ہی تھا اسی میں وہ بیماروں اور زخ علاج کرتی تھیں۔ بخاری میں بھی رفیدہ کے خیمہ اور جراحت خانہ کا ذکر ہے ——— نیز مسجد نبوی اس زمانہ میں ایسی نہ تھی

اب ہے۔ اس کا کل رقبہ جو ہاتھ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں بیماروں، مسافروں اور وفود کے خیموں کی گنجائش کہاں ہو گی۔ لہٰذا قرائن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ خیمہ مسجد نبوی میں نہ تھا بلکہ غزوۂ احزاب کے موقع پر حضور علیہ السلام نے جو نماز پڑھنے کے لئے جگہ مقرر فرمائی تھی یہ خیمہ بھی اسی جگہ تھا۔ فافہم

بَابُ إِدْخَالِ الْبَعِيرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ

(۱) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعِيرٍ

(۲) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَشْتَكِي قَالَ طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ (بخاری)

باب کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں اونٹ کو لانا

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اونٹ پر بیت اللہ کا طواف کیا۔

(۲) حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں بیماری کی وجہ سے پیدل طواف نہیں کر سکتی۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے پیچھے سواری پر طواف کر تو میں نے اونٹ پر طواف کیا۔

فوائد و مسائل تعلیق اول کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور امام نے مسنداً باب من اشار الی الرکن کتاب الحج میں ذکر کیا ہے کہ جب حضور علیہ السلام فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف لائے تو طبیعت ناساز تھی لہٰذا آپ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔ سواری پر طواف کرنے کی ایک وجہ تو طبیعت کی ناسازی تھی اور حضرت جابر سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے سواری پر اس لئے طواف کیا تاکہ لوگ آپ کو ارکان ادا کرتے ہوئے دیکھ لیں، طواف کے مسائل جان جائیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو مریض خود طواف نہ کر سکے تو سواری وغیرہ پر طواف کر سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ کوئی شخص مریض کو اٹھا لے اور طواف کرا دے ——— حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ طواف کعبہ کے ارد گرد ہوتا ہے اور کعبہ مسجد حرام میں ہے لہٰذا اونٹ اور حلال جانوروں کو ضرورۃً مسجد میں داخل کرنا جائز ہے ——— لیکن اس میں نظر ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں صرف کعبہ کی عمارت موجود تھی اس کے ارد گرد کوئی عمارت نہ تھی۔

حدیث دوم کو امام نے صلوٰۃ، تفسیر اور حج میں ذکر کیا۔ مسلم، ابو داؤد و ابن ماجہ نے حج میں اور تفسیر میں ——— اس حدیث سے ثابت ہوا کہ (۱) معذور سواری پر طواف کر سکتا ہے۔ سواری پر طواف کرنے والے کو لوگوں کے گذرنے کی جگہ سے الگ ہٹ کر طواف کرنا چاہیئے تاکہ عام لوگوں کو تکلیف نہ ہو (۲) عورتیں طواف میں مردوں کے پیچھے رہیں خلط ملط نہ ہوں۔

بَابٌ - إِنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَأَحْسِبُ الثَّانِيَ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيئَانِ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتَّى أَتَى أَهْلَهُ (بخاری)

باب ——— حضرت انس کا بیان ہے کہ صحابہ میں سے دو شخص ایک عباد بن بشر اور دوسرے غالباً اسید بن حضیر تھے حضور علیہ السلام کی مجلس سے اندھیری رات میں اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو ان کے ساتھ دو شمعیں ہو گئیں جو ان کے آگے روشنی کرنے لگیں۔ اور جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک شمع ہو گئی یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔

یہ باب بلا عنوان ہی ہے۔ اور حدیث ہذا کی ابواب مساجد سے مناسبت یہ ہے کہ صحابہ کرام اندھیری راتوں میں بھی مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے تھے اور نماز کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ حدیث ابوداؤد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگوں کو قیامت کے دن نور کامل کی بشارت دے دو جو اندھیری راتوں میں نماز کے لئے مسجد میں آتے ہیں ——— یہ دونوں صحابی جب رات گئے مسجد سے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے تو دو شمعیں روشن ہو گئیں یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اور ان دونوں صحابیوں کی کرامت کہ فیض صحبت نبوی و اتباع سنت کی وجہ سے ان کا یہ اکرام ہوا کہ غیب سے نوری شمعیں آگئیں۔ جن کی روشنی میں یہ دونوں صحابی بخیریت تمام اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے ——— امام نے اس حدیث کو علامات النبوت و منقبت اسید بن حضیر و انصار میں بھی ذکر کیا ہے ——— حدیث ہذا کے زیر تحت علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ جو لوگ کرامات کے منکر ہیں اس حدیث میں ان کا رد ہے۔ اور اس طرح کے متعدد واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

(۱) حضرت قتادہ جب شب کو مجلس نبوی سے واپس ہوئے تو ان کے ہاتھ کی لاٹھی روشن ہو گئی (رواہ ابن عساکر)

(۲) حضرت ابو عبس حضور علیہ السلام کے پیچھے پانچوں نمازیں پڑھ کر جاتے تو ان کا عصا روشنی دیتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دار بنی حارثہ تک پہنچ جاتے۔ بیہقی وغیرہ وغیرہ (عینی ج ۲ ص ۱۳۱)

بَابُ الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِي الْمَسْجِدِ

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ فَقُلْتُ فِي نَفْسِي مَا يُبْكِي هٰذَا الشَّيْخَ إِنْ يَكُنِ اللّٰهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْعَبْدَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَا تَبْكِ إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ (بخاری)

باب مسجد کی طرف باری رکھنے اور راستہ بنانے کے متعلق

حضرت ابو سعید خدری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں فرمایا۔ اللہ سبحانہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو دنیا میں رہے یا جو اللہ کے پاس ہے اسے اختیار کرے۔ تو اس بندے نے وہ اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہے۔ یہ سن کر سیدنا ابوبکر رونے لگے میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بوڑھے کیوں روتے ہیں۔ اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا و آخرت دونوں میں سے جس کو وہ چاہے اختیار دیا ہے اس نے اللہ کے پاس جو ہے اسے اختیار کیا اس میں مجھے معلوم ہوا کہ اس بندے سے مراد نبی علیہ السلام کی ذات ہے اور ابوبکر ہم سب میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر، روؤ مت سب لوگوں میں کسی کے مال اور صحبت کا احسان مجھ پر اتنا نہیں جتنا کہ ابوبکر کا ہے اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا۔ تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اسلامی محبت و اخوت ہے ——— مسجد کی طرف کسی کی کھڑکی باقی نہ رہے گی اس کو بند کر دو سوائے ابوبکر کے دروازہ کے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے فضائل ابوبکر میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے فضائل میں ——— خیر کے لفظ سے ہوا کہ حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالے نے آپ کو یہ اختیار دیا کہ چاہیں تو دنیا میں جلوہ فرما رہیں اور چاہیں تو رفیق اعلیٰ کو اختیار کر لیں (۲) ابوبکر اعلمنا صحابہ کرام میں سب سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک مبہم بات کہی تھی جسے کوئی نہ سمجھ سکا مگر صدیق اکبر سمجھ گئے (۳)

سے واضح ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کے فضائل اور حقوق ایسے ہیں جن میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہے۔ ترمذی کی حدیث میں فرمایا جس کسی نے ہم پر احسان کیا اس کا بدلہ ہم نے دے دیا مگر صدیق کے احسانات ہم پر باقی ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کا بدلہ دے گا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا ابوبکر صدیق اکبرؓ کے حق میں مذکورہ بالا مقدس الفاظ ارشاد فرمانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہی تو وہ بات ہے جس کی وجہ سے پوری امت نے حضرت صدیق اکبر کو افضل الخلائق بعد الانبیاء تسلیم کیا ہے ——— علامہ قرطبی نے کہا امن الناس علی امتنان سے ہے یعنی مقصود کلام یہ ہے کہ صدیق اکبر کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ اگر کسی اور کے اتنے ہوتے تو وہ مجھ پر احسان جتاتا ———

——— علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: امتنان "احسان رکھنے" کے معنی صحیح نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام پر کسی کا احسان نہیں اور سارے جہان پر حضور کے احسانات ہیں۔ لہٰذا امن الناس کے معنی یہ ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت مجھ پر بہت ہے جان اور مال دونوں سے:

تخذت خلیلا یہاں خلۃ سے مراد وہ خلۃ ہے جو عبد و معبود کے درمیان ہوتی ہے۔ جو عبد و عبد کے درمیان نہیں ہو سکتی۔ مقصود کلام یہ ہے کہ میرا خلیل صرف ایک خدا ہے۔ اور یہ انحصار بحسب لغت نہیں بحسب ارادہ نبوی ہے۔ فافہم

غرضکہ مطلب ارشاد یہ ہے کہ ساری امت میں صرف ابوبکر ہی لائق خلت تھے۔ لیکن ان کا خلیل ہونا ممکن نہیں کیونکہ خلیل ایک ہی ہوتا ہے۔ اور وہ میرا رب ہے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے جناب عائشہ و صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق فرمایا: یہ دونوں میرے محبوب ہیں۔

یبقین غالباً ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حجرہ کا دروازہ بھی مسجد کی طرف کھلا رہنے کی اجازت دی تھی مگر مرض وصال میں حضرت علیؓ کے دروازہ کو بھی بند کر دینے کا حکم دیا صرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حجرہ کا دروازہ کھلا رہنے کی اجازت دی۔ اس سے سیدنا ابوبکر کی فضیلت ثابت ہوئی۔ اس طرف اشارہ بھی کہ خلافت بلافصل کے مستحق بھی حضرت ابوبکر ہیں ——— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کو راستہ بنانا یعنی اس میں سے ہو کر گزرنا جائز نہیں۔ ہاں امام مسجد کے لئے راستہ کھلا رکھ سکتے ہیں لیکن امام مسجد بھی صرف نماز کے لئے مسجد کے راستہ کو استعمال کرے۔ عام کام کاج کے لئے مسجد کو گزرگاہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اور باب صدیق اکبر کے کھلے رہنے کی اجازت خصوصیات سے ہے۔ جیسے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحالت جنابت مسجد میں آنا حضور علیہ السلام نے جائز قرار دیا تھا۔

بَابُ الْأَبْوَابِ وَالْغَلْقِ لِلْكَعْبَةِ وَالْمَسَاجِدِ

قَالَ لِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يَا عَبْدَ الْمَلِكِ لَوْ رَأَيْتَ مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبْوَابَهَا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مَكَّةَ فَدَعَا عُثْمَانَ بْنَ طَلْحَةَ فَفَتَحَ الْبَابَ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِلَالٌ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ ثُمَّ أَغْلَقَ الْبَابَ فَلَبِثَ فِيهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَجُوا قَالَ

باب کعبہ اور مسجد کے دروازوں کے متعلق

(۱) مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے کہا اے عبدالملک اگر تم ابن عباس کی مسجدیں اور ان کے دروازے دیکھتے!

(۲) حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے تو آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا انہوں نے بیت اللہ کا دروازہ کھولا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بلال اور اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ بیت اللہ میں داخل ہوئے پھر دروازہ بند کر دیا گیا اور آپ کعبہ کے اندر تھوڑی دیر ٹھہرے پھر باہر تشریف

ابْنُ عُمَرَ فَبَدَرْتُ فَسَأَلْتُ بِلَالًا فَقَالَ صَلَّى فِيهِ فَقُلْتُ فِي أَيٍّ فَقَالَ بَيْنَ الْأُسْطُوَانَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَذَهَبَ عَلَيَّ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلَّى (بخاری)

الخ ابن عمر نے کہا یہ خبر سن کر میں لپکا اور بلال سے پوچھا آپ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی؟ انہوں نے جواب دیا ہاں! میں نے کہا کون سی جگہ، انہوں نے کہا دونوں ستونوں کے درمیان ابن عمر کہ یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔

فوائد و مسائل تو روایت میں اگر لو تمنی کے لئے ہو تو پھر جواب محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور دوسری صورت ہے کہ جواب شرط محذوف ہو۔ اب معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم حضرت ابن عباس کے زمانہ میں ہوتے کی مسجدوں کو دیکھ کر تعجب کرتے جتنی ان مسجدوں کے دروازے تھے اور وہ نہایت عمدہ اور پختہ بنی ہوئی تھیں۔

حدیث دوسری امام نے مغازی میں بھی ذکر کیا اور ابوداؤد، مسلم، ابن ماجہ و نسائی نے کتاب الحج میں

عثمان بن طلحہ عثمان بن طلحہ صحابی رسول عبدری حجبی ہیں۔ صلح حدیبیہ میں مسلمان ہوئے۔ ان کے والد جنگ احد کفر پر قتل ہوئے۔ کعبہ کی سدانت و حفاظت اور تالا و کنجی وغیرہ انہیں کی تحویل میں تھی۔ فتح مکہ کے دن ان کو بلایا تو انہوں نے آکر دروازہ کھولا۔ حضور اکرم علیہ السلام نے ان کو اور ان کے چچا کے بیٹے شیبہ کو فرمایا: کعبہ لے لو۔ کوئی ظالم ہی تم سے چھینے تو چھینے۔ پھر یہ مدینہ چلے گئے۔ وصال نبوی کے بعد مکہ آگئے۔ اور مکہ ہی میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس حدیث کو ذکر کر کے امام نے یہ واضح کیا ہے کہ مسجد حرام (بیت اللہ) کے لئے دروازہ و تالا و کنجی جائز ہے تو دیگر مساجد کے لئے بطریق اولیٰ جائز تھا اور یہی محل عنوان ہے:

بَابُ دُخُولِ الْمُشْرِكِ فِي الْمَسْجِدِ

باب مسجد میں مشرک کے داخلے کے متعلق

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے جو اوپر گزر چکی ہے جس میں یہ آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ث کو نجد سے پکڑوا کر منگوایا اور صحابہ نے اُسے مسجد کے ستون سے باندھ دیا تھا ———— اس حدیث سے امام نے بتا تعلیم کے لئے یا کسی ضرورت کے لئے مشرک کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے۔ حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مس کے علاوہ باقی مساجد میں ٹھہرانا جائز ہے اور مالکیہ کے نزدیک مطلقاً منع ہے۔

بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسْجِدِ

باب مسجد میں آواز بلند کرنے کے متعلق

امام نے اس عنوان کے ماتحت دو حدیثیں لکھی ہیں:-

(۱) عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ

سائب ابن یزید کہتے ہیں: میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری میں نے دیکھا تو فاروق اعظم تھے۔ فرمایا: جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ میں ان کو لے آیا۔ آپ نے فرمایا: تم کون ہو یا کہاں کے رہنے والے ہو۔ انہوں نے کہا: طائف کے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم اس شہر (مدینہ) کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سخت سزا دیتا تم مسجد

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی آواز بلند کرتے ہو۔

دوسری حدیث وہی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرت کعب نے ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا طالبہ کیا اور اس دوران میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی آوازوں کو سُنا ب سے فرمایا کہ آدھا قرض معاف کردو ——— ان دونوں حدیثوں سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ مسجد میں سے گفتگو کرنا ضرورۃً جائز ہے اور بلا ضرورت چیخنا چلانا ممنوع ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ جو شخص لاعلمی کی وجہ سے کوئی خلاف کرے تو اسے نرمی کے ساتھ سمجھا دینا چاہیئے اور اشتباہ سے وہاں جائے تو درگذر کرنا چاہیئے؛

بَابُ الْحِلَقِ وَالْجُلُوْسِ فِی الْمَجْلِسِ

باب مسجد میں حلقہ باندھ کر اور یونہی بیٹھنے کے متعلق

عنوان بالا سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ذکر الٰہی، تسبیح و تہلیل، وعظ و تذکیر کے لئے مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنا اور منبر پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت ہے ——— اس عنوان کے ماتحت امام نے چند حدیثیں لکھی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) حضور علیہ السلام منبر پر جلوہ فرما تھے کہ ایک شخص نے تہجد کی نماز کے متعلق سوال کیا اور آپ نے جواب دیا۔

(۲) حضور اکرم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے رات کے نوافل کے متعلق سوال کیا

(۳) ایک شخص نے حضور علیہ السلام کو آواز دی اور آپ مسجد میں جلوہ فرما تھے۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جلوہ فرما تھے کہ تین شخص آئے الخ یہ حدیث کتاب العلم میں گذر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض الباری اول۔ اور باقی حدیثیں آئندہ صفحات میں آرہی ہیں۔ اور ان پر مکمل بحث ہوئی ہے۔ اس لئے ہم نے صرف ت پر اکتفا کیا۔

بَابُ الْاِسْتِلْقَاءِ فِی الْمَسْجِدِ

اَنَّہٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِیًا فِی الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدٰی رِجْلَیْہِ عَلَی الْاُخْرٰی (بخاری) وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ کَانَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ یَفْعَلَانِ ذٰلِکَ (بخاری)

باب مسجد میں چت لیٹنے کے متعلق

عبد اللہ بن زید کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ٹانگ پر پاؤں رکھے ہوئے دیکھا سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر و عثمان بھی ایسا کرتے تھے۔

د مسائل حدیث مذکورہ کو ہم نے لباس و استیذان میں، مسلم نے لباس میں، ابوداؤد نے ادب میں، ترمذی نے استیذان میں اور نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ——— اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بضرورت مسجد میں چت اور ہیئت پر لیٹ جانا جائز ہے۔ اور حدیث جابر ابن عبد اللہ میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹنے کی جو ممانعت آئی اس صورت میں ہے جب کہ ستر کھلنے کا اندیشہ ہو۔

بَابُ الْمَسْجِدِ یَکُوْنُ فِی الطَّرِیْقِ مِنْ غَیْرِ ضَرَرٍ بِالنَّاسِ فِیْہِ وَبِہٖ قَالَ الْحَسَنُ وَاَیُّوْبُ وَمَالِکٌ

اَنَّ عَائِشَۃَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَیَّ اِلَّا وَهُمَا یَدِیْنَانِ الدِّیْنَ وَلَمْ یَمُرَّ عَلَیْنَا یَوْمٌ اِلَّا یَاْتِیْنَا فِیْہِ

باب راستہ میں مسجد بنانا جبکہ لوگوں کو نقصان نہ پہنچے ——— امام حسن بصری و ایوب و امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت عائشہ رضی حضور علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے فرمایا: جب میں سن شعور کو پہنچی۔ تو میں نے اپنے ماں باپ کو دیندار مسلمان پایا اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ اس میں حضور علیہ السلام

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَّعَشِيَّةً ثُمَّ بَدَا لِاَبِيْ بَكْرٍ فَابْتَنٰى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهٖ فَكَانَ يُصَلِّيْ فِيْهِ وَيَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَيَقِفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَبْنَاؤُهُمْ يَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ رَجُلًا بَكَّاءً لَا يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ اِذَا قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاَفْزَعَ ذٰلِكَ اَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (بخاری)

ہمارے ہاں تشریف لاتے ہوں صبح و شام آپ دو وقت تشریف لاتے پھر حضرت ابوبکر ؓ کو خیال ہوا تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا لی۔ وہ وہاں نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے مشرکوں کی عورتیں اور بچے کھڑے ہو کر سنتے اور تعجب کرتے اور انہیں قرآن پڑھتے ہوئے دیکھتے۔ اور ابوبکر رقیق القلب آدمی تھے جب قرآن پڑھتے تو اپنے آنسو نہ روک سکتے۔ یہ حال دیکھ کر قریش کے رئیس گھبرا گئے۔

فوائد و مسائل مقصود عنوان یہ بتانا تھا کہ راستہ میں مسجد بنانا جائز ہے جبکہ لوگوں کو ضرر نہ ہو۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مسجد بنائی وہ ان کے گھر کے راستہ کی طرف تھی —— اپنی ملک میں مسجد بنانا بالاجماع جائز ہے اور ملک غیر میں جائز نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مسجد دین کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے بنائی وہ وہاں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے جی بھر آتا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ مشرک عورتیں اور بچے اس منظر کو دیکھ کر متاثر ہوتے۔ اس پر رؤسا قریش کو خوف ہوا کہ کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے قرآن سن کر ان کی عورتیں اور بچے مسلمان نہ ہو جائیں۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِيْ مَسْجِدِ السُّوْقِ

باب بازار کی مسجد میں نماز پڑھنے کے متعلق

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض بازار ہیں۔ اب شبہ پیدا ہوتا تھا کہ بازار کی مسجد میں نماز نا جائز ہو۔ امام نے عنوان مذکورہ سے یہ واضح کیا کہ مسجد جہاں بھی ہو وہ خیر و برکت ہی کی جگہ قرار پائے گی۔

وَصَلَّى ابْنُ عَوْنٍ فِيْ مَسْجِدٍ فِيْ دَارٍ يُغْلَقُ عَلَيْهِمُ الْبَابُ

اور ابن عون نے مسجد میں نماز پڑھی جو گھر میں تھی اور اس کے دروازے لوگوں پر بند کئے

اس روایت سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا کہ جب گھر کی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے تو بازار کی مسجد میں جائز ہونا چاہیئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو عنوان سے مناسبت نہیں ہے۔

اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمِيْعِ تَزِيْدُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَصَلٰوتِهٖ فِيْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَاَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيْدُ اِلَّا الصَّلٰوةَ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَّحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِيْ صَلٰوةٍ مَّا كَانَتْ تَحْبِسُهٗ وَتُصَلِّي الْمَلٰٓئِكَةُ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُؤْذِ بِحَدَثٍ فِيْهِ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا گھر میں اور بازار میں نماز پڑھنے سے ۲۵ درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ کیونکہ تم میں سے جب کوئی اچھی طرح وضو کرتا ہے اور مسجد میں نماز کے قصد سے جاتا ہے۔ تو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک درجہ بلندی عطا فرماتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ اور جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے اور نماز کے انتظار میں جب تک مسجد میں رہتا ہے اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا ہے اور جب تک اس جگہ بیٹھا ہے جہاں وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں الٰہی اس کو بخش دے الٰہی اس پر رحم فرما حتی کہ وہ بے وضو ہو کر فرشتوں کو ایذا دے۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو فضل جماعت میں۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بازاروں میں مسجد نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے جو شخص بازار میں نماز پڑھتا تو وہ اکیلا پڑھتا تھا۔ بہر حال حدیث ہٰذا میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ۲۵ درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ کیونکہ اکیلے نماز پڑھنے میں متعدد ثوابوں سے آدمی محروم ہو جاتا ہے جو یہ ہیں مسجد کا ثواب۔ جماعت کا ثواب۔ مسجد کی طرف نماز کے لئے جانے کا ثواب۔ پھر مسجد میں نماز کے انتظار کے لئے بیٹھنے کا ثواب۔ اور یہ وہ ثواب ہیں جن سے وہ شخص محروم رہ جاتا ہے جو اکیلا گھر میں یا دوکان میں نماز پڑھتا ہے۔

فائدہ: عنوان سے مناسب حدیث کے یہ جملے صلاتہ فی سوقہ ہیں۔ اس سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ جب بازار میں اکیلے نماز پڑھنا درست ہے تو نماز باجماعت ادا کرنے بازار میں مسجد بنانا بطریق اولی جائز ہوگی۔

بَابُ تَشْبِيْكِ الْاَصَابِعِ فِي الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهٖ

قَالَ شَبَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ

عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَشَبَّكَ اَصَابِعَهٗ (بخاری)

باب مسجد و غیر مسجد میں انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالنے کے متعلق

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں میں تشبیک کی۔

حضرت ابو موسیٰ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جو ایک دوسرے کو تھامے ہوتی ہے اور آپ نے اپنی انگلیوں میں تشبیک کی

فوائد و مسائل یہ اور اس کے بعد جو حدیث ہے اس سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے۔ کہ مسجد میں تشبیک جائز ہے بعض احادیث میں تشبیک کی ممانعت آئی ہے۔ ابن منیر نے کہا بلا فائدہ اگر کوئی تشبیک کرے تو منع ہے لیکن اگر وعظ و نصیحت کے دوران مثال دینے اور بات سمجھانے کے لئے تشبیک کی جائے تو جائز ہے۔ لہٰذا جن حدیثوں میں تشبیک کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے مراد بلا وجہ تشبیک ہے۔ فافہم (عینی ج ۲ صہ ۴۵۴)

تشبیک کے معنی ہیں۔ ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر لینا ——— حدیث زیر بحث کو امام نے ادب اور مظالم میں، مسلم نے ادب میں، ترمذی نے بر میں اور نسائی نے زکوٰۃ میں ذکر کیا۔ اس حدیث میں مسلمانوں کو باہم اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے جیسے ایک دیوار دوسری دیوار کے لئے اور ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لئے مضبوطی کا باعث ہوتی ہے یہی شان مسلمان کی ہونی چاہیئے کہ وہ دوسرے مسلمان کے لئے تقویت کا باعث بنے نہ کہ تخریب و تفریق کا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰى صَلٰوتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ قَدْ سَمَّاهَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ اَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَاَ عَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتِ السَّرَعَانُ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قَصُرَتِ الصَّلٰوةُ

حضرت ابو ہریرہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دونوں نمازوں میں سے ایک نماز پڑھائی۔ ابن سیرین نے کہا کہ ابو ہریرہ نے اس نماز کا نام بھی لیا تھا مگر میں بھول گیا۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ حضورؐ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا پھر آپ ایک لکڑی کی طرف گئے جو مسجد میں اڑی پڑی ہوئی تھی آپ نے اس سے ٹیک لگایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ غصہ میں ہیں۔ اور آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور انگلیوں میں تشبیک کی اور اپنے رخسار کا دایاں بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھا اور جو لوگ جلد باز تھے وہ مسجد سے باہر چلے گئے تب لوگوں نے آپس میں کہا کیا نماز میں کمی ہو گئی۔

وَفِي الْقَوْمِ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَسِيْتَ أَمْ قَصُرَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ أَكَمَا يَقُوْلُ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ فَرُبَّمَا سَأَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُوْلُ نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ

(بخاری)

اس وقت ان لوگوں میں ابوبکر و عمر بھی تھے مگر وہ حضورؐ سے بات کرنے میں ڈرے اور لوگوں میں ایک شخص جن کے ہاتھ کچھ لمبے تھے اس کو ذوالیدین کہتے تھے وہ بول اٹھا یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز کم ہو گئی حضورؐ نے فرمایا نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا ذوالیدین صحیح کہتا ہے لوگوں نے عرض کی جی ہاں یہ سن کر آپ آگے بڑھے اور جتنی نماز چھوڑ دی تھی وہ ادا فرمائی۔ پھر آپ نے سلام پھیرا اور پھر اللہ اکبر کہا اور سجدہ سہو کیا عام سجدوں کی طرح یا ان سے کچھ لمبا پھر آپ نے سر اٹھایا اللہ اکبر کہہ کر دوسرے سجدے میں گئے۔ یہ سجدہ بھی عام سجدوں کی طرح تھا یا اس سے کچھ طویل پھر آپ نے سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا ابن سیرین سے کئی بار لوگوں نے پوچھا کہ سجدہ سہو کے بعد آپ نے سلام پھیرا تو انہوں نے کہا مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصین نے اس حدیث میں کہا کہ پھر آپ نے سلام پھیرا

فوائد و مسائل حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) سہو کے سجدے دو ہیں (۲) سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے (۳) حدیث زیر بحث سے یہ استدلال کیا گیا کہ اگر کوئی سہواً بجائے چار رکعت کے دو رکعت پڑھ جاوے۔ پھر بات کرے یا مسجد سے نکل آئے یا نماز کی جگہ سے ہٹ جائے پھر اسے معلوم ہو کہ بجائے چار کے دو رکعت پڑھی گئی ہیں۔ تو اس صورت میں از سرِ نو نماز کی ضرورت نہیں بلکہ باقی ماندہ نماز پوری کر کے سجدہ سہو کرلے نماز درست ہو جائے گی ——— اور احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے۔ اگر بھولے سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور اسی جگہ قبلہ کو منہ کئے ہوئے بیٹھا ہے اور کلام بھی نہیں کیا ہے یا قبلہ سے منہ ہٹا لیا مگر مسجد ہی میں ہے اور کلام نہیں کیا ہے۔ تو اس صورت میں باقی ماندہ نماز پوری کر کے سجدہ سہو کرلے لیکن اگر کلام کیا یا مسجد سے باہر نکل گیا۔ تو اب نماز فاسد ہو جائے گی از سرِ نو پڑھے۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ حدیث زیر بحث منسوخ ہے۔ کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھولے سے دو رکعت پڑھائیں اور سلام پھیر دیا پھر وہاں سے ہٹ گئے اور بات کی تو آپ نے از سرِ نو نماز پڑھی تھی اور انہوں نے یہ کام صحابہ کے سامنے کیا اور کسی نے اعتراض نہ کیا اس سے واضح ہوا کہ حدیث زیر بحث منسوخ ہے ——— اسی طرح اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا کہ نماز میں سہواً کلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ یہ اس زمانے کا معاملہ ہے جبکہ نماز میں کلام کرنے کی ممانعت نہیں آئی تھی۔ زیادہ تفصیل کے لئے فیوض الباری پارہ دوم دیکھئے :

حضورؐ سے بات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی !

علامہ نووی نے اسی حدیث کے ماتحت لکھا ہے کہ زیر بحث حدیث میں یہ ہے کہ صحابہؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بات کی اور یہ مسئلہ متفقہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام سے بات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، علامہ نووی علیہ الرحمۃ کے اصل الفاظ یہ ہیں

ان هذا خطابٌ للنبی صلی اللہ علیه وسلم وجوابا وذلك لاتبطل عندنا ولا عند غیرنا

اس حدیث کے بقیہ مسائل کے لئے فیوض الباری پارہ دوم ص۱۲۰ ملاحظہ کیجئے۔

بُ الْمَسَاجِدِ الَّتِيْ عَلٰى طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ وَ ضِعِ الَّتِيْ صَلّٰى فِيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ان مسجدوں کے متعلق جو مدینہ کے راستوں پر اور ان مقامات پر واقع ہیں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی

ع ہو کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب سفر کے لئے روانہ ہوتے یا کسی معرکہ میں شرکت فرماتے تو تہ وہاں نماز پڑھنے کے لئے ایک جگہ مخصوص فرما لیتے تھے۔ اصحاب سیر ان مخصوص جگہوں کو مسجد ہی موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ ہیں بنتی تھی۔ سفر میں حضور علیہ السلام نے جس جگہ نماز پڑھی۔ صحابہ کرام نے ان مقامات پر بطور یادگار اور تبرک کے لئے مسجد مکہ و مدینہ میں اس قسم کی مساجد آج بھی موجود ہیں۔

وسٰی بن عُقْبَةَ قَالَ رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَتَحَرّٰى أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيْقِ فَيُصَلِّيْ فِيْهَا وَيُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْهَا وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ وَحَدَّثَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ وَسَأَلْتُ سَالِمًا فَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا وَافَقَ نَافِعًا فِي الْأَمْكِنَةِ كُلِّهَا إِلَّا أَنَّهُمَا اخْتَلَفَا فِيْ مَسْجِدٍ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ (بخاری)

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ مدینہ و مکہ کے راستوں میں متعدد جگہوں کو ڈھونڈھ کر وہاں نماز پڑھتے اور فرماتے کہ ان کے باپ عبداللہ بن عمر وہاں نماز پڑھا کرتے تھے اور عبداللہ بن عمر نے ان مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا مجھ سے نافع نے بیان کیا انہوں نے ابن عمر سے کہ وہ ان مقامات میں نماز پڑھتے تھے اور میں نے سالم سے ان مقامات کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے وہی مقام بتائے جو نافع نے بتائے تھے مگر شرف روحا کی مسجد کے متعلق دونوں نے اختلاف کیا۔

د مسائل اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ صالحین کے آثار سے برکت لینا اور اسے متبرک سمجھنا جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ و مدینہ کے ان مقامات کو ڈھونڈھ کر نماز ادا کرتے تھے، جہاں حضور سید عالم علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔

لحین سے برکت حاصل کرنا جائز ہے کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے اسی حدیث کے ماتحت لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے تو ان مقامات پر اتفاقاً نماز پڑھی تھی، لہٰذا اگر کسی کو ان مقامات پر اتفاقاً نماز کا ئے تو پڑھ لے۔ اور لیکن ایسے مقامات کو ڈھونڈھ کر وہاں نماز پڑھنا درست نہیں ——— لیکن یہ ظاہر ہے۔ ابن تیمیہ حضرت عبداللہ بن تعالیٰ عنہ سے تو نہیں بڑھ سکتے، جب ایک جلیل القدر صحابی نے ان مقامات پر برکت کے حصول کے لئے قصد کر کے نماز پڑھی تو ز میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس پر بھی اگر ابن تیمیہ مستحق کریں تو یہ ان کی ذاتی رائے ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر کے مقابل اس حیثیت نہیں۔ علاوہ ازیں ایک حضرت عبداللہ بن عمر کیا متعدد صحابہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ سے ل کی ہے۔ متعدد صحابہ کرام حضور علیہ السلام کو محض اس لئے اپنے گھر لے گئے تاکہ حضور علیہ السلام وہاں کسی جگہ نماز ادا کریں اور صحابہ نے بطور تبرک نماز پڑھنے کے لئے مقرر کر لیا کیا یہ سب صحابہ غلطی پر تھے؟

اسی طرح سالم بن عبد اللہ حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمر ہے۔ قریشی عدوی فقہائے مدینہ سے ہیں اور تابعین کے سرخیل ہیں۔ سنہ ۱۰۶ھ میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ یہ بھی ان مقامات کا قصد نماز پڑھتے تھے۔ جہاں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحضور رب العالمین اپنی جبین نیاز جھکائی تھی پھر صحابہ میں سے کسی نے ن کے فعل پر اعتراض بھی نہیں کیا جو اجماع صحابہ کی دلیل ہے۔

شرف الروحا

اختلفاتی شرف الروحا ———— یہ ایک مقام ہے جو مدینہ سے ۳۶ میل پر واقع ہے (مسلم شریف
حضور علیہ السلام نے فرمایا شرف الروحا جنت کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔ اور مجھ سے پہ
کرام نے یہاں نماز پڑھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حج یا عمرہ کے ارادہ سے یہاں سے گزرے تھے۔ حضرت نافع اور
دونوں ان مواضع کے بتانے میں جس جگہ حضورؐ نے نماز ادا کی متفق ہے۔ صرف شرف الروحا کی مسجد میں مختلف ہوئے

حافظ ابن حجر و علامہ عینی نے لکھا کہ حضرت ابن عمرؓ ان مقامات پر جہاں حضورؐ نے نماز پڑھی سنت و متبرک جانتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے متعلق یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے ایک سفر میں دیکھا کہ لوگ ایک جگہ کی طرف دوڑے ج
پوچھا تو بتایا گیا اس جگہ نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی ہے۔ لوگ بھی وہیں نماز پڑھنے کے لئے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب
وقت یہاں آجائے تو پڑھ لو ورنہ گذر جاؤ۔ اہل کتاب اس لئے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے آثار انبیاء کو ڈھو
وہاں گرجے اور چرچ (واتخذوھا کنائس وبیعا) بنالئے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک روایت ہے جس کی سن
علاوہ ازیں اس سے آثار صلحا کی تعظیم و تکریم اور وہاں قصد کرکے جانے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ
حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے لکھا

قلت ان عمر انما خشی ان یلتزم الناس الصلوٰۃ فی تلک المواضع	حضرت عمرؓ نے یہ خیال کیا کہ بعض لوگ کہیں کو واجب نہ سمجھ لیں

اس سے واضح ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس جگ
اسلام یا کسی بزرگ نے نماز پڑھی ہے۔ اسی جگہ نماز پڑھنے کو فرض یا واجب سمجھنا ممنوع ہے لیکن بطور تبرک وہاں قص
نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ صحابہ کرام نے اس کو پسند فرمایا اور اس پر عمل کیا ہے (فتح الباری دیکھئے ج ۲)
بلکہ مستحب ہونا چاہیئے کیونکہ صحابہ نے آثار نبوی سے برکت حاصل کی ہے۔

فوائد و مسائل

حضرت نافع بن سرجس دیلمی اکابر تابعین سے ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ
ابن عمر و ابو سعید سے حدیث کی سماعت کی نہایت ثقہ راویوں میں ان کا شمار ہے۔ حضرت ا
کا بڑا حصہ انہیں سے مروی ہے۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں۔ جب نافع کے واسطے سے حدیث سن لی
اور راوی کے سننے سے بے فکر ہو جاتا ہوں۔ حضرت نافع کا لقب امام اعلم ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت
مصر کے لئے حدیث کا معلم مقرر کیا تھا۔ امام بخاری فرماتے ہیں اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عم
حضرت نافع کا بیان ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے حضرت ابن عمر سے مجھے بارہ ہزار درہم میں اور ابن عا
میں خریدنا چاہا تو حضرت ابن عمر نے انکار کر دیا اور مجھے للہ آزاد فرما دیا۔ آپ نے فرمایا میں نے ۳۰ سال حضرت ابن عمرؓ کی
ان سے علم حاصل کیا۔ حضرت نافع نے ۱۱۷ھ میں وفات پائی (اکمال تذکرۃ الحفاظ)

(۲) حدیث زیر بحث دو حدیثوں پر مشتمل ہے جسے امام نے ایک ہی اسناد سے بیان کیا ہے۔ حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں ان
ذکر کیا ہے لیکن تیسری حدیث کو ذکر نہیں کیا اور مسلم نے آخری حدیث کو کتاب الحج میں ذکر کیا ہے۔

لغات حدیث: اس حدیث میں جو مشکل الفاظ آئے ہیں ان کے معنی یہ ہیں:-

ذوالحلیفہ: ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ۶ میل پر واقع ہے یہاں سے اہل مدینہ احرام باندھتے ہیں۔

کیکر کے درخت کو کہتے ہیں **بطحا** پانی بہنے کی جگہ **شفیر** کے معنی طرف کے ہیں۔
بطحا کی صفت ہے **تعریس** کے معنی رات کے آخر حصہ میں آرام کرنے کے لئے مسافر کا اترنا۔ **اکمۃ** ٹیلا۔
کا اطلاق بڑی اور چھوٹی دونوں نہروں پر آتا ہے اور بعض نے کہا خلیج اس وادی کو کہتے ہیں جس میں گہرائی ہو۔
ب جمع کثیب کی۔ ریت کا ٹیلا۔ حادو کے معنے ہٹ جانے کے ہیں۔ حافۃ کے معنی جانب۔ **ظرب** چھوٹا پہاڑ
ۃ **ضخمہ** بڑا درخت **رویثہ** ایک قریہ ہے جو مدینہ سے ۱۷ فرسخ پر واقع ہے۔ **تُجاہ** کے معنی مقابلہ
کشادہ جگہ — **سہل** **یفضی** افضاء کے معنی وصول۔ وصول اور خروج کے ہیں **قلعۃ**۔ مرتفع زمین
یک قریہ ہے۔ مدینہ کی طرف سے مکہ کے راستہ پر اس کے اور رویثہ کے درمیان ۱۲ میل کا فاصلہ ہے۔ **ھضیبۃ** ایک پہاڑ
زمین پر منبسط ہے۔ **رضم** بڑا پتھر یا اس کا ایک حصہ **سلمات**۔ بڑے پتھر۔ **روحا**۔ ایک موضع ہے۔ مدینہ سے
یک ذکرہ اسلم۔ **ھرشی** ایک پہاڑ ہے جو مدینہ اور شام کے راستہ کے درمیان واقع ہے اور جحفہ کے قریب ہے۔
ع الطوت **غلوۃ** کے معنی جہاں تیر جا کر گرے۔

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ حِينَ يَعْتَمِرُ وَفِي حَجَّتِهِ حِينَ حَجَّ تَحْتَ سَمُرَةٍ فِي مَوْضِعِ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ وَكَانَ إِذَا رَجَعَ مِنْ غَزْوَةٍ وَكَانَ فِي تِلْكَ الطَّرِيقِ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ هَبَطَ بَطْنَ وَادٍ فَإِذَا ظَهَرَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي عَلَى شَفِيرِ الْوَادِي الشَّرْقِيَّةِ فَعَرَّسَ ثَمَّ حَتَّى يُصْبِحَ لَيْسَ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِحِجَارَةٍ وَلَا عَلَى الْأَكَمَةِ الَّتِي عَلَيْهَا الْمَسْجِدُ كَانَ ثَمَّ خَلِيجٌ يُصَلِّي عَبْدُ اللّٰهِ عِنْدَهُ فِي بَطْنِهِ كُثُبٌ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَّ يُصَلِّي فَدَحَا فِيهِ السَّيْلُ بِالْبَطْحَاءِ حَتَّى دَفَنَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ الَّذِي كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُصَلِّي فِيهِ

وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى حَيْثُ الْمَسْجِدُ الصَّغِيرُ الَّذِي دُونَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَعْلَمُ الْمَكَانَ الَّذِي كَانَ

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارادہ عمرہ جاتے تھے اسی طرح جب حجۃ الوداع میں حج کے لئے جاتے تو ذوالحلیفہ میں اس ببول کے درخت کے نیچے قیام فرماتے جہاں اب مسجد ذوالحلیفہ ہے۔ اور آپ جب جہاد سے یا حج یا عمرہ سے واپس آتے اور اس راستہ میں ہوتے تو وادی عقیق کے نشیب میں اترتے جب وہاں سے اوپر چڑھتے تو اپنا اونٹ بطحا میں بٹھاتے جو وادی کے کنارے مشرق کی طرف ہے۔ پھر پچھلی رات کو یہاں آرام فرماتے صبح تک۔ یہ مقام اس مسجد کے پاس نہیں ہے جو پتھر کی بنی ہوئی ہے اور نہ اس ٹیلے پر جس پر مسجد ہے وہاں ایک گہرا نالہ تھا — عبداللہ بن عمر اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کے نشیب میں ریت کے ٹیلے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن پانی کے بہاؤ نے وہاں کنکریاں بچھائیں اور اس مقام کو پاٹ دیا۔ جہاں عبداللہ نماز پڑھتے تھے

اور عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی ہے۔ جہاں اب چھوٹی سی مسجد ہے۔ اس مسجد کے قریب جو شرف الروحا میں ہے اور عبداللہ بن عمر اس مقام کا پتہ بتاتے تھے جہاں

صَلَّى فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ثَمَّ عَنْ يَمِينِكَ حِينَ تَقُومُ فِي الْمَسْجِدِ تُصَلِّي وَذٰلِكَ الْمَسْجِدُ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيقِ الْيُمْنَى وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ الْأَكْبَرِ رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ أَوْ نَحْوُ ذٰلِكَ وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي إِلَى الْعِرْقِ الَّذِي عِنْدَ مُنْصَرَفِ الرَّوْحَاءِ وَذٰلِكَ الْعِرْقُ انْتِهَى طَرَفُهُ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيقِ دُونَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرَفِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ وَقَدِ ابْتُنِيَ ثَمَّ مَسْجِدٌ فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَسَارِهِ وَوَرَاءَهُ وَيُصَلِّي أَمَامَهُ إِلَى الْعِرْقِ نَفْسِهِ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرُوحُ مِنَ الرَّوْحَاءِ فَلَا يُصَلِّي الظُّهْرَ حَتَّى يَأْتِيَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ فَيُصَلِّي فِيهِ الظُّهْرَ وَإِذَا أَقْبَلَ مِنْ مَكَّةَ فَإِنْ مَرَّ بِهِ قَبْلَ الصُّبْحِ بِسَاعَةٍ أَوْ مِنْ آخِرِ السَّحَرِ عَرَّسَ حَتَّى يُصَلِّيَ بِهَا الصُّبْحَ

وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ تَحْتَ سَرْحَةٍ ضَخْمَةٍ دُونَ الرُّوَيْثَةِ عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ وَوِجَاهَ الطَّرِيقِ فِي مَكَانٍ بَطْحٍ سَهْلٍ حَتَّى يُفْضِيَ مِنْ أَكَمَةٍ دُوَيْنَ بَرِيدِ الرُّوَيْثَةِ بِمِيلَيْنِ وَقَدِ انْكَسَرَ أَعْلَاهَا فَانْثَنَى فِي جَوْفِهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ عَلَى سَاقٍ وَفِي سَاقِهَا كُثُبٌ كَثِيرَةٌ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي طَرَفِ تَلْعَةٍ مِنْ وَرَاءِ الْعَرْجِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى هَضْبَةٍ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ عَلَى الْقُبُورِ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ کہتے تھے جب تو مسجد میں نماز پڑھے تو وہ جگہ تیرے داہنے ہاتھ کی طرف پڑتی ہے۔ اور یہ چھوٹی مسجد داہنی راہ کے کنارے ہے جو داہنے ہے مکہ کو جاتے ہوئے اس میں اور بڑی مسجد میں ایک پتھر کی مار کا فاصلہ ہے یا اس سے کچھ کم یا زیادہ

اور عبداللہ بن عمر اس چھوٹی پہاڑی کی طرف نماز پڑھتے تھے جو روحا کے اخیر کنارے پر ہے اور یہ پہاڑی وہاں ختم ہوئی جہاں راستہ کا کنارہ ہے۔ اس مسجد کے قریب جو اس کے اور روحا کے آخری حصہ کے بیچ میں ہے۔ مکہ کو جاتے ہوئے اب وہاں ایک مسجد بن گئی ہے۔ تو عبداللہ بن عمر اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس مسجد کو اپنے بائیں اور پیچھے چھوڑ دیتے تھے اور اس کے آگے نماز پڑھتے تھے پہاڑی کی طرف۔ اور عبداللہ بن عمر رض سورج ڈھلنے کے بعد روحا سے چلتے تھے۔ پھر ظہر کی نماز جب تک اس مقام پر نہیں پہنچتے نہیں پڑھتے۔ جب وہ وہاں پہنچتے تو ظہر پڑھتے اور مکہ سے مدینہ جاتے اور صبح ہونے سے گھڑی بھر پہلے یا اخیر سحری کے وقت تک وہاں پہنچتے تو وہاں اترتے فجر کی نماز وہیں پڑھتے۔

اور عبداللہ بن عمر نے نافع کو بیان کیا۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک بڑے درخت سے اترتے جو رویثہ کے پاس ہے راستے کے داہنی طرف اور راستے کے سامنے کشادہ نرم ہموار جگہ میں یہاں تک کہ اس ٹیلے سے پار ہو جاتے جو رویثہ کے رستے سے دو میل کے قریب ہے اس درخت کا ایک حصہ ٹوٹ گیا ہے اور بیچ میں سے دوہرا ہو کر جڑ پر کھڑا ہے اس کی جڑ میں بہت سے ریت کے ٹیلے ہیں۔ اور عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ٹیلے کے کنارے پر نماز پڑھی ہے۔ جہاں سے پانی ہضبہ کو جاتے ہوئے اترتا ہے اس مسجد کے پاس دو یا تین قبریں ہیں۔ ان قبروں پر اوپر تلے پتھر رکھے

رَضْمٌ مِنْ حِجَارَةٍ عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ عِنْدَ سَلَمَاتِ الطَّرِيقِ بَيْنَ أُولَئِكَ السَّلَمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَرُوحُ مِنَ الْعَرْجِ بَعْدَ أَنْ تَمِيلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ فَيُصَلِّي الظُّهْرَ فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عِنْدَ سَرَحَاتٍ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ فِي مَسِيلٍ دُونَ هَرْشَى ذَلِكَ الْمَسِيلُ لَاصِقٌ بِكُرَاعِ هَرْشَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ قَرِيبٌ مِنْ غَلْوَةٍ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي إِلَى سَرْحَةٍ هِيَ أَقْرَبُ السَّرَحَاتِ إِلَى الطَّرِيقِ وَهِيَ أَطْوَلُهُنَّ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيلِ الَّذِي فِي أَدْنَى مَرِّ الظَّهْرَانِ قِبَلَ الْمَدِينَةِ حِينَ يَهْبِطُ مِنَ الصَّفْرَاوَاتِ يَنْزِلُ فِي بَطْنِ ذَلِكَ الْمَسِيلِ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ إِلَّا رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي طُوًى وَيَبِيتُ حَتَّى يُصْبِحَ يُصَلِّي الصُّبْحَ حِينَ يَقْدَمُ مَكَّةَ وَمُصَلَّى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ لَيْسَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّ وَلَكِنْ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ فُرْضَتَيِ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَبَلِ الطَّوِيلِ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّ يَسَارَ الْمَسْجِدِ بِطَرَفِ الْأَكَمَةِ وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْفَلَ مِنْهُ عَلَى الْأَكَمَةِ السَّوْدَاءِ تَدَعُ مِنَ الْأَكَمَةِ

ہوئے ہیں راستہ سے دائیں طرف ان بڑے پتھروں کے پاس جو راستے میں ہیں۔ ان کے بیچ میں عبداللہ بن عمر دوپہر کو سورج ڈھلنے کے بعد عرج سے چلتے۔ پھر ظہر کی نماز اس مسجد میں پڑھتے۔

اور عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان بڑے درختوں کے پاس اترے جو راستہ سے بائیں طرف ہرشی کے نالہ پر واقع ہے۔ یہ نالہ ہرشی کے کنارے سے مل گیا ہے اس میں اور راستہ میں ایک تیر کی مار کا فاصلہ ہے اور عبداللہ بن عمر اس بڑے درخت کی طرف نماز پڑھتے جو سب درختوں میں راستہ سے زیادہ نزدیک ہے اور سب سے اونچا ہے اور عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نالے میں اترا کرتے جو مرّ الظہران کے نشیب میں واقع ہے جو مدینہ کے سامنے صفراوات سے اترتے وقت آپ اس نالے کے نشیب میں اترتے راستہ سے بائیں طرف مکہ کو جاتے ہوئے حضورؐ جہاں اترا کرتے تھے۔ اس میں اور راستہ میں ایک پتھر کی مار کا فاصلہ ہوتا۔ اور عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذی طویٰ میں اترتے اور رات کو صبح تک وہیں رہتے صبح کی نماز پڑھ کر مکہ میں آتے اور ذی طویٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹیلے پر نماز پڑھتے۔ یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں اب مسجد بن گئی ہے۔ بلکہ اس سے نیچے اتر کر ایک سخت ٹیلہ ہے۔ اور عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان پہاڑوں کے دونوں کونوں کی طرف رخ کیا۔ جو کعبہ کی طرف آپ کے اور لمبے پہاڑ کے بیچ میں تھا تو عبداللہ بن عمر نے اس مسجد کو جو وہاں بن گئی ہے اس مسجد کے بائیں طرف کیا۔ جو ٹیلے کے کنارے پر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے ہے کالے ٹیلے پر۔ ٹیلے سے دس ہاتھ چھوڑ کر

عَشَرَةَ اَذْرُعٍ اَوْ نَحْوَهَا ثُمَّ تُصَلِّيْ مُسْتَقْبِلَ الْفُرْضَتَيْنِ مِنَ الْجَبَلِ الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ (بخاری)

یا اس سے کچھ کم و بیش وہاں نماز پڑھتے تو تیرا رخ پہاڑ کے دونوں کناروں کی طرف ہوگا یعنی اس پہاڑ کے جو تیرے اور کعبہ کے بیچ میں ہے!

حضرت علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ یہ ہیں وہ مقامات جہاں حضور علیہ السلام نے نماز ادا فرمائی۔ اور نے ان مقامات پر بطور تبرک نماز پڑھی —— اور اس باب میں حضرت عمرؓ سے جو مروی ہے کہ وہ اس کو مکروہ قرار د تو حضرت عمرؓ نے کروہ اس صورت میں قرار دیا ہے جبکہ کوئی ان مقامات پر نماز پڑھنے کو جن میں حضورؐ نے نماز پڑھی ہے فرض جانے۔ علامہ بغوی شافعی نے فرمایا کہ اگر کوئی ان مقامات پر نماز پڑھنے کی نذر مانے جن میں حضورؐ نے نماز پڑھی ہے تو اس نذ کرنا واجب ہے —— نیز جن مسجدوں کا اس حدیث میں ذکر ہے ان میں سے اکثر کے نشانات مٹ گئے ہیں البتہ مسجد ذو مساجد روحا کو وہاں کے باشندے اب تک جانتے پہچانتے ہیں (قسطلانی)

مساجد مدینہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ان مساجد کا ذکر کیا جو راہ مدینہ میں واقع ہیں اور جن میں حضورؐ نے نماز مساجد جو خاص مدینہ میں واقع ہیں اور جن میں حضورؐ نے نماز ادا فرمائی ان کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ بخاری کی شرط پر نہ تھی —— امام ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں لکھا کہ مدینہ میں نو مسجدیں ہیں جن میں حضورؐ نے نماز ادا فرمائی

(۱) مسجد بنی عمرو بن مبذول (۲) مسجد بنی ساعدہ (۳) مسجد بنی عبید (۴) مسجد بنی سلمہ (۵) مسجد بنی رائج
(۶) مسجد بنی زریق (۷) مسجد غفار (۸) مسجد اسلم (۹) مسجد جہینہ

اور ابوغسان نے علماء سے نقل کیا کہ مدینہ و اطراف مدینہ میں جتنی مسجدیں نقشی پتھروں سے بنی ہوئی ہیں ان حضورؐ نے نماز ادا فرمائی ہے۔ اور حضرت عمر ابن عبد العزیز نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسے تمام مقامات کو دریافت کیا نے نماز ادا فرمائی اور وہاں نقشی پتھر سے مسجدیں بنائیں اور عمر ابن شبہ نے تفصیل کے ساتھ ان مقامات کی نشاندہی کی۔ مشہور اس زمانے تک باقی تھیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) مسجد قبا (۲) مسجد فضیخ جو قبا کے مشرق کی طرف ہے (۳) مسجد بنی قریظہ (۴) مسجد مشربہ ام
مسجد بنی ظفر بقیع کے مشرق کی طرف ہے جسے مسجد بغلہ بھی کہتے ہیں (۶) مسجد بنی معاویہ جسے مسجد الاجابت بھی کہتے ہیں
جو سلع پہاڑ کے نزدیک ہے (۸) مسجد قبلتین جو بنی سلمہ میں ہے (عینی ج ۲ ص ۴۹۳۔ قسطلانی فتح الباری)

بَابُ سُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهُ

باب امام کا سترہ مقتدیوں کو بھی کافی ہے

اس عنوان کے تحت تین حدیثیں لکھی ہیں پہلی حدیث تو وہی ہے جو حج تعلیم و ترجمانی کے باب متی یصح سماع کتاب العلم فیوض الباری پارہ اول میں گزر چکی ہے۔ باقی دو حدیثیں یہ ہیں:۔

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ اَمَرَ بِالْحَرْبَةِ فَتُوْضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَاءَهُ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السَّفَرِ فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْاُمَرَاءُ (بخاری)

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے تشریف لیجاتے تو نیزہ کو برچھی لے چلنے کا حکم دیتے گاڑی جاتی آپ اس کی طرف نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے اور سفر میں بھی آپ ایسا ہی کرتے۔ چنانچہ امراء نے اس کے برچھی رکھنے کو عادت بنا لیا۔

عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي
يَقُولُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلَّى بِهِمْ بِالْبَطْحَاءِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ
الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ تَمُرُّ بَيْنَ
يَدَيْهِ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ (بخاری)

عون بن ابی جحیفہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے باپ سے سنا۔ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطحاء میں نماز پڑھائی اور آپ کے سامنے برچھی گاڑی ہوئی تھی ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں اور آپ کے آگے سے عورتیں اور حمار گزر رہے تھے۔

مسائل

حدیث اول کو مسلم و ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اور حدیث دوم کو امام نے صلوٰۃ میں متعدد بار اور اذان و صفۃ النبی و لباس وغیرہ میں اور مسلم، ابوداؤد و ترمذی ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر

حدیثیں مسائل ذیل پر مشتمل ہیں۔

بطحاء مکہ سے باہر ایک موضع کا نام ہے جسے ابطح بھی کہتے ہیں۔

کے مسائل

(۱) ہاتھ میں کوئی آلہ رکھنا (خصوصاً سفر میں) جس سے دشمن کو دفع کر سکے۔ مستحب ہے (۲) امام و منفرد صحراء میں یا کسی ایسی جگہ نماز پڑھیں جہاں سے لوگوں کے گزرنے کا اندیشہ ہو تو ہے کہ سترہ گاڑیں (۳) امام کا سترہ مقتدی کے لئے بھی کافی ہے۔ مقتدی کو جدید سترہ کی ضرورت نہیں اور سترہ بقدر کے اونچا اور انگلی برابر موٹا ہو یا زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ اونچا ہو۔ سترہ نزدیک ہونا چاہیے۔ سترہ بالکل ناک کی پر ہو بلکہ دائیں یا بائیں ابرو کی سیدھ پر ہونا افضل ہے۔ اگر سترہ نصب کرنا ناممکن ہو تو کوئی چیز آڑی رکھ بھی نہ ہو تو خط کھینچ[1] دے۔ غرضکہ جو چیز بھی آڑ بن سکے وہ سترہ کے کام آ سکتی ہے۔ مثلاً لکڑی، پتھر، درخت، آدمی وغیرہ مگر آدمی کو اس حالت میں سترہ بنایا جائے جب اس کی پیٹھ مصلی کی طرف ہو کیونکہ مصلی کی طرف منہ کرنا منع ہے۔

فائدہ یہ بھی ہے کہ اب سترہ کے آگے سے گزرنا جائز ہو جاتا ہے ——— اور اگر کسی نے بلا سترہ شارع عام پر نماز عورت، مرد، جانور وغیرہ آگے سے گزرے تو نماز فاسد نہ ہوگی ——— اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سفر میں چار رکعتی رکعت ہی پڑھنی چاہئیں۔ حضور علیہ السلام نے ظہر و عصر کی نماز قصر پڑھی۔

بغی ان یکون بین المصلی والسترۃ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُصَلَّى رَسُولِ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْجِدَارِ
مَمَرُّ الشَّاةِ (بخاری)

باب نمازی اور سترہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے۔

سہل بن سعد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں نماز پڑھا کرتے وہاں آپ سے اور دیوار سے اتنا فاصلہ رہتا کہ بکری گزر جاتی۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام اور سترہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ بکری گزر جائے۔ اسی لئے علماء نے سترہ کی کو مستحب قرار دیا ہے۔

---

[1] واضح ہو کہ خط کھینچ دینے سے نمازی کے آگے سے گزرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ شیطان قریب نہ ہے لیلۃ الجن میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابن مسعود کو بٹھا کر زمین پر دائرہ بنا دیا تھا جس کو حصار کہتے ہیں۔ یہ حصار جو عامل لوگ حدیث لیلۃ الجن ہی سے مستفاد ہے۔ منہ

قَالَ كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ مَا كَادَتِ الشَّاةُ تَجُوْزُهَا

سلمہ بن اکوع نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی دیوار منبر کے پاس تھی جس میں اتنا فاصلہ تھا کہ بکری گذر جائے۔

یہ حدیث ثلاثیات بخاری میں سے دوسری ہے۔ حضور علیہ السلام کی مسجد میں محراب نہ تھی۔ آپ منبر کے لئے کھڑے ہوتے تو آپ کے اور دیوار کے درمیان اتنا فاصلہ رہتا کہ ایک بکری گذر جائے تو امام نے حدیث زیر بحث سے کہ نمازی اور سترہ میں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے جتنا آپ کے منبر اور قبلہ کی دیوار میں تھا۔ فافہم

بَابُ الصَّلٰوةِ اِلَى الْحَرْبَةِ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا

باب برچھی کی طرف نماز پڑھنا

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جاتا آپ اس کی طرف نماز پڑھتے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ اِلَى الْعَنَزَةِ

خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ بِالْهَاجِرَةِ فَاُتِيَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّاَ فَصَلّٰى بِنَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ وَّالْمَرْاَةُ وَالْحِمَارُ يَمُرُّوْنَ مِنْ وَّرَائِهَا (بخاری)

باب نیزہ کی طرف نماز پڑھنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے وقت تشریف لائے کے لئے وضو کا پانی لایا گیا تو آپ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ اور آپ کے آگے نیزہ تھا، عورتیں گدھے سترہ کے پرے سے گذر رہے تھے۔

دونوں عنوان اور زیر عنوان حدیثوں کے مفہوم واضح ہیں۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ جب صحرا یا شارع عام جائے تو کسی ایسی چیز کو جو آڑ بن سکے سترہ بنا لیا جائے۔

نوٹ: امام نے اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی لکھی ہے جو کتاب الوضوء پارہ اول میں گذر چکی ہے۔

بَابُ السُّتْرَةِ بِمَكَّةَ وَغَيْرِهَا

عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَصَلّٰى بِالْبَطْحَاءِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَنَصَبَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةً وَتَوَضَّاَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ

باب مکہ اور غیر مکہ میں سترہ کے

ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے پاس تشریف لائے اور آپ نے بطحاء میں ظہر و عصر کی دو دو پڑھائیں اور آپ کے سامنے نیزہ گڑا ہوا تھا اور حضور نے لگ آپ کے وضو کا پانی بدن پر ملنے لگے۔

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ مکہ اور دیگر شہروں میں سترہ مشروع ہے۔ اور مکہ کی تخصیص ان لوگوں کے خیال سے کی گئی جو یہ کہتے ہیں کہ مکہ میں قبلہ ہی سترہ ہے کسی اور چیز کو سترہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ امام نے حدیث زیر عنوان کیا کہ مکہ میں بھی اگر ایسی جگہ نماز پڑھی جائے جہاں سے لوگوں کے گذرنے کا احتمال ہو تو سترہ قائم کر لینا مستحب ہے جیسے حضور بطحاء جو مکہ کے قریب ایک موضع ہے نماز پڑھی تو سترہ قائم فرمایا۔

(۲) علامہ قسطلانی نے اسی حدیث کے تحت لکھا کہ بزرگان دین کے جسم سے جو چیز لگ جائے اس سے برکت حاصل کرنا جائز ہے کرام نے حضور کے وضو کے پانی کو متبرک سمجھ کر ہی اپنے جسموں پر ملا، حضور علیہ السلام نے منع نہیں فرمایا۔

بَابُ الصَّلٰوةِ اِلَى الْاُسْطُوَانَةِ: وَقَالَ عُمَرُ الْمُصَلُّوْنَ اَحَقُّ بِالسَّوَارِيْ مِنَ الْمُتَحَدِّثِيْنَ اِلَيْهَا وَرَاٰى

باب ستون کو آڑ بنا کر نماز پڑھنا۔ اور حضرت عمر نے ستون کے زیادہ حقدار ہیں بہ نسبت بات چیت کرنے والوں

ـمر رجلا يصلي بين اسطوانتين فأدناه إلى
سارية فقال صل إليها

(۲) اور حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھ رہا ہے آپ نے اس کو ایک ستون کی طرف کر دیا اور فرمایا یہاں نماز پڑھ

ان دونوں تعلیقوں کو ابن شیبہ نے اپنے مصنف میں وصل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ باتیں کرنے والے بھی ستون کے ساتھ تکیہ ـے ہیں کہ ستون کو سترہ بنائیں تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ نمازی بہ نسبت باتیں کرنے والوں کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس ـجا کہ نمازی کو سترہ کے قریب ہونا چاہیے:

يزيد بن أبي عبيد قال كنت آتي مع سلمة بن
الأكوع فيصلي عند الأسطوانة التي عند المصحف
فقلت يا أبا مسلم أراك تتحرى الصلوة عند
هذه الأسطوانة قال فإني رأيت النبي صلى الله
عليه وسلم يتحرى الصلوة عندها

یزید بن ابی عبید کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمہ بن اکوع کے ہمراہ مسجد نبوی میں آتا حضرت سلمہ اس ستون کے پاس نماز پڑھتے جہاں قرآن مجید کا صندوق رکھا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے کہا اے ابو مسلم آپ اس ستون کے پاس قصداً نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ قصداً اس ستون کے پاس نماز ادا فرماتے تھے۔

مسائل یہ حدیث ثلاثیات بخاری سے تیسری حدیث ہے۔ مسجد نبوی میں ایک ستون تھا جس کے پاس قرآن مجید رکھا جاتا تھا۔ یہ قرآن مجید حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں رکھا گیا۔ اس کو ـسن اور اسطوانۃ المہاجرین بھی کہتے ہیں تاریخ مدینہ والے تحریر ہے۔ مہاجرین قریش اس ستون کے پاس اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے اور ـتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ اگر لوگ اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی فضیلت کو جان لیں۔ تو قرعہ اندازی تک ـنچ جائے۔ حضرت عائشہؓ نے چپکے سے وہ ستون حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو بتا دیا تھا۔ تو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اکثر وہاں نماز ـے ـــــ ان احادیث سے واضح ہوا کہ اگر نمازی اکیلا ہو تو بھی اس کو کسی چیز کی آڑ میں نماز پڑھنا مطلوب ہے تاکہ گزرنے ـکی وجہ سے خیال نہ بٹے:

عن أنس بن مالك قال لقد أدركت كبار
أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يبتدرون
السواري عند المغرب وزاد شعبة عن عمرو عن
أنس حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے سرورؐ کے جلیل القدر صحابہ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے وقت ستونوں کی طرف لپکتے شعبہ نے عمرو انس سے اتنا اور زیادہ روایت کیا یہاں تک کہ حضور علیہ السلام جلوہ افروز ہوتے۔

مسائل یہ دو رکعت سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے اذان کے بعد مسجد کے ستونوں کو سترہ بنا کر صحابہ کرام پڑھتے۔ مغرب کی نماز سے قبل اور اذان کے بعد دو رکعت پڑھنا امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے اور ـت کے نزدیک مباح ہے:

ـب الصلوة بين السواري في غير جماعة

باب ستونوں کے درمیان بغیر جماعت کے نماز پڑھنا

اس عنوان کے تحت امام نے دو حدیثیں لکھی ہیں۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور اسامہ بن زید اور ـن بن طلحہ و بلال بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ دیر تک کعبے کے اندر رہے۔ پھر باہر تشریف لائے اور میں سب لوگوں سے پہلے آپ کے ـے وہاں آیا میں نے بلال سے پوچھا آپ نے کہاں نماز پڑھی انہوں نے جواب دیا۔

بين العمودين المقدمين

آگے کے جو دو ستون ہیں ان کے بیچ میں

حدیث دوم کا ترجمہ یہ ہے: حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ بن زید اور
عثمان بن طلحہ حجبی کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور عثمان نے کعبہ کا دروازہ بند کر دیا۔ جب آپ باہر آئے تو میں نے پوچھا کہ نبی صلے
وسلم نے کعبہ کے اندر کیا کیا۔ انہوں نے کہا۔

جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُوْدًا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَثَلَاثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَآءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى (بخاری)

حضورؐ نے ایک ستون کو تو اپنے بائیں اور دوسرے کو اپنے دائیں طرف کیا اور تین ستونوں کو اپنے پیچھے کیا اور اس دن کعبہ کے چھ ستون تھے۔ پھر نماز پڑھی۔

فوائد و مسائل حضور علیہ السلام نے کعبہ کے اندر جو نماز پڑھی تو دو ستون آپ کی دائیں طرف اور ایک بائیں طرف
پیچھے تھے کیونکہ جب کعبہ کے چھ ستون تھے تو ایک طرف آپ کے دو ستون اور ایک طرف ایک ستون رہا ہوگا۔

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ اگر منفرد بلا جماعت دو ستونوں کے درمیان کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو بلا کراہت جا
اور مقتدی اگرچہ دو جل ان ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے ——— اور حدیث مستدرک و حاکم میں بند
ستونوں کے درمیان نماز مت پڑھو تو یہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو۔

ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کے متعلق سلف میں بھی اختلاف رہا ہے۔ حضرت انس بن مالک مکروہ قرار دیتے
حضرت ابن مسعود نے فرمایا ”لا تصفوا بین الاساطین واتموا الصفوف“ ظاہر ہے کہ یہ نہی بھی اسی صورت
ہے جبکہ باجماعت نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ اتموا الصفوف کا لفظ اس پر دال ہے ——— حضرت حسن و ابن سیرین
ابن جبیر، ابراہیم تیمی، سوید بن غفلہ کے نزدیک بھی ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ حضرت امام مالک
یہ ہے اگر مسجد تنگ ہو تو حرج نہیں واللہ اعلم ——— علامہ قرطبی نے کہا دو ستونوں کے درمیان صف بندی کی کرا
سبب انقطاع صف ہے۔ جو تسویت صفوف کے منافی ہے۔:

باب

——— اس کے ماتحت امام نے جو حدیث ذکر کی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا تر
حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر کعبہ کے اندر داخل ہوتے تو سیدھے منہ کی طرف چلے جاتے اور کعبہ کے درواز
پیچھے کرتے ہوئے آگے بڑھتے یہاں تک کہ وہ دیوار جو ان کے منہ کے سامنے ہوتی تین ہاتھ کے فاصلے پر رہ جاتے وہاں نماز پڑھتے
اس جگہ قصد کرکے نماز پڑھتے جس جگہ کے متعلق حضرت بلالؓ نے ان سے بیان کیا تھا کہ

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی فِيْهِ قَالَ وَلَيْسَ عَلٰی اَحَدِنَا بَاْسٌ اَنْ يُّصَلِّيَ فِيْ اَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَآءَ (بخاری)

ابن عمر نے کہا (اگرچہ) اس میں کوئی قباحت نہیں کہ آدمی کعبہ کے جس کونے میں چاہے نماز پڑھے۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) کعبہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے (۲) نمازی کو سترہ سے قریب ہونا شارع کو مطلوب ہے
حدیث میں نمازی اور سترہ کے درمیان فاصلہ کی مقدار تین ہاتھ بتائی گئی ہے۔ لیکن سابقہ حدیثوں
نہیں کیونکہ حضورؐ نے جس پر مواظبت فرمائی اس کی مقدار بکری کا گذر جانا ہی ہے۔ اور یہ
بھی ہوا کہ آپ نے تین ہاتھ کا فاصلہ چھوڑا ہے (۳) کعبہ کے اندر جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی اسی جگہ پر نماز پڑھنا
اور باعث برکت و رحمت ہے لیکن ضروری نہیں۔

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ وَالْبَعِيْرِ وَالشَّجَرِ وَالرَّحْلِ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يُعَرِّضُ رَاحِلَتَهٗ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا قُلْتُ اَفَرَاَيْتَ اِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ قَالَ كَانَ يَاْخُذُ الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهٗ فَيُصَلِّيْ اِلٰى اٰخِرَتِهٖ اَوْ قَالَ مُؤَخَّرِهٖ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهٗ

باب اونٹ - درخت اور پالان کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی کو آڑ بٹھاتے اور اس کو آڑ بنا کر نماز پڑھتے۔ عبید اللہ کہتے ہیں میں نے نافع سے پوچھا جب اونٹ مست ہوتے تو آپ کیا کرتے تب انہوں نے جواب دیا حضور پالان کو اپنے سامنے سیدھا کر رکھتے اور اس کی پچھلی لکڑی کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے اور ابن عمر بھی ایسا ہی کرتے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ہر وہ چیز جو آڑ بن سکے سترہ کے کام آسکتی ہے حضور علیہ السلام نے اونٹ اور کبھی اس کے پالان کو سترہ بنایا سترہ کے مسائل اوپر گذر چکے ہیں۔

بَابُ الصَّلٰوةِ اِلَى السَّرِيْرِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَعَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيْرِ فَيَجِيْءُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيْرَ فَيُصَلِّيْ فَاَكْرَهُ اَنْ اَسْنَحَهٗ فَاَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ السَّرِيْرِ حَتّٰى اَنْسَلَّ مِنْ لِحَافِيْ (بخاری)

باب تخت کی طرف نماز پڑھنے کے متعلق

حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کیا میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ چارپائی پر لیٹی رہتی پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور تخت کو اپنے اور قبلہ کے درمیان کرتے پھر نماز پڑھتے مجھے آپ کے سامنے لیٹے رہنا اچھا معلوم نہ ہوتا میں پائنتی کی طرف سے کھسک کر لحاف سے باہر نکل جاتی۔

مسائل کتاب الاستیذان میں امام نے جو روایت درج کی ہے۔ اس میں یہ ہے۔ کہ آپ جب نماز پڑھتے تو چارپائی آپ کے اور قبلہ کے بیچ میں ہوتی اس لئے فیتوسط السریر کے معنے یہ ہیں۔ آپ اس چارپائی یا تخت کو اپنے اور قبلہ کے ے اور حضرت عائشہ صدیقہ رض اس چارپائی پر آرام فرما ہوتیں۔ اس سے واضح ہوا کہ نمازی کے آگے اگر عورت یا مرد ہو۔ میں ہوتی۔ اور یہ بھی کہ اگر کوئی نمازی کے آگے بیٹھا ہو یا لیٹا ہو اور وہاں سے جانا چاہے تو بیٹھا بیٹھا کھسک جائے۔ کھڑا ے جیسے جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لیٹے لیٹے وہاں سے کھسک گئی تھیں

یک غیر مقلد مولوی صاحب نے لکھا کہ حضرت عائشہ رض اس لئے حضور کے سامنے سے ہٹ گئیں تا کہ آپ کے خشوع و خضوع نے لیکن یہ بات درست نہیں اور اس کی تردید بخاری شریف کی وہ حدیث کر دیتی ہے۔ جس میں یہ ہے۔ کہ حضرت نے فرمایا میں اپنی کسی حاجت کے لئے آپ کے سامنے سے چلی گئی تھی۔ اور زیر بحث حدیث میں بھی حضرت عائشہ رض ذکر وجہ بیان کر دی ہے۔ فافہم

دُّ الْمُصَلِّيْ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ

دَّ ابْنُ عُمَرَ فِي التَّشَهُّدِ وَفِي الْكَعْبَةِ وَ نْ اَبٰى اِلَّا اَنْ يُّقَاتِلَهٗ فَقَاتِلْهُ

باب جب کوئی نمازی کے آگے سے گذرنا چاہے تو اسے دفع کرے

اور ابن عمر نے التحیات پڑھتے وقت روکا اور کعبہ میں بھی ایسا کرے اور کہا اگر وہ پھر الٹے نہ مانے تو اس سے لڑے۔

س عنوان کے تحت امام نے جو حدیث لکھی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ ابو صالح سمان کہتے ہیں۔ ت ابو سعید خدری کو دیکھا وہ جمعہ کے دن لوگوں سے آڑ کئے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو معیط کے بیٹوں

یں سے ایک جوان ابی معیط نے ان کے سامنے سے گذرنا چاہا۔ تو ابو سعید نے اس کے سینہ پر ایک دھکا مارا۔ اس نے دیکھا تو اس کے سامنے سے گذرنے کے سوا کوئی راستہ نہ پایا اس لئے پھر گذرنا چاہا۔ تو ابو سعید نے پہلے بھی زیادہ زور دھکا مارا۔ اس نے مروان کے حضور شکایت کی۔ ابو سعید بھی اس کے پیچھے پہنچ گئے۔ مروان نے کہا ابو سعید یہ تمہارے بھتیجے کے درمیان کیا جھگڑا ہے۔ تو ابو سعید نے فرمایا میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ الشَّيْطَانُ ۔ بخاری

جب تم میں سے کوئی شخص سترہ بنا کر نماز پڑھے۔ پھر کوئی شخص سے گذرنا چاہے۔ تو اس کو روکو اگر وہ نہ مانے تو اس وہ شیطان ہے۔

بَابُ إِثْمِ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي

أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَرْسَلَهُ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِي أَقَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً ۔ بخاری

باب نمازی کے آگے گذرنے کے متعلق

زید بن خالد نے حضرت ابی جہیم کے پاس بسر بن سعید کو کرنے کے لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازی کے سے گذرنے والے کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ تو ابو جہیم نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر گذرنے والا یہ جان لے کتنا بڑا جرم ہے۔ تو چالیس روز؛ اس کو کھڑا نمازی کے آگے سے گذر جانے سے بہتر معلوم نے کہا مجھے یاد نہیں رہا کہ بسر بن سعید نے چالیس دن یا چالیس ہفتے یا چالیس سال۔

نمازی کے آگے سے گذرنا سخت گناہ ہے

واضح ہو کہ نمازی کے آگے سے گذرنا سخت گناہ ہے۔ اس مسئلہ کی دو حدیثیں ہیں۔

(۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی نمازی کے آگے سے گذرنے کے گناہ کو جانتا تو سو برس کھڑے رہنے کو ایک قدم چلنے سے بہتر جانتا (ابن ماجہ)

(۲) کعب احبار نے فرمایا نمازی کے سامنے سے گذرنے والا جانتا کہ اس پر کیا گناہ ہے۔ تو زمین میں دھنس گذرنے سے بہتر جانتا۔ میدان اور بڑی مسجد (جیسے شاہی مسجد لاہور یا مسجد نبوی یا مسجد وزیر خان لاہور) میں نمازی قدم سے موضع سجود تک گذرنا جائز ہے۔ موضع سجود سے مراد یہ ہے کہ قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ کی طرف توجہ کو دور تک نگاہ پہنچے وہ موضع سجود ہے۔ اس کے درمیان سے گذرنا ناجائز ہے اور مکان اور چھوٹی مسجد میں دیوار قبلہ تک کہیں سے گذرنا جائز نہیں ——— اگر نمازی سترہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے۔ تو سترہ کے گذرنے میں حرج نہیں ——— نمازی کے سامنے سترہ نہیں اور کوئی شخص گذرنا چاہتا ہے۔ یا سترہ ہے۔ مگر وہ اور سترہ کے درمیان سے گذرنا چاہتا ہے تو نمازی کو رخصت ہے کہ اسے گذرنے سے روکے اور گذرنے سے روکنے کے احناف کے نزدیک حسب ذیل ہیں۔

(۱) اگر نماز جہری ہے تو زیادہ بلند آواز سے قرأت کر کے روکے اور اگر نماز سری ہے۔ تو ہاتھ یا سر یا آنکھ کے منع کرے۔ یا سبحان اللہ کہہ کر منع کرے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ مثلاً کپڑا پکڑ کر جھٹکنا یا مارنا۔ کیونکہ اگر عمل کثیر ہوگا۔

جاتی رہے گی (۲) اور حضرت عمرؓ کے قول اور حدیث میں جو قاتلہ کا لفظ ہے۔ جس کا لفظی ترجمہ ہم نے بھی کیا ہے کہ (گزرنے والے سے لڑے) لیکن احناف کے نزدیک یہ فعل قلبی پر محمول ہے حسی پر نہیں یعنی (فقاتلہ) طلب یہ ہے کہ اشارہ دیا تسبیح وغیرہ سے بھی کوئی گزرنے سے باز نہ آئے۔ تو نمازی اپنے دل میں اس کے گزرنے کو شدید طور پر برا سمجھے ——— یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے ہاتھا پائی شروع کر دے یا اس کے کپڑے وغیرہ گھسیٹے۔ حضرت ابو سعید کا اپنے آگے سے گزرنے والے کو مکا مارنا۔ تو ظاہر ہے کہ یہ عمل کثیر ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور نے نیک نیتی کے ساتھ ظاہر حدیث پر عمل فرمایا۔ البتہ اتنی بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے نے والے کے مکا مارے تو قاضی اس سے مواخذہ نہ کرے۔ واللہ اعلم

(۳) اور یہ جو حضورؐ نے گزرنے والے کو شیطان فرمایا تو اس اعتبار سے فرمایا کہ گزرنے والے نے شیطان کا سا کام کیا کیونکہ کا کام یہ ہے کہ وہ نمازی کی نماز میں خلل ڈالتا ہے۔

بَابُ اِسْتِقْبَالِ الرَّجُلِ وَهُوَ يُصَلِّيْ

باب: ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا اس کی طرف منہ کر کے بیٹھے

استقبال کو اہل لغت نے مواجہہ سے خاص کیا ہے اور احناف کے نزدیک یہ بات مطلقاً مکروہ ہے کہ نمازی کے سامنے منہ کر کے بیٹھا ئے البتہ امام بخاری نے فرق کیا ہے۔ کہ کراہت اس وقت ہے جبکہ نمازی کا خیال بٹے اگر نہ بٹے تو مکروہ نہیں۔

وَكَرِهَ عُثْمَانُ اَنْ يُسْتَقْبَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَهٰذَا اِذَا اشْتَغَلَ بِهٖ فَاَمَّا اِذَا لَمْ يَشْتَغِلْ بِهٖ فَقَدْ قَالَ زَيْدُ ابْنُ ثَابِتٍ مَا بَالَيْتُ اِنَّ الرَّجُلَ لَا يَقْطَعُ صَلٰوةَ الرَّجُلِ (بخاری)

اور حضرت عثمان رضؓ نے اس کو مکروہ جانا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا اس کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ امام بخاری نے کہا کراہت اس وقت ہے۔ جبکہ نمازی کا دل ادھر مشغول ہو اگر دل ادھر مشغول نہ ہو۔ تو زید بن ثابت نے فرمایا مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ مرد کی نماز کو مرد قطع نہیں کرتا۔

بَابُ الصَّلٰوةِ خَلْفَ النَّائِمِ

باب سونے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يُّوْتِرَ اَيْقَظَنِيْ فَاَوْتَرْتُ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہتے۔ اور میں آپ کے سامنے بچھونے پر آڑی لیٹی ہوتی ہوتی۔ جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھ کو بھی جگا دیتے میں وتر پڑھ لیتی۔

(۱) اس حدیث سے واضح ہوا کہ نمازی کے آگے اگر کوئی سو رہا ہو تو نماز میں فساد نہیں آتا (۲) سوتے ہوئے کو کے لئے جگا دینا مستحب ہے (۳) اور وتر سونے کے بعد پڑھنا مستحب ہیں۔ مگر یہ اس کے لئے جسے تہجد کے وقت جاگنے کی عادت ہو۔

بَابُ التَّطَوُّعِ خَلْفَ الْمَرْاَةِ

باب عورت کے پیچھے کھڑے ہو کر نفل پڑھنا

اس عنوان کے تحت امام نے جو حدیث لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں رسول اللہ اللہ علیہ وسلم کے سامنے آرام فرما ہوتی اور میرے پاؤں آپ کے قبلہ میں ہوتے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو ہاتھ سے مجھے دیتے۔ میں پاؤں سکیڑ لیتی۔ جب آپ کھڑے ہوتے تو پھیلا لیتی۔ اور ان دنوں گھروں میں چراغ بھی نہ تھے۔

یہ حدیث فیوض الباری پارہ اول پر مع ترجمہ کے گذر چکی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر عورت نمازی کے آگے سو رہی ہو تو حرج نہیں۔ البتہ اگر اس طرح نماز پڑھنے سے خشوع و خضوع میں فرق آئے تو بہتر یہ ہے کہ نہ پڑھے اور یہ عورت ہی کے ساتھ کیا خاص ہے ہر وہ چیز جو نماز میں خلل انداز ہو سکے اس کے سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا اچھا نہیں:

بَابُ مَنْ قَالَ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ

باب ان لوگوں کے مسلک کے بیان میں جو یہ کہتے ہیں کہ نماز کو کوئی چیز فاسد نہیں کرتی۔

عنوان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر نمازی اگر کوئی فعل کرے تو نمازی کی نماز میں کوئی فساد نہیں آئے گا۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے یہ حدیث لکھی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ فَقَالَتْ شَبَّهْتُمُوْنَا بِالْحُمُرِ وَالْكِلَابِ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاِنِّيْ عَلَى السَّرِيْرِ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةً فَتَبْدُوْ لِي الْحَاجَةُ فَاَكْرَهُ اَنْ اَجْلِسَ فَاُوْذِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ (بخاری)

حضرت عائشہ رض کے سامنے اس بات کا ذکر آیا کہ نمازی کے آگے کتا یا گدھا یا عورت گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں سے تشبیہ دے دی۔ بخدا میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان چارپائی پر لیٹی ہوتی پھر مجھے کوئی کام ہوتا تو میں آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ کو تکلیف دینا برا جانتی تو چارپائی کی پائنتی سے کھسک کر نکل جاتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ اگر نمازی کے سامنے کتا یا گدھا یا عورت گذر جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس پر حضرت عائشہ رض نے اس نظریہ کی تردید فرمائی اور کہا میں تو حضور کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور حضور نماز میں مشغول ہوتے تو جب میرے حضور کے سامنے لیٹے رہنے سے نماز میں فساد نہیں آتا تو عورت کے گذر جانے سے کیسے فساد آئے گا۔ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حدیث عائشہ رض سے ثابت ہوا کہ بنی آدم کا نمازی کے آگے سے گذر جانا نماز کو فاسد نہیں کرتا:

اَنَّهٗ سَاَلَ عَمَّهٗ عَنِ الصَّلٰوةِ يَقْطَعُهَا شَيْءٌ قَالَ لَا يَقْطَعُهَا شَيْءٌ

محمد بن عبداللہ بن مسلم نے اپنے چچا ابن شہاب سے پوچھا کہ نماز کو کوئی چیز توڑتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی چیز نہیں توڑتی۔

کیونکہ حضرت عائشہ رض کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام تہجد کی نماز پڑھتے اور وہ حضور کے سامنے بچھونے پر آڑی سوئی رہتی تھیں (بخاری) اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب عورت کا نمازی کے سامنے لیٹے رہنے سے نماز میں فساد نہیں آتا تو گذرنے سے کیسے آئے گا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رات کو نفل پڑھنا مستحب ہے اور یہ کہ آدمی جس بچھونے پر سوئے اگر وہ پاک ہے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے:

بَابُ اِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً عَلٰى عُنُقِهٖ فِي الصَّلٰوةِ

باب۔ بحالت نماز اپنی چھوٹی بچی کو اپنی گردن پر بٹھا لینا۔

عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ اُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت قتادہ انصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی امامہ کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جو حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَلِاَبِي الْعَاصِ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَ اِذَا قَامَ حَمَلَهَا (بخاری)

اور ابو العاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی بیٹی تھیں۔ جب آپ سجدہ کرتے تو ان کو زمین پر بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے۔

د و مسائل

اس حدیث کو امام نے ادب میں، مسلم، ابو داؤد و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ــــــ ابن بطال نے کہا کہ جب چھوٹی بچی کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھنا نمازی کے لئے مضر نہیں تو اس کا نمازی کے آگے سے کیونکر مضر ہوگا ــــــ صاحب بدائع نے لکھا ہے کہ عمل کثیر وہ ہے۔ جس میں دونوں ہاتھ استعمال کئے جائیں۔ اور یہ و باطل کر دیتا ہے۔ اور عمل قلیل یہ ہے کہ جس میں دونوں ہاتھ استعمال نہ ہوں۔ مثلاً اگر کسی نے تیر کو اٹھایا اور چلایا تو کثیر ہے۔ اسی طرح عورت نے بچہ کو اٹھایا اور دودھ پلایا یہ بھی عمل کثیر ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جائے گی ــــــ بچہ کو ایک ہاتھ سے بھی اٹھایا جا سکتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب بچے کو کندھے پر بٹھایا جائے تو وہ خود بخود چمٹ بھی جاتا حضور علیہ السلام کا یہ فعل عمل کثیر نہیں۔ اس طرح عمل کرنے سے نماز میں فساد نہیں آتا۔

بَابٌ اِذَا صَلّٰى اِلٰى فِرَاشٍ فِيْهِ حَائِضٌ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ اَخْبَرَتْنِيْ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ فِرَاشِيْ حِيَالَ مُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُبَّمَا وَقَعَ ثَوْبُهٗ عَلَيَّ وَاَنَا عَلٰى فِرَاشِيْ تَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَنَا اِلٰى جَنْبِهٖ نَائِمَةٌ فَاِذَا سَجَدَ اَصَابَنِيْ ثَوْبُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ (بخاری)

باب۔ حائضہ کے بچھونے کے سامنے نماز پڑھنے کے متعلق

عبداللہ بن شداد بن ہاد نے اپنی خالہ میمونہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میرا بچھونا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مصلے کے سامنے ہوتا بسا اوقات آپ کا کپڑا میرے بدن پر پڑ جاتا۔ اور میں اپنے بچھونے پر ہوتی۔ حضرت میمونہ نے فرمایا حضور علیہ السلام نماز پڑھتے۔ اور میں ایک طرف سو رہی ہوتی جب آپ سجدہ کرتے آپ کا کپڑا میرے بدن سے لگ جاتا اور میں حائضہ ہوتی۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ اگر نمازی حائضہ عورت کے قریب نماز پڑھے تو نماز درست ہے۔ حائضہ کا بچھونا خواہ آگے ہو یا یں۔ اگرچہ نمازی کا کپڑا حائضہ کے جسم سے چھو جائے پھر بھی کوئی حرج نہیں اور نماز درست ہے۔

بَابٌ هَلْ يَغْمِزُ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ عِنْدَ السُّجُوْدِ لِكَيْ يَسْجُدَ

باب۔ اگر نمازی سجدہ کرنے کے لئے اپنی بیوی کے بدن کو دبا دے تو کیا حکم ہے

گذشتہ باب میں اس کا بیان تھا کہ اگر نمازی کا کپڑا عورت سے چھو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس باب میں ہے کہ اگر نمازی کا بدن بھی عورت سے لگ جائے تو بھی حرج نہیں ــــــ اس عنوان کے ماتحت امام نے دو ذکر کی ہیں جو اوپر گذر چکی ہیں۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نماز ادا فرماتے۔ اور حضرت عائشہ حضور علیہ کے سامنے آرام فرما ہوتیں حضور جب سجدہ فرمانا چاہتے تو حضرت عائشہ رض کے پاؤں کو چھو دیتے وہ اپنے پاؤں سکیڑ لیتیں ــــــ سے ثابت ہوا کہ بحالت نماز اگر اپنی عورت کے جسم سے نمازی کے بدن کا کوئی حصہ لگ جائے تو نماز میں فساد نہیں آتا ــــــ نیز سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مس مراۃ ناقض وضو نہیں ہے۔ فافہم

تَطْرَحُ عَنِ الْمُصَلِّيْ شَيْئًا مِّنَ الْاَذٰى

باب۔ عورت اگر نمازی کے بدن پر سے گندگی کو ہٹا دے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے۔ جو فیوض الباری پارہ اول میں مع تفہیم و ترجمانی کے
چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ کفار کے مشورہ سے عقبہ بن ابی
نے اونٹ کا سرپایہ حضورؐ کی پشت مبارک پر رکھ دیا اور جناب فاطمہ رضی اللہ تعالے عنہا نے آکر اسے ہٹایا۔——

اس سے واضح ہوا کہ نمازی کے بدن سے عورت کسی چیز کو ہٹا دے تو نماز میں فساد لازم نہیں آتا لیکن امام بخاری کا یہ
اس لئے درست نہیں کہ کفار نے جو چیز پشت نبویؐ پر رکھی تھی اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو نماز تو اس چیز کے رکھنے
فاسد ہو گئی۔ ایسی صورت میں عورت کے اٹھانے سے فساد اور عدم فساد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا——— ویسے یہ
اپنی جگہ درست ہے کہ نمازی کے آگے سے عورت گذر جائے۔ یا بدن کا کوئی حصہ اپنی عورت کے بدن سے لگ جائے
تو نماز میں فساد نہیں آتا۔ فافہم

اس حدیث پر پارہ دوم ختم ہوگیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ اب ان شاء اللہ العزیز پارہ سوم شروع ہوگا۔ قارئین کرام
دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سید محمود احمد رضوی

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ
مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتہوا

احادیث نبویہ کا مجموعہ مقبول فخیر قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب
امام الدنیا امیر المومنین فی الحدیث راس المحدثین استاذ الحفاظ **ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری**
قدس سرہ الباری کی تالیف صحیح البخاری کا سلیس اردو ترجمہ اور مکمل شرح

فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

حصہ سوم

علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر مکتبہ رضوان داتا دربار روڈ لاہور

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

بخاری شریف پارہ اوّل و دوم کی تفہیم و ترجمانی کے بعد پارہ سوم کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ اللہ عزّ وجل جل مجدہٗ کا خاص فضل ہے کہ وہ اپنے ایک بندۂ ناکارہ سے اپنے دین کا ایک کام لے رہا ہے۔ اسی کی بارگاہ بے نیاز میں التجا ہے کہ وہ باقی پاروں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ انداز تفہیم و ترجمانی وہی سابقہ ہے۔ مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کہ قدم رستہ سے نہ ہٹنے تاہم ایک خطاکار قلم کا لغزش لکھا جانا ممکن ہے —— اہل علم کی خدمت میں استد ہے کہ اگر کہیں لغزش قلم پائیں تو براہ کرم اسکی نشان دہی فرمائیں۔ تاکہ آئندہ اشاعت میں ترمیم یا تصحیح کر دی جائے۔

اشد ضروری نوٹ

پارہ سوم فیوض الباری اصل کتاب کے صفحات ۲۱۳ سے شروع ہو کر ص۔ ۲۵۲ پر ختم ہیں۔ درمیان میں غلطی سے ۲۱۶ کے بعد ۲۲۰ لکھا گیا ہے مگر ترتیب مضمون درست ہے چونکہ آئندہ حصص میں انہیں صفحات کے مطابق کسی مضمون یا حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے لہٰذا انہیں برقرار رکھا گیا ہے —— البتہ صحیح ترتیب کے مطابق بھی صفحے لکھ دیئے گئے ہیں۔

موقر روزنامہ "نوائے وقت"، ۵ جولائی ۱۹۵۹ء میں فیوض الباری
پارہ اول پر مندرجہ ذیل تبصرہ شائع ہوا

دینی علوم میں علم حدیث غالباً وہ واحد فن ہے جس پر علماء نے سب سے زیادہ توجہ دی ہے اور صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک اس فن شریف کی حسب مقدور زیادہ سے زیادہ خدمت کی ہے۔ تدوین حدیث، اسماء الرجال، اصول حدیث، موضوعات اور دوسرے ضمنی علوم کا جداگانہ وجود اسی کاوش اور محنت کا زندہ ثبوت ہے، زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک تازہ کڑی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے مصنف مولانا سید محمود احمد صاحب رضوی نے اس موضوع پر کما حقہٗ دسترس کا ثبوت دیا ہے۔

زیر نظر مجموعۂ فیوض الباری کا صرف پارہ اول ہے۔ جس میں کتاب الایمان، کتاب العلم اور کتاب الوضو شامل ہیں، یہ پارہ ۲۰×۳۰ سائز کے چار سو چالیس صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔

اس کی ترتیب فن حدیث کے معروف اسلوب کے مطابق ہے۔ سب سے پہلے علم حدیث کے متعلق ایک سیر حاصل تبصرہ ہے کتاب کے نفس مضمون کے لحاظ سے یہ موضوع برمحل ہیں اور ان سے کتاب کی افادیت میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد امام محمد ابن اسماعیل بخاری کے حالات اور علمی مرتبہ کا اور بعد میں حدیث کی تعریف اور اقسام کا ذکر ہے، اس کے بعد بدء وحی کی مکمل تشریح ہے کتاب الایمان اسکے بعد شروع ہوتی ہے —— علم حدیث کی خدمت میں برصغیر کے علماء کا مقام خاصا بلند ہے۔ خانوادہ ولی اللہی نے اس میدان میں اتنی عظیم خدمت انجام دی ہے کہ آج خود عرب ممالک بھی علم حدیث اور فن حدیث کے لیے انھی کے احسان شناس ہیں۔ زیر نظر کتاب کے مصنف سید محمود احمد رضوی، مولانا ابو البرکات سید احمد صاحب کے فرزند اور شاگرد ہیں اور وہ دو واسطوں سے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے تلمیذ بتائے گئے ہیں۔ علم حدیث پر اردو زبان میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں صحاح کے اردو ترجمے تشریحی کتب، اصول اور دوسرے مضامین شامل ہیں۔ لیکن زیر نظر کتاب اس لحاظ سے منفرد مقام رکھتی ہے کہ اس میں کسی بھی متعلق مضمون کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ اس میں ایک تو اسناد کی طوالت ختم کر دی گئی ہے۔ جس سے کتاب کی جامعیت بڑھ گئی ہے۔ دوسرے امام نے ایک ہی مضمون کی حدیث کو مختلف اسناد سے اور مختلف مقامات پر درج کیا ہے۔ انھیں ایک ہی مرتبہ دے دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث پڑھنے والے ہر ایک فرد کو اختلاف اسناد سے دلچسپی نہیں ہوتی اس لئے اسے بھی مستحسن ہی کہا جائے گا۔

مصنف نے اپنی وسعت علم اور بصیرت کا ثبوت اس طرح بھی دیا ہے کہ انھوں نے کسی حدیث کی محض تشریح پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس پر اتنی مفصل بحث کی ہے کہ اسے تشنہ نہیں چھوڑا، حدیث وحی۔ کتاب الایمان اور کتاب العلم میں انھوں نے ہر اس مسئلہ کو جو کسی حدیث میں آیا ہے شرح و بسط سے بیان کیا ہے، اسی طرح کتاب الوضو میں جہاں فقہی مسائل آئے ہیں، محض کسی حدیث کی تشریح ہی نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ہی مختلف آئمہ کے مسلک واضح کئے ہیں اور پھر امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی برتری کے لئے دلائل بھی دیئے ہیں۔ مختلف احادیث کی توجیہ اور توثیق میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

آج کل کے دور میں اکثر تصانیف محض پرانے مصنفین کی تحریروں کو نئے قالب میں ڈھال کر پیش کی جاتی ہیں اور ایک روش یہ ہو گئی ہے کہ نئے مصنفین اس محنت، کاوش، وسیع مطالعہ اور عمیق فکر سے کام نہیں لیتے جو کسی تصنیف کو مکمل بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس ماحول میں "فیوض الباری" ایک ایسی نئی تصنیف نظر آتی ہے۔ جس میں مصنف نے وسعت علم کے فن پر عبور کے علاوہ محنت کا ثبوت دیا ہے۔ جس سے اسکی افادیت علماء اور عوام سب کے لیے یکساں ہو گئی ہے۔

مختصر فہرس مضامین فیض الباری شرح صحیح البخاری پارہ سوم

تبصرہ نوائے وقت لاہور	٢١٨	باب بحالت سفر ظہر کو ٹھنڈا کر کے		باب من ادرک رکعۃ من
خطبہ	٢٢٠	پڑھنا	٢٣٢	العصر پر بحث
اوقات نماز کا بیان	٢٢١	ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت		باب وقت مغرب کے بیان میں
نماز کی پابندی اور اس کی نگہداشت	,,	پڑھنے کی مکمل بحث	,,	وقت مغرب کا بیان اور
قرآن میں نماز کے اوقات	-	باب ظہر کا وقت زوال کے		اس کے دلائل
نماز کی شرطیں	٢٢٢	بعد ہے	٢٣٣	مغرب کا مستحب وقت
ہر نماز کے لیے وقت مقرر ہے اور		حدیث ابراد پر بحث	-	باب مغرب کو عشاء کہنا مکروہ ہے
اسکی محافظت فرض ہے	٢١٢	باب ظہر میں اتنی تاخیر کرنا کہ اول		باب عشاء کی نماز کو عتمہ کہنے
مسئلہ جمع بین الصلوتین	٢٢٣	وقت عصر کا آجائے	٢٣٤	کے متعلق
باب قول اللہ عز وجل		مسئلہ جمع بین الصلوتین پر		باب عشاء کی نماز اس وقت پڑھنا
منیبین الیہ الخ	٢٢٦	مکمل بحث اور شبہات کے		کہ جب سب لوگ جمع ہو جائیں
باب اقامت نماز پر بیعت لینا	,,	جوابات	٢٣٨	باب نماز عشاء کی فضیلت
باب نماز گناہوں کا کفارہ		وقت ظہر اور اس کے دلائل	٢٤١	باب نماز عشاء سے قبل سونا
ہوتی ہے	٢٢٧	باب عصر کے وقت کے		مکروہ ہے
باب وقت پر نماز پڑھنے کی		بیان میں	٢٤٥	باب نیند کا غلبہ ہو تو پھر عشاء کی نماز
فضیلت کے متعلق	٢٢٨	کیا ایک مثل کے بعد عصر کا		سے قبل سونے کے متعلق
باب نماز پنجگانہ کو جماعت سے		وقت شروع ہو جاتا ہے؟	٢٤٦	باب عشاء کا وقت نصف رات
پڑھنا یا اکیلے گناہوں کا		باب نماز عصر کو قضا کر دینے		تک ہے؟
کفارہ ہو جاتی ہے	,,	کا گناہ	٢٤٧	وقت عشاء کا بیان اور اس
باب نماز کو ضائع کرنا یعنی		عصر میں کتنی تاخیر کی		کے دلائل
بے وقت پڑھنا	٢٢٩	جائے	,,	باب نماز فجر کی فضیلت
باب نمازی اپنے رب سے		باب نماز عصر کو ترک کر دینے کا گناہ	,,	باب وقت فجر کا بیان
سرگوشی کرتا ہے	-	باب نماز عصر کی فضیلت		باب جو سورج نکلنے سے قبل فجر
باب گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا		کے متعلق	٢٤٨	کی ایک رکعت پالے
کر کے پڑھنا	٢٣٠	روز قیامت دیدار الٰہی ہوگا	,,	وقت فجر کا بیان اور اسکے دلائل

ب نماز فجر کے بعد سورج بلند ہونے
کے بعد تک نماز پڑھنا ۲۶۱
فجر و عصر کی نماز کے بعد
نفل پڑھنا ممنوع ہیں ۲۶۲
طلوع آفتاب کے وقت
مطلقاً نماز جائز نہیں "
ب سورج غروب ہونے سے
پہلے نماز کا قصد نہ کرے ۲۶۳
ب عصر اور فجر کے بعد نماز
پڑھنا مکروہ ہے "
بوقت طلوع و غروب و
نصف النہار نماز جائز نہیں
اور اس کے دلائل "
ب ابر والے دن نماز
جلدی پڑھنا ۲۶۵
ب وقت گذر جانے کے بعد
اذان کہنا "
قضاء نماز کے لیے اذان و
اقامت کہی جائے اور اس
کے احکام و مسائل ۲۶۶
ب وقت گذر جانے کے بعد
قضا نماز با جماعت پڑھنا ۲۶۹
ب بھول سے نماز رہ گئی تو
جب یاد آجائے پڑھ لے
اور اس مسئلہ پر بحث ۲۷۰
ب قضا نمازوں کو ترتیب
سے پڑھے ۲۷۱

قضا نمازوں میں ترتیب واجب ہے ۲۷۱
باب نماز عشاء کے بعد دنیا کی باتیں
کرنا منع ہیں ۲۷۲
باب اپنی بیوی یا مہمان سے عشاء "
کے بعد باتیں کرنا ۲۷۳

کتاب الاذان

باب اذان کی ابتداء کیسے
ہوئی؟ ۲۷۴
اذان کے معنی اور اس کی
اصل قرآن سے ثابت ہے ۲۷۵
باب اذان کے کلمات دو دو
بار کہنا ۲۷۶
باب تکبیر کے الفاظ ایک ایک
بار کہے جائیں "
باب اذان دینے کی فضیلت
میں ۲۷۷
اذان و موذن کے فضائل —
باب بلند آواز سے اذان کہنا ۲۷۸
باب اذان کی آواز سن کر حملہ
سے رک جانا ۲۷۹
باب جب اذان سنے تو کیا کہے "
جواب اذان کے فضائل و مسائل "
باب اذان کے بعد کی دعا ۲۸۰ مقام محمود ۲۸۱
باب اذان دینے میں جھگڑا ہو
تو قرعہ ڈالنا ۲۸۲
باب دوران اذان بات کرنا ۲۸۳

باب نابینا کی اذان کے متعلق ۲۸۳
حالات حضرت عبداللہ بن مکتوم مؤذن
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۲۸۴
باب طلوع فجر کے بعد اذان دینا "
باب طلوع فجر سے قبل اذان دینا "
اذان قبل الفجر کی بحث ۲۸۵
سحری کے وقت جگانے کیلئے اذان دینے
کی کوئی اصل نہیں ہے ۲۸۶
باب اذان و اقامت کے درمیان
کتنا وقفہ ہو۔ اس مسئلہ پر
مکمل بحث ۲۸۷
مغرب سے قبل دو نفل پڑھنے کی بحث ۲۸۸
باب اذان سن کر تکبیر کا گھر میں
انتظار کرنا ۲۹۰
باب اذان و اقامت کے درمیان
نفل پڑھنا "
باب سفر میں ایک ہی شخص
اذان دے ۲۹۱
باب بحالت سفر نماز کے لیے اذان و
اقامت کہنا "
باب مؤذن اذان کے وقت اپنا
منہ ادھر ادھر کرے ۲۹۲
باب یہ کہنا جائز ہے کہ میری نماز
فوت ہو گئی ۲۹۳
باب جتنی نماز امام کے ساتھ پاؤ
پڑھ لو، باقی پوری کرو ۲۹۴
باب نماز کے لیے اطمینان سے اٹھے "

باب لوگ نماز کے لیے کس وقت کھڑے ہوں ؟ ٢٩٤
باب بضرورت اذان کے بعد مسجد سے نکلنا ٢٩٥
اذان کے بعد مسجد سے نکلنا جائز نہیں 〃
باب امام کا مقتدیوں سے یہ کہنا ٹھہرے رہو ٢٩٦
باب یہ کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی 〃
باب تکبیر کے بعد امام کو کوئی ضرورت پیش آجائے 〃
باب تکبیر کے بعد بات کرنا 〃
باب باجماعت نماز کے متعلق ٢٩٧
باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے 〃
جماعت اور ترکِ جماعت کے ضروری مسائل ٢٩٨
باب باجماعت نماز کی فضیلت ٢٩٩
باب نمازِ فجر باجماعت پڑھنے کی فضیلت ٣٠١
باب نمازِ ظہر جلدی پڑھنے کے متعلق ٣٠٢
باب نیک کام کرنے والے کو ہر قدم پر ثواب ملتا ہے ٣٠٣
باب عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت 〃
باب دو یا دو سے زائد جماعت ہے ٣٠٤
باب نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا ٣٠٤
باب مسجد میں صبح و شام جانے کی فضیلت ٣٠٦
باب جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو کوئی نماز جائز نہیں 〃
اس مسئلہ پر مفصل بحث ٣٠٧
باب مریض کو بیماری کی کس حد تک مسجد میں نماز کے لیے آنا چاہیئے۔ ٣٠٨
باب بارش اور کسی عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنا ٣٠٩
باب بارش کے موقع پر بھی امام نماز پڑھائے اور جمعہ کا خطبہ دے ٣١٠
نمازِ چاشت کے مسائل ٣١١
باب جب کھانا حاضر ہو اور ادھر تکبیر ہو جائے ؟ ٣١٢
باب امام کو جب نماز کے لیے بلایا جائے اور وہ کھا رہا ہو ٣٣٣
باب جو شخص گھر کے کام میں مشغول ہو اور تکبیر ہو جائے۔ 〃
باب صرف تعلیم کے لیے نماز پڑھ کر دکھانا
باب جو علم و فضل میں زیادہ ہو وہ امامت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ ٣٣٤
باب کسی عذر کی وجہ سے امام کے پہلو میں کھڑا ہونا
باب جو شخص امامت شروع کرے پھر مقررہ امام آجائے
باب جب سب کے سب قاری ہوں تو جو بڑا ہے وہ امامت کرے۔
باب جب امام کسی قوم سے ملنے جائے تو ان کا امام ہو سکتا ہے
باب امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے
کیا امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھیں ؟
باب مقتدی کب سجدہ کریں
باب امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھانا گناہ ہے
باب غلام کی امامت کے متعلق
باب بحالتِ نماز مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھنے کی بحث
باب ولد الزنا، اعرابی اور نابالغ کی امامت کے متعلق
باب جب امام نماز پوری نہ کرے اور مقتدی کر لیں
بحث کیا امام کی نماز میں نقص رہ جائے تو مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی
باب باغی اور بدعتی کی امامت کے متعلق

بدمذہب اور بدعتی کی امامت کا حکم ۳۴۷
باب جب دو نمازی ہوں تو ایک امام کی داہنی طرف کھڑا ہو ۳۴۷
باب جب کوئی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو ۳۴۷
باب اگر امام نے نیتِ امامت نہ کی ہو ۳۴۸
باب اگر امام لمبی سورت شروع کردے ۳۴۸
بحث ۔ کیا مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے جائز ہے ۳۴۹
باب اگر امام قراءت میں تخفیف کرے ۳۵۱
باب اکیلا نماز پڑھنے والا جتنا چاہے لمبا قیام کرے ۳۵۲
باب امام نماز کو طول دے تو اس کی شکایت کرنا ۳۵۲
باب نماز مختصر اور پوری نماز پڑھنا ۳۵۳
باب بچہ کے رونے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کر دینا ۳۵۳
باب نماز پڑھنے کے بعد پھر امامت کرنا ۔ ۳۵۴
باب امام کی تکبیر لوگوں کو سنانا
باب ایک شخص امام کی اقتدا کرے اور لوگ اس کی اقتدا کریں ۳۵۵
باب امام کو شک ہو تو مقتدیوں کے کہنے پر چل سکتا ہے ۳۵۵
باب نماز میں امام کا رو پڑنا ۳۵۷
باب تکبیر کے وقت صفوں کو برابر کرنا ۳۵۷
باب امام کا صفیں برابر کرتے وقت لوگوں کی طرف متوجہ ہونا ۳۵۸
صفوں کو سیدھا رکھنا واجب ہے اور اس کے مسائل ۳۵۸
باب صف اوّل کی فضیلت ۳۵۹
باب صف پوری نہ کرنے کا گناہ ۳۶۰
باب صف میں مونڈھے سے مونڈھا ملا کر کھڑا ہونا ۳۶۰
باب جب کوئی امام کی بائیں طرف کھڑا ہو اور امام اس کو اپنی داہنی طرف کرے ۳۶۱
باب اکیلی عورت صف کے حکم میں ہے ؟
باب مسجد اور امام کی داہنی جانب کا بیان ۳۶۲
باب امام اور مقتدی کے درمیان پردہ یا دیوار حائل ہو ۳۶۳
باب رات کی نماز کا بیان ۳۶۴
باب تکبیر تحریمہ کا واجب ہونا ۳۶۵
تکبیر تحریمہ کے متعلق بحث اور مسائل و احکام ۳۶۵
تکبیر تحریمہ کے لیے اللہ اکبر کہنا ضروری ہے ؟
باب تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا ۳۶۷
تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بحث ۳۶۷
باب تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا ۳۶۸
رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا ۳۶۹
مسئلہ رفع یدین پر مکمل بحث دلائل و شبہات کے مفصل جوابات ۳۷۰
رفع یدین کی ممانعت والی حدیث
باب دو رکعت پڑھ کر اٹھنے پر رفع یدین کرنا ۳۷۵
ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی مکمل بحث ۳۷۵
باب نماز میں خشوع کا بیان ۳۷۷
باب تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھے ۳۷۸
بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی بحث ۳۷۸
تکبیر تحریمہ کے بعد کونسی دعا پڑھے ۳۸۰
باب بحالتِ نماز آسمان کی طرف دیکھنا ۳۸۴
باب نماز میں ادھر ادھر دیکھنا ۳۸۴
باب کیا بضرورت نماز میں التفات جائز ہے ؟ ۳۸۵
باب امام ہو یا مقتدی سب پر قرآن پڑھنا واجب ہے ۳۸۶

امام اور منفرد کو نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے ۳۸۹
فرض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت واجب نہیں ہے ۳۸۹
مطلق قرأت فرض ہے ۳۹۰
نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے ۳۹۰
نماز میں الحمد کے ساتھ سورۃ ملانا بھی واجب ہے ۳۹۱
فرض کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد کے ساتھ سورت ملائی جائے اور آخری دو رکعتوں میں صرف الحمد پڑھی جائے ۳۹۲
حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب پر مکمل بحث ۳۹۳
مسئلہ قرأت خلف امام ۳۹۵
حدیث فقراءۃ الامام الخ کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ۳۹۷
قرأت خلف امام کی ممانعت اسی صحابہ کرام سے مروی ہے ۳۹۷
احادیث دربارۂ ممانعت قرأت خلف الامام ۳۹۷
صحابہ و تابعین کے قرأت خلف امام کے متعلق ارشادات ۴۰۰
دلائل حنفیہ اور سوالات کے جوابات ۴۰۰
دن کی نمازوں میں آہستہ اور رات کی نمازوں میں جہر سے قرأت کرنا واجب ہے ۴۰۷
آخری دو رکعتوں میں قرأت کرنے کی بحث ۴۰۹
باب نماز ظہر میں قرأت کے متعلق ۴۱۰
باب نماز مغرب میں قرأت کے متعلق ۴۱۲
باب مغرب کی نماز میں جہر کے متعلق ۴۱۳
باب نماز عشاء میں جہر کے متعلق ۴۱۳
باب نماز عشاء میں قرأت کے متعلق ۴۱۳
باب نماز عشاء میں سجدہ والی سورت پڑھنا اور سجدہ تلاوت کے مسائل ۴۱۴
باب نماز فجر میں قرأت کے متعلق ۴۱۴
باب نماز فجر میں جہر کے متعلق ۴۱۴
باب دو سورتیں ایک رکعت میں پڑھنا الخ ۴۱۹
باب پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا ۴۲۲
باب ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کے متعلق ۴۲۲
باب امام کا مقتدیوں کو کوئی آیت سُنا دینا
باب امام کا بلند آواز سے آمین کہنا
آمین دعا ہے اور دعا آہستہ مانگنے کی قرآن نے تلقین کی ہے
آمین کہنے پر امت کا اجماع ہے
باب آمین کہنے کی فضیلت میں
باب مقتدی کا پکار کر آمین کہنا
مسئلہ آمین بالسر
بحث سماع علقمہ عن ابیہ
تصریحات ضروریہ
باب صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کر لینا
مقتدی کو صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے
باب تکبیر کو رکوع میں ختم کرنا
باب تکبیر کو سجدہ میں پورا کرنا
باب سجدے سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا
باب رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا
رکوع کرنے کا طریقہ اور اس کے مسائل
باب جب اچھی طرح رکوع نہ کرے تو کیا حکم ہے
باب رکوع میں پیٹھ برابر رکھنا

باب رکوع کو پورا کرنا اور رکوع کے بعد کھڑا ہونا اور اطمینان کرنا ۴۳۳
باب حضور کا اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دینا جس نے رکوع پورا نہ کیا تھا ۴۳۴
قومہ و جلسہ میں اطمینان کرنا واجب ہے ۴۳۴
قومہ و جلسہ میں طمانیت کی مقدار ۴۳۴
باب رکوع میں کیا پڑھے رکوع و سجود میں دعا کے الفاظ اور تسبیح کی مقدار ۴۳۵
باب امام و مقتدی رکوع سے سر اٹھاتے وقت کیا کہیں ۴۳۶
باب ربنا لک الحمد کی فضیلت کے بیان میں ۴۳۶
امام و منفرد تسمیع و تحمید دونوں کہیں ۴۳۷
نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھنے کی بحث ۴۳۷
باب رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اطمینان سے کھڑا ہونا ۴۳۸
باب سجدہ کے لیے اللہ اکبر کہتا ہوا جھکے ۴۳۹
سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ۴۳۹
باب سجدہ کی فضیلت میں
طاغوت کے معنی اور مفسرین کی تصریحات ۴۴۳
سجدہ کے ضروری مسائل اور سجدہ کرنے کا طریقہ ۴۴۷
باب سجدہ میں دونوں بازو کھلے رکھے اور پیٹ کو رانوں سے جدا رکھے۔ ۴۴۸
باب سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھے ۴۴۸
باب سات ہڈیوں پر سجدہ کرنا ۴۴۸
باب سجدہ میں ناک بھی زمین پر لگائے ۴۴۹
باب سجدہ پورا نہ کرنا گناہ ہے ۴۵۱
باب کیچڑ میں بھی ناک زمین پر لگانا ۴۵۲

ختم شد پارہ سوم

نام کتاب ———— فیوض الباری (حصہ سوم)
مصنف ———— علامہ سید محمود احمد رضوی
مطبع ————
بار ہفتم ———— ایک ہزار
تاریخ اشاعت ————

حسب فرمائش؛ صاحبزادہ سید فواد اشرف رضوی

سنتِ نبوی سے متعلق چند ضابطے

واضح ہو کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ و افعالِ جمیلہ، سبحان اللہ! سب ہی حسین و جمیل ہیں اور حضور کی ہر سنت کو اپنانا سعادت ہے مگر یاد رہے حضور کی مقدس سنتوں کے درجے ہیں۔ جس درجہ کی سنت ہے اسے اسی درجہ رتبہ میں رکھنا واجب ہے۔ اصول کی معتبر کتاب نور الانوار میں ہے۔ سنت دو قسم پر ہے۔ سنۃ الھدیٰ جس پر حضور نے مواظبت فرمائی۔ اس کو علی وجہ التعبد کیا کہ ایک دو بار بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو یا بالکل نہ چھوڑا ہو لیکن تارک پر انکار نہ فرمایا۔ سنتِ ھدیٰ کا ترک اساءۃ ہے وقتِ حساب اس سے کہا جائے گا تو نے یہ سنت کیوں نہیں ادا کی۔ دوسری قسم سنۃ الزوائد جیسے لباس اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے پہننے کی حضور کی عادت کریمہ کہ یہ چیزیں حضور سے علی وجہ العبادۃ و قصدِ قربت کے طور پر صادر نہیں ہوئیں۔ بلکہ عادت کے طور پر حضور سے صادر ہوئیں ہیں۔ جیسے حضور کا سُرخ سبز سفید جبہ زیبِ تن فرمانا۔ کبھی سیاہ یا سرخ عمامہ سات ہاتھ یا بارہ ہاتھ یا اس سے کم و بیش کا استعمال فرمانا۔ تو ایسی تمام سنتیں سنتِ زوائد ہیں۔ سنتِ زوائد کا حکم یہ ہے:۔

یثاب المرء علی فعلها ولا یعاقب
علی ترکها وهو فی معنی المستحب۔

(نور الانوار مع حاشیہ قمر الاقمار)

یعنی۔ ان سنتوں پر عمل کرنا والا ثواب پاتا ہے اور جو عمل نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور یہ سنتیں مستحب کے حکم میں ہیں۔

حضور کی سنن زوائد مستحب کے حکم میں ہیں ان کا ترک نہ گناہ نہ مکروہ تنزیہہ

چنانچہ حضور کی سنتِ زائدہ کے متعلق اعلیٰحضرت نے تصریح فرمائی ہے کہ سنن زوائد نہ فرض نہ واجب نہ سنتِ مؤکدہ بلکہ مستحب کے حکم میں ہیں کہ ان پر عمل کرو تو ثواب نہ کرو تو کچھ گناہ نہیں بلکہ ان کا ترک مکروہ تنزیہہ بھی نہیں۔ چنانچہ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

(۱) وذالک لان التعبد من سنن الزوائد وسنن الزوائد حکمها حکم المستحب (۲) ترکه لا یوجب اساءۃ ولا عتابا کترک سنۃ الزوائد لکن فعله افضل درمختار (۳) وسنۃ الزوائد وترکها لا یوجب ذالک کسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی لباسه (۴) بخلاف سنۃ الھدیٰ وھی السنن المؤکدۃ القریبۃ من الواجب الذی یضلل تارکها (فتویٰ رضویہ صـ۲۵۲)

حدیث ضعیف اباحت میں بالاجماع مقبول!

حدیث ضعیف اباحت میں بالاجماع مقبول ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں در مع ہذا حلیہ میں فرمایا کہ جب حدیث ضعیف بالاجماع فضائل میں مقبول ہے تو اباحت میں بدرجہ اولیٰ (صـ۳۶ جلد اول۔ فتاویٰ رضویہ)

اباحت کا مطلب ہے جائز ہونا کہ اگر حدیث ضعیف بھی ہو تو جو کچھ اس میں مروی ہے اس کا جائز ہونا ثابت رہے گا اور جائز کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز فرض واجب یا حرام یا مکروہ تحریمہ ہرگز ہرگز نہیں قرار پائے گی کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور اباحت کو حرمت میں بدلنے کا حق صرف اور صرف حضرت شارع علیہ السلام کو ہے۔

دلیل شرعی حرام ومکروہ کا فتویٰ دینا ورسول پر افترا کرنا ہے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس موضوع پر متعدد مقامات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:-

- جواز کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ خدا اور رسول نے منع نہ فرمایا۔ کسی چیز کی مخالفت قرآن وحدیث میں نہ ہو تو اسے منع کرنے والا خود حاکم وشارع بننا چاہتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ ج ۱ صـ۱۶۸ کتاب النکاح)
- شریعت مطہرہ میں طہارت وحلت اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں صـ۹۶ فتاویٰ رضو
- مجرد ظنوں واوہام کی پابندی تشدد و ناواقفی نرے بے تحقیق کسی شے کو حرام وممنوع کہہ دینے میں کچھ احتیاط بلکہ احتیاط اباحت میں ہے۔
- جب کسی کو کسی شی سے منع وانکار کرتے اور اسے حرام ومکروہ یا ناجائز کہتے۔ سنو۔ جان لو کہ بار ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ جبتک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کر دے۔ اس کا دعویٰ اسی پر مردود اور جائز ومباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لیے تمسک باصل موجود۔ یہ قاعدہ نصوص جلیلہ۔ احادیث نبویہ وتصریحات جلیلہ حنفیہ شافعیہ وغیرہم عامہ علماء وائمہ سے ثابت ہے۔ یہاں تک کسی عالم کا اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔ صـ۹۶۔
- جب بازار میں حلال وحرام مطلقاً۔ یا کسی جنس خاص میں مختلط ہوں اور کوئی تمیز وعلامت فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شی میں احتمال حلت قائم اور رخصت واباحت کو اسی قدر کافی صـ۱۱۸)

حکام کے ثبوت کے لئے یث صحیح کی ضرورت ہے

واضح ہو اصول عقائد اسلامیہ کے معاملہ میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں احادیث احاد اعتقاد کے معاملہ میں ناقابل اعتماد ہیں اور احکام کے ثبوت کے لیے حدیث صحیح کی ضرورت ہے۔ حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہوتے اور موضوع کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فضائل ومناقب میں حدیث ضعیف بھی کافی ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔

جن باتوں کا ثبوت حدیث سے چاہا جائے۔ وہ سب ایک پلہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اعلیٰ درجہ قوت پر ہیں کہ جب تک حدیث مشہور ہو اس کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ احاد اگرچہ کیسے ہی قوت سند ونہایت صحت پر ہوں، ان کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔ یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں۔

خبر الواحد علی تقدیر اشتماله علی جمیع الشرائط المذکورة فی اصول الفقه لا یفید الا الظن ولا عبرة بالظن فی باب الاعتقادات	یعنی حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔

علامہ علی قاری۔ الروض الازہر میں فرماتے ہیں۔

الاحاد لا تفید الا عتماد فی الاعتقاد !	احادیث احاد دربارۂ اعتقاد ناقابل اعتماد۔

- دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ ان کے لیے۔ اگرچہ اتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ۔ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ۔ یا کم لغیرہ ہونا چاہیے۔ جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔
- تیسرا مرتبہ۔ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاق علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے۔ مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی۔ جو ایسا کرے اتنا ثواب پائے یا کسی نبی یا صحابی کی خوبی بیان ہوئی کہ انہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا یہ فضل عطا کیا تو ان کے مان لینے

کو ضعیف حدیث بھی کافی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ صہ ۵۴۹)

احکام کے لیے حدیث ضعیف کافی نہیں

دربارۂ احکام ضعیف حدیث کافی نہیں ہے اس کے لیے حدیث کا صحیح لذاتہٖ خواہ لغیرہٖ یا یا اس سے کم از کم لغیرہٖ ہونا ضروری ہے۔ جمہور علماء اس معاملہ میں ضعیف حدیث سے اث کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہاں ضعیف حدیث فضائل اعمال میں مانی جاتی ہے (فتاویٰ رضو

پاگل و مجنون یا مکار پُرفتون

جو شخص بھی کسی چیز کے حرام یا مکروہ ہونے کا مدعی ہو تو ثبوت اسی کے ذمے اپنے دعویٰ کا ثبوت نہ دے اور دوسروں سے الٹا ثبوت مانگے تو جان لو وہ و مجنون ہے۔ یعنی اسے تقویٰ کا ہیضہ ہوگیا ہے یا پھر مکار اور فتنہ پرور ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

جو شخص کسی بات کا مدعی ہو اس کا بارِ ثبوت اس کے ذمے ہوتا ہے آپ اپنے دعویٰ کا ثبوت نہ دے اور دوسروں سے الٹا ثبوت مانگتا پھرے وہ پاگل و مجنون کہلاتا ہے یا مکار پُرفتون وھذا ظاہر جداً۔ (الصارم الربانی صہ

اور ثبوت یہ نہیں ہے

کہ فلاں عالم نے ایسا لکھ دیا ہے اس لیے آنکھ بند کرکے مان لو۔ ورنہ امن اٹھ جائے آزاد خیالی کو تقویت پہنچے گی۔ بلکہ ثبوت یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے واضح طور پر اس چیز کی حرمت و کراہت کو ثابت کرے۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں:۔

جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کردے اس کا دعویٰ اسی پر مردود اور جائز و مباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لیے تمسک باصل موجود۔ فتاویٰ رضویہ ج ۲ صہ ۹

گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی

شریعت کا جو حکم اور ہدایت جس مرتبہ اور درجہ کا ہے۔ اس کو اسی مرتبہ و درج ضروری و لازمی ہے۔ شریعت کی کسی ہدایت میں اپنی طرف سے غلو و شدت مذموم ہے پھر جو حکم یا ہدایت جس درجہ اور رتبہ کا ہے۔ وہ اسی درجہ کی دلیل شرعی سے ثابت ہوگا۔ مقاصد شریعت سے اور جاہل متقی اس مرض میں مبتلا دیکھے گئے ہیں۔ وہ بعض مسائل میں بے جا شدت و غلو کرتے ہیں اور بزعم خود سمجھتے ہیں کہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ تبلیغ نہیں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب فرزند فرماتے ہیں۔

مانی ہوئی باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں۔ اوّل ضروریاتِ دین جن کا منکر کافر ان کا ثبوت قرآنِ عظیم یا حدیث متواتر۔ یا اجماعِ قطعی قطعیات الدلالات۔ واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے۔ جن میں نہ شبہے کو گنجائش نہ تاویل کو را دوم ضروریاتِ مذہب اہلسنت وجماعت جن کا منکر گمراہ بدمذہب ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے اگرچہ تاویل بابِ تکفیر مسدود ہو۔ سوم ثابتاتِ محکمہ جن کا منکر بعد وضوح امر خاطی و آثم قرار پاتا ہے۔ اس کے ثبوت کو دلیل ظنی کا اس کا مفاد اکبر رائے ہو کر جانبِ خلاف کو مطروح و مضمحل کر دے۔ یہاں حدیث احاد صحیح یا حسن کافی اور بقول سوادِ اعظم و سدوا ل فان ید اللہ علی الجماعۃ۔ چہارم:۔ ظنیاتِ محتملہ جن کے منکر کو صرف مخطی کہا جائے گا ان کے لیے ایسی دلیل ظنی جس نے جانبِ خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو ..... ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جو فرقِ مراتب نہ کرے اور ایک کی بات کو اس سے اعلیٰ مرتبہ کی دلیل مانگے جاہل بیوقوف ہے یا مکار فیلسوف ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد گر فرقِ مراتب نکنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کتاب مَوَاقِیْتُ الصَّلٰوۃِ —— کتاب نماز کے وقتوں کے بیان میں

واضح ہو کہ مامور بہ یعنی وہ کام جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دو قسم پر ہیں غیر موقت یعنی جن کا کرنا کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہ ہو۔ جیسے زکوٰۃ عشر، نذر مطلق وغیرہ۔ زکوٰۃ کا سبب مالک نصاب ہونا ہے۔ اور اس کی شرط ایک سال کا گزرنا ہے مگر اس کی ادائگی کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ جب بھی ادا کی جائے گی ادا ہو جائے گی —— دوسری قسم موقت ہے کہ جس کا تعلق ایک خاص وقت کے ساتھ ہے۔ اس وقت میں اس کو کیا جائے تو ادا ہے۔ وقتِ مخصوص کے سوا اگر کیا جائے تو ادا نہ ہوگی قضا ہوگی۔ اس کی مثال نماز ہے کہ اس کی ادائگی کے لیے وقت مقرر ہے۔ وقت پر نہ پڑھی جائے تو قضا ہو جائے گی۔

۲۔ نماز کے اوقات۔ تعداد رکعات۔ شرائط و آداب کی پوری تفصیل تو قرآن مجید میں نہیں ملتی۔ البتہ ان امور کا اجمالی ذکر ہے اور ان کے اصول قرآن نے بیان کیے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ کی یہ آیت جس میں ترسائی کی حالت میں نماز ادا کرنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں ایک جامع آیت ہے۔

اِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ-۳۱)	پھر جب تم امن میں ہو تو خدا کو یاد کرو۔ جیسے اس نے تمہیں تعلیم دی۔ جس سے پہلے تم ناواقف تھے۔

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نماز اور اس کے شرائط و آداب اللہ عزوجل نے اسی طرح تعلیم فرمائے ہیں۔ جس طرح قرآن مجید کے اس اجمال کی تفصیل اور تشریح سنتِ نبوی کے ذریعے احادیث میں تحریراً اور مسلمانوں کے نسلاً بعد نسل متفقہ تواتر کی شکل میں عملاً موجود ہے اور قرآن مجید میں اس کے عملی حوالے اور متعلقہ احکام بیان ہوئے۔

نماز کی پابندی اور اس کی نگہداشت

نماز کی مداومت کے لیے قرآن مجید میں ایک خاص لفظ محافظت کا استعمال ہوا ہے جس کے لفظی معنی نگرانی کے ہیں اور جس کی وسعت میں پابندی سے کرنا، وقت پر ادا کرنا سب داخل ہیں۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ		نمازوں کی نگرانی رکھو۔
الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ	معارج-۱	وہ جو اپنی نماز کی نگرانی رکھتے ہیں
الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ	معارج-۱	وہ جو اپنی نماز ہمیشہ ادا کرتے ہیں۔

ان آیات میں سب سے پہلی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ نماز ایک ایسا فرض ہے جو کسی مسلمان سے کسی حال میں معاف نہیں اور اس کو ہمیشہ پابندیٔ وقت اور اس کے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔ اداءِ نماز کے لئے اوقات کے مقرر ہونے کی تصریح بھی قرآن نے کی۔

قرآن میں نماز کے اوقات

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔	بے شک نماز مسلمانوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے لیے اوقات مخصوص ہیں۔ ادائے نماز کے لیے قرآن مجید نے زیادہ تر تین الف استعمال کئے ہیں۔ صلوٰۃ۔ تسبیح۔ ذکر اللہ۔ پہلا لفظ اوقات صلوٰۃ کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن دوسرا اور تیسرا لفظ عام تسبیح و تح یادِ الٰہی اور نماز کے لیے بولا جاتا ہے۔ احادیث میں بھی تسبیح کے معنی نماز پڑھنے کے ہیں (مسلم باب صلوٰۃ) اور اشعار عرب اور عرب سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن میں جب تسبیح کے ساتھ وقت کی تخصیص ہوگی۔ تو اس سے کسی شبہ کے بغیر نماز کے کوئی اور چیز مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ وقتِ مخصوص کے ساتھ اسلام میں نماز کے علاوہ کوئی تسبیح فرض نہیں ہے۔ البتہ اوقات کی تخ کے بغیر جہاں تسبیح کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے۔ اس سے اللہ عزوجل کی عام یاد و توصیف مراد ہوسکتی ہے۔

قرآن پاک کی متعدد آیات میں پانچ وقت نماز پڑھنے کے اوقات کا بالتصریح اور بالاجمال ذکر ہے۔ مثلاً سورہ ط صرف ایک آیت سے اوقاتِ پنجگانہ کی تفصیل کا استدلال کیا جاسکتا ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَائِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ۔ (طٰهٰ-۸)	اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کر آفتاب نکلنے سے پہلے آفتاب کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کے کچھ وقت پڑھ اور دن کے کناروں میں۔

آفتاب نکلنے سے پہلے فجر ہے۔ ڈوبنے سے پہلے عصر ہے۔ رات کے وقت سے مراد عشاء ہے اور دن کے کناروں میں ظہر ہے۔ اسی طرح علیحدہ علیحدہ آیتوں سے بھی اوقاتِ پنجگانہ کا استدلال ہوسکتا ہے۔ مثلاً

(۱) اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (اسراء-۹)	زوالِ آفتاب کے وقت نماز قائم کرو۔ یہ ظہر کی
(۲) وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ (ق-۳)	اور غروبِ آفتاب سے پہلے خدا کی تسبیح کر۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (دھر-۲) اور اپنے پروردگار کا نام لو صبح کو اور عصر کو یہ عصر کی نماز ہوئی

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ——— بیچ کی نماز سورۂ بقرہ میں کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دن کی نمازوں میں ظہر اور کے بیچ میں واقع ہے۔

(۳) وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ (ھود-۱) اور دن کے دونوں ابتدائی اور انتہائی کناروں میں نماز ق دن کا ابتدائی کنارہ صبح اور انتہائی کنارہ مغرب ہے۔ یہ فجر اور مغرب کی نماز ہوئی۔

(۴) سورۂ نور میں ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے بے آواز دیئے زنانہ مکان میں مت جایا کرو۔ مِنْ قَبْلِ الصَّلٰوةِ الْ (نور-۸) اس سے نماز فجر کا عملی ثبوت بھی ملتا ہے۔

(۵) پھر اسی میں یہ ہدایت بھی ہے کہ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اور "عشاء کی نماز کے بعد" کہ مسلمانوں کو عشاء کی نماز کے آرام کرنے اور کپڑے اتار دینے کا وقت ہے کسی مسلمان کے مکان میں بلا اجازت نہ جانا چاہیئے۔ یہ بھی نماز عشاء کا عملی ث

اور یہی پانچوں اوقاتِ نماز ہیں۔

نماز کی شرطیں

واضح ہو کہ فرضیتِ نماز کا سبب حقیقی امرِ الٰہی ہے اور سببِ ظاہری وقت ہے۔ صحتِ نما شرطیں ہیں کہ بے ان کے ہوگی ہی نہیں۔ طہارت۔ سترِ عورت۔ استقبالِ قبلہ۔ وقت۔ نیت

کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں نماز کی ایک شرط "وقت" کے احکام و مسائل کا بیان کرنا مقصود ہے۔

بَابُ مَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ وَفَضْلِهَا	باب نماز کے اوقات اور ان کی فضیلت کے بیان

وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا وَقَّتَہٗ عَلَیْھِمْ (بخاری)

اور اللہ عزوجل نے فرمایا۔ بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا۔

ہر نماز کے لیے وقت مقرر ہے اور اس کی محافظت فرض ہے

واضح ہو شرح مطہر نے ہر نماز کے لیے جُدا وقت مقرر فرمایا ہے کہ نہ وقت سے پہلے صحیح ہے نہ وقت کے بعد تاخیر جائز بلکہ فرض ہے کہ ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کیا جائے زیرِ عنوان آیت کی تفسیر میں علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا۔ یَقْتَضِیْ الْکَوْنَ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ وَقْتًا عَلٰیحِدَۃً یعنی مقتضا آیت یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ اور یہ حکم عام ہے۔ مسافر و مقیم صحیح و مریض غرضیکہ ہر مسلمان کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ نماز کو اس کے وقتِ مقررہ میں ادا کرے۔ اللہ عزوجل نے محافظت والتزام اوقات کا حکم سات سورتوں میں نازل فرمایا۔ بقرہ۔ نساء۔ مریم۔ مومنون۔ معارج۔ ماعون اور اس سلسلہ کی چند احادیث یہ ہیں:۔

نوعِ اول۔ وہ احادیث جن میں محافظتِ وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب ہے۔ حضرت حنظلہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے ان پانچوں نمازوں کی ان کے رکوع و سجود اور اوقات کی

(۱) وَمَوَاقِیْتِہِنَّ وَعَلِمَ اَنَّہُنَّ حَقٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (امام احمد)

محافظت کی اور یقین جانا کہ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہیں جنت میں جائے گا۔

(۲) اس مضمون کی حدیث کو مالک ابوداؤد ونسائی وابن حبان نے حضرت عبادہ بن صامت سے (۳) ابوداؤد نے حضرت قتادہ سے (۴) ابوداؤد وطبرانی نے حضرت ابودرداء سے (۵) دارمی نے حضرت کعب بن عجرہ سے (۶) طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود (۷) طبرانی نے انس بن مالک سے (۸) ابوداؤد نے حضرت فضالہ زہرانی سے (۹) بخاری و مسلم۔ ترمذی ونسائی ودارمی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے (۱۰) بیہقی نے بطریق عمر بن خطاب فاروق اعظم سے (۱۱) امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا ہے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم)۔

نوعِ دوم۔ حدیث امامت جبرئیل جس میں انھوں نے ہر نماز کے لیے جُدا وقت معین کیا۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ جبرئیل امین نے بعد تعیین اوقات عرض کی۔

"بِھٰذَا اُمِرْتَ" قَالَ ھٰکَذَا اُمِرْتُ
مَا بَیْنَ ھٰذَیْنِ وَقْتُ صَلٰوۃٍ

اسی کا حضورؐ کو حکم دیا گیا ہے ایسا ہی حضور کو حکم دیا گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان وقتِ نماز ہے۔

(۱) اس مضمون کی حدیثیں بخاری و مسلم۔ مالک۔ موطاء و دارمی نے حضرت ابومسعود انصاری سے (۲) طحاوی ابوداؤد۔ ترمذی ابن حبان حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے (۳)۔ نسائی واحمد واسحٰق وابن حبان وحاکم نے جابر ابن عبداللہ سے (۴) طحاوی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیں۔

نوعِ سوم۔ وہ احادیث جن میں یہ ہے کہ سائل کے پوچھنے پر حضورؐ نے امامتیں کیں کہ ہر نماز کا اول و آخر وقت بتایا اور پھر فرمایا۔

وَقْتُ صَلٰوتِکُمْ مَا بَیْنَ مَا رَاَیْتُمْ

نماز کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔

(۱) اس مضمون کی احادیث مسلم ترمذی نسائی ابن ماجہ طحاوی نے حضرت بریدہ سے (۲) مسلم طحاوی ابوداؤد ونسائی وابن حبان نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے (۳) مالک ونسائی وبزار نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیں۔

نوع چہارم ۔ وہ احادیث جن میں حضورؐ نے پیش گوئی فرمائی کہ کچھ لوگ وقت گذار کر نماز پڑھا کریں گے۔ تم ان کا اتب
نہ کرنا اور یہ بات مطلقاً ارشاد فرمائی۔ سفر و حضر کی تخصیص نہیں کی۔

(۱) مسلم۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد۔ احمد، دارمی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام ن
ران پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ تیرا کیا حال ہوگا۔ جب تو ایسے لوگوں میں رہ جائے گا جو نماز کو اس کے وقت سے تاخیر کریں گے۔ میں ن
کی حضورؐ مجھے کیا حکم ہے؟

قَالَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِهَا۔	تو نماز کو اس کے وقت پر ہی پڑھنا۔

(۲) اس مضمون کی حدیث کو امام احمد و ابن ماجہ نے بسند صحیح حضرت عبادہ بن صامت سے (۳) ابوداؤد نے حضرت
ابن مسعود سے روایت کیا۔

نوع پنجم ۔ وہ احادیث جن میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا کہ جب
نماز کا وقت آیا اور دوسری کا جاتا رہا۔ قضا ہو گئی اور اس کی مخالفت و مذمت فرمائی۔

(۱) مسلم۔ ابوداؤد و نسائی و عیسٰے بن ابان حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وقت الظهر ما لم يحضر العصر و وقت المغرب ما لم يسقط ثور الشفق۔	ظہر کا وقت جب تک ہے کہ عصر کا وقت نہ آئے اور مغر وقت جب تک ہے کہ شفق نہ ڈوبے۔

(۲) مسلم۔ ابوداؤد و ابن ماجہ۔ طحاوی و ابن حبان حضرت ابو قتادہ سے راوی ہیں کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ن
سونے میں کچھ تقصیر نہیں۔ تقصیر تو جاگنے میں ہے۔

ان تؤخر الصلوة حتى يدخل وقت صلاة اخرى۔	کہ تو ایک نماز کو اتنا پیچھے ہٹائے کہ دوسری ن وقت آجائے۔

(۳)۔ امام طحاوی حضرت عبد اللہ بن عباس سے راوی۔

قال لا تفوت صلاة حتى يجيء وقت الاخرى	نماز فوت نہیں ہوتی جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آج

یعنی جب دوسری کا وقت آیا پہلی قضا ہو گئی

(۴)۔ امام بزار و محی السنہ بغوی حضرت سعد بن ابی وقاص سے راوی کہ میں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا وہ کون لوگ ہی
اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ الذين هم عن صلاتهم ساهون خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خب

قال هم الذين يؤخرون الصلوة عن وقتها	حضورؐ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر

(۵) ابو قتادہ عدوی جو اجلۂ اکابر و ثقات تابعین سے ہیں۔ بلکہ بعض نے انھیں صحابہ میں گنا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے امی
فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ کا فرمان سُنا۔

ثَلٰثٌ مِنَ الْكَبَائِرِ الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ وَالنُّهْبَةُ۔	کہ تین باتیں کبیرہ گناہوں میں ہیں۔ دو نمازیں جمع کرنا۔ ج میں کفار کے مقابلہ سے بھاگنا اور کسی کا مال لوٹنا۔

واضح ہو کہ یہ حدیث موطائی ہے جو اعلےٰ درجہ کی صحیح ہے۔ اس کے سب رجال اسمٰعیل بن ابراہیم ابن علیہ سے آخر تک
ثقات عدول رجال صحیح مسلم سے ہے۔

ان تمام آیات واحادیث سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوا کہ ہر نماز کے لیے خاص وقت جُداگانہ مقرر ہے کہ نہ اس سے پہلے ت جائز اور نہ اس کے بعد تاخیر کی اجازت ہے (۲) ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا فرض ہے (۳) سوا ظہرین عرفہ وعشائین ے کے دو نمازوں کو قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً کسی طرح جائز نہیں (۴) نماز کے لیے تعین اوقات قرآن عظیم کی ت اور حضور سید العلمین صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے قطعی الثبوت ہے اور اس کے خلاف کے لیے دلیل ویسی ہی ی چاہیے جیسے عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کا اجماعی مسئلہ - ورنہ یقینی کے مقابل ظنی مضمحل فافہم -

عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَدَخَلَ ـه عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ ـعْبَةَ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا وَّهُوَ بِالْعِرَاقِ فَدَخَلَ ـه اَبُوْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا ـغِيْرَةُ اَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ـى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى سُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُ قَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ اِعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ بِهٖ وَاَنَّ جِبْرِيْلَ اَقَامَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتَ ـلٰوةِ قَالَ عُرْوَةُ كَذٰلِكَ كَانَ بَشِيْرُ بْنُ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ ـدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ فَقَالَ عُرْوَةُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ ـشَّمْسُ فِيْ حُجْرَتِهَا قَبْلَ اَنْ تَظْهَرَ -

ابن شہاب سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ہی دیر کی تو عروہ بن زبیر آئے اور کہا مغیرہ بن شعبہ نے ایک دن جبکہ وہ عراق میں تھے نماز میں دیر کی تو ابو مسعود انصاری نے ان کے پاس آکر کہا۔ مغیرہ یہ تم کیا کرتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو انھوں نے نماز پڑھ کر دکھائی پھر حضور علیہ السلام نے بھی پڑھی، پھر انھوں نے نماز پڑھی حضور نے بھی پڑھی پھر انھوں نے نماز پڑھی، حضور نے بھی پڑھی پھر انھوں نے نماز پڑھی حضور نے بھی پڑھی۔ پھر انھوں نے نماز پڑھی حضور نے بھی پڑھی۔ اس کے بعد جبرئیل نے عرض کی مجھے ایسا ہی حکم ہوا ہے (یعنی ان وقتوں میں نماز پڑھنے کا) حضرت عمر بن عبد العزیز رض نے عروہ سے کہا۔ جو تم بیان کرتے ہو اس کو سوچ لو کیا جبرئیل نے حضور کے لئے نماز کے وقت مقرر کئے۔ حضرت عروہ نے کہا بشیر بن ابی مسعود اپنے والد سے ایسے ہی روایت کرتے تھے۔ عروہ نے کہا اور تحقیق مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے جب دھوپ آپ کے حجرہ میں رہتی۔ اور نہیں چڑھتی۔

ئد و مسائل

امام نے اس حدیث کو بدء الخلق اور مغازی میں اور مسلم۔ ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا — ترجمۃ الباب حدیث کے اس جملے (ان جبرئیل علیہ السلام نزل فصلّٰی) کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے ھوں نے پانچ مرتبہ نماز پڑھی جس سے ثابت ہوا کہ پنج وقتہ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں۔ اخر الصلوٰۃ یوما بخاری بدء الخلق خر العصر شیئا کے لفظ ہیں۔ اس تاخیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رض نے اتنی تاخیر کی کہ عصر کا وقت نکل لکہ مطلب صرف یہ ہے کہ انھوں نے عصر تاخیر سے پڑھی۔ چونکہ حضرت عروہ کا مسلک یہ تھا کہ نماز اول وقت میں پڑھی جائے اس ئے انھوں نے اعتراض کیا اور حدیث امامت جبرئیل سنائی تو حضرت عمر بن عبد العزیز رض نے فرمایا۔ اعلم ما تحدث۔ عروہ تم جو کچھ ن کررہے ہو اس کو سوچ لو یعنی تم صحابی نہیں ہو۔ حدیث کی سند لاؤ۔ مرسل حدیث نہ بیان کرو۔ چنانچہ حضرت عروہ نے حدیث کی سند بیان کردی۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) پنج وقتہ نمازوں کے اوقات مقرر و متعین ہیں (۲) امراء و سلاطین کے دربار میں علماء جائیں تو ان کی اصلاح کریں بتائیں اور غیر دینی حرکتوں پر تنبیہ کریں (۳) حدیث مسند حجت ہے۔ مقطوع حجت نہیں۔ حدیث عائشہ پر مکمل بحث آئندہ صفحات میں ہوگی

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ

باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے متعلق اس کی طرف رجوع لاتے ہوئے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
(سورۂ روم)

اور اس سے ڈرو اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں
نہ ہوں۔

انابت کے معنی رجوع ہونے کے ہیں۔ یعنی اللہ عزوجل کی طرف توبہ و اطاعت کے ساتھ رجوع کرو۔ اور نماز کو قائم رکھو۔ نگرانی کرو۔ کیونکہ یہ دین کا ستون ہے۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے۔ جو فیوض الباری پارہ اول کے پر مع تقسیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالقیس کے بھیجے ہوئے کچھ لوگ بحضور نبوی حاضر ہوئے۔ آپ نے مرحبا کہا۔ پھر انھوں نے عرض کی ہمیں ایسی باتیں بتا دیجئے جن پر عمل کرنے سے ہم جنت میں جائیں۔ حضور علیہ السلام نے چار باتوں کا حکم دیا۔

اَلْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَاَنْ تُؤَدُّوْا اِلَيَّ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ وَاَنْهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيْرِ وَالْمُقَيَّرِ۔

ایک اللہ پر ایمان لاؤ۔ پھر آپ نے اس کی تفسیر ان کے یوں کی کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ نماز ق زکوٰۃ ادا کرنا، اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ داخل کرنا دبا حنتم نقیر و مقیر برتنوں میں کھانے سے منع فرمایا۔

فوائد و مسائل

مرحبا رحب وسعت کے معنی میں آتا ہے۔ عرب کا دستور تھا کہ جب ایک دوسرے کے ہاں جاتے کہتے یعنی تم آرام دہ اور کشادہ مکان میں آئے ہو۔ کہتے ہیں کہ سیف ذویزن عرب میں ایک مشہور شخص ہے۔ لفظ مرحبا اسی کی ایجاد ہے اور اسی وقت سے یہ کلمہ خیر مقدم کے لیے عرب میں رائج ہے (۲) اقامت کے معنی ادا کے بھی ہیں۔ تو اب یہ ہوں گے کہ نماز کو ہمیشہ ادا کرتے رہو۔ دوسرے معنی قائم کرنے کے ہیں۔ کسی مکان کو جب تک وہ مکمل نہ ہو جائے قائم نہیں کہا تو اب معنی یہ ہوں گے کہ نماز کو اس کے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرتے رہو (۳) اخراج کی جگہ ایتاء کا لفظ فرمایا گیا۔ قرآن بھی یوتون الزکوٰۃ آیا ہے جس سے واضح ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے۔ یعنی مستحق کو زکوٰۃ کے مال کا مالک بنا ہے۔ تب زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں۔ بقیہ مسائل کے لیے فیوض الباری ص[illegible] پارہ اول ملاحظہ فرمائیے۔

بَابُ الْبَيْعَةِ عَلٰى اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ

باب اقامت صلوٰۃ پر بیعت لینا

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (بخاری)

حضرت جریر ابن عبداللہ نے کہا کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ سے اقامت صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ اور ہر مسلمان کی بھلائی پر بیعت کی۔

اس حدیث سے نماز، زکوٰۃ اور مسلمان کی خیر خواہی چاہنے کی عظمت و اہمیت کا اظہار ہوا کہ یہ وہ اعمال خیر ہیں۔ جن پر

دست مبارک پر بیعت کرتے تھے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ کسی مرد صالح کے ہاتھ پر دین پر قائم و دائم رہنے اور فرائض اسلامیہ کو کما حقہٗ
نے کا عہد کرنا یہی بیعت کی حقیقت ہے۔ یہ حدیث فیوض الباری پارہ اول صہ ۴۱ پر مع تفہیم و ترجمانی کے پیش ہو چکی ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ كَفَّارَةٌ

باب نماز گناہوں کا کفارہ ہے

جُلُوْسًا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ
سُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ
كَمَا قَالَهُ قَالَ إِنَّكَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيءٌ
فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَ
وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَالصَّوْمُ وَ
صَدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ قَالَ لَيْسَ هٰذَا
وَلٰكِنِ الْفِتْنَةُ الَّتِي تَمُوْجُ كَمَا
جُ الْبَحْرُ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ
الْمُؤْمِنِيْنَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا لَبَابًا
قَالَ أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ قَالَ يُكْسَرُ
لَا يُغْلَقُ أَبَدًا قُلْنَا أَكَانَ عُمَرُ
الْبَابَ قَالَ نَعَمْ كَمَا أَنَّ دُوْنَ الْغَدِ
اللَّيْلَةَ إِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيْثٍ
بِالْأَغَالِيْطِ فَهِبْنَا أَنْ
نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ فَأَمَرْنَا
مَسْرُوْقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ
الْبَابُ عُمَرُ۔

حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے کہا۔ تم میں کون ہے؟ جسے فتنوں کے باب میں حضورؐ نے جو فرمایا وہ یاد ہو؟ میں نے کہا مجھے جو حضورؐ نے فرمایا یاد ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ تم تو اس پر دلیر ہو۔ میں نے کہا کہ آدمی اپنے گھر بار، مال، اولاد اور ہمسایوں کی وجہ سے جن فتنوں میں مبتلا ہوتا ہے وہ تو نماز، روزے، صدقے، اچھی بات کا حکم کرنے اور بُری بات سے روکنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ میں ان فتنوں کے متعلق نہیں پوچھتا۔ میں تو اس فتنے کے متعلق سوال کر رہا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح اُمڈ آئے گا۔ (حذیفہ) نے کہا۔ اس فتنے سے آپ کو کیا خوف؟ اے امیر المومنین! اس فتنہ کے درمیان تو ایک بند دروازہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائیگا (اس پر) حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا توڑا جائیگا۔ (اس پر) حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ پھر تو وہ کبھی بند ہی نہ ہوگا۔ شقیق کہتے ہیں ہم نے حضرت حذیفہ سے پوچھا کیا حضرت عمر اس دروازہ کو جانتے تھے؟ حذیفہ نے جواب دیا۔ ہاں۔ میں نے ان سے ایک حدیث بیان کی جو غلط نہ تھی شقیق نے کہا کہ ہم حذیفہ سے یہ پوچھتے ہوئے ڈرے کہ وہ دروازہ کون ہے؟ ہم نے مسروق سے (کہا) پوچھا۔ انھوں نے حذیفہ سے پوچھا تو حذیفہ نے کہا وہ دروازہ خود عمرؓ ہیں۔

مسائل اس حدیث کو امام نے زکوٰۃ۔ علامات نبوت۔ فتن اور صوم میں ذکر کیا اور مسلم۔ ترمذی و ابن ماجہ نے فتن میں ذکر کیا۔ حدیث کے الفاظ تکفرھا الصلوٰۃ ترجمۃ الباب ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ نماز ں کا کفارہ بنتی ہے (۲) قرآن مجید میں بھی مال و دولت اور اولاد کو فتنہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ چیزیں بھی ایسی ہیں۔ جن کی وجہ سے ط راستہ کو اختیار کر لیتا ہے۔ فتنہ کا لفظ کتاب و سنت میں متعدد معنوں میں استعمال ہوا۔ مثلاً کفر، عذاب، امتحان، لڑائی ہر۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے اور یہاں کی ہر چیز آدمی کے لیے فتنہ بن سکتی ہے۔ مثلاً فتنہ مال یہ ہے کہ اس کے حصول کے ئی غلط طریقہ اختیار کرے یا اپنی نیک کمائی کو گناہوں کے کاموں میں خرچ کر دے۔ فتنہ اولاد یہ ہے کہ ان کی محبت میں ایسا ہو جائے کہ حق و باطل کا خیال نہ رہے۔ فتنہ جار یہ ہے کہ اگر ہمسایہ خوشحال ہے تو اس کی خوشحالی کو ختم کرنے کے لیے کوشش کی ر پانچ وقت باجماعت نماز پڑھنے والا اگر فتنوں میں مبتلا ہو جائے تو نماز اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے۔

(۳) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضور علیہ السلام سے زیادہ تر واقعات آئندہ کے متعلق پوچھا کرتے تھے۔ یہی وجہ آئندہ حوادثات وفتن سے متعلق احادیث زیادہ تر آپ ہی سے مروی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے آپ کو آئندہ ہونیوالے واقعات حادثات کی اطلاع دی تھی (۴) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حضورؐ نے فرمایا۔ یہ فتنوں کے درمیان ایک بند ہیں۔ یعنی ان کی وفات کے بعد فتنوں کا دور شروع ہو جائے گا اور پھر قیامت تک بند نہ ہوگا۔ چنانچہ حضورؐ کی پیشگوئی کے مطابق ہوا۔ شہادتِ فاروقی رضؓ کے بعد فتنوں کا دروازہ ایسا کھلا ہے کہ بارش کے متواتر قطروں کی طرح فتنے برپا ہو رہے ہیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنَ امْرَاَةٍ
قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاَخْبَرَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ
طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ
يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
اَلِيْ هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِيْ كُلِّهِمْ (بخاری)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا (اور پھر نادم ہو کر) بحضور نبویؐ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود کی یہ آیت نازل کی صبح شام اور رات میں بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی وہ شخص کہنے لگا۔ حضورؐ کیا یہ حکم میرے ساتھ خاص ہے؟ فرمایا۔ نہیں میری ساری امت کے لئے یہی حکم ہے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے تفسیر میں مسلم نے توبہ میں اور ترمذی اور نسائیؒ نے تفسیر میں اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ کیا۔ حدیث میں رجلا سے مراد ابو الیسرؓ ہیں جن سے مذکورہ فعل ہوا۔ تو بحضور نبویؐ حاضر ہوئے اور یارسول اللہ! مجھ پر حد جاری فرمائیے۔ حضورؐ نے اعراض فرمایا۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت ہو گیا اور یہ آیت اقم الصلوٰۃ ہوئی۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ آیت میں حسنات سے مراد پانچ وقت کی نماز ہے جس کی پابندی گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ بوسہ لینے یا اسی قسم کی حرکت کرنے پر حد نہیں ہے۔ البتہ تعزیر ہے ۲۔ پانچ وقت پابندی سے نماز پڑھ کے لئے کفارہ ہے ۳۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہوتی ہے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا

باب نماز کو وقت پر پڑھنے کی فضیلت کے بیان میں

قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْعَمَلِ
اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ
بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے بحضور نبویؐ عرض فعل اللہ کو بہت پسند ہے؟ فرمایا۔ وقت پر نماز پڑھنا۔ عرض فرمایا ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا۔ عرض کی پھر کونسا؟ فرمایا جہاد فی

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے ادب و توحید میں۔ مسلم نے ایمان میں۔ ترمذی و نسائیؒ نے صلوٰۃ میں ہے (۲) وقت پر نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے (۳) والدین کے ساتھ احسان کرنا کی تعظیم و توقیر واجب ہے (۴) جہاد فی سبیل اللہ بھی احب الاعمال ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَمْسِ

باب پانچ وقت کی نماز

كَفَّارَةٌ لِّلْخَطَايَا اِذَا صَلَّوْهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ
فِي الْجَمَاعَةِ وَغَيْرِهَا۔

وقت میں پڑھنا۔ جماعت کے ساتھ یا اکیلے کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

اس عنوان کے ماتحت امام نے جو حدیث ذکر کی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے حضور علیہ السلام کو تے ہوئے سنا۔ بتاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ ہر روز پانچ بار اس میں نہائے تو کیا یہ نہانا اس کے جسم میں میل کچیل باقی چھوڑیگا؟

فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلٰوةِ الْخَمْسِ يَمْحُوا بِهَا الْخَطَايَا۔ (بخاری)

فرمایا یہی کیفیت ہے پانچوں نمازوں کی اللہ عزوجل ان کے سبب گناہ مٹا دیتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے صلوٰۃ میں۔ ترمذی نے امثال میں اور نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ درن سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور متعدد حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ پانچ وقت نماز پڑھنا گناہوں کا کفارہ ہے۔ بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچے۔ اصل یہ ہے سب کچھ اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے۔ گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ وہ سب کے بخشنے پر قادر ہے۔ وہ رب العالمین ہے چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اس کی بارگاہ قدس میں شرف باریابی پا جائے تو نجات کے لئے وہی کافی ہے۔ اس کی رحمت بے انتہا ہے اس کا فضل وکرم انسان کی امید و توقع سے بھی ہزاروں درجے زیادہ ہے۔

بَابُ تَضْيِيعِ الصَّلٰوةِ عَنْ وَقْتِهَا

باب نماز کو ضائع کرنا یعنی بے وقت پڑھنا

نَسٍ قَالَ مَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةِ۔ قَالَ اَلَيْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِيْهَا۔

حضرت انس نے فرمایا۔ میں تو عہد نبوی کی اب کوئی بات نہیں دیکھتا۔ کسی نے کہا نماز (یعنی یہ تو اب بھی لوگ پڑھتے ہیں) فرمایا نماز کے ساتھ بھی تم نے جو سلوک کر رکھا ہے وہ کر رکھا ہے۔

یہ بات حضرت انس رضی اللہ تعالے عنہ نے اس وقت کہی تھی۔ جب کہ انہیں معلوم ہوا کہ حجاج اور ولید بن عبدالملک وغیرہ یں تاخیر کرتے ہیں۔ یعنی وقت مستحب میں نہیں پڑھتے اور دوسرے دنیاوی امور میں مصروف رہتے ہیں انے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ نماز کو وقت مستحب میں ادا نہ کرنے پر ٹوکا جاتا تھا اور لعنت ملامت کی جاتی تھی اور آج نوبت یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہی نہیں

(۲) زہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کو دمشق میں روتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا کیوں روتے ہو۔ فرمایا میں نے جو ت نماز نبوی میں دیکھی وہ اب نہیں پاتا۔

ذِهِ الصَّلٰوةِ وَهٰذِهِ الصَّلٰوةُ قَدْ ضُيِّعَتْ

مگر نماز اور وہ بھی ضائع ہوگئی

یعنی نماز کو بے وقت پڑھنا ضائع کرنا ہی ہے۔ بعض روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حجاج وغیرہ۔ نماز کو اس کے وقت سے ردیتے تھے۔ اس پر حضرت انسؓ نے اظہار افسوس کیا۔

بَابُ الْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهٗ

باب نماز میں نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے

گذشتہ عنوانوں میں وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت اور غیر وقت میں پڑھنے کی مذمت کا بیان تھا۔ اس عنوان سے مقصود ہے کہ نماز کی ادائیگی کے اوقات اللہ رب العالمین جل مجدہٗ سے مناجات کے اوقات ہیں اور یہ مناجات کا موقع انہیں اوقات حاصل ہوتا ہے لہذا نمازی کو چاہیئے کہ وہ اس فضل عظیم کو حاصل کرنے کیلئے نماز کو اس کے وقت میں ادا کرے اور اسکے آداب کا پورا پورا خیال رکھے۔

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا صَلّٰی یُنَاجِیْ رَبَّهٗ
فَلَا یَتْفُلَنَّ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلٰکِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْیُسْرٰی۔ (بخاری)
عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ
اِعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ وَلَا یَبْسُطْ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْهِ
کَالْکَلْبِ وَاِذَا اَبْزَقَ فَلَا یَبْزُقَنَّ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلَا
عَنْ یَمِیْنِهٖ فَاِنَّهٗ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ۔ (بخاری)

حضرت قتادہ اور وہ حضرت انس سے راوی کہ نبی صلے اللہ
نے فرمایا جب تم میں کوئی نماز پڑھتا ہے تو گویا وہ اپنے
سرگوشی کرتا ہے اس لئے چاہیے کہ داہنے طرف نہ تھوکے بلکہ بائیں قد

۲۔ حضرت انس سے ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجد
اعتدال کرو اور کوئی تم میں سے اپنے بازو کتے کی طرح زمین
اور جب تھوکنا چاہیے تو داہنے طرف نہ تھوکے کیونکہ وہ
اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔

فوائد و مسائل یعنی نمازی بحالتِ نماز ایک نہایت ہی مقدس حالت میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے ایسی حالت میں کام نہیں کرنا چاہیے جو اس حالتِ حسن کے منافی ہو۔ اسی لئے سیدھی طرف تھوکنے اور اپنے آگے سے منع فرمایا بلکہ آگے تھوکنا اور زیادہ بُرا ہے۔ اعتدلوا سجدہ میں تعدیل کا مطلب یہ ہے کہ ہتھیلیوں کو زمین پر رکھے کہ پہلوؤں سے اور پیٹ کو ران سے جُدا رکھے کیونکہ اس طرح سجدہ کرنے میں زیادہ تواضع ہے اور پیشانی زمین پر اچھی طرح ہے۔ علامہ ابو بکر ابن عربی علیہ الرحمۃ نے شرح ترمذی ص ج ۲ پر فرمایا۔ اعتدلوا سے مقصود یہ ہے کہ سجدہ دونوں پاؤں دونوں ہاتھوں اور پیشانی پر بالکل برابری کے ساتھ کیا جائے۔ اس طرح کہ یہ سب اعضاء زمین پر مساوی طور پر سجدہ ریز کہ حدیث میں فرمایا۔ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اگر بازو زمین پر کتے کی طرح بچھا دیئے جائیں گے تو اس فرق آجائے گا۔

بَابُ الْاِبْرَادِ بِالظُّهْرِ

باب (گرمیوں میں) نمازِ ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنا

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فَقَالَ اَبْرِدْ اَبْرِدْ وَقَالَ شِدَّةُ
الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا
عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰی رَاَیْنَا فَیْءَ التُّلُوْلِ۔
عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
اَنَّهٗ قَالَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ
شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَکَتِ النَّارُ
اِلٰی رَبِّهَا فَقَالَتْ یَا رَبِّ اَکَلَ بَعْضِیْ بَعْضًا
فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَیْنِ فِی الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِی
الصَّیْفِ وَهُوَ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ
الْحَرِّ وَهُوَ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِیْرِ۔
(بخاری)

(۱) حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ مؤذن نے اذان کہنی چا
حضور نے فرمایا۔ ٹھنڈا کر ٹھنڈا کر۔ اور فرمایا سخت گرمی
جوش سے ہے تو جب سخت گرمی ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کرکے
یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ۔ ہم نے دیکھا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھو ک
جہنم کے جوش سے ہے۔ دوزخ نے اپنے رب سے
شکایت کی کہ میرے بعض اجزاء بعض کو کھائے لیتے
دو مرتبہ سانس کی اجازت ہوئی۔ ایک گرمی میں جس
سے تم سخت گرمی محسوس کرتے ہو۔ اور
سردی میں جس کی وجہ سے تم سخت سردی
کرتے ہو۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام نے صلوٰۃ صفۃ نار میں مسلم۔ ترمذی ابوداؤد نے بھی صفۃ نار میں ذکر کیا۔ امام نے بالکل اسی مضمون کی دو حدیثیں اور لکھی ہیں۔ جنھیں ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ دونوں حدیثوں کے مسائل یہ ہیں :-

١۔ گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے۔ خواہ تنہا پڑھے یا باجماعت۔ البتہ اگر کہیں اول وقت میں ظہر کی جماعت ہوتی ہو اور امام سنی صحیح العقیدہ ہو تو مستحب وقت کے لئے جماعت کا ترک کرنا جائز نہیں ٢۔ دوزخ پیدا ہو چکی ہے اور اب موجود ہے۔ معتزلہ کا یہ خیال کہ قیامت کے دن پیدا کی جائیگی یہ خیال باطل ہے ٣۔ جمادات و نباتات بھی اپنی شان کے مطابق شکوہ و شکایت عرض و معروض کرتے ہیں اور ان میں بھی ایک قسم کی روح موجود ہے ٤۔ من فیح جہنم کے متعلق لوگوں نے بڑی بحثیں اٹھائی ہیں۔ لیکن حدیث زیر بحث کے الفاظ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں اور ان میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں ہے۔ الجھاؤ جو بھی ہوگا۔ وہ در اصل ہمارا اپنا کردہ ہوگا۔ حدیث ہذا میں دو باتوں کا بیان ہے اول یہ کہ گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھی جائے۔ یعنی اول وقت میں نہ پڑھی جائے اور اس کی علت (شدتِ حر) گرمی کو قرار دیا ہے۔ یعنی اس وقت گرمی پورے شباب پر ہوتی ہے اور لوگوں کو اس شدت کی گرمی میں گھر سے نکلنے اور مسجد میں آنے سے زیادہ تکلیف ہوگی۔ اس لئے ظہر پڑھنے میں تاخیر کی جائے اور دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ گرمی اور سردی کی شدت کے اسباب میں سے ایک سبب جہنم کے ان طبقات کی فیح (گیس) بھی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ گرمی و سردی کا ظاہری و حسی سبب سورج نہیں۔ بلکہ صرف فیح جہنم ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی تمام حدیثوں میں حصر کا نہ ہونا اور شدت الحر کا لفظ اس پر دال ہے۔

بَابُ الْاِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ

باب بحالت سفر بھی ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھنا

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ ابراد فی الظہر کی ہدایت حضر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سفر میں بھی ابراد کیا جائے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ أَبْرِدْ حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلٰوةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَفَيَّؤُ يَتَمَيَّلُ۔

(ب) حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ مؤذن نے ظہر کی اذان دینا چاہی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ٹھنڈی ہونے دے۔ پھر انہوں نے اذان دینا چاہی۔ حضور نے فرمایا۔ ٹھنڈی ہونے دے۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے۔ تو جب گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو —— حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ یَتَفَیَّؤُ کے معنی یَتَمَیَّلُ کے ہیں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کا وہی مضمون ہے جو اوپر گذر چکا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی یہ عادت کریمہ ہے کہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ آجاتا ہے جو قرآن میں بھی آتا ہے۔ تو اس کی تفسیر بھی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سورہ نحل میں یَتَفَیَّؤُ ظِلٰلُہٗ آیا ہے۔ امام نے اس کی تفسیر یَتَمَیَّلُ کے لفظ سے کر دی ہے۔ اذن —— مؤذن النبی کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ابراد کا حکم اذان کے بعد دیا۔ لیکن صحیح معنی یہ ہیں کہ حضرت بلالؓ اذان دینا چاہتے تھے اور حضورؐ نے ابراد کا حکم دیا۔ جیسا کہ بخاری کی دوسری حدیث میں یہ تصریح ہے فاراد ان یؤذن کہ حضرت بلالؓ نے اذان دینے کا ارادہ فرمایا تھا۔ اس پر حضورؐ نے ابراد کا حکم دیا۔ تو انھوں نے اذان شروع ہی نہیں کی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گرمیو

میں ظہر میں تاخیر مستحب ہے اور حضورؐ نے اپنے قول اور عمل دونوں سے ابراد بالظہر کا حکم دیا ہے۔

حدیث مسلم اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں۔

شَکَوْنَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فَلَمْ یُشْکِنَا۔

ہم نے بحضور نبویؐ گرم پتھروں کی گرمی کی شکایت کی آپ نے نہ سُنی۔

غیر مقلد وہابی اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ظہر اول وقت میں پڑھنی چاہیئے۔ لیکن اس کے متعدد معقول جو ہیں۔ اولؔ یہ کہ زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے۔ گرمیوں میں اول وقت میں ظہر پڑھ لینا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ ظہر کا مستحب وقت کونسا ہے۔ تو مستحب وقت حضورؐ نے اپنے قول سے خود مقرر فرما دیا کہ سردیوں میں جلدی اور گرمیوں میں تاخیر کی جائے۔ ثانیاً مسلم کی زیرِ بحث حدیث سے یہ تو واضح ہوا کہ حضرت نے حر الرمضاء گرم پتھروں کی شکایت کی۔ حضورؐ نے اس کے ازالہ کی کوئی تدبیر نہ بتائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس گرمی کی حضرت خبابؓ نے شکایت کی تھی۔ وہ در اصل فرش کی گرمی تھی اور جو ابراد کے بعد بھی گرم رہتے تھے۔ چنانچہ مکہ مدینہ میں سورج غروب ہو جانے کے بعد بھی حرم کا صحن گرم رہتا ہے۔ ثالثاً بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ حدیث خباب حدیث ابردوا سے منسوخ ہے۔ چنانچہ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے اور امام ابوبکر الاثرم نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ رابعاً علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ در اصل حضرت خباب نے حضورؐ سے یہ عرض کی کہ ظہر کو قدر ابراد سے زائد مؤخر کی اجازت دی جائے تو حضورؐ نے اس کو منظور نہیں فرمایا۔ عینی ج ۲ صفحہ ۵۲۹

ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنے کے متعلق بحث

واضح ہو کہ ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے سے اس وقت تک ہے کہ کا سایہ علاوہ سایہ اصلی کے دوچند ہو جائے۔ سردیوں میں نماز جلدی پڑھنا اول وقت میں پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ تاخیر سے پڑھنا کہ دوپہر کی تیزی کم ہو جائے مستحب ہے۔ جیسا کہ احادیث مذکورہ بالا سے واضح ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر ہی کا وقت ہے۔ لہٰذا گرمیوں میں جمعہ بھی ظہر کی طرح تاخیر سے پڑھنا مستحب اور اول وقت میں پڑھنا خلافِ سنّت ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ گرمیوں میں با تاخیر سے ظہر پڑھنے میں ایک تو لوگوں کو آرام ملتا ہے دوسرے سنّتِ قیلولہ سے محرومی نہیں ہوتی۔ تیسرے تقلیلِ جماعت نہیں ہوتی۔ اگر گرمیوں میں ظہر اول وقت یعنی سورج ڈھلنے کے فوراً بعد پڑھ لی جائے تو اس طرح سخت دھوپ اور لو میں مسجد میں آنا تکلیف کا باعث ہوگا۔ خصوصاً گرم ممالک میں اور وہاں جہاں مسجد دُور ہو —— اس کے علاوہ عام طور پر گرمیوں میں لوگ کھانا کھا کر سو جاتے ہیں۔ جو سنّت بھی ہے اور اول وقت میں پڑھنے سے لوگ سنّتِ قیلولہ سے محروم ہو جائیں گے اور آرام کے وقت انھیں مسجد میں آنا بھی گراں ہوگا۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں:۔

(۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھتے وَاِذَا کَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھ لیتے۔ (نسائی)

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

یُعَجِّلُهَا فِی الشِّتَاءِ وَ یُؤَخِّرُهَا فِی الصَّیْفِ۔ (طحاوی)

آپ سردیوں میں ظہر کی نماز جلدی پڑھتے اور گرمیوں میں تاخیر سے پڑھتے۔

(۳) حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب سخت سردی ہوتی تو حضور نماز ظہر جلدی پڑھتے اور جب گرمی تیز ہوتی

اَبْرَدَ بِالصَّلٰوۃِ یعنی الْجُمُعَۃَ (بخاری)	تو نماز ٹھنڈی کرکے پڑھتے یعنی جمعہ کی نماز

(۴) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ (رواہ الجماعۃ)	جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈی کرکے پڑھو۔

ان تمام حدیثوں سے واضح ہوا کہ گرمیوں میں ظہر میں تاخیر مستحب ہے اور سردیوں میں تعجیل اور یہ حدیثیں جن میں ظہر میں تاخیر کی روایت ہے اور حدیث زیر بحث جس پر ہم نے ب کا نشان دیا ہے۔ ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل سایہ ہونے سے شروع ہوتا ہے کیونکہ حضورؐ نے ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور سورج کی گرمی اور شدت حرارت ہر جگہ خصوصاً ملک عرب میں دو مثل سایہ کے بعد ہی ٹوٹتی ہے۔ تو اگر ایک مثل سایہ پر ظہر کا وقت ختم ہو جائے تو پھر ابراد بالظہر کا حکم بے معنی ہو جاتا ہے۔ ثانیاً حدیث زیر بحث (ب) میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس وقت ظہر پڑھی جب حَتّٰی رَاَیْنَا فَیْئَ التُّلُوْلِ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا اور ٹیلوں کا سایہ ایک مثل سایہ کے وقت بوجہ ٹیلے کے (پھیلے) ہونے کے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ ایک مثل کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ایک مثل سایہ پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ اگر یہ ہو جاتا تو پھر حضورؐ ظہر کی نماز اس وقت میں جب کہ ٹیلے کا سایہ دکھائی دیا کیسے پڑھتے —— فافہم

بَابُ وَقْتِ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ

باب ظہر کا وقت زوال کے بعد ہے

وَقَالَ جَابِرٌ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالْهَاجِرَةِ (بخاری)	حضرت جابرؓ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر دوپہر میں پڑھتے تھے۔

(۱) یہ تعلیق حدیث جابرؓ کا ایک ٹکڑا ہے جسے امام نے باب وقت المغرب میں موصولاً ذکر کیا۔ ہاجرۃ ٹھیک دوپہر کو کہتے ہیں جب راستے خوب گرم ہو جاتے ہیں یا ہاجرہ ہجر سے مشتق ہے جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں کیونکہ ٹھیک دوپہر میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اور لوگ آرام کرتے ہیں اور کام کاج چھوڑ دیتے ہیں اسلئے اس کو ہاجرہ سے موسوم کیا گیا (۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ظہر کا اول وقت زوال کے بعد ہے اور یہ کہ حضورؐ نے بیان جواز کے لئے کبھی گرمیوں میں بھی ظہر اول وقت میں پڑھی ہے مگر افضل و مستحب یہی ہے کہ گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھا جائے۔

(۳) اس حدیث سے یہ استدلال صحیح نہیں کہ گرمیوں میں بھی ظہر اول میں پڑھنی مستحب ہے کیونکہ ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنے کی افضلیت آنحضورؐ کی قولی اور فعلی احادیث سے ثابت ہے۔ ثانیاً یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ظہر کا اول وقت میں پڑھنا صرف حضورؐ کے فعل سے ثابت ہے اور ابراد کی ہدایت قول و فعل دونوں سے ثابت ہے اور صرف فعل پر قول و عمل کو ترجیح ہوتی ہے۔ ثالثاً یہ کہ اس حدیث سے زیادہ ظہر کو اول وقت میں پڑھنے کا جواز ثابت ہوگا۔ جس کا کوئی منکر نہیں اور سوال جواز کا نہیں بلکہ افضلیت کا ہے نیز علامہ ابوبکر الاثرم نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھا کہ حدیث خباب جس سے ظہر اول وقت میں پڑھنے کا استدلال کیا جاتا ہے منسوخ ہے کیونکہ حدیث مغیرہؓ کہ

حدیث ابراد پر بحث

كُنَّا نُصَلِّي بِالْهَاجِرَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْرِدُوْا۔	ہم دوپہر کے وقت ظہر پڑھتے تھے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ٹھنڈا کرکے پڑھو۔

اور حدیث انس میں ہے۔

وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ بَكَّرُوْا
وَاِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدُوْا

جب سردیاں ہوں تو ظہر جلدی پڑھو
اور جب گرمیاں ہوں تو ابراد کرو

اور یہ حکم تہجیر کے بعد ہے اور روایت فلاں عن مغیرہ کے لفظ یہ ہیں۔

وَكَانَ اٰخِرُ الْاَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِبْرَادُ (نیل الاوطار ج۱ ص۳۲۴)

حضور علیہ السلام کا آخری عمل ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا تھا۔

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ حدیث مغیرہ کی امام ابوحاتم و امام احمد نے تصحیح کی اور امام بخاری نے اس حدیث کو محفوظ اور دو خ میں بہت بڑی دلیل قرار دیا ہے۔ علامہ شوکانی مزید لکھتے ہیں کہ اگر جہالت تاریخ اور عدم معرفت متاخر کی وجہ سے نسخ کو تسلیم نہ کریں ی حدیث ابراد بہر حال ارجح ہیں کیونکہ ابراد کی حدیثیں صحیحین بلکہ تمام اصحاب کتب حدیث میں بطرق متعددہ موجود ہیں اور حدیث رف مسلم میں ہے ولاشك ان المتفق عليه مقدم اور متفق علیہ حدیث اور وہ حدیث جو طرق متعددہ سے مروی ہو مقدم ہو
یل الاوطار ج۱ ص۳۰۵ (ترجمہ لفظی ہے)

فائدہ بعض نے کہا ظہر کو شدت گرمی میں اول وقت میں پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ بوجہ زیادہ تکلیف کے ثواب زیادہ ہوگا یہ بات بہت بودی ہے اور یہ کلیہ درست نہیں کہ جس کام میں زیادہ تکلیف ہو اس میں ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ ثانیاً ہیں علامہ مازری علیہ الرحمۃ نے ایک جواب یہ دیا کہ اول وقت کی فضیلت کا حکم یا مطلق ہے اور ظہر کے ابراد والی حدیث خاص و مقید خاص عام پر اور مقید مطلق پر مقدم ہوتا ہے (۲) بعض علماء نے کہا حضور علیہ السلام نے مدینہ میں ظہر کے ابراد کا حکم اس لئے دیا تھا کہ لوگ چل کر بہ نوبت مسجد میں آتے تھے۔ اسلئے آپ نے ظہر میں ابراد کیا تاکہ سب لوگ جمع ہو جائیں لیکن یہ بات اور زیادہ بودی ہے وہ حدیثیں جن میں ظہر میں تاخیر کی ہدایت ہے انمیں حضورؐ نے علت تاخیر یہ بیان فرمائی ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے۔ لوگوں کا جمع ہونا علت تاخیر نہیں ہے پھر اسکی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے بحالت سفر بھی گرمیوں میں ظہر میں تاخیر فرمائی اور بلالؓ اذان فرمایا کہ ظہر کو ٹھنڈا کرو تو اگر ابراد کی وجہ وہ ہوتی تو حضورؐ نے سفر میں ابراد کیوں کیا؟ کیونکہ سفر میں تو صحابہؓ حضورؐ کے ہمراہ تھے دور سے آنے کی ضرورت نہ تھی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ اَنَّ فِيْهَا اُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّسْاَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْاَلْ فَلَا تَسْاَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ مَا دُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا فَاَكْثَرَ النَّاسُ فِي الْبُكَاءِ وَاَكْثَرَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ فَقَالَ مَنْ اَبِيْ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ ثُمَّ اَكْثَرَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَبَرَكَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ اٰنِفًا فِيْ عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ فَلَمْ اَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ (بخاری)

حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سورج ڈھلے ہوئے اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر قیام کیا اور قیامت ذکر میں فرمایا جس کو جو پوچھنا ہو پوچھ لے جب تک میں قیام فرما ہوں۔ تم جو بات مجھ سے پوچھو گے بتاؤں گا۔ یہ سن صحابہؓ رونے لگے تو عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہوئے عرض باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ حذافہ! پھر آپ بار بار یہی فر پوچھو، پوچھو۔ بالآخر حضرت عمرؓ دوزانو ہو کر بیٹھے۔ عرض کی کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلے اللہ کے برحق ہونے پر راضی ہوئے اس پر حضورؐ خاموش ہوئے۔ پھر فرمایا دوزخ میرے سامنے اس دیوار کے عرض میں پیش کی گئی۔ تو میں جیسی عمدہ چیز اور دوزخ جیسی بری چیز نہیں دیکھی۔

فوائد و مسائل

(۱) ترجمۃ الباب حدیث کے یہ لفظ خرج حین زاغت الشمس ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدا وقت ظہر زوال کے بعد ہے کیونکہ زوال سے قبل حضور کا ظہر پڑھنا ثابت نہیں۔ اور اس پر اجماع بھی ہے۔

(۲) حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ منافقین بطور امتحان آپ سے سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ قسطلانی میں ہے کہ بعض منافقین نے کہا ہم آپ سے ایسی باتیں پوچھیں گے جن کے جواب سے آپ عاجز آجائیں گے۔ اس پر آپ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور اعلان کیا۔ مجھ سے جو پوچھو جواب دوں گا۔ ۳۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ کو لوگ کسی اور کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ اس لئے اپنے والد کے متعلق سوال کیا کہ کون تھا۔ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ رونے لگے کہ کہیں عذاب نہ ہو جائے۔ منافقین اللہ کے نبی کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ حضور بار بار فرما رہے ہیں کہ پوچھو۔ پوچھو۔ تو مذکورہ بالا کلمات عرض کئے تب جا کر حضور کو سکون ہوا (۴) اس حدیث سے بلا کسی کھینچ تان کے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کے متعلق کلام کرنا اور یہ خیال کرنا کہ فلاں بات کا علم حضور کو نہیں ہے۔ علامت منافقت ہے (۵) حضور علیہ السلام نے تسئلونی عن شیٔ فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق سوال کرنا ہے کرو۔ میں جواب دوں گا۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ہر چیز کے عالم تھے ورنہ اس عموم کے ساتھ اعلان نہ فرماتے۔ فرض کیجئے کہ اگر کوئی شخص اس موقع پر حضور سے ان غیبیہ امور کے متعلق سوال کر لیتا۔ جن کو بعض لوگ اللہ عزوجل کا خاصہ بتاتے ہیں (یعنی امور خمسہ) تو کیا ان کے متعلق حضور یہ فرماتے کہ مت پوچھو، اس کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ منکرین علم نبوی کو بھی یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ حضور کے الفاظ واقعی عموم پر دال ہیں یعنی اس میں یہ قید نہیں ہے کہ فلاں بات کے تو سوال کی اجازت ہے اور فلاں کے متعلق نہیں۔ بلکہ حضور نے مطلقاً یہ فرمایا ہے۔

فلا تسئلونی عن شیئ الا اخبرتکم (بخاری)

تم مجھ سے جو کچھ پوچھو گے میں اس کے متعلق جواب دوں گا۔

ظاہر ہے ایسا عام اور مطلق دعوٰے وہی کر سکتا ہے جس کو ہر چیز کا علم ہو ۴۔ بعض لوگ جن کی طبیعت ثانیہ ہی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل کو کم کیا جائے۔ حدیث زیر بحث کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ایک وقت خاص میں حضور کی یہ کیفیت ہوتی تھی۔ چنانچہ مادمت فی مقامی ھٰذا کی قید اس پر دال ہے۔ لیکن ظاہر ہے یہ قید اتفاقی ہے اور اس نوع کی قیدیں ہر زبان میں موقع اور محل کے لحاظ سے جاری ہوتی ہیں اور اگر اس کو اتفاقی قید نہ مانا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ منکر نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ ایک وقت خاص تک کے لیے حضور پر یہ کیفیت طاری ہوئی تھی۔ گویا اتنا تو منکر نے بھی مان لیا کہ اس وقت خاص میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہر چیز کے عالم ہو گئے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ منکرین کے نزدیک ایک معین وقت تک کے لئے حضور علیہ السلام کو ہر چیز کا عالم مانا جائے تو شرک نہیں لیکن اگر دائمی طور پر مانا جائے تو شرک ہے حالانکہ یہ قطعی بات ہے کہ جو بات شرک ہے وہ بہر صورت شرک ہے خواہ اس کے ساتھ زمانہ کی قید ہو یا نہ ہو۔ بت کو خواہ ایک وقت معین کے لیے خدا کا شریک قرار دیا جائے یا دائمی طور پر شریک بنایا جائے بہر صورت شرک ہی ہے۔ جب منکرین کے نزدیک اللہ عزوجل کے سوا کسی اور چیز کا عالم ماننا شرک ہے تو خواہ دائمی طور پر کسی کو ہر چیز کا عالم مانا جائے یا عارضی طور پر شرک ہی رہنا چاہیئے مگر یہ لوگ فضل نبوی کو گھٹانے کے نشہ میں کچھ ایسے مدہوش ہوئے کہ انھیں اپنی منطق کے الٹے پن کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

۵۔ حضور نے فرمایا کہ اس دیوار کے عرض میں مجھے جنت و دوزخ دکھائی گئی اور اللہ تعالےٰ قادر ہے۔ جس طرح اور جس کیفیت سے چاہے اپنے رسول کو جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرا دے۔

عَنْ اَبِیْ بَرْزَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو برزہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ایسے

يُصَلِّي الصُّبْحَ وَاَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَأُ فِيْهَا مَا بَيْنَ السِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ وَيُصَلِّي الظُّهْرَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَالْعَصْرَ وَاَحَدُنَا يَذْهَبُ اِلٰى اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَلَا يُبَالِيْ بِتَاْخِيْرِ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ ثُمَّ قَالَ اِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ وَقَالَ مُعَاذٌ قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ لَقِيْتُهٗ مَرَّةً فَقَالَ اَوْ ثُلُثِ اللَّيْلِ۔

(بخاری)

وقت میں پڑھتے کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے قریب بیٹھے کو پہچان لیتا اور اس میں ساٹھ آیتوں سے لیکر ایک سو آیت تک پڑھتے اور ظہر کی نماز اسوقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا اور عصر اس وقت کہ ہم میں سے کوئی شخص عصر پڑھ کر شہر کے دوسرے حصہ میں جاتا تو اس وقت (بھی) سورج زندہ ہوتا اور ابو المنہال نے کہا کہ میں بھول گیا ابو برزہ نے مغرب کے متعلق کیا کہا اور عشاء کی نماز تہائی رات تک دیر کرکے پڑھنے میں حرج نہیں سمجھتے یا یوں کہا کہ آدھی رات تک اور معاذ نے کہا کہ شعبہ نے کہا کہ پھر ایک دن میں ابو المنہال سے ملا تو انھوں نے کہا تہائی رات تک۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۲۔ ابو برزہ اسلمی کا نام نضلہ بن عبید ہے جو قدیم الاسلام ہیں۔ حضورؐ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے رہے حتی کہ حضورؐ نے وصال پایا۔ پھر آپ نے بصرہ کی سکونت ترک کی اور خراسان کے جہاد میں شریک ہوئے۔ مرو یا بصرہ یا مفازہ سجستان میں ۶۴ھ میں انتقال فرمایا۔ بخاری میں چار حدیثیں آپ سے مروی ہیں اور معاذؓ یہ معاذ بن نصر بن حسان العنبری التمیمی ہیں جو بصرہ کے قاضی تھے، شعبہ سے ان کا سماع ثابت ہے ۱۹۶ھ میں انتقال کیا (۳) ترجمۃ الباب حین زالت الشمس کے الفاظ میں یعنی حضور علیہ السلام ظہر کی نماز اس وقت پڑھتے جبکہ سورج ڈھل جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد ہے۔

(۵) الی اقصی المدینۃ رجع سے مراد آنا اور جانا نہیں ہے بلکہ مسافت من جانب واحدہ مراد ہے جیسا کہ بخاری ہی کی دوسری روایت سے واضح ہوتا ہے یرجع احدنا الی رحلہ فی اقصی المدینۃ والشمس حیۃ" کہ عصر کی نماز پڑھ کر جب ہم میں سے کوئی اپنے گھر جاتا تو اس وقت بھی سورج زندہ ہوتا ۶۔ حدیث زیر بحث کے خط کشیدہ جملوں سے یہ استدلال کیا گیا کہ جب عصر پڑھ کر صحابہ کرامؓ عوالی مدینہ جاتے جو دو تین میل کا فاصلہ تھا تو وہاں پہنچنے پر بھی سورج چمکتا ہوتا تو اس سے ثابت ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی کیونکہ اگر دو مثل سایہ ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی جائے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ دو میل مسافت طے کرنے کے بعد بھی سورج چمکتا رہے لیکن یہ استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں کیونکہ اسکا مبنیٰ رفتار پر ہے اور حدیث زیر بحث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ لوگ عصر کی نماز پڑھ کر پیدل جاتے تھے یا سواری پر۔ پھر سواری اونٹ تھی یا گھوڑا وغیرہ۔ پھر پیدل چلنے والوں کی رفتار میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کوئی تیز چلتا ہے اور کوئی سست رفتار ہوتا ہے۔ جبتک ان امور کا قطعی فیصلہ نہ ہوجائے استدلال صحیح نہیں۔ ثانیاً۔ دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل کا فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے۔ عرب قوی اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بعض لوگ پندرہ منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں اور عصر کا وقت بھی بعض دنوں میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ بہرحال مسئلہ مختلف فیہ ہے اور احناف کے نزدیک ظہر کا وقت زوال شمس سے دو مثل سایہ تک ہے اور دو مثل سایہ کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور عصر کی نماز میں ہمیشہ تاخیر مستحب ہے مگر نہ اتنی کہ قرص آفتاب میں زردی آجائے اور اس پر بے تکلف بے غبار نظر ٹھہر سکے۔

یعرف جلیسہ سے ثابت ہوا کہ فجر میں اسفار مستحب ہے اس مسئلہ کی مکمل بحث کے لیے فیوض الباری پارہ دوم ص ۱۴۲ کا مطالعہ کیجئے اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ عشاء میں تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے اور آدھی رات تک مباح یعنی آدھی رات سے قبل

فرض پڑھ چکے اور اتنی تاخیر کہ رات ڈھل جائے۔ بوجہ تقلیل جماعت مکروہ ہے اور یہ بھی کہ نماز عشاء سے پہلے سو جانا اور عشاء کے بعد فضول و لغو اور غیر ضروری باتیں کرنا مکروہ ہے۔ ان مسائل کے جزئیات آئندہ صفحات میں آ رہے ہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اِتِّقَاءَ الْحَرِّ

حضرت انس بن مالک نے فرمایا ہم حضور علیہ السلام کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے اور گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ میں ابن ماجہ، ابوداؤد، مسلم و ترمذی و نسائی نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ظھائر۔ ظہیرۃ کی جمع ہے اور اس سے مراد ظہر کی نماز ہے ۳۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ظہر اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے لیکن اس کے متعدد جواب ہیں۔ اولاً یہ کہ ظہر کو اس کے اول وقت میں پڑھنے کا جواز ثابت ہے جس کا حنفیہ کو بھی انکار نہیں ہے اور سوال افضلیت کا ہے تو اس کے متعلق حضورؐ کی قولی و فعلی احادیث موجود ہیں (جیسا کہ گذشتہ اوراق میں پوری بحث ہو چکی ہے۔ ثانیاً فرش مسجد کو گرم ہونے سے ظہر کو اول وقت میں پڑھنے کی دلیل لینا اس لئے بھی درست نہیں حجاز میں اگر ظہر تاخیر سے پڑھی جائے تو بھی فرش گرم رہتا ہے بلکہ عصر کے بعد تک گرم تو آج کل بھی رہتا ہے۔

بَابُ تَاخِيْرِ الظُّهْرِ اِلَى الْعَصْرِ

باب ظہر میں اتنی تاخیر کرنا کہ اول وقت عصر کا آ جائے

علامہ عینی و حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی و امام قسطلانی شافعی علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ ظہر اس کے آخری وقت میں پڑھنا کہ فراغت کے بعد اول وقت عصر کا شروع ہو جائے اور پھر عصر پڑھ لی جائے۔ عنوان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ظہر کو عصر کے وقت میں ملا کر پڑھا جائے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی و حافظ ابن حجر عسقلانی کے الفاظ یہ ہیں۔

باب تاخير الظهر الى اول وقت العصر بحيث انه اذا فرغ منها يدخل وقت تاليها لا انه يجمع بينهما فى وقت واحد (قسطلانى) المراد انه عند فراغه منها دخل وقت العصر كما سياتى عن ابى الشعثاء۔ (فتح البارى) اور حدیث ابی الشعثاء کا مضمون یہ ہے کہ عمرو بن دینار نے ابو الشعثاء سے پوچھا کہ حضور نے جو ظہر عصر و مغرب کو جمع فرمایا۔ تو اس طرح جمع فرمایا کہ ظہر کو مؤخر کر دیا اور عصر کو اول وقت میں پڑھا۔ اسی طرح مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل فرمائی تو انھوں نے جواب دیا اِنَّ اَظُنُّهٗ میرا بھی یہی خیال ہے (بخاری) اہل علم نوٹ کر لیں کہ علامہ عسقلانی و حافظ ابو جعفر رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہما کی اس تصریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احادیث جمع بین الصلاتین میں احناف کا جمع صوری مراد لینا بے بنیاد نہیں ہے اور اسی سے غیر مقلد وہابی حضرات کے اس قول کے بھی پرخچے اڑ جاتے ہیں کہ احادیث جمع میں جمع صوری مراد لینا عقل بے معنی، لغو اور باطل فافہم۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعًا وَّثَمَانِيًا اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَقَالَ اَيُّوْبُ لَعَلَّهٗ فِىْ لَيْلَةٍ مَطِيْرَةٍ قَالَ عَسٰى۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سات رکعتیں مغرب اور عشاء کی اور آٹھ رکعتیں ظہر اور عصر کی پڑھیں۔ ایوب نے جابر بن زید سے کہا۔ شاید بارش کی رات ایسا کیا ہوگا۔ انہوں نے کہا۔ شاید۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلاۃ اللیل میں بھی ذکر کیا اور مسلم اور ابوداؤد، نسائی نے بھی باب صلاۃ اللیل میں ذکر کیا۔ ہو۔ حضور علیہ السلام نے مدینہ شریف میں مغرب اور عشاء، ظہر و عصر کو جو جمع کر کے پڑھا تو ظاہر ہے کہ یہ جمع سفر یا بارش کی وجہ سے تو نہ تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ بوجہ مرض حضورؐ نے ایسا کیا جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا تو یہ اس لئے درست نہیں کہ روایت ابن عباسؓ

میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضورؐ نے باجماعت نماز پڑھائی تھی۔ اب ظاہر ہے کہ حضورؐ اگر مریض تھے تو باقی لوگ تو مریض نہ تھے۔ امداد یہ جمع بین الصلاتین مرض، مطر اور سفر کے عذر کی وجہ سے نہ تھی۔ ۳۔ علامہ شوکانی نے اس حدیث پر طویل بحث کرتے ہوئے یہ ثابت ہے کہ یہ جمع، جمع صوری تھی۔ حقیقی نہ تھی۔ یعنی حضورؐ نے مدینہ میں ظہر و عصر کو جمع کر کے پڑھا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ظہر و کے وقت میں جمع کر کے پڑھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ نے ظہر میں تاخیر کی اور ظہر کو ظہر کے آخری وقت میں ادا فرمایا اور فراغت کے بعد وقت عصر وقت شروع ہوگیا تو آپ نے عصر اول وقت میں ادا فرمائی۔ جیسا کہ نسائی میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے (نیل الاوطار صفحہ ۲۱۸) ۴۔ حدیث نسائی کے لفظ یہ ہیں۔ اخر الظهر و عجل العصر و اخر المغرب و عجل العشاء ا سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عنوان تاخیر و تعجیل صحابہ کرامؓ میں جمع صوری کے لئے معروف تھا۔ جمع وقتی کے لیے نہیں۔

مسئلہ جمع بین الصلوٰتین

اس مسئلہ اور حدیث زیر بحث پر بحث سے پہلے قارئین کرام حسب ذیل امور کو اچھی طرح سمجھ

۱۔ احناف کے نزدیک ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا فرض ہے۔ سفر ہو یا حضر، بیماری ہو کوئی اور عذر، بہر صورت نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا ضروری ہے۔ ۲۔ اور بعذر، دو نمازوں کو صورۃً جمع کر لینا جائز ہے۔ یعنی اگر بارش ہو رہی ہو یا مریض ہو یا سفر کی جلدی ہو تو ایسی صورت میں احناف کے نزدیک جمع صوری جائز ہے اور وہ حدیثیں جن میں جمع کا ہے ان میں جمع صوری مراد ہے۔ جمع حقیقی مراد نہیں ہے۔ ۳۔ جمع صوری جس کو جمع فعلی بھی کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ظہر کو اس کے وقت میں پڑھنا کہ بعد از فراغت عصر کا وقت شروع ہو جائے اور عصر پڑھ لی جائے۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی حتیٰ کہ شفق ڈوبنے آئے۔ اس وقت مغرب پڑھی جائے اور مغرب سے فارغ ہوئے کہ شفق ڈوب گئی اور عشاء کا وقت آگیا اور پھر عشاء پڑھ لی گئی۔ دیکھئے کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء تو اپنے وقت میں پڑھی گئیں مگر صرف صورۃً ادا میں مجتمع ہوگئیں۔ جمع صوری کو مثال سے بھی سمجھ لیجئے۔ فرض کیجئے۔ ظہر کا وقت ۱۲ بجے سے چار بجے تک ہے۔ اب ہم نے ظہر میں تاخیر کی یہاں تک کہ ۳ بج کر ۵۰ منٹ ہوئے اور ۳ بج کر ۵۰ منٹ پر ظہر پڑھی اور ان دس منٹوں میں ظہر پڑھ کر فارغ ہوئے تھے کہ عصر کا وقت شروع ہوگیا اور ہم نے عصر بھی پڑھ دیکھئے ظہر اور عصر دونوں اپنے اپنے وقتوں ہی میں پڑھی گئیں۔ مگر صورۃً و فعلاً دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھی گئیں ہیں۔

جمع حقیقی جس کو وقتی بھی کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا۔ یعنی ظہر کا وقت ختم ہو کا شروع ہوا۔ تو اب ظہر کو عصر کے وقت ملا کر پڑھ لیا جائے۔ حضرت امام شافعی و مالک و احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے۔ عذر کی وجہ سے (مثلاً سفر ہو یا مرض ہو) تو اس صورت میں ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ملا کر پڑھنا جائز ہے۔ یہ حضرات جن حدیثوں سے کرتے ہیں۔ ان کے مضمون یہ ہیں:۔

اول۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ میں آٹھ رکعتیں ظہر و عصر کی اور سات رکعتیں مغرب و عشاء کی پڑھیں

دوم۔ معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ حضورؐ نے غزوہ تبوک میں ظہر و عصر اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا۔ (طحاوی)

سوم۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ سفر میں ہوتے تو مغرب و عشاء اور ظہر و عصر کو جمع فرما لیتے (بخاری

یہ اور اسی مضمون کی اور بھی متعدد احادیث ہیں جن سے امام شافعی و مالک و احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ سمجھا کہ عذر کی وجہ سے دو نمازوں کو وقت واحد میں پڑھ لینا جائز ہے (یعنی جمع حقیقی)۔ لیکن ان حضرات کا احادیث بالا سے مذکورہ بالا نتیجہ نکالنا درست نہیں اور جہاں تک دلائل کا تعلق ہے۔ اس باب میں احناف کا موقف بہت قوی ہے جس کی تقریر یہ ہے:۔

۱۔ نماز کے اوقات کا مقرر و معین ہونا قطعی اور متواتر ہے۔ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور جہاں جہاں قرآن

ـرہ کا حکم آیا ہے۔ سب کا اتفاق ہے۔ اس سے نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا اور اس کے آداب کا لحاظ رکھنا مراد ہے۔ غرضیکہ کتاب ـت کی نصوص صریحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کا وقت مقرر ہے۔ احادیث نبویہ میں نماز کو وقت پر پڑھنے کی تاکید اور بے وقت بلکہ ـت کردہ میں پڑھنے پر وعید شدید آئی ہے اور اس کو منافقین کا عمل قرار دیا گیا۔ جیسا کہ کتاب کے ابتدائی صفحات میں مفصل بیان ہوا۔ ـ احادیث جمع بین الصلوتین کے وہ معنی مراد لئے جانے چاہئیں جو نصوص صریحہ کے منافی نہ ہوں اور خود احادیث میں تضاد و تخالف ـیدا نہ کریں۔ پس وہ احادیث جن میں دو نمازوں کے جمع کرنے کا ذکر ہے۔ ان میں جمع سے جمع حقیقی ہرگز مراد نہیں بلکہ صوری مراد ہے اور ـع صوری مراد ہونے پر احناف کے پاس معقول دلائل موجود ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:۔

ـان يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ يُؤَخِّرُ ـذِهِ فِي آخِرِ وَقْتِهَا وَيُعَجِّلُ هٰذِهِ فِي اَوَّلِ وَقْتِهَا

کہ حضور علیہ السلام مغرب و عشاء کو اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں اور عشاء اس کے اول وقت میں ادا فرماتے۔

علامہ شوکانی نے مذکورہ بالا مضمون کی حدیثوں میں الفاظ تاخیر و تعجیل کو جمع صوری کی صریح دلیل مانا ہے۔ چنانچہ انھوں نے لکھا۔

ـمما يدل على تعين حمل حديث الباب على الجمع الصوري ما اخرجه النسائي عن ابن عباس بلفظ صليت ـع النبي صلى الله عليه وسلم الظهر والعصر جميعا الخ۔ ایک دوسرے مقام پر لکھا ومن المؤيدات للحمل على الجمع ـصوري ما اخرجه ابن جرير عن ابن عمر قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان يؤخر الظهر ـويعجل العصر فيجمع بينهما وهذا هو الجمع الصوري (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۶)

۲۔ امام نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی ایک زمین کو گئے۔ جاتے جاتے کسی نے کہا آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی ـبید سخت بیمار ہیں۔ شاید ہی آپ زندہ پائیں۔ یہ سن کر بسرعت چلے ان کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا۔ سورج ڈوب گیا اور آپ نے ـغرب) کی نماز نہ پڑھی اور میں نے ہمیشہ ان کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے تھے۔ جب دیر لگائی۔ میں نے کہا۔ نماز اللہ ـپ پر رحم کرے۔ تو انھوں نے میری طرف پھر دیکھا اور آگے روانہ ہو گئے۔

حتّٰى إِذَا كَانَ فِي آخِرِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلّٰى ـمغرب ثُمَّ أَقَامَ الْعِشَاءَ وَقَدْ تَوَارَى الشَّفَقُ ـصلى بنا ثم اقبل علينا فقال ان رسول الله ـان اذا عجل به السير صَنَعَ هٰكَذَا۔ (نسائی، ابوداؤد)

جب شفق کا اخیر حصہ رہا اتر کر مغرب پڑھی پھر عشاء کی تکبیر اس حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی اس وقت عشاء پڑھی۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب سفر کی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے۔

ـت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤخر ـظهر ويقدم العصر ويؤخر المغرب ويقدم ـعشاء۔ (بخاری۔ احمد بن حنبل۔ طحاوی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر کو دیر کرتے اور عصر کو اول وقت میں پڑھتے۔ مغرب کی تاخیر فرماتے اور عشاء کو اول وقت پڑھتے۔

ـان نجمع بين الظهر والعصر نقدم من هذه ونؤخر من هذه ونجمع بين المغرب والعشاء نقدم من هذه ونؤخر من هذه حتى قدمنا ـمكة۔ (طحاوی)

عاصم احول عن ابی عثمان راوی ہیں کہ میں اور حضرت سعد بن مالک حج کی جلدی میں مکہ معظمہ تک ظہر و عصر، مغرب و عشاء کو یوں جمع کرتے گئے کہ ظہر و مغرب دیر کرکے پڑھتے اور عصر و عشاء جلدی یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے۔

ـحبت عبد الله بن مسعود في حجه فكان

عبد الرحمان بن یزید کہتے ہیں کہ میں حج میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

يوخر الظهر و يعجل العصر و يوخر المغرب و يعجل العشاء و يسفر الصلوة الغداوة (طحاوی)

کے ہمراہ رکاب تھا۔ آپ ظہر میں دیر فرماتے اور عصر میں
مغرب میں تاخیر اور عشاء میں جلدی اور صبح کی نماز روشن کر کے

۵۔ ابوداؤد۔ باب متی یتم المسافر میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جب سفر فرماتے سورج ڈھلے پر چلتے رہتے یہا
کو قریب ہوتا کہ تاریکی ہو جائے۔

حتی تکاد ان یظلم ثم ینزل فیصلی المغرب ثم یدعو بعشائه فیتعشی ثم یصلی العشاء ثم یرتحل و یقول هکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع (ابوداؤد)

پھر اُتر کر مغرب پڑھتے۔ پھر کھانا منگا کر تناول فرماتے۔ پھر
پڑھ کر کوچ کرتے اور فرماتے حضور علیہ السلام اسی طرح کی
تھے۔ علامہ عینی نے فرمایا اس حدیث کی سند میں کوئی نقص

ان احادیث سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوا کہ بعذر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے اور جمع کا طریقہ اور اس
بھی ان احادیث سے معلوم ہو گئی کہ دو نمازوں کو جمع کرنا اس طرح نہ تھا کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں جمع کر کے پڑھا
جمع حقیقی) بلکہ جمع کی صورت یہ تھی کہ آپ مغرب کو اس کے اخیر وقت میں پڑھتے کہ فراغت کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو
عشاء ادا فرما لیتے۔ یعنی حضور علیہ السلام ہر نماز کو اس کے معین وقت ہی میں ادا فرماتے تھے مگر کبھی عذر سفر وغیرہ کی وج
صورۃً و فعلاً جمع فرما لیتے تھے۔ جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ احادیث جنہیں امام شافعی پیش کرتے ہیں
جمع صوری ہی مراد ہے حقیقی مراد نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے:۔

قال ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ قط فی غیر وقتها الا انه جمع بین الصلوٰتین بجمع الخ (بخاری و مسلم و طحاوی ج ۱ صـ۲۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ
علیہ وسلم کو کبھی ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرتے ہو
دیکھا سوائے مقام جمع کے (یعنی مزدلفہ)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے کبھی دو نمازوں کو اس طرح جمع نہیں کیا کہ وقت واحد میں دو نمازوں ک
ہو۔ لہٰذا ضروری ہے۔ جن احادیث میں جمع کا ذکر ہے اس میں جمع صوری مراد لی جائے اور اگر جمع حقیقی مراد لی جائے گی تو اس
ایک تو کتاب و سنت کی نصوص صریحہ کا خلاف ہوگا۔ دوسرے خود احادیث میں تضاد و تخالف پیدا ہو جائے گا اور یہ تضاد و تخا
حقیقت میں تو ہے نہیں۔ محض اس وجہ سے پیدا ہو رہا ہے کہ احادیث جمع میں جمع حقیقی مراد لی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ جو
جمع حقیقی کے قائل ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نمازوں میں جمع حقیقی بلا عذر جائز نہیں ہے حالانکہ احادیث میں حضور علیہ ال
بھی جمع کرنا ثابت ہے جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے۔

عَنْ ابن عباس اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ جمع بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالْمَدِیْنَةِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا سَفَرٍ وَّلَا مَطَرٍ۔
(حاشیہ ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ج ۱ صـ۱۹۶)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ظہر و عصر
مغرب و عشاء کو مدینہ میں بغیر عذر، خوف و سفر و بارش
کیا،

عَنْ ابن عباس قَالَ جَمَعَ رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِيْنَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ (ترمذی ج)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ ال
مدینہ میں ظہر و عصر کو مغرب و عشاء کو بغیر خوف و بارش
جمع کیا۔

اب قائلین جمع حقیقی کو چاہیئے تھا کہ وہ اس حدیث میں بھی جمع حقیقی مراد لیتے مگر وہ بجائے اس کے جمع صوری مراد لیتے ہیں۔

یکھئے۔ نیل الاوطار۔ ج ۳ صـ ۲۱۹ و تحفۃ الاحوذی۔ ج ۱ صـ ۱۶۹)

جس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ احادیث جمع بین الصلوٰتین میں جمع سے مراد ہی در اصل جمع صوری ہے اور حضورؐ نے وف مطر و سفر جمع صوری بیان جواز کے لئے فرمائی تاکہ امتؐ حرج میں مبتلا نہ ہو۔ چنانچہ اجلۂ صحابہ کرامؓ میں جناب فاروق اعظم ضرت سعد بن ابی وقاص۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن عمر و ام المومنین عائشہ صدیقہ اور تابعین میں حضرت عمر بن عبد العزیز سالم بن عبد اللہ بن عمر علقمہ۔ اسود بن یزید نخعی۔ امام حسن بصری ابن سیرین۔ امام ابراہیم نخعی۔ مکحول شامی۔ جابر بن زید امام عمرو ینار و حماد و امام اجل سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ علیہم اور تبع تابعین میں امام سفین ثوری۔

لیث بن سعد۔ قاضی ابو یوسف۔ امام ابو عبد اللہ محمد الشیبانی و امام زفر بن الہذیل۔ حسن بن زیاد۔ مالک بن انس اور امام عبد الرحمٰن عتقی تلمیذ امام مالک و امام عیسٰے بن ابان و امام ابو جعفر احمد بن سلامہ مصری وغیرہم اجلۂ آئمۂ دین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا یہی مسلک ے کہ ظہرین عرفہ و عشائین مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ البتہ ر جمع صوری جائز ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے بالتصریح واضح و ثابت ہے۔

وقت ظہر اور اس کے دلائل کا بیان

واضح ہو کہ ابتداء وقت ظہر میں تو کسی کا اختلاف نہیں البتہ انتہاء وقت ظہر میں اختلاف ہے، اسی وجہ سے ابتداء وقت عصر میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک وقت ہر آفتاب ڈھلنے سے اس وقت تک ہے کہ ہر چیز کا سایہ علاوہ سایہ اصلی کے دو چند ہو جائے اور وقت عصر سوا سایہ اصلی کے مثل سایہ ہونے سے آفتاب ڈوبنے تک ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں:۔

دلیل اوّل۔ انّ اوّل وقت صلوٰۃ الظّھر حین زول الشمس (رواہ الامام احمد والترمذی وابن ابی شیبۃ عن ابی ہریرۃؓ)

حضور علیہ السلام نے فرمایا نماز ظہر کا اوّل وقت سورج ڈھلنے پر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت اوّل آفتاب ڈھلنے کے بعد ہے۔

دلیل دوم۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔ ایک سفر میں ہم حضورؐ کے ہمراہ تھے کہ مؤذن نے ظہر کی اذان دینی ہی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ وقت ٹھنڈا کر۔ کچھ دیر بعد انھوں نے پھر ارادہ کیا فرمایا۔ وقت ٹھنڈا کر۔ یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ

حتّی ساوی الظّلّ التّلول

ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر آگیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے تو اس میں نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔ (بخاری شریف) ہے کہ ٹھیک دوپہر خصوصاً موسم گرما میں کہ وہی زمانہ ابراد ہے۔ ٹیلوں کا سایہ بالکل نہیں ہوتا۔ بہت دیر کے بعد ہوتا ہے چنانچہ ام اجل ابو زکریا نووی شافعی شرح مسلم میں فرماتے ہیں اور علامہ شوکانی نیل میں لکھتے ہیں۔

لول منبطحۃ غیر منتصبۃ ولا یصیر لھا فیئ عادۃ الّا بعد زوال الشمس بکثیر (نووی شرح مسلم)

ٹیلے زمین پر پھیلے ہوتے ہیں نہ کہ بلند عادۃً ان کا سایہ نہیں پڑتا مگر سورج ڈھلنے سے بہت دیر کے بعد۔

اور علامہ امام ابن اثیر جزری شافعی نہایہ میں لکھتے ہیں۔

ی منبطحۃ لا یظھر لھا ظلّ الّا اذا ذھب کثر وقت الظّھر (نہایہ۔ و نیل الاوطار ج صـ ۳۰۵)

ٹیلے پست ہوتے ہیں ان کے لئے سایہ ظاہری نہیں ہوتا مگر جب ظہر کا اکثر وقت جاتا رہے۔

پس آثارِ شافعیہ کی شہادت اور مشاہدہ عقل و قواعدِ ظل سے ثابت ہوا کہ ٹیلوں کے سائے کی ابتدا زوال سے بہت دیر کے ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ سایہ ٹیلوں کے برابر اس وقت پہنچے گا۔ جب بلند چیزوں کا سایہ ایک مثل سے بہت گذر جائے گا اور اس تک کے لئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد مؤذن کو اجازتِ اذان تو بلاشبہ دوسری مثل میں وقتِ ظہر باقی رہنا ثابت ہوا۔ جیسا کہ ہمارے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ کا مذہب ہے۔

دلیل سوم ۔ یہ کہ نمازِ عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہیے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ یہ مانا جائے کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہوتا ہے اور اگر یہ مانا جائے کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ شروع ہو جاتا ہے تو اس صورت میں وقتِ عصر ظہر کے برابر بلکہ بعض دنوں میں ظہر سے بڑھ جائے گا اور یہ بات بخاری شریف کی اس کے خلاف ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی مثال یہود و نصاریٰ کے مقابل اس طرح دی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو صبح سے دوپہر تک ایک قیراط اجرت پر دوسرے مزدور کو دوپہر سے نمازِ عصر تک ایک قیراط اجرت پر اور تیسرے کو نمازِ عصر سے غروبِ شمس تک دو قیراط اجرت پر رکھے۔ پہلے مزدور یہود ہیں اور دوسرے نصاریٰ اور تیسرے مزدور مسلمان ہیں اور مقصودِ تشبیہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے عمل کی مدت زیادہ ہے اور مسلمانوں کی مدتِ عمل تھوڑی ہے مگر مزدوری دگنی ہے۔ پس اگر عصر کا وقت ایک سایہ سے شروع مانا جائے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی کبھی اس سے زیادہ ہو جائے گا اور اس صورت میں یہ مثال جو حضور علیہ السلام نے ہے درست نہیں اترے گی۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے دو مثل سایہ تک رہتا ہے اور دو مثل سایہ ہونے سے عصر کا وقت ہوتا ہے۔

دلیل چہارم ۔ حدیثِ امامتِ جبرئیل بروایت ترمذی و ابوداؤد عن ابن عباس میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین نے صبح بعد فرضیتِ نماز حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی امامت کے پہلے دن ظہر سے فجر تک پانچوں نمازیں اول وقت میں پڑھیں دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعد گذارش کی الوقت ما بین ھذین الوقتین ۔ وقت ان دونوں وقتوں کے بیچ میں ہے اس سلسلہ کی حدیث ابوداؤد، ترمذی و ابن حبان و حاکم بروایت عبد اللہ بن عباس میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

صلی بی العصر حین کان ظله مثله فلما کان الغد صلی بی الظهر حین کان ظله مثله	جبرئیل امین نے میرے ساتھ عصر اس وقت پڑھی جب ایک مثل ہوا اور دوسرے دن ظہر اسوقت پڑھائی جبکہ سایہ ایک مثل

ان احادیث میں جو وقت کل کی عصر سے متعلق ہے وہی وقت آج کی ظہر کے متعلق بھی ہے۔ یعنی کل کی عصر ایک مثل سایہ پڑھائی اور آج کی ظہر بھی اس وقت پڑھائی جب کہ ایک مثل سایہ ہوا اور روایت ترمذی تو صاف صاف ہے کہ آج کی ظہر اسوقت جس وقت کل عصر پڑھی تھی۔ چنانچہ ترمذی کے لفظ یہ ہیں۔ صلی المرة الثانیة الظهر حین کان ظل کل شیٔ مثـ لوقت العصر بالامس۔ حالانکہ مقصود اوقات کی تمیز اور ہر نماز کا اول و آخر وقت جدا جدا بتانا ہے اور ان احادیث میں آخر ظہر کا بعینہ اول وقت عصر کا معلوم ہوتا ہے اور حدیث مسلم سے ثابت ہے کہ عصر کا وقت اس وقت تک نہیں ہوتا جبتک ظہر باقی رہے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وقت الظهر اذا زالت الشمس وکان ظل الرجل کطوله مالم یحضر العصر ووقت العصر مالم	اول وقت ظہر کا اس وقت ہے۔ جب آفتاب ڈھل سایہ اسکے قد کی درازی کے برابر ہو جائے اور اسوقت تک رہتا ہے

---

[1] اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وقتِ ظہر ایک مثل سایہ ہونے پر ختم ہو جاتا ہے اور ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ وہ حدیث جبرئیل ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

صفرّ الشمس۔	نمازِ عصر کا وقت نہ ہوا اور وقت (کامل) عصر کا اس وقت رہتا ہے جب تک آفتاب زرد نہ ہو جائے۔

ـوٰۃ باب مواقیت الصلوٰۃ ص۶۰ (بروایت صحیح مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

ـتُ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ مَا لَمْ یَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ ـوۃِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ (احمد نسائی ابوداؤد مسلم)	نمازِ ظہر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک عصر کا وقت نہ آئے اور عصر کا وقتِ کامل اس وقت تک ہے جب تک سورج میں زردی نہ آئے

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے۔ فرمایا۔

ـت الظھر الی العصر ووقت العصر الی ـغرب الخ (رواہ ابن ابان)	ظہر کا وقت عصر تک ہے اور عصر اور مغرب تک اور مغرب کا عشاء تک اور عشاء کا فجر تک۔

ان احادیثِ صحیحہ سے واضح ہوگیا کہ حدیث امامتِ جبرئیل بروایت ترمذی جس سے آخر وقت ظہر کا اول وقت عصر کا ہونا ثابت ـا منسوخ ہے اور حضور علیہ السلام نے اپنے صاف وصریح ارشاد سے یہ بات مقرر کردی کہ جب تک ظہر کا وقت باقی رہے عصر ـقت نہیں ہوتا۔ اور حدیث مسلم سے جوازِ ظہر بعد ایک مثل بھی ثابت ہوگیا کہ جب ہر چیز کا سایہ سوا سایہ اصلی کے ایک مثل ہو ـے تو بھی ظہر ہی کا وقت ہے۔ لہٰذا جب ظہر وعصر میں اشتراکِ وقت کا ہونا منسوخ ہوا تو اب واضح ہوگیا کہ ظہر کا وقت زوال ـس ہے لے کر دو مثل سایہ ہونے تک رہتا ہے کیونکہ حدیث جبرئیل میں یہ بھی ہے۔

ـلی بی العصر حین کان ظلہ مثلیہ	دوسرے دن جبرئیل امین نے عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوگیا

ـس عصر کا وقت دو مثل سایہ ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس میں سب کا اتفاق ہے۔ عصر کا وقت غروب آفتاب تک رہتا ہے تاہم

ـائدہ واضح ہو کہ حدیث امامت جبرئیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا بلکہ بعد مثل دونوں نمازوں میں وقت مشترک ہونا مستفادہ ہوتا ہے۔ اس کے دفع میں مولوی نذیر حسین دہلوی جو حضرات غیر مقلدین کے امام ہیں۔

ـوں نے شوافع کی تقلید جامد میں مبتلا ہو کر یہ لکھا کہ:۔

> " روایتِ نسائی کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت نے پہلے دن عصر جب پڑھی کہ
> ایک مثل سایہ آگیا اور دوسرے دن ظہر سے ایک مثل پر فارغ ہو لئے۔ اھ "

لیکن حدیث نسائی کے یہ معنی کسی طرح بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے۔

(۱) حدیث جبرئیل بروایت جابر نسائی میں یوں ہے کہ جبرئیل امین بحضور نبوی اس وقت حاضر ہوئے۔

ـین کان الظل مثل شخصہٖ فصلّی الْعَصْرَ ثم ـہ فی الیوم الثانی حین کان ظل الرجل ـثل شخصہٖ فصلی الظھر	جبکہ ہر شخص کا سایہ اس کی مثل تھا تو عصر پڑھی۔ پھر دوسرے دن اس وقت آئے جب کہ ہوگیا تھا سایہ آدمی کا اس کے برابر پس ظہر پڑھی۔

۲۔ دوسری روایت میں ہے۔

ـثم مکث حتی اذا کان فیءُ الرجل مثلہ ـہ للعصر فقال قم یا محمد فصل العصر ثم جاءہٗ ـن الغد کان فیءُ الرجل مثلہ فقال قم یا محمد	پھر ٹھہرے یہاں تک کہ جب ہوگیا سایہ آدمی کا اس کی مثل تو عصر کے لیے آئے تو عرض کی حضور عصر پڑھیے۔ پھر دوسرے دن اس وقت آئے جب کہ ہوا سایہ آدمی اس کی مثل اور عرض کی

فصل الظهر۔

ظہر پڑھیے۔

۴۔ دارقطنی وطبرانی وابوعمر کے یہاں بروایت عقبہ بن عمرو و بشیر بن عقبہ اور مسند اسحاق میں بروایت ابی مسعود بدری تعالیٰ عنہم یوں ہے۔

جاءه حين كان ظل كل شيئ مثله فقال يا محمد صل العصر فصلى ثم جاءه الغد حين كان ظل كل شيئ مثله فقال صل الظهر فصلى

اس وقت آئے جب کہ ہر شے کا سایہ اس کی مثل ہو گیا تو عرض کی عصر پڑھیے آپ نے پڑھی۔ پھر دوسرے دن اسی وقت آئے جبکہ ہر شے کا سایہ اس کی مثل ہو گیا تو عرض کی ظہر پڑھیے پس آپ

۴۔ اور حدیث سائل بروایت عبداللہ بن قیس ابوداؤد میں یوں ہے۔

أَمَرَ بلالاً فَاَقَامَ الفجر حين انشق (الی قوله) فَاَقَامَ الظهر في وقتِ العصر الذی كان قبله۔

حضورؐ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے صبح کی اقامت اس وقت پو پھٹ چکی تھی اور ظہر کی اقامت اسوقت کہی جس وقت کہ کل عصر پڑھی

ان سب حدیثوں میں تصریح صریح ہے کہ جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام والتسلیم ظہر کے لیے حاضر اس وقت ہوئے ایک مثل کو پہنچ چکا تھا۔ اس وقت نماز ظہر کے لئے عرض کی اور حضورؐ نے ظہر پڑھی۔ اس کے یہ معنی کیونکر ممکن ہیں کہ ختم مثل سے فارغ ہو لئے تھے۔ اسی طرح حدیث نمبر ۴ میں تو اور زیادہ تصریح ہے کہ ایک مثل سایہ ہونے کے بعد حضرت بلالؓ نے ظہر کی تکبیر کہی تو ایسی صورت میں ایک مثل تک فراغ کیا؟ البتہ ان حدیثوں سے مسلک حنفیہ کو بہت تقویت پہنچ گئی اور یہ ثابت ہو گیا مثل سایہ ہونے کے بعد حضورؐ نے ظہر پڑھی یعنی ایک مثل سایہ ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع نہیں ہوتا بلکہ ظہر کا ہی وقت رہتا ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگرچہ عصر و ظہر کے وقت کے متعلق تمام لوگ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے خلاف ہیں۔ مگر کا مسلک حدیث سے ثابت ہے تو پھر مخالفت کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے بعد حسب ذیل دو حدیثیں مسلک امام کے ثبوت میں تحریر فرمائی ہیں۔

وحديث جابرٍ صلّى بنا رسولُ الله صلى الله عليه وسلّم العصر حين صار ظل كل شيء مثليه قدر ما يسير الراكب الى ذي الحليفة العنق (رواه ابن ابي شيبة بسند لا باس به)

اور حدیث جابرؓ یہ ہے کہ حضورؐ نے ہمیں اس وقت عصر پڑھائی جب کہ ہر شے کا سایہ اس کی دو مثل ہو گیا۔ یعنی سوار کے "ذی الحلیفہ عنق" تک چلنے کی مقدار۔

وَحديث علي بن شيبان قال قدمنا على رسول اللهِ صلى اللهُ عليهِ وسلم المدينة فكان يُؤخِر العصر مَا دامت الشمس بيضاء نقية۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ ۔ عینی ج ۲ ص ۵۴)

اور حدیث علی بن شیبان یہ ہے کہ ہم حضورؐ کے پاس مدینہ آئے پس تاخیر کرتے تھے حضورؐ عصر میں۔ جب تک سورج سفید اور صاف ہوجاتا۔

غرضیکہ یہ ہیں وہ چند دلائل جن سے مسلک حنفیہ کا اثبات ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے طحاوی و نیل الاوطار عینی ج ۲ وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مگر غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ظہر و عصر کے متعلق احناف کا مسلک بالکل بے بنیاد ہے اور حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ یہ سخت زیادتی اور صریح ظلم ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جمہور کا مذہب عنداللہ درست ہو اور یہ بھی ممکن ہے احناف کا مسلک عنداللہ صحیح و صواب ہو مگر یہ کہنا کہ احناف حدیث کے مقابل قول امام کو ترجیح دیتے ہیں اور حدیث کو نہیں مانتے۔ یہ محض اتہام و الزام ہے اور مسائل فروعیہ میں کسی بھی دیانتدار شخص کے نزدیک اس قسم کے انداز کی حوصلہ افزائی نہیں کی جا سکتی

بَابُ وَقْتِ الْعَصْرِ

باب عصر کی نماز کے وقت کے بیان میں

اس عنوان کے ماتحت امام نے حضرت عائشہؓ سے جو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :۔

ن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا
لشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِي حُجْرَتِي وَلَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ
لشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا

حضرت عائشہؓ نے فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے کہ سورج ابھی ان کے حجرہ میں ہی ہوتا۔

(۲) اور سورج ان کے حجرہ میں ہی ہوتا اور سایہ ظاہر نہ ہوتا۔

(۳) اور دھوپ میرے حجرہ میں ہوتی اور سایہ نہ پھیلا ہوتا۔

فوائد و مسائل والشمس فی حجرتی۔ شمس سے مراد دھوپ ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے عصر کی نماز اس وقت پڑھی۔ جب کہ دھوپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں موجود تھی (۲) خط کشیدہ جملوں سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ ے یہ استدلال فرمایا کہ عصر میں تعجیل کرنی چاہیئے۔ لیکن علامہ طحاوی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ حجرہ میں دھوپ اس لئے باقی رہتی تھی کہ اس کی واریں لمبی نہ تھیں۔ اس لئے حجرہ سے دھوپ جب جاتی تھی جبکہ آفتاب قریب غروب ہوتا۔ لہٰذا اس حدیث سے بجائے تعجیل کے تاخیر ت ہوئی۔

فائدہ اور جہاں تک ہم نے ان احادیث پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ احادیث زیر بحث سے عصر کی ابتداء و انتہاء وقت کے قطعی فیصلہ کرنا تو بہت مشکل ہے البتہ جو بات صاف اور صریح طور پر واضح ہو رہی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے عصر اس ت پڑھی جب کہ حجرہ صدیقہؓ میں دھوپ موجود تھی جس سے واضح ہوا کہ عصر ایسے وقت میں نہ پڑھنی چاہیئے کہ قرص آفتاب میں زردی انے اور اس کی روشنی میں تغیر پیدا ہو جائے۔ یعنی اس پر بے غبار بے تکلف نگاہ قائم ہونے لگے۔ بلکہ عصر ایسے وقت میں ادا کی جائے کہ تاب صاف و شفاف اور روشن ہو۔

فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا
ولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ
جِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ
حَيَّةٌ وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ
ن يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ
كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا وَ
كَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ
جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ ۔ (بخاری)

ابو برزہ اسلمی نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز جسے تم پہلی نماز کہتے ہو اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا اور عصر کی نماز پڑھتے پھر اس کے بعد ہم میں سے کوئی اپنے گھر کو جو مدینہ کے آخر میں ہوتا جا پہنچتا اور سورج کی چمک قائم رہتی اور ابو برزہ نے کہا مغرب کی نماز کے بارے میں جو کچھ کہا وہ میں (یسار) بھول گیا اور حضور عشاء کی نماز جس کو تم عتمہ کہتے ہو دیر کرنا پسند کرتے اور عشاء سے قبل سوجانا اور اس کے بعد باتیں کرنے کو حضور ناپسند فرماتے تھے اور حضور نماز فجر اس وقت پڑھتے جبکہ آدمی اپنے ساتھ والے کو پہچان لیتا اور آپ نماز فجر میں ساٹھ آیتوں سے لیکر سو آیات تک پڑھتے

یہ حدیث بابُ وقت الظهر عند الزوال میں مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ امام نے اسی مضمون کی دو حدیثیں اور لکھی ہیں جنھیں ہم یہاں یکجا لکھ رہے ہیں۔

قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ
مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ (بخاری)

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز پڑھ چکتے پھر ہم سے کوئی قبا جاتا اور وہاں پہنچ جاتا تو پھر بھی سورج بلند ہوتا۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِيْ فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهٖ۔

حضرت انس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام عصر کی وقت پڑھتے کہ سورج بلند اور تیز ہوتا۔ پھر کوئی جانے منورہ کے بالائی حصہ کو جاتا۔ وہاں پہنچ جاتا اور سورج بلند رہتا بعض عوالی مدینہ سے چار میل پر یا کچھ ایسے ہی تھے۔

فوائد و مسائل ان حدیثوں کے مسائل یہ ہیں۔ ہاجرہ ٹھیک دوپہری کو کہتے ہیں اولیٰ ظہر کو پہلی نماز اس لئے کہا گیا ہے انہیں نے صبح اسرا جب نمازیں پڑھ کر دکھائیں تو سب سے پہلے ظہر پڑھی تھی۔ تدحض کے معنی ڈھلنے یعنی حضور علیہ السلام نے سورج ڈھلتے ظہر پڑھی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ زوال کے فوراً بعد ظہر کے وقت کی ابتدا ہو جاتی کا مطلب یہ ہے کہ سورج خط نصف النہار سے مغرب کی طرف ذرا سا ہٹ جائے۔ بس جب آفتاب ذرا سا ہٹا ظہر کا وقت ہوگیا۔ ۲۔ رحلہ سے واضح ہوا کہ مسافت میں جانب واحدہ مراد ہے جیسا کہ ہم نے گذشتہ اوراق میں واضح کیا ہے۔

کیا ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے؟

جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا ہے۔ وہ ان زیر بحث حدیثوں مسلک کے اثبات میں بہت بڑی اور واضح دلیل قرار دیتے ہیں۔ جس کی تقریر یہ ہے:-

"عصر کی نماز کے بعد جب بعض لوگ عوالی مدینہ جاتے جو چار میل یا اس سے لگ بھگ کی مسافت پر تھے تو وہاں پہنچنے پر صاف اور چمکدار ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ ورنہ دو مثل سایہ ہونے کے بعد یہ آدمی چار چھ میل تک جائے اور سورج میں تغیر نہ آئے"ـــــ لیکن یہ استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں۔ اولاً اس لئے حدیثوں میں اس کا بیان نہیں ہے کہ عوالی مدینہ کو جانے والا۔ سواری پر جاتا تھا یا پیدل؟ پھر رفتار کا معیار کیا تھا اور جب تک نہ ہو اس وقت تک استدلال ہو ہی نہیں سکتا۔ ثانیاً۔ موطا امام مالک کی حدیث سے " قَدْرَ مَا يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخ أَوْ ثَلَاثَةً " سے واضح ہوتا ہے کہ عوالی مدینہ تک بحالت بلندی آفتاب پہنچ جانے والے سوار ہوتے تھے اور سواری دو مثل سایہ ہونے پر گرمی کے دنوں متوسط رفتار سے آفتاب کے صاف و شفاف رہنے تک بخوبی چار میل طے ہو سکتے ہیں۔ اور تیز چلے تو دو مثل سایہ کے بعد آٹھ میل (تین فرسخ) بھی طے ہو سکتے ہیں۔ فافہم

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلٰى بَنِيْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّوْنَ الْعَصْرَ۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ عصر لیتے اور کوئی آدمی بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں جاتا کی نماز پڑھتے ہوئے پاتا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے عبد اللہ بن یوسف سے بھی روایت کیا اور مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں عمرو بن عوف کا محلہ مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھا تو جب کوئی حضورؐ کے ہمراہ عصر پڑھ کر اس محلہ میں انہیں عصر کی نماز میں مشغول پاتا۔ یہ لوگ چونکہ اہل زراعت تھے اس لئے کھیتی باڑی سے فراغت پاکر عصر پڑھتے۔ ۲۔ اس حدیث سے کیا گیا کہ عصر میں تعجیل مستحب ہے لیکن استحباب اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ صرف عصر کو اول وقت میں پڑھنے کا جواز نکلتا ہے اور جواز ہے۔ ۳۔ اسی طرح حضرات غیر مقلدین کا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا تو بالکل ہی لغو ہے کہ حضورؐ نے عصر اول وقت میں ایک مثل سایہ ہونے

تھی۔ کیونکہ حدیث ہذا میں ایک مثل اور دو مثل کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔ پھر یہ فیصلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے عصر دو مثل سایہ ہونے کے بعد پڑھی ہو۔

۲۔ ابو امامہ سعد بن سہل کہتے ہیں کہ ہم عمر بن عبد العزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت انس کے پاس گئے۔ دیکھا تو وہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا چچا یہ کون سی نماز ہے جو تم نے پڑھی۔ انھوں نے کہا عصر کی۔

وَهٰذِهٖ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِيْ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَهٗ۔

اور یہی وہ نماز تھی جس کو ہم آپ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان مسجد نبوی کے قریب تھا اور یہ واقعہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کا نہیں کیونکہ حضرت انس تو ان کے خلافت پر متمکن ہونے سے قبل انتقال کر گئے تھے بلکہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ وہ مدینہ کے والی بنائے گئے تھے۔ اس حدیث سے بھی عصر میں تعجیل کے استحباب کا قول کیا گیا لیکن ظاہر ہے کہ عمر بن عبد العزیز جیسا پاکباز محب سنت اور فاضل علوم دینیہ کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نماز کے صحیح اوقات سے بھی بےخبر ہو (جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے) حضرت انس نے عصر کی نماز اول وقت میں پڑھی تو جواز ثابت ہوا مگر یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپ نے ایک مثل کے بعد عصر پڑھی تھی کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے دو مثل سایہ ہونے پر اول وقت میں نماز عصر پڑھی ہو۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ

باب (بلا عذر شرعی) عصر کی نماز کو قضا کر دینے کا گناہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِيْ تَفُوْتُهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ يَتِرَكُمْ وَتَرْتُ الرَّجُلَ قَتَلْتَ لَهٗ قَتِيْلًا اَوْ اَخَذْتَ مَالَهٗ۔

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی عصر قضا ہو گئی گویا اسکا گھر بار مال و اسباب لٹ گیا۔ ابو عبد اللہ امام بخاری نے کہا (سورہ محمد میں) یترکم کا لفظ آیا ہے وہ وتر سے مشتق ہے اور وتر کے معنی کسی شخص کے آدمی کو قتل کرنا یا اسکا مال چھین لینا ہے۔

عصر میں کتنی تاخیر کی جائے

اس حدیث میں نماز عصر کی اہمیت و عظمت کا اظہار ہے کہ نماز عصر کی محافظت نہ کرنا قضا کر دینا وقت کروہ تک ملتوی کر دینا اس پورے ثواب سے محروم ہو جانا ہے جو عصر کے لئے مقرر ہے۔ روایت اوزاعی میں فوتہا ان تدخل الشمس صفرۃ کے لفظ بھی آتے ہیں کہ عصر کو فوت کرنا یہ ہے کہ سورج میں زردی آجائے۔ احناف کے نزدیک عصر میں تاخیر مستحب ہے مگر اتنی تاخیر جائز نہیں کہ قرص آفتاب میں تغیر پیدا ہو جائے۔ چنانچہ متعدد حدیثوں میں عصر کو اتنی تاخیر سے پڑھنے کو منافق کی نماز قرار دیا گیا۔ پس عصر کا مستحب وقت یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے تو اتنی تاخیر کی جائے کہ آفتاب سپید چمکدار رہے اور اس کے قرص میں بالکل تغیر پیدا نہ ہو اور زردی آجانے تک تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ

باب عصر کی نماز ترک کر دینے کا گناہ

عَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ قَالَ كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِيْ غَزْوَةٍ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ غَيْمٍ فَقَالَ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ

ابو ملیح (عامر بن اسامہ ہذلی) نے کہا میں جہاد میں بریدہ بن حصیب صحابی کے ہمراہ تھا۔ اس دن ابر تھا۔ انھوں نے کہا۔ نماز عصر جلدی پڑھو کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کوئی عصر چھوڑ دے اس کا عمل اکارت ہو گیا۔

فوائد و مسائل

ذی عظیم یہ یوم کی صفت ہے بکروا کے معنی اسرعوا (جلدی کرو) کے ہیں اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ دن عصر میں تعجیل مستحب ہے۔ احناف کا بھی یہی مسلک ہے ۲۔ حبط عمل کفر کی وجہ سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کی نماز پڑھنے میں سستی نہ نماز پڑھنا کفر نہیں ہے بلکہ گناہ عظیم ہے تو حدیث میں حبط عمل محض وعید شدید کے طور پر فرمایا گیا ہے تاکہ لوگوں پر نماز اہمیت و عظمت کا اظہار ہو۔ اور اگر حقیقی معنی لئے جائیں تو مطلب حدیث یہ ہوگا کہ (من ترک) جس نے نماز کی فرضیت سے انکار کر کے چھوڑ دیا اس کے عمل حبط ہو جائیں گے۔ کیونکہ فرضیت نماز کا انکار کفر ہے۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْعَصْرِ

باب نماز عصر کی فضیلت کے بیان میں

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِهَا قَالَ اسْمٰعِيْلُ افْعَلُوْا لَا تَفُوْتَنَّكُمْ۔

جریر بن عبد اللہ بجلی کہتے ہیں کہ ہم حضور نبوی کے پاس تھے کہ آپ نے چاند کی طرف دیکھا تو فرمایا تم ایک دن اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کو دیکھنے میں تم کو زحمت پھر اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے جو نماز ہے (فجر) اور سے پہلے جو نماز ہے (عصر) ان پر کسی اور کام کو غالب نہ کرو ان پھر حضور نے سورہ طٰہٰ کی یہ آیت پڑھی وسبح بحمد ربک قبل طلوع وقبل الغروبہا۔ اسمٰعیل نے کہا افعلوا کے معنی یہ ہیں کہ نماز کو قضا نہ ہو

فوائد و مسائل

امام نے اس حدیث کو صلاۃ الفجر، توحید میں مسلم نے صلوٰۃ میں۔ نسائی و ابوداؤد نے سنت میں ذکر کیا۔ لاتضا ۱۔ بضم التاء وتخفیف المیم ضیم سے اس کے معنی مشقت کے ہیں ۲۔ اور بفتح التاء وتشدید المیم ضم سے اس کے معنی ایک دوسرے کی جگہ حاصل کرنے کے ہیں۔ پہلی صورت میں لاتضامون کے معنی یہ ہوں گے۔ روز قیامت دیدار باری میں کوئی مشقت، تکلیف اور نہیں ہوگی اور ہر مسلمان آسانی کے ساتھ اس مرتبہ کو حاصل کر سکے گا۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جیسے کسی مخفی اور مشکل سے نظر آنے والی چیز پر لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا جیسے چاند کو دیکھتے وقت ایک کہتا ہے وہ ہے دوسرا وہ نہیں بلکہ وہ ہے ـــــ تو روز قیامت دیدار باری تعالے میں ایسا نہ ہوگا۔ سب کو دیدار باری ہوگا اور عجب ہوگا تو کسی کو بھی دیدار باری میں شک و شبہ نہ ہوگا۔ لاتغلبوا کا حاصل معنی یہ ہیں جس کو دیدار الٰہی کی تمنا ہے اسے چاہیئے کہ وہ عصر و فجر کی محافظت کرے۔ نیند اور کام ان کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بننے دے چنانچہ روایت مسلم میں یعنی "العصر والفجر" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

روز قیامت و دیدار الٰہی

واضح ہو کہ قیامت کے دن ہر مسلمان کو دیدار باری تعالےٰ ہوگا اور خدا کا دیدار ایسا صاف ہوگا جیسے آفتاب اور چودھویں رات کے چاند کو ہر ایک نہایت آسانی کے ساتھ اپنی اپنی جگہ سے دیکھتا ہے دیکھنے دوسرے کے لئے مانع نہیں ہوتا۔ اب رہی یہ بات کہ یہ دیدار کیسے ہوگا اس کی کیفیت کیا ہوگی۔ ذات کا دیدار ہوگا یا تجلی کی رویت تو اس کے متعلق ایک مسلم کے لیے بس اتنا جاننا اور ماننا کافی ہے کہ دیدار ہوگا۔ رہی اس کی حقیقت و ماہیت و کیفیت تو نہ بیان ہو سکتی ہے بیان کی جا سکتی ہے اور نہ اس کی تہہ تک پہنچنے کا ہمیں مکلف بنایا گیا ہے۔ دیدار باری حق ہے۔ کتاب و سنت و اجماع صحابہ سے ثابت ہے احادیث باب میں بہت ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وجوہ یومئذ ناضرة الی ربہا ناظرہ اور فرمایا کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون (۲) حدیث زیر بحث میں جو آیت ہے وہ سورہ طٰہٰ پ رکوع آٹھ کی ایک آیت

قبل طلوع الشمس سے نمازِ فجر اور قبل غروبہا سے نمازِ عصر مراد ہے اور رویتِ الٰہی کے ذکر کے وقت فجر و عصر کے ذکر کی مناسبت یہ ہے کہ نماز افضل عبادات سے ہے اور عصر و فجر کی اہمیت و عظمت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ وقت فرشتوں کے اجتماع و اعمال کے اٹھنے کا ہے۔ لہٰذا ایسے افضل و اعلےٰ عمل کا ثواب بھی افضل ہونا چاہئے اور وہ ہے دیدارِ الٰہی جو تمام اُخروی نعمتوں سے افضل و اکمل اعلےٰ و ارفع ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْكُمْ مَلٰٓئِكَةٌ بِاللَّیْلِ وَمَلٰٓئِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِی الصَّلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْكُمْ فَیَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَیْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ۔

حضرت ابی ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے رات اور دن میں نوبت بہ نوبت آتے جاتے ہیں اور دونوں کا اجتماع فجر اور عصر کی نماز میں ہوتا ہے۔ پھر وہ فرشتے جنہوں نے تم میں رات گذاری ہے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور اللہ رب العزت جل مجدہٗ ان سے لوگوں کا حال دریافت فرماتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں ہم نے انھیں نماز میں مشغول چھوڑا اور جب ان کے پاس گئے اس وقت بھی وہ نماز میں مشغول تھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے توحید میں اور مسلم و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ حدیث ہذا مسائلِ ذیل پر مشتمل ہے۔ ۱۔ دن اور رات کے فرشتے۔ نماز فجر و عصر میں جمع ہوتے ہیں یہ اللہ عزوجل کا خاص فضل و کرم ہے کہ ایسے اوقات میں جمع ہوتے ہیں جبکہ بندگانِ خدا کی جبینیں اس کے حضور جھکی ہوتی ہیں اور ملائکہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ جو وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ نماز عبادات میں ایک نہایت ہی اعلےٰ عبادت ہے اور نمازِ فجر و عصر ان میں اعظم ہیں۔ ۳۔ اس حدیث میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ رزق جو مقدر ہے وہی ملتا ہے، مگر رزق کی تقسیم فجر کے وقت اور اعمال عصر کے وقت اُٹھتے ہیں۔ تو جو شخص ان دونوں وقتوں میں مصروفِ عبادت ہوتا ہے اس کے رزق و عمل میں برکت دی جاتی ہے ۴۔ اور یہ کہ یہ امت تمام امتوں سے اور حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں ۵۔ اور یہ کہ ملائکہ بھی اللہ عزوجل سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں (عینی۔ ج ۲ صہ۵۵) ۶۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ سوال کرنا ہر موقع و محل پر سائل کے عدمِ علم پر دلالت نہیں کرتا۔ اللہ عزوجل کے باوجود عالم الغیب والشہادۃ ہونے کے ملائکہ سے سوال کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ملائکہ گواہ ہو جائیں یا یہ حکمت تھی کہ اس سوال سے ملائکہ پر اس امر کا اظہار تھا کہ بنی آدم میں بھی تمہاری طرح تقدیس و تسبیح کرنے والے موجود ہیں۔ کیونکہ ملائکہ نے خلقِ آدم کے وقت عرض کی تھی أتجعل فیها من یفسد فیها الخ (۷) اس حدیث میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ نجات کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ اگر خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو سب ٹھیک ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ سوال کے جواب میں ملائکہ نے پہلے ترک کر اور اس کے بعد اتیان کی حالت کو بحضور رب العالمین عرض کیا۔ حالانکہ عرض یوں کرنا چاہئے تھا۔ جب ہم وہاں گئے تب بھی وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ان کو چھوڑا اور واپس ہوئے تب بھی عبادت میں مصروف تھے۔ فافہم

بَابُ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوْبِ

باب۔ جو شخص سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے (تو وہ اپنی نماز پوری کرے)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْیُتِمَّ صَلٰوتَهٗ وَمَنْ اَدْرَكَ سَجْدَةً مِّنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو وہ اپنی نماز پوری کرے اور جو سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے۔ وہ بھی اپنی نماز

فَلْيُتِمَّ صَلٰوتَهٗ (بخاری)

پوری کرے۔

مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْفَجْرِ کا مطلب

حدیث ہذا سے ثابت ہوا کہ جس نے عصر اخیر وقت میں پڑھنی شروع کی
ایک رکعت پڑھ لی کہ آفتاب غروب ہو گیا تو اس کو چاہیئے کہ نماز پوری کر
اور عصر درست ہو گئی۔ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے اور اجماع بھی — لیکن فجر کے متعلق اختلاف ہے یعنی کسی نے فجر کی ایک
پڑھی اور سلام پھیرنے سے پہلے سورج نکل آیا۔ تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر ہو گئی اور نمازی کو چاہیئے کہ نماز پوری کرے لیکن احناف کا
یہ ہے کہ اگر فجر کی نماز پڑھنے کے دوران سورج طلوع ہو گیا تو نماز فاسد ہو گئی۔ جائز نہ ہو گی۔ ایسے شخص کو فجر قضا
پڑھنی چاہیئے۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ نماز کی فرضیت کا سبب وقت ہے۔ جب کسی نماز کا وقت آتا ہے تو وہ نماز فرض ہو جاتی ہے
وقت کامل فرضیت کا سبب بنا ہے تو اس نماز کو کامل وقت میں ادا کرنا ضروری ہے۔ ناقص وقت میں ادا کرنے سے روا نہ ہو گی۔
شخص نے عصر کی نماز ناقص وقت میں شروع کی (یعنی اس وقت شروع کی جب کہ سورج ڈوبنے کے قریب ہوا) جو عصر کا وقت ناقص ہے
اس دن کی نماز عصر کا سبب وقت ناقص بنا۔ کیونکہ جب اس نے نماز عصر وقت صحیح میں ادا نہ کی تو جو وقت کہ تحریمہ کے وقت ہے وہی
کا سبب بنے گا اور وہ ناقص ہے لہذا ناقص وقت میں ادا ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ جب بوجہ نقصان سبب ناقص واجب ہو گی
وقت میں ادا ہونے کے قابل ہو گی۔ لہذا اگر نماز عصر کے دوران سورج غروب ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ برخلاف فجر کے کہ اس
کا سارا وقت کامل ہے تو جب فجر شروع کی تو وقت کامل اس کا سبب بنا۔ لہذا وہ بغیر وقت کامل کے ادا نہ ہو گی۔ پس اگر نماز فجر
دوران سورج طلوع ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اب اگر یہ کہا جائے یہ تعلیل معارض نص میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیثیں
ایک کا مضمون یہ ہے۔ فجر و عصر طلوع و غروب کے وقت بھی صحیح ہو جائے گی۔ اور دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے فر
طلوع و غروب و استواء کے وقت مطلقاً نماز جائز نہیں ہے۔ اب یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور متعارض ہیں اور اصول یہ ہے کہ جب
نصین میں تعارض ہو اور ایک کو ایک پر ترجیح نہ دی جا سکے اور جمع بھی ممکن نہ ہو تو پھر مجتہد قیاس کی طرف رجوع کرے گا (کما ہو
پس قیاس نے حدیث ادراک کو صلوٰۃ عصر میں اور حدیث نہی کو صلوٰۃ فجر میں ترجیح دیدی۔ لہذا نماز عصر کے جواز اور نماز فجر کے فس
حکم دیا گیا۔ علامہ طحاوی نے فرمایا کہ اگرچہ حدیث زیر بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر نماز فجر کے دوران سورج طلوع ہو جائے تو
نہ ہو گی۔ مگر یہ حدیث نہی سے منسوخ ہے جس میں حضور علیہ السلام نے طلوع شمس کے وقت مطلقاً نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے
اس مقام پر محرم و مبیح جمع ہو گئے ہیں اور محرم کے باب میں آثار متواتر وارد ہوئے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ محرم و مبیح جب جمع ہو
محرم پر عمل کیا جاتا ہے اور مبیح منسوخ قرار پاتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ناسخ متاخر ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حرمت اباحت
متاخر ہوتی ہے کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور تحریم عارض ہے۔ ولا یجوز العکس لانہ یلزم النسخ مرتین
عینی ص ۵۵۵) مزید تفصیل کے لیے طحاوی نیل الاوطار جلد ۲ عینی جلد ۲ کا مطالعہ کیجیے۔

اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيْمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِّنَ الْاُمَمِ
كَمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ اُوْتِيَ اَهْلُ
التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوْا حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوْا

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ
فرمایا کہ تمہارا دنیا میں رہنا امم سابقہ کے مقابلہ میں ایسے ہے
عصر سے سورج ڈوبنے تک کا وقت۔ جن کو تورات دی گئی
نے عمل کیا۔ یہاں تک کہ جب دوپہر کا وقت ہوا تو تھک گئے

أُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا إِلَى صَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْاٰنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ أَيْ رَبَّنَا أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَأَعْطَيْنَا قِيرَاطًا وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ قَالُوا لَا قَالَ فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ (بخاری)

پورا نہ کر سکے تو ان کو ایک قیراط (اجر) دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل ملی۔ انھوں نے عصر کی نماز تک کام کیا۔ پھر عاجز آ گئے۔ تو ان کو بھی ایک قیراط دیا گیا۔ پھر ہم کو قرآن ملا اور ہم نے غروب شمس تک کام کیا تو ہمیں دو قیراط (اجر) عطا کیا گیا۔ تو اہل تورات وانجیل کہنے لگے الٰہی! تو نے ان مسلمانوں کو دو قیراط عطا فرمائے اور ہم کو ایک قیراط عطا فرمایا۔ حالانکہ ہم نے ان سے زیادہ کام کیا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ کیا میں نے تمہارے عمل کا پورا اجر دینے میں کوتاہی کی کہنے لگے نہیں۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ تو پھر یہ میرا فضل ہے جس پر چاہوں کروں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے اجارہ ترجمہ ”ما ذکر عن بنی اسرائیل“ میں ذکر کیا اور مسلم و ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ۲۔ الی غروب الشمس کے الفاظ ترجمۃ الباب ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے۔ مقصود حدیث یہ بتانا ہے کہ اس امت کیلئے عمر و عمل کم ہے۔ مگر اجر و ثواب زیادہ ہے۔ حاصل مفہوم یہ ہے کہ اگر دنیا کے ساتوں دنوں کو ایک دن فرض کر لیا جائے تو امتِ مرحومہ کی مدت اتنی ہے کہ جتنی عصر سے لے کر غروب شمس تک ہے اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہود و نصارٰی کو ان کی مزدوری دی گئی یعنی ایک ایک قیراط۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں یہود و نصارٰے سے وہی مراد ہیں جنہوں نے کسی دوسرے پیغمبر کا زمانہ پایا اور اپنے نبی کی شریعت پر عمل کر کے وفات پا گئے لیکن وہ یہودی اور نصرانی جنہوں نے حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا اور آپ پر ایمان نہ لائے وہ تو بالکل اجر و ثواب سے محروم رہے جیسا کہ بعد والی حدیث سے واضح ہے۔

بِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا يَعْمَلُونَ لَهُ عَمَلًا إِلَى اللَّيْلِ فَعَمِلُوا إِلٰى أَجْرِكَ فَاسْتَأْجَرَ آخَرِينَ فَقَالَ أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَلَكُمُ الَّذِي شَرَطْتُ فَعَمِلُوا حَتّٰى إِذَا كَانَ حِينَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَالُوا لَكَ مَا عَمِلْنَا فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَكْمَلُوا أَجْرَ الْفَرِيقَيْنِ ۔ (بخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمانوں اور یہود و نصارٰی کی کہاوت اس شخص کی طرح ہے جس نے چند افراد کو کام کے لیے اُجرت پر لیا کہ رات تک عمل کریں تو انہوں نے دوپہر تک کام کیا۔ پھر کہنے لگے۔ اب ہمیں تیری مزدوری کی ضرورت نہیں تو اس شخص نے دوسرے مزدور مقرر کئے اور ان سے کہا۔ جتنا دن باقی ہے تم اس کو پورا کرو۔ تو انہوں نے کام شروع کیا۔ جب عصر کا وقت ہوا تو کہنے لگے۔ ہم نے جتنا کام کیا ہے مفت کر دیا ہے (ہم سے شام تک کام نہیں ہو سکتا) تو اس نے دوسرے مزدور رکھ لیے تو انہوں نے سورج کے ڈوبنے تک کام کیا اور دونوں گروہوں کے اجر کو انہوں نے کامل کر دیا (یعنی دونوں کی مزدوری انہوں نے حاصل کر لی)۔

یعنی یہود موسے علیہ السلام پر ایمان لائے توریت پر عمل کیا لیکن انجیل کے منکر ہو گئے۔ عیسے علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کو نہ مانا سی طرح نصارٰی نے انجیل کو تسلیم کیا مگر قرآن و صاحب قرآن پر ایمان نہ لائے۔ لہٰذا ان دونوں نے جو کچھ عمل کیا وہ سب رائیگاں گیا اور

اور آخرت کے اجر و ثواب سے بالکل محروم ہو گئے اور مسلمان گو کہ بعد میں آئے۔ مگر تمام کتب سماویہ و انبیاء سابقین پر ایمان لائے اور حضر
اور قرآن کو مانا اس لیے سارا ثواب انہیں کے حصے میں آ گیا ۲۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ ظہر کا وقت زوال سے لے کر دو مثل ہونے تک رہتا ہے اور جب سایہ ہر چیز کا سوا سایہ اصلی کے دو مثل ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ یہاں میں مقصود تشبیہ یہ ہے کہ زمانہ مدت عمل یہود و نصاریٰ بہ نسبت زمانہ مدت عمل امت مرحومہ بہت زیادہ ہے —— اور طول واسارہ میں بذریعہ دھوپ گھڑی دیکھا جائے تو ایک مثل سایہ ہونے پر سات گھڑی نو پل یا ساڑھے آٹھ گھڑی دن باقی رہتا ہے اور (زوال) سے غروب آفتاب تک کل ۱۵ گھڑی دن ہوتا ہے —— تو اگر عصر ایک مثل پر پڑھی جائے تو عصر سے غروب آفتاب تک ساڑھے آٹھ گھڑی دن رہے گا اور زوال سے عصر تک ساڑھے چھ گھڑی دن باقی رہے گا اور اس صورت میں یہود و نصاریٰ کے عمل ساڑھے چھ گھڑی دن اور امت مرحومہ کی مدت عمل ساڑھے آٹھ گھڑی دن قرار پائے گی جو حدیث زیر بحث کے بالکل مخالف ہے —— کے برعکس اگر عصر دو مثل سایہ ہونے پر پڑھی جائے تو دو مثل سایہ ہونے پر پانچ گھڑی سات پل دن باقی رہتا ہے اور زوال سے عصر تک کم دس گھڑی دن باقی رہتا ہے اور اس تقدیر پر مقصود حدیث صحیح و درست بنا رہتا ہے اس لیے ضروری ہے عصر کا وقت ظہر سے ہمیشہ کم ہو اور یہ جبھی ہو سکتا ہے جب کہ یہ مانا جائے کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے۔ جیسا کہ احنا کا مسلک ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

باب وقت مغرب کے بیان میں

وَقَالَ عَطَاءٌ يَجْمَعُ الْمَرِيضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

اور حضرت عطا ابن ابی رباح نے فرمایا کہ مریض مغرب عشاء کو ملا کر پڑھ سکتا ہے۔

اس تعلیق کو امام عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں ابن جریج سے وصل کیا اور جمع سے مراد جمع صوری ہے۔ جیسا کہ گذشتہ میں وضاحت کی گئی ہے ۲۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عنوان تو مغرب کے وقت کے متعلق تھا اور زیر عنوان قولِ عطاء میں مغرب و عشاء کو جمع ک پڑھنے کا بیان ہے۔ جواب یہ ہے کہ عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مغرب کا وقت عشاء تک ہے۔

يَقُولُ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ (بخاری)

رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ہم نماز پڑھتے پھر نماز پڑھ کر ہم میں سے کوئی واپس ہوتا تو تیر گرنے ک

فوائد و مسائل اس حدیث کو ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سورج غروب ہوتے ہی مغرب پڑ تعجیل فرمائی اور نماز کے بعد اتنا اجالا باقی تھا کہ اگر کوئی تیر چلائے تو وہ تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا —— واضح رہے کہ سنت متوارثہ مغ تقلیل قرأت ہی ہے وان ورد التطویل ایضاً فی بعض الاحیان ۔ احناف کے نزدیک بھی سوا ابر والے دن کے مغرب تعجیل مستحب ہے۔

فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا

جابر بن عبد اللہ نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر کی نما کو اور عصر کی اس وقت جب کہ سورج صاف اور تیز ہوتا او کی اس وقت جب سورج غروب ہو جاتا اور عشاء کی کبھی

ذا رَاٰهُمْ اجْتَمَعُوْا عَجَّلَ وَاِذَا رَاٰهُمْ اَبْطَاُوْا اَ
خَّرَ وَالصُّبْحَ كَانُوْا اَوْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
ـتَّمَ يُصَلِّيْهَا بِغَلَسٍ۔

کبھی دیر میں۔ جب آپ دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو جلدی پڑھ لیتے اور جب دیکھتے کہ انہوں نے جمع ہونے میں دیر کی ہے۔ تاخیر فرماتے اور فجر کی نماز صحابہ کرام یا حضور غلس میں پڑھتے۔

۔ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
ـيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحِجَابِ الْمَغْرِبَ اِذَا تَوَارَتْ (بخاری)

۲۔ حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ مغرب اس وقت پڑھتے جب سورج غروب ہو جاتا ہے۔

حدیث اول کو امام بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا اور حدیث دوم کو مسلم ترمذی و ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ ذکر کیا ——— ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور عصر حضورؐ نے اس وقت پڑھی۔ جب ج صاف اور روشن تھا اور مغرب اس وقت جب کہ سورج غروب ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت سورج غروب ہو جانے کے ہے اور عشاء میں کبھی حضورؐ نے جلدی فرمائی اور کبھی تاخیر اور صبح کی نماز غلس میں پڑھی یا صحابہ نے ایسا کیا۔ تفصیل گذشتہ اوراق بیان ہو چکی ہے۔

۔ یہ حدیث ثلاثیات بخاری سے چوتھی حدیث ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ قرص آفتاب کے غروب ہوتے ہی مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے

عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
دِرُوْا بِالصَّلٰوةِ الْمَغْرِبِ قَبْلَ طُلُوْعِ النُّجُوْمِ۔ احمد دارمی

حضرت ابو ایوب سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مغرب کے پڑھنے میں جلدی کرو۔ ستاروں کے نکلنے سے پہلے۔

۔ بخاری شریف کی حدیث اوپر گذر چکی۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم مغرب پڑھ کر فارغ ہوتے اور ہم میں سے کوئی یر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا یعنی نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد اتنا اجالا ہوتا کہ تیر نظر آ جاتا تھا۔ علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ غروب ہو جانے کے بعد مغرب کے جلدی پڑھنے پر اجماع ہے اور تمام صحابہ کرام مغرب میں تاخیر کو مکروہ قرار دیتے تھے (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲)

ت مغرب کا بیان

مغرب کا وقت غروب آفتاب سے غروب شفق تک ہے۔ شفق احناف کے نزدیک وہ سپیدی ہے جو جانب مغرب میں سرخی ڈوبنے کے بعد شمالاً جنوباً صبح صادق کی طرح پھیلی ہوتی ہے اور یہ وقت ہمارے میں ایک گھنٹہ ۱۸ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ ہوتا ہے۔ ہر روز کے صبح اور مغرب دونوں کے وقت برابر ہوتے س سلسلہ کی حدیثیں یہ ہیں :-

۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر نماز کا اول وقت اور آخر وقت ہوتا ہے۔

ول وقت المغرب حین تغرب الشمس وآخر
ـہا حین یغیب الشفق۔ (احمد۔ ترمذی و ابن ابی شیبہ)

اور اول وقت مغرب کا غروب آفتاب کے بعد ہے اور آخر وقت مغرب کا غروب شفق تک ہے۔

۔ ابن جریج سلیمان بن موسیٰ سے راوی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :-

ل المغرب حین تغیب الشمس وصلوٰۃ العشاء
ن تغیب الشفق۔ (رواہ عبدالرزاق)

جب سورج غروب ہو جائے تو مغرب کی نماز پڑھو اور عشاء جب کہ شفق غروب ہو جائے۔

س پر سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد ہے۔ البتہ شفق میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک شفق وہ سپیدی ہے جو صبح صادق کی طرح جنوباً و شمالاً سرخی کے ڈوبنے کے بعد پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ، عائشہ صدیقہؓ معاذ بن جبل۔ ابی کعبؓ و عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز و عبداللہ بن مبارکؓ اوزاعی و امام مالک و زفر بن ہذیل فی

روایۃ اور ابو ثور عبدو الفراد رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے یہی مروی ہے۔

مغرب کا وقت مستحب

روز ابر کے سوا مغرب میں ہمیشہ تعجیل (یعنی غروب ہوتے ہی پڑھ لینا) مستحب ہے اور دو رکعت تاخیر مکروہ ہے اور اگر بغیر عذر، سفر و مرض وغیرہ اتنی تاخیر کی کہ ستارے گتھ گئے تو مکروہ تحریمی ہے

اس سلسلہ کی چند احادیث یہ ہیں :-

۱۔ حضرت ابو ایوب و عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میری امت ہمیشہ فطرت پر

مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰى اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ (احمد، ابوداؤد، مستدرک وقال صحیح علی شرط مسلم)

جب تک کہ مغرب میں اتنی تاخیر نہ کریں کہ ستارے جائیں۔

فائدہ اس مضمون کی حدیث حضرت عباس بن عبد المطلب سے ابن ماجہ، دارمی، طبرانی، حاکم، مستدرک نے اور حضرت سے تمام اور ابن عساکر نے اور حارث بن وہب سے طبرانی و ابو نعیم نے روایت کی۔

۲۔ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ہمیشہ فطرت پر رہے گی۔

مَا صَلُّوا الْمَغْرِبَ قَبْلَ طُلُوْعِ النُّجُوْمِ۔ (احمد، طبرانی، بیہقی)

جبتک وہ مغرب کو ستاروں کے نکلنے سے پہلے پڑھ لیں

۳۔ حضرت امام ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کا کسی بات پر ایسا اجتماع نہ ہوا۔ جیسا کہ

عَلَى التَّنْوِيْرِ فِي الْفَجْرِ وَالتَّعْجِيْلِ فِي الْمَغْرِبِ

فجر میں اسفار اور مغرب میں تعجیل پر ہوا۔ (رواہ ابن خسرو حسن

بَابُ مَنْ كَرِهَ اَنْ يُّقَالَ الْمَغْرِبُ الْعِشَاءُ

باب مغرب کو عشاء کہنے کی کراہت کے متعلق

قَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اِسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ (بخاری)

عبد اللہ بن مغفل مزنی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ ہو تمہاری مغرب کی نماز کے نام بدلنے پر غالب آجائیں۔ عبد اللہ نے مغرب کو بھی عشاء سے موسوم کرتے ہیں۔

اعراب وہ لوگ جو گاؤں میں رہتے اور شہروں میں کبھی کام کاج کے لیے آجاتے۔ یہ لوگ مغرب کو بھی عشاء سے موسوم کرتے طرح مغرب و عشاء میں التباس ہوتا اس لیے مغرب کو عشاء کہنے سے منع فرما دیا گیا۔ صاحب فتح الباری نے لکھا کہ عشاء کے معنی لغت کے ہیں اور یہ شفق ڈوبنے کے بعد ہوتی ہے۔ پس اگر مغرب کو بھی عشاء کا نام دینے کی اجازت دیدی جاتی تو احتمال تھا کہ آیندہ لوگ وقت شفق ڈوبنے کے بعد سمجھنے لگیں۔ مز

بَابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ وَمَنْ رَاٰهُ وَاسِعًا

باب عشاء کو عتمہ کہنے کے متعلق اور جو اس کے جواز کے قائل ہیں

وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَثْقَلُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ وَقَالَ لَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالْفَجْرِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَالْاِخْتِيَارُ اَنْ يَّقُوْلَ الْعِشَاءُ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَيُذْكَرُ عَنْ اَبِيْ

ابو ہریرہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو منافقوں پر بہت بھاری ہیں۔ فجر اور عشاء اور حضور نے لوگ عتمہ اور فجر کی نماز کے ثواب کو جانتے۔ امام بخاری نے یہ ہے کہ عشاء کو عشاء ہی سے موسوم کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرمایا۔ "اور عشاء کی نماز کے بعد" اور ابو موسیٰ اشعری سے

ىٰ قَالَ كُنَّا نَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةِ الْعِشَآءِ فَاَعْتَمَ بِهَا قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً صَلٰوةَ الْعِشَآءِ وَهِيَ الَّتِيْ
عُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ
تَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهٖ فَاِنَّ رَاْسَ مِائَةِ سَنَةٍ
لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ

کہ ہم باری باری عشاء کی نماز کے وقت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ نے اس نماز کو تاخیر سے پڑھا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے ایک رات عشاء کی نماز ہم کو پڑھائی یعنی وہی نماز جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں۔ پھر حضورؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے فرمایا کیا تم نے اس رات کو دیکھا اس رات سے سو برس گذرنے تک جتنے لوگ آج زمین پر بس رہے ہیں ان میں کوئی باقی نہ رہے گا۔

ان تمام احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ عشاء کو عتمہ سے موسوم کرنا بھی جائز ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ عشاء کو عشاء ہی سے موسوم کیا جا قرآن میں بھی اس نماز کو عشاء سے موسوم کیا گیا ہے۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا عشاء کو عتمہ کہنا جائز ہے۔ پھر جب اس کا استعمال کثرت ے ہونے لگا تو اس سے منع کیا گیا تاکہ جاہلیت کی زبان اسلام کی زبان پر غالب نہ آئے لیکن اس کے باوجود عشاء کو عتمہ سے موسوم کرنا حرام ہیں کیونکہ صحابہ کرام نے عشاء کو عتمہ سے موسوم کیا ہے۔ (فتح الباری) (نیل الاوطار۔ ج ۲ ص ۲)

دہ۔ اعتم ای دخل فی العتمۃ۔ عتمہ اس دودھ کو کہتے ہیں۔ جو اونٹنی کے تھنوں میں باقی رہنے دیتے اور کچھ رات گذرنے کے اس کو دوہتے ہیں۔ بعض نے کہا عتم کے معنی شفق کے غروب کے بعد رات کے تیسرے حصے کو گذر جانے کے کہتے ہیں اور عشاء کو عتمہ اسی کہ یہ نماز اس وقت پڑھی جاتی ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْعِشَآءِ اِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ اَوْ تَاَخَّرُوْا

باب عشاء کی نماز اس وقت پڑھنا جب کہ لوگ جمع ہو جائیں!

مطلب عنوان یہ ہے کہ اگر نمازی جلدی جمع ہو جائیں تو عشاء اول وقت میں پڑھنا اور اگر آنے میں تاخیر کریں تو عشاء میں تاخیر کرنا۔ کے تحت امام نے حدیث جابر ہی درج کی ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔ جس میں یہ لفظ بھی ہیں۔

كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَاِذَا قَلُّوْا تَاَخَّرَ
(بخاری)

جب سب نمازی جمع ہو جاتے تو عشاء اول وقت میں ادا فرماتے اور جب نمازیوں کی تعداد کم ہوتی تو بتاخیر فرماتے۔

واضح ہو کہ عشاء کا وقت غروب شفق سے طلوع فجر تک ہے اور عشاء میں تاخیر مستحب ہے مگر حضور علیہ السلام نے بعض اوقات ت پر شفقت فرماتے ہوئے اول وقت میں بھی عشاء پڑھی ہے جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے کہ جب سب نمازی جمع ہو گئے۔ یعنی مسجد سب نمازی جلدی آ گئے تو حضور علیہ السلام نے ان کی رعایت فرماتے ہوئے عشاء جلدی ادا فرمائی اور عشاء کو اس کے اول وقت پڑھا خصوصاً نمازیوں کے آرام کا خیال کر کے ایسا کرنا بلاکراہت جائز ہے اور حضور علیہ السلام نے بعض مریض، ضعیف، سقیم اور ب حاجت افراد کا خیال کرتے ہوئے عشاء کی نماز اول وقت میں بھی ادا فرمائی ہے۔ اسی لیے فرمایا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری امت پر مشقت ہو جائے گی تو میں ان کو حکم فرما دیتا کہ ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں اور عشاء کی نماز تہائی ی رات تک مؤخر کر دیتا کہ اللہ عزوجل آسمان پر خاص تجلی رحمت فرماتا ہے اور صبح تک فرماتا رہتا ہے کہ کوئی سائل ہے کہ اسے دوں ہے مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کروں۔ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ قبول کروں۔" (احمد حنبل)

اس سے واضح ہوا کہ عشاء میں تاخیر مستحب ہے البتہ اول وقت میں عشاء پڑھنا بھی جائز ہے۔ منہ

بَابُ فَضْلِ الْعِشَآءِ ——— باب عشاء کی فضیلت کے بیان میں

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضورؐ نے "دین اسلام کے دوسرے ممالک میں پھیلنے سے پہلے" عشاء میں دیر ک
اپنے حجرۂ اقدس سے برآمد نہ ہوئے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ عورتیں اور بچے سو گئے۔ پھر حضورؐ جلوہ فرما ہوئے۔

فَخَرَجَ فَقَالَ لِاَهْلِ الْمَسْجِدِ مَا يَنْتَظِرُهَا اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ غَيْرُكُمْ۔ (بخاری)

اور حاضرینِ مسجد سے فرمایا۔ تمہارے سوا کوئی زمین وال
اس نماز کا (اس وقت) منتظر نہیں ہے۔

۲۔ اس کے بعد امام نے ایک اور حدیث درج کی۔ جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ
ساتھی جو کشتی میں آئے تھے بطحان کے میدان میں اُترے ہوئے تھے اور حضورؐ مدینہ میں جلوہ فرما تھے اور ہم لوگ باری باری عشاء کی
لیے بحضورِ نبوی حاضر ہوتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بحضورِ نبوی حاضر ہوا۔ حضورؐ اپنے کسی کام میں مصروف
آپ نے عشاء میں دیر کی یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی اس کے بعد آپ برآمد ہوئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ

عَلٰى رِسْلِكُمْ اَبْشِرُوْا اِنَّ مِنْ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ (بخاری)

اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ بشارت ہو یہ اللہ کا تم پر
ہے کہ اس وقت تمہارے سوا کوئی نماز نہیں پڑھ رہا۔

فوائد و مسائل

حدیث اول کو امام نے باب النوم قبل العشاء میں اور مسلم نے بھی اس کو روایت کیا اور حدیث دوم کو مسلم
ابو داؤد نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ دونوں حدیثوں کے مسائل یہ ہیں:

۱۔ ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا ضروری ہے اور اس معاملہ میں نمازیوں کا انتظار اور ان کی سہولت وغیرہ کا لحاظ رکھنا جا
نہیں البتہ یہ جائز ہے کہ کمزوروں، حاجت مندوں کی رعایت اور عام لوگوں کی آسانی کے لیے وقت مقرر کر لیا جائے اور اس میں وقت
مستحب مقرر کرنا افضل ہے لیکن اگر وقت مستحب تک تاخیر میں مشقت ہو تو پھر اول وقت میں نماز ادا کر لینا بھی جائز ہے۔ جیسے عشاء
کرنا مستحب ہے مگر لوگوں کی سہولت کے لیے اگر اول وقت میں پڑھی جائے تو مضائقہ نہیں۔

فائدہ اور یہ جو حضورؐ نے فرمایا۔ "اہلِ زمین میں تمہارے سوا اور کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کرتا" شارحین نے اس کے متعد
بیان کئے ہیں ۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ عشاء کی نماز کسی امت میں مشروع نہ تھی اور کسی نبی نے عشاء کی نماز نہیں
سب سے پہلے نماز عشاء حضور علیہ السلام نے ہی پڑھی ہے تو ما ینتظرہا احد الخ میں حصر بالنسبۃ الی اہل کتاب ہے چنانچہ مسلم
میں یہ لفظ ہیں۔ اِنَّكُمْ تَنْتَظِرُوْنَ صلاۃ ما ینتظرہا اہل دین غَيْرُكُمْ۔

۲۔ بعض نے کہا حصر بالنسبۃ الی الکفار ہے جیسا کہ حدیث زیر بحث میں یہ تصریح ہے کہ اس وقت تک اسلام دوسرے مقامات
نہیں ہوا تھا۔ صرف مکہ اور مدینہ میں اسلام تھا۔ دیگر بلاد میں اسلام فتح مکہ کے بعد پھیلا۔

۳۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ مقصود یہ بتانا ہے کہ عشاء کی نماز باجماعت پڑھنا اس وقت صرف اہل مدینہ کے ساتھ خاص
کیونکہ مکہ میں جو مسلمان تھے وہ مغلوب تھے۔ چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے اور مکہ و مدینہ کے علاوہ بلاد میں اسلام تھا ہی نہیں۔

۴۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حصر بالنسبۃ مسجد نبوی ہو کیونکہ اس وقت کل مسجدیں ۹ عدد تھیں۔ اکما عند الدارقطنی باسناد صحیح
اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ باقی مساجد میں تو نمازی نماز پڑھ کر سو بھی گئے۔ صرف تم ہو جو مسجد نبویؐ میں عشاء کی نماز کے انتظار میں
یہ سعادت تمہی کو حاصل ہے۔ بہرحال جو لوگ اس وقت نماز عشاء کے انتظار میں رہے رات کے ایک حصہ کے گزر جانے کے بعد
حضورؐ کی اقتداء میں نماز عشاء ادا کی حضورؐ نے انھیں خوش خبری دی کہ اس وقت اس نماز کے انتظار کی سعادت اللہ عزوجل نے تمہیں
جس سے عشاء کو تاخیر سے پڑھنے کا استحباب ہوا۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَآءِ

باب عشاء کی نماز سے قبل سونا مکروہ ہے

عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا۔ (بخاری)

ابو برزہ اسلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاء سے پہلے سوجانا اور عشاء کے بعد فضول باتوں میں مصروف ہوجانا مکروہ سمجھتے۔

وائد و مسائل

۱۔ نمازِ عشاء سے قبل سوجانے کو مکروہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے۔ سوجانے کے بعد بہت ممکن ہے کہ آنکھ نہ کھلے اور نمازِ عشاء فوت ہوجائے۔ چنانچہ یہ تجربہ شاید سب کو ہوگا کہ عشاء کی نماز سے قبل سوجانے سے عشاء فوت ہوجانے کا سخت خطرہ ہوتا ے اور اگر وقت پر آنکھ کھل جائے تو نماز کا ادا کرنا بوجھ سا معلوم ہوتا ہے ۲۔ اسی طرح نمازِ عشاء کے بعد فضول اور لغو باتوں میں مصروف ہوجانا ی مکروہ ہے۔ بعض اوقات قصہ کہانیوں میں ایسا جی لگتا ہے کہ دو بج جاتے ہیں اور پھر فجر کے لیے بیداری دشوار ہوجاتی ہے —— البتہ یہ ہر ہے کہ یہ نہی تحریمی نہیں ہے اور بعض فقیہین اس طرف گئے کہ اگر کسی کو وقت پر بیدار ہوجانے کا وثوق ہو یا جگانے کے لیے مقرر کردیا ئے تو پھر عشاء کی نماز سے قبل سوجانے میں حرج نہیں۔ ولكن الاخذ بظاهر الحديث احوط (۳) وَالْحَدِيْثُ بَعْدَ ۔ اور حضورؐ عشاء کے بعد باتیں کرنا مکروہ جانتے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چند احادیث یہ ہیں:۔

۱۔ ترمذی کی حدیث میں یہ ہے کہ عشاء کے بعد باتیں کرنا جائز نہیں۔ مگر نمازی یا مسافر یعنی مہمان سے ۲۔ مجمع الزوائد میں حضرت صدیقؓ ے مرفوعاً آیا کہ عشاء کے بعد تین شخصوں کو بات چیت کرنا جائز ہے۔ نمازی، مسافر، مہمان، میاں بیوی ۳۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ضور علیہ السلام عشاء کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے جماعت کے متعلق مشورہ فرماتے تھے ۴۔ مسلم میں ہے کہ آپ عشاء کے بعد باتیں کرنے کو نہیں فرماتے تھے۔ بخاری میں ہے۔ مکروہ جانتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ آپ منع فرماتے تھے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ آپ نمازِ عشاء سے ہ آرام فرما ہوتے اور نہ عشاء کے بعد باتیں کرتے۔ ان تمام احادیث سے یہ واضح ہوا کہ عشاء کی نماز کے بعد فضول اور بے فائدہ باتیں کرنا مکروہ ے۔ اور علم کی باتیں کرنا۔ پڑھنا پڑھانا۔ وعظ و نصیحت صالحین کی حکایت، مہمان کی خاطر تواضع، دلہن کی دلجوئی جائز ہے۔

بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ

باب اگر نیند کا بہت غلبہ ہو تو عشاء کی نماز سے پہلے سونے کے متعلق

اس عنوان کے ماتحت امام نے متعدد حدیثیں لکھی ہیں۔ سب کے مضمون تقریباً ایک ہیں۔ ہم یہاں ان حدیثوں کو اختصار کے ساتھ پیش تے ہیں ۱۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے عشاء میں دیر کی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی، عورتیں اور بچے سوگئے۔ حضور علیہ السلام یف لائے اور نماز پڑھائی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ:۔

وَكَانُوْا يُصَلُّوْنَ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ
ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ۔ (بخاری)

حضورؐ اور صحابہؓ کرام عشاء کی نماز شفق ڈوبنے سے لے کر پہلی تہائی رات گذرنے تک ادا فرماتے تھے۔

دُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
سَلَّمَ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَاَخَّرَهَا حَتّٰى رَقَدْنَا فِى
سْجِدِ ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ رَقَدْنَا ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ
جَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَيْسَ اَحَدٌ
نْ اَهْلِ الْاَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ غَيْرُكُمْ (بخاری)

۲۔ حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو ایک رات کچھ کام ہوگیا اور آپ نے عشاء میں دیر فرمائی۔ یہاں تک کہ ہم لوگ مسجد میں سوگئے۔ پھر آنکھ کھلی۔ پھر سوگئے۔ پھر جاگے۔ اس کے بعد حضورؐ حجرہ سے تشریف لائے اور فرمایا۔ اس وقت تمہارے سوا اہل زمین میں کوئی نماز کا منتظر نہیں۔

٣۔ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُبَالِي أَقَدَّمَهَا أَمْ أَخَّرَهَا إِذَا كَانَ لَا يَخْشَى أَنْ يَغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ وَقْتِهَا وَقَدْ كَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا۔

اور حضرت ابن عمر عشاء کی نماز جلدی یا بدیر پڑھنے میں کچھ حر سمجھتے تھے جب کہ ان کو یہ ڈر نہ ہوتا کہ سو جانے سے وقت گا اور کبھی عشاء پڑھنے سے پہلے سو جاتے۔ پھر اٹھ کر پڑھتے۔

٤۔ اس کے بعد جو حدیث ہے اس کا مضمون تو وہی ہے جو حدیث ۲ کا ہے مگر اس میں یہ لفظ بھی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرما

فَقَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوهَا هٰكَذَا۔ (بخاری)

اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں حکم دیتا کہ نماز عش وقت پڑھا کرو۔

ان تمام حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ افضل و مستحب یہی ہے۔ عشاء تاخیر سے پڑھی جائے اور عشاء پڑھنے سے قبل نہ سویا جا اگر نیند کا غلبہ ہو اور یہ وثوق بھی ہو کہ وقت پر بیدار ہو جائے گا۔ یا کسی کو جگانے کے لیے مقرر کر دیا ہے تو عشاء پڑھنے سے قبل سو جانے مضائقہ نہیں۔ اس سلسلہ کی چند روایات کے خلاصے یہ ہیں:۔

١۔ امام ترمذی نے کہا اکثر اہل علم عشاء کی نماز سے قبل سو جانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اور بعض نے رمضان میں سونے کی رخصت بشرطیکہ کوئی جگانے والا مقرر کر دیا جائے یا خود جاگ جانے کا اطمینان ہو۔ فتح الباری ٢۔ بلا وجہ نماز عشاء سے قبل سو جانے اور نما کی پرواہ نہ کرنے والے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ نَامَ قَبْلَ الْعِشَاءِ فَلَا نَامَتْ عَيْنَاهُ

جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جائے اس کی آنکھوں کو نیند

٣۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ عشاء سے قبل سونے والے کو برا بھلا کہتے لیکن اگر خود کبھی سو جاتے تو کسی کو جگانے کر دیتے تھے ٤۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی خوابگاہوں سے دور رہتے تھے غرضیکہ ـــــ جماعت سے ہو جانا شارع علیہ السلام کو مطلوب نہیں ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ

باب عشاء کا وقت مختار نصف شب تک ہے

١۔ قَالَ أَبُو بَرْزَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ تَأْخِيرَهَا۔ (بخاری)

ابو برزہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں پسند فرماتے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلَّى ثُمَّ قَالَ قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوا أَمَا إِنَّكُمْ فِي صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا۔ (بخاری)

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے عشاء کی نماز شب تک دیر کی پھر نماز پڑھی اور فرمایا لوگ تو یہ نماز پڑھ کے سو رہے اور تم جب تک نماز کی انتظار میں رہے ثواب رہا۔

فوائد و مسائل

عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ عشاء کا وقت نصف شب تک اور زیر عنوان حدیث میں بھی نصف اللیل کے الفاظ موجود ہیں۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ امام بخاری کا مذہب اور اسی لیے انہوں نے اس مضمون کی کوئی حدیث بخاری میں درج نہیں کی جس سے یہ واضح ہوا کہ عشاء کا وقت طلوع فجر تک ہے علامہ عینی نے فرمایا۔ یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ امام نے یہ تصریح کی ہے کہ وقت مختار نصف شب تک ہے اور وقت طلوع فجر تک ـــــ حدیث دوم عنوان کے مناسب نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس میں نصف اللیل کے الفاظ نہیں ہیں

ذکر ہے۔ جواب یہ ہے اس مضمون کی دوسری حدیثوں میں ثلث اللیل اور نصف اللیل کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ واضح ہو کہ نماز کی تاخیر کے متعلق جو احادیث آئی ہیں ان میں تہائی رات اور بعض میں نصف رات تک کی تاخیر کا ذکر ہے اور صبح صادق کے طلوع تک پڑھ سکتے ہیں۔ جمہور کا یہی مذہب ہے اور علامہ طحاوی نے اس مضمون کی صریح حدیثیں روایت کی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عشاء طلوع فجر تک ہے۔ حدیث دوم مع تفہیم و ترجمانی اوپر گزر چکی ہے۔

ت عشاء کا بیان

واضح ہو کہ عشاء کا وقت شفق غروب ہونے سے طلوع صبح صادق تک ہے شفق کی تعریف اوپر مذکور ہوئی اور صبح صادق ایک روشنی ہے کہ پورب کی جانب جہاں سے آج آفتاب طلوع ہونے والا ہے اس کے سمان کے کنارے میں دکھائی دیتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے اور زمین پر اُجالا ہو جاتا ہے (۱) عشاء کا غروب ہونے سے طلوع صبح صادق تک ہے) ۲۔ عشاء میں تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے اور آدھی رات تک تاخیر مباح یعنی آدھی رات ہونے سے پہلے فرض پڑھ لینا مباح ہے اور اتنی تاخیر کہ رات ڈھل گئی۔ بوجہ تقلیل جماعت مکروہ ہے۔ اب اس سلسلہ کی دیثیں پڑھیے۔ جن سے مذکورہ بالا مسائل اخذ ہوئے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرئیل امین نے امامت کرائی تو

الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الصُّبْحَ حِيْنَ ع الْفَجْرُ۔ (طحاوی)	عشاء شفق کے غروب کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اس وقت جب کہ فجر طلوع ہو گئی۔

۲۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ۔

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ صَلَاةَ الْعِشَاءِ نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلّٰى (بخاری)	حضور علیہ السلام نے عشاء کو نصف رات تک مؤخر فرمایا اور پھر ادا کی۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ جانتا تو

خیر العِشَاءَ اِلٰی نصف اللّیل (مسلم و نسائی)	انہیں حکم دیتا کہ وہ عشاء میں نصف رات تک تاخیر کریں۔

۴۔ روایت ابوہریرہ کے لفظ یہ ہیں۔

یوخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفه (احمد ابن ماجہ ترمذی) صححہ	کہ وہ عشاء میں تہائی رات یا نصف رات تک تاخیر کریں۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَالْحَدِيْثُ

باب نماز فجر کی فضیلت کے بیان میں

اس عنوان کا مقصود نماز فجر کی فضیلت بیان کرنا ہے۔ امام نے اس عنوان کے ماتحت دو حدیثیں لکھی ہیں۔

۱۔ پہلی حدیث تو وہی ہے جو باب الصلوٰۃ العصر میں مع تفہیم کے گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرمایا کہ تم قیامت کے دن دیدار الٰہی سے اس طرح مشرف ہو گے جیسے چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو۔ لہٰذا نماز فجر و عصر کی حفاظت اور ان پر کسی اور کام کو غالب نہ آنے دو (خلاصہ)

۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ	جو کوئی بردین کو پڑھا کرے جنت میں جائے گا۔

بردین برد کی جمع ہے اور اس سے مراد فجر اور عشاء کی نماز ہے دونوں حدیثوں سے فجر و عشاء کی فضیلت نکلتی ہے کہ فجر کی نماز پ

محافظت کرنے والا آخرت میں دیدارِ الٰہی کا شرف حاصل کرے گا اور جنت اس کا مقام ہوگا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دخولِ جنت کے یہی دو نمازیں کافی ہیں۔ باقی نمازوں کی محافظت ضروری نہیں ہے ۲۔ اور عنوان میں والحدیث کا لفظ وہم نہیں ہے بلکہ تقدیرِ عبارت بابٌ فی بیان فضل الفجر و فی بیان الحدیث الوارد فیہ۔ یعنی یہ باب فجر کی فضیلت اور اس حدیث کے بیان میں فضیلتِ فجر میں وارد ہوئی۔

باب وقت الفجر

باب نمازِ فجر کے وقت کے بیان میں

۱۔ حضرت انس اور وہ حضرت زید بن ثابت سے راوی ہیں کہ

اَنَّهُمْ تَسَحَّرُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ اَوْ سِتِّيْنَ يَعْنِيْ اٰيَةً

(بخاری)

انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سحر کا کھانا کھایا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ انس نے کہا میں نے زید سے اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا۔ انہوں نے جواب دیا میں پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھیں۔

۲۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ

اَنَّ نَبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرُ مَا يَقْرَءُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً۔

حضرت زید بن ثابت اور حضور علیہ السلام نے سحری کھائی۔ جب ہوئی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت قتادہ نے کہا، ہم نے انس سے پوچھا کہ جب سحری فراغت ہوئی تو نماز اس کے کتنی دیر بعد شروع کی۔ انہوں اتنی دیر کے بعد جتنی دیر میں آدمی پچاس آیتیں پڑھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صوم میں بھی ذکر کیا اور مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی و ابن ماجہ نے بھی کتاب الصوم میں حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کا وقت جب شروع ہوتا ہے۔ جب کہ روزہ دار کی سحری کھانے کا وقت ختم ہوتا ہے فجر کا اول وقت طلوعِ صبحِ صادق ہے اور حضور علیہ السلام سحری سے فارغ ہو کر فجر کی نماز کے لیے اتنی دیر بعد متوجہ ہوئے۔ جتنی پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھی جا سکیں۔

حضرت زید بن ثابت رضہ ۲۔ حدیث ہٰذا کے راویوں میں حضرت زید بن ثابت قابلِ ذکر ہیں۔ یہ حضور سیدِ عالم صلے اللہ کے مقدس صحابی کاتبِ وحی ہیں۔ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کی عمر ۱۱ سال تھی۔ اسی عمر میں باسلام ہوئے۔ نہایت ذکی، نجیب، علم فرائض و میراث کے ماہر تھے۔ تدوینِ قرآن میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ خلافتِ صدیقی میں مجید کی کتابت فرمائی۔ پھر خلافتِ عثمانی میں مصحف سے قرآن نقل کیا۔ ایک بڑی جماعت نے آپ سے روایت کی۔ آپ سے ۹۲ حدیثیں ہیں۔ ۹ بخاری میں ہیں۔ عہدِ نبوی میں چار حافظ مشہور تھے۔ ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاذ بن جبل۔ ابو زید۔ سیدنا فاروق اعظم تعالٰے عنہ۔ جب حج کا عزم فرماتے تو زید بن ثابت کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔ حدیثِ انس میں آیا ہے کہ افرض امتی زید بن ثابت میں علمِ فرائض کے ماہر زید بن ثابت ہیں۔ آپ نے مدینہ میں ۴۵ھ بعمر ۵۶ سال وفات پائی۔ سیدنا ابوہریرہ نے کہا۔ آج حبر الامۃ نے وصال حضرت ابن عباس نے فرمایا زید بن ثابت راسخین فی العلم میں سے تھے۔ رضی اللہ تعالٰے عنہم (اکمال و تذکرہ ولذہبی)

۲۔ حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں۔

أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي ثُمَّ تَكُوْنُ سُرْعَةٌ بِي أَنْ
صَلٰوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

میں اپنے گھر میں سحری کھاتا۔ پھر مجھے یہ جلدی رہتی کہ صبح کی نماز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کروں۔

اس حدیث کی عنوان سے مطابقت بطریق اشارہ یہ ہے کہ اول وقت فجر کا طلوع صبح صادق سے ہے۔ بعض نے کہا امام بخاری اس حدیث کے بیان سے اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ حضور علیہ السلام اول وقت میں فجر ادا فرماتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ عنوان تو وقت فجر کے بیان کے متعلق ہے۔ فافہم

۴۔ اس کے بعد امام نے حدیث عائشہ صدیقہ ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ عورتیں نماز فجر پڑھ کر جب اپنے گھروں کو واپس ہوتیں تو ے کی وجہ سے انھیں کوئی نہ پہچان سکتا (۱) یہ حدیث مع مکمل تفہیم و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ دوم ص ۱۲۱ پر گذر چکی ہے۔

بَابُ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً

باب۔ جو سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو باب من ادرک رکعۃ من العصر میں گذر چکی ہے۔ اس حدیث پر مکمل فیوض الباری پارہ سوم ص ۲۵ میں گذر چکی ہے۔

ت فجر کا بیان

وقت فجر طلوع صبح صادق سے آفتاب کی کرن چمکنے تک ہے۔ فجر میں اسفار مستحب ہے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ان امور پر مکمل بحث ہو چکی ہے۔ اس سلسلہ کی احادیث میں سے چند حدیثیں یہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اول وقت الفجر حين يطلع الفجر وان آخر
ها حين تطلع الشمس (احمد۔ ترمذی۔ ابن شیبہ)

اول وقت اس وقت ہے جب کہ فجر طلوع کرے اور آخر وقت جب سورج نکل آئے۔

۲۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جبرئیل امینؑ نے

الصبح حين كادت الشمس ان تطلع (طحاوی)

صبح کی نماز اس وقت پڑھی کہ قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جائے۔

۳۔ حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے اوقات نماز دریافت کئے تو آپ نے اس سے فرمایا۔ میرے ساتھ نماز پڑھو۔

نے وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاسْفَرَ۔ (مسلم، ترمذی، طحاوی)

فجر کی نماز پڑھی اور اسفار کیا۔

بَابُ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوةِ رَكْعَةً

باب جو کسی نماز کی ایک رکعت پالے۔ اس نے نماز پالی

أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلٰوةَ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔

علامہ کرمانی نے فرمایا کہ مقصود عنوان یہ ہے کہ جس نے کسی بھی نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز کو پالیا۔ اس سے قبل امام نے جو عنوان قائم کیا تھا عصر کی تخصیص تھی اس کے بعد جو عنوان باندھا اس میں فجر کی تخصیص تھی اس عنوان میں مطلق نماز کے متعلق حدیث لائے۔ اس مسئلہ کی تفصیل گذشتہ اوراق میں ہو چکی ہے

بَابُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ

باب نماز فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک نماز پڑھنے کے متعلق

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدَ عِنْدِیْ رِجَالٌ مَّرْضِیُّوْنَ وَاَرْضَاهُمْ عِنْدِیْ عُمَرُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تُشْرِقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس نے فرمایا مجھ سے کئی معتبر آدمیوں جن میں حضرت عمرؓ سب سے زیادہ معتبر ہیں کہ نبی ص نے صبح کی نماز کے بعد سورج روشن ہونے تک نماز پ فرمایا اور عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام مسلم۔ ترمذی، ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ مرضیون کے معنی ہیں کہ ان کی صداقت کوئی شبہ نہ تھا۔ بعد الصبح یعنی نماز فجر کے بعد۔ حتی تشرق اشراق کے معنی طلوع ہونے، بلند ہونے، روش ہیں۔ علامہ قاضی عیاض نے فرمایا کہ حتی تشرق کا مطلب یہ ہے کہ سورج خوب اچھی طرح نکل آئے یہ نہیں کہ صرف اسکا قرص ظاہر ہو

فجر و عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل پڑھنا ممنوع ہیں نماز اگر کوئی ہو تو پڑھ سکتے ہیں۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ، حسن بصری، سعید بن المسیب، علاء بن زیاد، حمید بن عبد الرحمان، ام جماعتِ صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے (۲) علامہ بطال نے فرمایا۔ فجر و عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت پر احادیث متو حضرت فاروق اعظمؓ و حضرت خالد بن ولید ان لوگوں کو درے لگاتے تھے جو فجر یا عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھتے اور صحابہ کر کسی نے حضرت عمر یا حضرت خالد بن ولید کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا۔ (۳) وہ جو بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ کی نماز کے بعد دو رکعت نمازِ نفل ادا فرمائے تو یہ حضورؐ کی خصوصیات سے تھا۔ (عینی ج ۲ صفحہ ۵۹)

قَالَ اَخْبَرَنِیْ ابْنُ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحَرَّوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا

حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کا قصد

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے صفۃ ابلیس میں اور مسلم و نسائیؒ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا لا تحروا کے معنی یعنی جب آفتاب طلوع ہو رہا ہو اس وقت اور جب غروب ہو رہا ہو اس وقت نماز نہ پڑھی جائے۔

قَالَ وَحَدَّثَنِیْ ابْنُ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ اِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَاَخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰی تَرْتَفِعَ وَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَاَخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰی تَغِیْبَ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے نے فرمایا جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو ٹھہر جاؤ اس نہ پڑھو یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور جب سورج جائے تب بھی ٹھہر جاؤ نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ سورج کا کنا

طلوع کے وقت مطلقاً نماز ناجائز ہے

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ طلوع و غروب کے وقت کوئی نہیں ہے نہ فرض نہ واجب نہ نفل نہ ادا نہ قضا حتیٰ کہ سجدہ سہو اور سجد بھی جائز نہیں ہے۔ طلوع سے مراد آفتاب کا کنارہ ظاہر ہونے سے اس وقت تک ہے کہ اس پر نگاہ خیرہ ہونے لگے۔ جس کی چمکنے سے ۲۰ منٹ تک ہے اور اس وقت سے کہ آفتاب پر نگاہ ٹھہرنے لگے ڈوبنے تک غروب ہے۔ یہ وقت بھی ۲۰ منٹ علماء نے طلوع و غروب اور فجر و عصر کے بعد نوافل کی ممانعت کو تنزیہی پر محمول کیا اور کہا کہ ممانعت ان نوافل کی ہے جو بلا سبب سببی نوافل جیسے تحیۃ المسجد یا سجدہ تلاوت و شکر وغیرہ نمازیں ممانعت میں داخل نہیں لیکن یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔ ۲۔ حضرت روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کے بیچنے، دو طرح کے لباس اور دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع

ہٰی عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ۔ (بخاری)

فجر کی نماز کے بعد جب تک سورج نہ نکلے اور عصر کے بعد جب تک سورج ڈوب نہ جائے۔

اشتمالِ صمّاء سے منع فرمایا اور ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھنے سے اس طرح کہ شرمگاہ آسمان کی طرف کھلی رہے اور بیع منابذہ بیع لامسہ سے منع فرمایا۔ (بخاری)

بَابُ لَا تَتَحَرَّى الصَّلٰوةَ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ

باب سورج غروب ہونے سے پہلے نماز کا قصد نہ کرے

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیثیں ذکر کی ہیں جو اوپر گذر چکی ہیں۔ ان میں سے دو یہ ہیں۔

يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ (بخاری)

حضرت ابو سعید فرماتے ہیں: میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نماز فجر کے بعد سے سورج بلند ہونے تک اور نماز عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہ پڑھو۔

اس حدیث کو مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ۲۔ لاصلوٰۃ میں لا یا تو نفی جنس کے لیے ہے تو تقدیر عبارت یہ ہوگی لا صلوٰۃ حاصلۃ بعد الصبح۔ بعض نے کہا لا نہی کے لیے ہے تو تقدیر عبارت یہ ہوگی لا تصلوا (۳)

عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلٰوةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

حضرت معاویہ نے کہا تم لوگ ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم حضورؐ کی صحبت میں رہے، ہم نے آپ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا بلکہ آپ نے اس سے منع کیا یعنی عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے سے۔

یہ دونوں حدیثیں اپنے مضمون میں واضح ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عصر کے بعد سے لے کر غروب شمس تک اور فجر کے بعد سے طلوع شمس تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَكْرَهِ الصَّلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ

باب اس شخص کی دلیل جس نے عصر اور فجر کے بعد نماز پڑھنے کو مکروہ نہ رکھا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أُصَلِّيْ كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِيْ يُصَلُّوْنَ لَا أَنْهٰى أَحَدًا يُصَلِّيْ بِلَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ مَا شَاءَ غَيْرَ أَنْ لَا تَحَرَّوْا طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا۔ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا میں تو اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جیسے میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ میں کسی کو رات اور دن میں کسی وقت میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کرتا البتہ طلوع و غروب شمس کے وقت نماز کا قصد کرے۔

فوائد و مسائل

بلیل او نہار کی جگہ بلیل ولا نہار بھی آیا ہے۔ اس حدیث سے حضرت امام مالک نے یہ استدلال فرمایا کہ استواء کے وقت نماز جائز ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ سوا جمعہ کے اور کوئی نماز جائز نہیں۔ لیکن استواء کے وقت بعد کے جواز اس حدیث سے امام شافعی استدلال فرماتے ہیں وہ غریب ہے (عینی ج ۲ ص ۵۹۹) بہرحال مسئلہ مختلف فیہ ہے اور احناف کا مسلک یہ ہے عصر و فجر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے اور طلوع و غروب اور استواء شمس (یعنی نصف النہار) ان تینوں وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں ہے۔ نہ فرض، نہ واجب، نہ نفل، نہ قضا، ان تینوں وقتوں میں سجدہ تلاوت و سجدہ سہو بھی ناجائز ہے۔ اور اوقاتِ ممنوعہ یعنی طلوع و غروب اور استواء کے وقت نماز جنازہ اگر آجائے تو پڑھ لیا جائے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں۔ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ پیشتر سے جنازہ موجود ہے اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقتِ کراہت آگیا۔

طلوعِ آفتاب و غروبِ آفتاب اور نصفُ النہار کے وقت نماز جائز نہیں ہے

اِذَا بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَاَخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَبْرُزَ وَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَاَخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَغِيْبَ۔ (مسلم شریف)

١- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب آفتاب کا کنارہ ظاہر ہو جائے تو نماز کو موقوف کر دو یہاں تک کہ آفتاب پورا نکل آئے۔ اور جب آفتاب کا کنارہ غروب ہو جائے جب بھی نماز نہ پڑھو۔ یہاں تک کہ پورا آفتاب غروب ہو جائے۔

٢- پھر حضور نے فرمایا۔

فاذا انتصف النهار فاقصر عن الصلاة حتى تميل الشمس (بیہقی) جب نصف النہار کا وقت ہو تو نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ سورج زوال

بَابُ مَا يُصَلّٰى بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَنَحْوِهَا

باب عصر کے بعد قضاء نماز یا اس کی مثل (مثلاً جنازہ) کی نماز پڑھنا

واضح ہو کہ احناف کے نزدیک نماز فجر و عصر کے بعد نوافل ممنوع ہیں لیکن فجر و عصر کے بعد قضا نماز اور نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کہ اس درمیان میں سوا دو رکعت سنت فجر کے کوئی نفل جائز نہیں ہے حتیٰ کہ اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو ان کو بھی نماز فجر کے بعد نہ پڑھے بلکہ جب سورج پورا نکل آئے تو ادا کرے۔ اسی طرح نماز عصر سے آفتاب زرد ہونے تک نفل منع ہے

وَقَالَ كُرَيْبٌ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْعَصْرِ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ شَغَلَنِيْ نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ۔

کُریب نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے عصر کے بعد دو رکعت (ظہر کی سنت) پڑھیں فرمایا وفد عبد القیس نے مجھے ظہر کی دو رکعت پڑھنے کا موقع نہیں دیا۔

لیکن حدیث ترمذی میں ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی دو سنتیں جو رہ گئی تھیں وہ عصر کے بعد پڑھیں

ثُمَّ لَمْ يَعُدْ

پھر آپ نے ایسا نہیں کیا۔

وحديث ابن عباس اصح من حديث عائشة رض لما يأتي فيه من الاضطراب - فافهم

قَالَتْ وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهٖ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ وَمَا لَقِيَ اللّٰهَ حَتّٰى ثَقُلَ عَنِ الصَّلٰوةِ وَكَانَ يُصَلِّيْ كَثِيْرًا مِنْ صَلٰوتِهٖ قَاعِدًا تَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا وَلَا يُصَلِّيْهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ يُّثَقِّلَ عَلٰى اُمَّتِهٖ وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے اس ذات مقدس کی قسم جس نے حضور کو اپنے پاس بلایا حضور نے رب سے ملنے تک ان دو رکعتوں کو نہیں چھوڑا اور حضور اپنے رب سے نہیں ملے اور اپنی نماز کو اکثر بیٹھ کر پڑھتے دو رکعتوں سے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا مراد ہیں اور حضور ان کو مسجد میں اس ڈر سے نہیں پڑھتے تھے کہ امت پر بار ہوگا۔ اور آپ امت سے تخفیف پسند فرماتے تھے

مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے عصر کے بعد یہ دو رکعتیں کبھی میرے پاس آکر ناغہ نہ کیں۔

قَالَتْ رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَّعَلَانِيَةً رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ صبح کی سنتیں اور دو رکعتیں عصر کے بعد حضور نے ان کو کبھی نہیں چھوڑا۔ نہ سراً نہ علانیہ۔

قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَاتِيْنِيْ فِيْ يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ جب بھی عصر کے بعد میرے ہاں تشریف لاتے تو دو رکعتیں ضرور پڑھتے۔

فوائد و مسائل ان تمام حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نماز عصر کے بعد دو رکعت نفل ادا فرمایا کرتے تھے۔ انھیں احادیث سے علماء کی ایک جماعت نے عصر کے بعد نفل پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ عصر کے بعد نفل پڑھنا حضورؐ کے خصوصیات سے ہے اور دلیل اس کی حدیث ابوداؤد ہے۔ حضرت ذکوان حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں کہ جناب عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔

۱۔ انه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی بعد العصر و ینھی عنھا و یواصل و ینھی عن الوصال۔ (ابوداؤد)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد خود تو نفل پڑھے لیکن لوگوں کے لیے ممانعت فرمائی۔ اسی طرح خود تو صوم وصال رکھا مگر دوسروں کو منع فرمایا۔

۲۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس شخص کو جو عصر کے بعد نفل پڑھے سزا دیتے تھے اور یہ کام وہ محضر صحابہؓ میں کرتے ہیں لیکن کسی نے اعتراض نہ کیا۔ (طحاوی باسانیدہ عدیدہ)

اس سے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عصر کے بعد نفل پڑھنا حضور علیہ السلام کے خصوصیات سے تھا۔

بَابُ التَّبْكِيْرِ بِالصَّلٰوةِ فِيْ يَوْمِ غَيْمٍ

باب ابر والے دن نماز میں تعجیل کرنا

قَالَ كُنْتُ مَعَ بُرَيْدَةَ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ غَيْمٍ فَقَالَ بَكِّرُوْا بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔

عامر بن اسامہ ہذلی نے بیان کیا کہ ہم بریدہ بن حصیب صحابی کے ہمراہ تھے۔ اس دن ابر تھا تو انھوں نے کہا کہ نماز جلدی پڑھو کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو کوئی عصر چھوڑ دے اس کا عمل برباد ہوگیا۔

فوائد و مسائل یہ حدیث عنوان کے دو وجہ سے مطابق نہیں ہے۔ اول اس لیے کہ حدیث میں عصر کی نماز میں تعجیل کا ذکر ہے اور عنوان ہے تمام نمازوں میں تعجیل کے متعلق اسی طرح عنوان حضرت بریدہ کے قول کے مطابق تو ہے مگر حدیث کے مطابق نہیں البتہ بطور اشارہ مطابقت پیدا کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ حضرت بریدہ نے ابر والے دن نماز جلدی پڑھنے کے لیے کہا۔ تو اس وقت کہا جب کہ عصر کا وقت ہوگیا تھا اور چونکہ ابر تھا اس لیے اگر دیر کی جاتی تو نماز کا وقت گذر جانے کا اندیشہ تھا اور اگر اس میں تاخیر ہوتی اور وقت عصر ختم ہو جاتا تو یہ فعل وعید کے تحت آجاتا (یعنی وہ وعید جو عصر کے متعلق حدیث ہذا میں ہے) اور ظاہر ہے کہ تمام نمازیں فرضیت میں برابر ہیں۔

واضح ہو کہ احناف کے نزدیک تمام نمازوں میں (سوائے مغرب کے مطلقاً اور عصر و عشاء میں ابر والے دن فقط) تاخیر مستحب ہے اور امام شافعی کے نزدیک تمام نمازوں میں سوا عشاء کے تعجیل مستحب ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

باب وقت گذر جانے کے بعد اذان دینا

۱۔ اس مسئلہ میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ جماعت عصر کی نماز قضا ہوگئی تو اذان و اقامت سے پڑھیں اور اکیلا بھی قضا کے لیے اذان

واقامت کرسکتا ہے جبکہ جنگل میں تنہا ہو۔ ورنہ قضا کا اظہار گناہ ہے۔ لہٰذا مسجد میں قضا پڑھنا مکروہ ہے۔ پڑھے تو اذان نہ کہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی نمازِ فجر قضا ہوگئی تو آپ نے اذان دینے کا حکم دیا اور پھر دو رکعت سنتِ فجر ادا کی اس کے بعد باجماعت فجر کی نماز پڑھی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ۔ شافعی (فی القدیم) واحمد و ابوثور و ابن المنذر کا یہی مسلک ہے۔

قضا نماز کے لیے اذان و اقامت کہی جائے

۲۔ اگر اہلِ جماعت سے چند نمازیں قضا ہوگئیں تو پہلی کے لیے اذان اقامت دونوں کہیں اور باقیوں میں اختیار ہے خواہ دونوں کہیں اقامت پر اکتفا کریں اور دونوں کہنا بہتر ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ایک مجلس میں وہ سب پڑھیں اور اگر مختلف اوقات میں پڑھیں ہر مجلس میں پہلی کے لیے اذان کہیں جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ یوم خندق کے دن چار نمازیں قضا ہوگئیں۔ یہاں تک کہ رات کا گذر گیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے اذان کا حکم دیا۔ اس کے بعد اقامت ہوئی اور ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت ہوئی تو عصر کی۔ پھر اقامت تو مغرب کی۔ پھر اقامت ہوئی تو عشاء کی نماز پڑھی۔

۲۔ چنانچہ اس عنوان کے ماتحت حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان دی جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ، ابوثورؒ و ابن منذر اور اوزاعی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ حتیٰ کہ امام نووی نے لکھا کہ صحیح یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان دی جائے کیونکہ ابوقتادہ وغیرہ کی صحیح حدیثوں سے یہی ثابت ہے۔

۳۔ اور امام مالک اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان نہ دی جائے اور جن احادیث میں اذان کا ذکر ہے سے مراد تکبیر لیتے ہیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ خندق کے دن چار نمازیں قضا ہوئیں۔ مگر ان میں اذان کا ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ اذان سے مراد تکبیر لینا یہ محض ایک تاویل ہے۔ رہا اذان کا عدم ذکر تو عدم ذکر عدم شی کو کب مستلزم ہے۔ علاوہ ازیں حدیث احمد و نسائی بروایت ابوہریرہ میں اذان کا ذکر ہے اور حدیث مسند احمدؒ و نسائیؒ و ترمذی بروایت عبداللہ بن مسعود میں خندق کی قضا نمازوں کے متعلق پہلی کے لیے اذان و اقامت کا ذکر ہے۔ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے عمران بن حصین سے روایت درج کی۔ جس میں کے لیے اذان و تکبیر کا ذکر ہے۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں کہا۔ حضرت ابوہریرہ، عمران بن حصین۔ عمرو بن امیہ ضمری و ابن مسعود کی میں اذان و اقامت کا ذکر ہے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان و اقامت مشروع ہے۔ البتہ یہ اختیار ہے کہ کے لیے اذان دی جائے اور باقی کے لیے صرف تکبیر پر اکتفا کیا جائے (رضی اللہ تعالےٰ عنہم)

قَالَ سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَخَافُ اَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ بِلَالٌ اَنَا اُوْقِظُكُمْ فَاضْطَجَعُوْا وَاَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهٗ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابوقتادہ حارث بن ربعی کہتے ہیں۔ ہم (خیبر سے لوٹ کر) بحضور نبویؐ حاضر ہوئے تو بعض لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اگر آپ ہمارے ساتھ آرام فرمائیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہاری آنکھ لگ جائے اور نماز فجر کے لیے اٹھو۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا۔ میں جگا دوں گا۔ پھر صحابہ رہے اور بلالؓ نے اپنی پیٹھ اونٹنی سے لگائی۔ اور

---

[1] یہ تکبیر کا قول اس لیے کہا گیا ہے کہ ایک روایت میں قضا من صلی اللہ علیہ وسلم بالاذان والاقامۃ اور دوسری باذان واقامۃ لاولیٰ واقامۃ لکل واحد عن البواقی وارد ہوا ہے اس اختلاف کی وجہ سے احناف نے تکبیر کا قول

وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ يَا بِلَالُ أَيْنَ مَا قُلْتَ قَالَ مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ قَالَ إِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِيْنَ شَاءَ يَا بِلَالُ قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فَتَوَضَّأَ فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلّٰى۔ (بخاری)

نیند کے غلبہ سے سو گئے۔ پھر حضور علیہ السلام بیدار ہوئے تو اس وقت سورج کا کنارہ نکل آیا تھا۔ فرمایا بلال تمہارا جگانے کا قول کیا ہوا؟ عرض کی حضورؐ مجھے ایسی نیند کبھی نہیں آئی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے جب چاہا۔ تمہاری روحوں کو قبض کر لیا اور جب چاہا پھر تم کو دے دیں۔ بلالؓ اٹھو اذان دو۔ بلالؓ نے اذان دی۔ حضورؐ نے وضو فرمایا۔ جب سورج بلند ہوا تو نماز پڑھی۔

فوائد و مسائل

امام نے اس حدیث کو توحید میں ابوداؤد نے صلوٰۃ میں اور نسائیؒ نے صلوٰۃ و تفسیر میں ذکر کیا ——— لو عرست جواب لو محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ لکان اسھل علینا یا لو تمنا کیلیے ہے تعریس کے معنی رات کے آخری حصہ میں آرام کے لیے ٹھہرنے کے ہیں۔ وابیاضت" بروزن افعالت ابیضاض سے" مبالغہ پر دال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فجر کی نماز حضورؐ نے اس رات قضا پڑھی جب کہ سورج خوب اچھی طرح روشن ہو گیا تھا۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ امام کا غزوات میں شریک ہونا ۲۔ امام سے مصالح دینی بلکہ دنیوی جب کہ اس میں خیر ہو طلب کرنا جائز ہے ۳۔ امام کا یہ فرض ہے کہ وہ مصالح دینی کا خیال رکھے ۴۔ قضا نماز پڑھنے کے لیے اذان کہنا ۵۔ قضا نماز کو فی الفور ادا کرنا واجب نہیں ہے لیکن ادائیگی میں جلدی کرنا مطلوب ہے تاکہ فرض سے سبکدوشی ہو ۶۔ اوقات ممنوعہ میں قضا نہ کی جائے ۷۔ قضا نماز با جماعت پڑھنا جائز ہے۔ ۸۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل قوی ہے کہ طلوع شمس کے وقت نماز جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس وقت نماز ادا فرمائی جب کہ سورج خوب اچھی طرح ظاہر ہو گیا ۹۔ اگر نیند کے غلبہ سے نماز قضا ہو گئی۔ یعنی عزم و ارادہ تو یہی تھا کہ نماز وقت پر پڑھ لے گا لیکن غلبہ نیند کی وجہ سے بلا اختیار نماز قضا ہو گئی۔ تو کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ بیدار ہونے پر قضا کر لے ۱۰۔ بعض مالکیہ نے حدیث زیر بحث سے یہ استدلال کیا کہ حضورؐ نے فجر کی نماز قضا پڑھی۔ مگر سنت کے قضا کرنے کا اس میں چونکہ ذکر نہیں۔ اس لیے سنت راتبہ کی قضا نہ چاہیے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ عدم ذکر عدم شی کو مستلزم نہیں ہوتا۔ ثانیاً اگرچہ اس حدیث میں سنت فجر کی قضا کا ذکر نہیں ہے مگر دوسری روایت میں سنت فجر کے قضا کرنے کا بھی ذکر ہے چنانچہ۔ حدیث صحیح مسلم بروایت ابو قتادہ میں و حدیث مسند احمد و مسلم و نسائی بروایت ابوہریرہ، طحاوی بروایت عمران بن حصین میں۔ اسی طرح حدیث مسند بزار و مسند احمد و ابن حبان میں سنت فجر کی قضا کا بھی ذکر ہے۔ خلاصہ یہ کہ حدیث زیر بحث سے ثابت ہوا کہ قضاء نماز کو با جماعت اذان و اقامت کے ساتھ ادا کرنا اور فجر کی سنتوں کی بھی قضا کرنا مشروع ہے۔ (واللہ اعلم)

فائدہ حدیث زیر بحث کا یہ پہلو بھی قابل بیان ہے کہ جب صحابہ نے عرض کی حضورؐ رات یہاں آرام فرمائیں تو حضورؐ نے فرمایا اخاف ان تناموا مجھے ڈر ہے کہ تمہاری آنکھ لگ جائے اور نماز فجر قضا ہو جائے۔ تناموا خطاب ہے صحابہ کرام کو اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ میں تو بحالت خواب بھی بیدار رہتا ہوں اور میرا قلب اقدس تو جاگتا رہتا ہے۔ لہٰذا نماز تمہارے سونے کی وجہ سے قضا ہو گی۔ چنانچہ حضورؐ نے جیسا فرمایا ویسا ہی ہوا۔ اور نماز قضا ہو کر رہی اور حکمت اس میں یہ تھی کہ قضا نماز کے پڑھنے کا طریقہ اور اس کے متعلقہ احکام و مسائل امت کو معلوم ہو جائیں۔ چنانچہ موطا کی حدیث سے تو ان امور کی صریح طور پر نشاندہی ہوتی ہے۔

حضرت زید ابن اسلم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کے راستے میں ایک جگہ رات گذاری

اور حضرت بلال ؓ کو مقرر فرمایا کہ وہ صبح کی نماز کے لیے لوگوں کو بیدار کر دیں۔ پس لوگ بھی سو گئے اور حضرت بلال ؓ بھی سو گئے۔ یہاں تک کہ سب لوگ اس وقت بیدار ہوئے۔ جب ان پر اچھی طرح سورج نکل آیا۔ اور جب بیدار ہوئے تو نماز فجر قضا ہو جانے کی وجہ سے بہت گھبرائے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں سوار ہونے اور وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے۔ صحابہ کرام وہاں سے سوار ہو کر نکل گئے اس کے بعد حضور علیہ السلام نے انھیں اُترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا اور حضرت بلال ؓ کو اذان و تکبیر کہنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔

ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَيْهِمْ وَ قَدْ رَاٰى مِنْ فَزَعِهِمْ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا وَ لَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا اِلَيْنَا فِيْ حِيْنٍ غَيْرِ هٰذَا فَاِذَا رَقَدَ اَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ اَوْ نَسِيَهَا ثُمَّ فَزِعَ اِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيْهَا فِيْ وَقْتِهَا ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ اَتٰى بِلَالًا وَ هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَاَضْجَعَهٗ فَلَمْ يَزَلْ يُهَدِّئُهٗ كَمَا يُهَدَّى الصَّبِيُّ حَتّٰى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَاَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الَّذِيْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (موطا امام مالک)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی گھبراہٹ کو دیکھ کر فرمایا کہ اے لوگو! بیشک اللہ تعالے نے ہماری جانوں کو روک رکھا ہے اگر وہ چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں ہماری جانوں کو ہماری طرف پھیر دیتا۔ لہٰذا تم میں سے کوئی اپنی نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو پھر وہ نماز کے لیے گھبرا کر اُٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس وقت اپنی نماز کو اسی طرح پڑھے جس طرح اس کے اصل وقت میں پڑھتا تھا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ شیطان بلال ؓ کے پاس آیا۔ اس حال میں کہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اس نے انھیں لٹا دیا پھر انھیں تھپکتا رہا جیسے کسی بچے کو تھپکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سو گئے۔ یہ فرما کر حضور علیہ السلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالے عنہ کو بلایا۔ حضرت بلال ؓ نے حاضر ہو کر اپنا سارا واقعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے بالکل اسی طرح بیان کیا جس طرح ان کے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرما چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ نے جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ مشاہدہ کیا تو بے ساختہ کہہ اٹھے۔ "میرے آقا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"۔

شریف کی اس حدیث سے حسب ذیل اُمور بلا کسی کھینچ تان کے ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم بحالت خواب بیدار رہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چشمان مبارک سوتی ہیں اور قلب اطہر جاگتا رہتا ہے۔

۲۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالے عنہ پر اس رات جو واقعہ گذرا اس کا پورا پورا حال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا۔

۳۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو ورغلانے اور انھیں اللہ تعالے کی طاعت و عبادت سے روکنے کے لیے شیطان کرتا ہے اس کا کوئی داؤ پیچ اور کسی قسم کا کوئی کارنامہ ایسا نہیں جو نگاہ رسالت سے مخفی ہو۔

۴۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سوتے جاگتے کسی وقت اپنے غلاموں کے حال سے بے خبر نہیں۔

۵۔ باوجود علم کے کسی بات کا ظاہر نہ کرنا حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

۶۔ حضرت بلال ؓ کے پاس شیطان کا آنا اور انھیں بچے کی طرح تھپکنا اور بالآخر سلا دینا امور غیبیہ سے متعلق ہے۔ حضور صلی اللہ

نے اس کا مشاہدہ کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ سے اپنے مشاہدہ کو بیان فرمایا۔ صدیق اکبرؓ نے اس مبارک بیان کو سند بنا کر حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دی۔ اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ کی اس گواہی سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ غیب شرک نہیں۔ بلکہ ان کی غیب دانی ان کی نبوت ورسالت کی چمکتی ہوئی دلیل ہے۔

۷۔ شیطان کا یہ حال ہے کہ وہ بنی آدم کے ساتھ اپنی دشمنی پوری کرنے کے لیے ہر وقت لگا ہوا ہے۔ دن رات، بیداری وخواب، سفر وحضر، وادی وصحرا ہر جگہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا اور اس کو اپنی نظر میں رکھتا ہے۔

۸۔ نماز کا قضا ہو جانا اگرچہ غیر اختیاری طور پر ہو، مسلمان کے لیے طبعاً اور فطرتاً دہشت اور گھبراہٹ کا موجب ہوتا ہے۔ نماز کی طرف سے لاپرواہی کرنے والوں کو اس حدیث سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

۹۔ جن مقامات پر شیطانی اثرات نمایاں ہوں، مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو لہو ولعب کدہ اور معصیت کے مقامات پر بے دھڑک جانے اور وہاں ٹھہرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

۱۰۔ سو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے اگر نماز قضا ہو جائے تو یاد آنے اور بیدار ہونے کے بعد وہ نماز اسی طرح پڑھنی چاہیے جس طرح اس کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔

۱۱۔ اپنے رفقاء کو ان کی سخت گھبراہٹ اور خوفزدہ ہونے کی حالت میں بتقاضائے مصلحت تسلی دینا مکارم اخلاق میں داخل ہے۔

بَابُ مَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

باب وقت گذر جانے کے بعد قضاء نماز باجماعت پڑھنا

جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كِدْتُ اُصَلِّي صْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا فَقُمْنَا اِلٰى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ صَّلٰوةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ شَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ۔ (بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالے عنہ خندق کے روز اس وقت آئے جبکہ سورج غروب ہو گیا تھا تو وہ کفار کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کی یا رسول اللہ میں نماز عصر اسوقت تک پڑھ سکا کہ سورج ڈوبنے ہی کو تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بخدا میں نے بھی ابھی تک نہیں پڑھی۔ پھر ہم بطحان کی طرف روانہ ہوئے اور حضورؐ نے نماز کے لیے وضو کیا۔ ہم نے بھی وضو کیا۔ تو آپ نے نماز عصر غروب آفتاب کے بعد ادا فرمائی۔ اس کے بعد نماز مغرب ادا فرمائی۔

فوائد ومسائل

اس حدیث کو امام نے باب صلوٰۃ الخوف اور مغازی میں، مسلم، ترمذی ونسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ ۲۔ کاد اثبات میں نفی اور نفی میں اثبات کا معنی پیدا کرتا ہے۔ یہاں صلوٰۃ پر کاد منفی ہے اور غروب پر کاد مثبت تو خط کشیدہ میں نماز کا اثبات اور غروب کی نفی ہوگی۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ مشرکین کو برا بھلا کہنا جائز ہے مگر فحش گوئی جائز نہیں۔ ۲۔ کسی مصلحت دینی کی وجہ سے کسی بات کو حلفیہ بیان کرنا جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے جناب عمرؓ کے اطمینان قلبی کے لیے قسم اٹھائی تھی ۳۔ ظاہر یہی ہے حضورؐ نے قضا نماز باجماعت ادا فرمائی۔ چنانچہ اسمٰعیلی کی روایت میں صلی بنا ہے۔ اور ہشام کی روایت میں فصلی بنا کے لفظ بھی ہیں ۴۔ نماز وقتی وفائتہ میں ترتیب ضروری ہے۔ حضرت نخعی، زہری، یحییٰ الانصاری، لیث، امام مالک، احمد، اسحاق وامام ابوحنیفہ وحضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے ۵۔ اس حدیث میں اذان کا ذکر نہیں۔ حالانکہ مغرب کے لیے اذان ضرور ہوئی ہوگی تو راوی نے اذان کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ حضورؐ کی عادت کریمہ یہی تھی کہ

آپ وقتی نماز کے لیے ضرور اذان کہلواتے تھے ۲۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مغرب کا وقت اتنا تنگ نہیں ہوتا کہ اس میں صرف مغرب کی نماز ہی ادا ہو سکے اور ان کا رد ہے جو ضیقِ وقتِ مغرب کے قائل ہیں۔

توضیحات

حدیث زیر بحث کے بعض پہلو یہ بھی ہیں۔

۱۔ علامہ ابن العربی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ خندق کے موقع پر نماز عصر فوت ہوئی تھی اور اس کی تائید حدیث مسلم سے ہوتی جس میں یہ ہے۔ لشغلونا عن الصّلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر

۲۔ موطا کی روایت میں یہ ہے۔ ظہر و عصر اور حدیث ابو سعید خدری میں ظہر و عصر و مغرب اور نسائی کی حدیث میں ظہر عصر مغرب و عشا ترمذی ابو عبیدہ عن ابیہ میں ہے۔ ان المشرکین شغلوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اربع صلوات یوم الخندق کہ مشرکین نے خندق کے دن حضور علیہ السلام کو چار نمازوں سے مشغول رکھا۔ تو عشاء کے فوت ہونے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ عشاء وقت معہود سے فوت ہوئی یہ نہیں کہ عشا کا وقت ہی ختم ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ مسلم میں صرف عصر کا فوت ہونا مذکور ہے اور باقی روایتوں میں ظہر و عصر و مغرب کا فوت کا جواب یہ ہے کہ غزوہ خندق تقریباً ایک مہینہ تک رہا ہے اور کفار کا محاصرہ اس قدر شدید اور پرخطر تھا کہ الامان والحفیظ۔ قبائل عرب کی فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر حملہ آور ہوئی تھیں۔ اس موقع پر متعدد بار نمازیں قضا ہوئی تھیں۔

۳۔ رہا یہ سوال کہ غزوہ خندق میں نمازوں کو کیوں فوت ہونے دیا گیا۔ وقت پر ہی کیوں نہ پڑھ لی گئیں۔ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک نمازِ خوف کی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں۔ لہٰذا آج اگر جنگ ہو تو نماز کو اس کے وقت سے موخر کرنا جائز نہ ہو گا۔ بلکہ نمازوں کو ان کے وقت پر پڑھا جائے

بَابُ مَنْ نَسِیَ صَلٰوۃً فَلْیُصَلِّ اِذَا ذَکَرَ وَلَا یُعِیْدُ اِلَّا تِلْکَ الصَّلٰوۃَ

باب جو نماز پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے اس وقت پڑھ لے اور فقط وہی نماز پڑھے

یعنی جو نماز بھولے سے رہ گئی۔ جب بھی یاد آئے خواہ کتنے ہی عرصہ کے بعد یاد آئے اس کی قضا کرے اور صرف وہی نماز پڑھے سے امام نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں جب یاد آئے اس وقت پڑھے لیکن اس نماز کو پھر اس کے وقت میں دوبارہ بھی پڑھے۔ امام نے کشیدہ جملوں سے یہ واضح کیا۔ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ مسند احمد و ابن حبان کی روایت میں یہ ہے کہ جب صحابہؓ نے فجر کی نماز قضا عرض کی۔ یا رسول اللہ ہم اس نماز کو کل فجر کے وقت میں پڑھ لیں؟ آپ نے جواب دیا۔ اللہ نے تم کو سود سے منع فرمایا ہے۔ کیا وہ خود سود یعنی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (قسطلانی عینی و فتح الباری)

وَقَالَ اِبْرَاهِیْمُ مَنْ تَرَكَ صَلٰوۃً وَاحِدَۃً عِشْرِیْنَ سَنَۃً لَمْ یُعِدْ اِلَّا تِلْكَ الصَّلٰوۃَ الْوَاحِدَۃَ۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَسِیَ صَلٰوۃً فَلْیُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ لَا كَفَّارَۃَ لَهَا اِلَّا ذٰلِكَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِكْرِیْ۔ (بخاری)

۱۔ ابراہیم نخعی نے کہا جو کوئی بیس برس تک ایک نماز چھوڑ دے تو فقط وہی ایک نماز پڑھ لے۔

۲۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے اس پر کفارہ نہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اقم الصلوٰۃ لذکری۔

بھولے سے نماز رہ گئی تو جب یاد آئے پڑھ لے

۱۔ جس چیز کا بندوں پر حکم ہے اسے وقت میں بجا لانا ادا ہے اور وقت کے بعد عمل میں لانا قضا ہے اور اگر اس حکم کے بجا لانے میں کوئی پیدا ہو جائے تو دوبارہ اس خرابی کو دفع کرنے کے لیے اس کو کرنا اعادہ کہلاتا ہے ۲۔ قضا کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں۔ عمر میں جب بھی بری الذمہ ہو جائے گا۔ لیکن طلوع و غروب و زوال کے وقت قضا نہ کرے کہ ان تینوں وقتوں میں نماز جائز نہیں ۳۔ بلا عذر شرعی نماز قضا

ست گناہ ہے۔ ایسے شخص پر فرض ہے کہ قضا پڑھے اور سچے دل سے توبہ کرے۔ توبہ سے گناہِ تاخیر بھی معاف ہو جائے گا۔ اور توبہ جب ہے کہ قضا پڑھ لے لیکن توبہ تو کیے جائے اور قضا نہ کرے۔ تو یہ توبہ نہیں۔ کیونکہ جو نماز اس کے ذمہ باقی ہے وہ تو اب بھی باقی ہے اور گناہ سے باز نہ آیا تو توبہ کہاں ہوئی؛ حدیث میں فرمایا۔ گناہ پر قائم رہ کر استغفار کرنے والا اس کے مثل ہے جو اپنے رب سے مذاق کرے (الش) ۴۔ حدیث زیر بحث سے واضح ہوا کہ بھول چوک کی وجہ سے جو نماز قضا ہو گئی تو اس کی قضا پڑھنی فرض ہے۔ البتہ قضا کا گناہ نہ ہوگا شدہ نماز کی قضا کر لینا ہی اس کا کفارہ ہے اور بیدار ہونے یا یاد آنے پر اگر وقت مکروہ نہ ہو تو اسی وقت پڑھ لے تاخیر مکروہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قد احدكم عن الصلوٰة او غفل عنها صلها اذا ذكرها۔ (مسلم)	جو نماز سے سو جائے یا غافل ہو جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔

غرضیکہ بھول جانے یا سو جانے کی وجہ سے جو نماز قضا ہو گئی تو کوئی جرم نہیں۔ یاد آنے یا بیداری پر قضا کرے لیکن وقت ہو جانے پر وقت کے اندر اندر جاگنے پر صحیح اعتماد نہ ہونا اور کسی کو جگانے پر مقرر بھی نہ کرنا اور نماز کو قضا کر دینا گناہِ عظیم ہے ۵۔ حدیث زیر بحث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نماز کی تلافی نہ تو مال سے ہو سکتی ہے کہ نماز کی جگہ مال دیدے اور نہ نیابت ہی سے ہو سکتی ہے کہ کوئی دوسرا اس کی جگہ پڑھ لے اور فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے بلکہ زندگی میں فوتِ نماز کو خود قضا کرنا فرض ہے۔

بَابُ قَضَاءِ الصَّلٰوةِ الْاُوْلٰى فَالْاُوْلٰى

باب: اگر کئی نمازیں قضا ہو جائیں تو ان کو ترتیب سے پڑھے

ابر قال جَعَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ كُفَّارَهُمْ فَقَالَ مَا كِدْتُ اُصَلِّي الْعَصْرَ حَتّٰى الشَّمْسُ قَالَ فَنَزَلْنَا بُطْحَانَ فَصَلّٰى بَعْدَ مَا الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ۔ (بخاری)	حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ خندق کے دن کفار کو برا بھلا کہتے اور کہا سورج ڈوبنے کے قریب تک میں نماز نہیں پڑھ سکا۔ پھر ہم بطحان میں اترے۔ حضورؐ نے سورج ڈوبنے کے بعد عصر کی نماز پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

نمازوں میں ترتیب واجب ہے

یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قضا نمازوں میں ترتیب واجب ہے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، لیث، زہری، نخعی، ربیعہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا یہ ک ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں غزوہ خندق میں مشرکین کی وجہ سے جاتی رہیں رات کا کچھ حصہ چلا گیا تو حضورؐ نے بلالؓ کو حکم فرمایا۔ انھوں نے اذان و اقامت کہی۔ حضورؐ نے ظہر کی نماز پڑھی۔

س صلاتها كما كان يصليها في وقتها (نیل الاوطار ج ۲ جز ۲؛ احمد و نسائی)	اور اس کو اسی طرح پڑھا۔ جیسے کہ وقت میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

پھر آپ نے عصر پڑھی پھر مغرب پڑھی۔ اس سے واضح ہوا کہ پانچوں فرضوں میں باہم اور فرض و وتر میں ترتیب ضروری ہے یعنی پہلے ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء پھر وتر پڑھے۔ خواہ یہ سب قضا ہوں یا بعض ادا اور بعض قضا۔ مثلاً ظہر کی نماز قضا ہو گئی تو فرض ہے کہ اسے پڑھ کر عصر پڑھے یا وتر قضا ہو گیا تو پہلے اسے پڑھے پھر فجر کی نماز پڑھے۔ اگر یاد ہوتے ہوئے (اسی صورت میں) عصر کی یا فجر کی پڑھ لی تو ناجائز ہے۔ اگر وقت میں اتنی گنجائش نہیں کہ وقتی اور قضا میں سب پڑھ لے تو وقتی اور قضا نمازوں میں جس کی گنجائش ہو، پڑھے، ترتیب ساقط ہے۔ مثلاً عشاء و وتر قضا ہو گئے اور فجر کے وقت میں پانچ رکعت کی گنجائش ہے تو وتر و فجر پڑھ لے اور اگر چھ رکعت

کی گنجائش ہے کہ عشاء و فجر پڑھ لے۔ تفصیل کے لیے بہار شریعت حصہ چہارم ملاحظہ کیجیے۔

علامہ شوکانی نے لکھا کہ امام اعظم ابو حنیفہ امام مالک، لیث، زہری، نخعی اور ربیعہ کے نزدیک فوائت نمازوں میں ترتیب واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک ترتیب واجب نہیں۔ سیدنا امام بخاری بھی وجوب کے قائل ہیں۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

باب۔ نماز عشاء کے بعد دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا سامر کا لفظ جو قرآن میں ہے۔ (سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ) سمر ہی سے نکلا ہے اور سامر کی جمع اور سامر اس آیت میں سمار جمع کے معنی میں ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی یہ عادت کریمہ ہے کہ اگر حدیث میں قرآن مجید کا کوئی لفظ تو اس کی تفسیر اور قرآن مجید کے نادر لغات کے معنی بیان کر دیتے ہیں۔ سورہ مومنون پ۱۸ میں مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ آیا ہے۔ سامر کا لفظ سمر سے مشتق ہے۔ سمر چاند کی روشنی کو کہتے ہیں۔ عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے اور اسلام اور اہل اسلام کے خلاف منصوبے باندھتے تھے۔ سمر کی جمع سمار ہے۔ جیسے کاتب کو کُتّاب آیت میں سامر لفظاً مفرد ہے مگر معناً جمع ہے۔ سامر کا اطلاق جمع و واحد دونوں پر آتا ہے۔ رات کی باتوں کو سمر کہتے ہیں۔ اس عنوان کے امام نے وہی حدیث لکھی ہے جو باب وقت الظہر میں گزر چکی ہے۔ جس میں عنوان کے مناسب یہ لفظ ہیں۔

قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا (بخاری) | اور حضور عشاء کی نماز سے پہلے سو جانا اور عشاء کے بعد باتیں کرنا مکروہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عشاء سے پہلے سو جانا اور بعد عشاء دنیا کی باتیں کرنا قصے کہانیاں سننا مکروہ ہے اور مقصد شارع یہ ہے کہ آدمی جب سوتا ہے تو ایک نوع کی اس پر موت طاری ہو جاتی ہے لہٰذا سونے کے وقت بھی ذکر الٰہی اس کی زبان پر جاری

بَابُ السَّمَرِ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

باب، نماز عشاء کے بعد مسئلے مسائل کی باتیں کرنا اور اچھی باتیں کرنا

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ عشاء کے بعد دنیاوی باتوں میں مشغول ہونا مکروہ ہے مگر دینی مسائل کی گفتگو اور قرآن مجید کی ذکر و اذکار کرنا جائز بلکہ مطلوب و محبوب ہے۔ امام نے فقہ کے لفظ کے بعد خیر کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ دینی مسائل میں بحث و بھی خیر ہی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ فقہ کا خصوصیت سے ذکر فقہ کی اہمیت اور جلالت شان کی بنا پر کیا۔ عینی ج ۲ صفحہ

اس عنوان کے ماتحت امام نے تین حدیثیں لکھی ہیں جو (باب السمر بالعلم) فیوض الباری پارہ اول صفحہ ۱۰۲ پر مع ترجمانی کے گزر چکی ہے یہاں ہم ان کا ترجمہ اور بعض الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں۔

انس بن مالک نے فرمایا کہ ایک رات ہم نے حضور کے جلوہ فرما ہونے کا انتظار کیا۔ جب آدھی رات کا وقت ہو حجرہ مبارکہ سے باہر آئے اور نماز پڑھائی۔ پھر خطبہ دیا اور فرمایا۔

اِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوْا فِي الصَّلٰوةِ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلٰوةَ (بخاری)

قَالَ الْحَسَنُ وَاِنَّ الْقَوْمَ لَا يَزَالُوْنَ فِيْ خَيْرٍ مَا انْتَظَرُوا الْخَيْرَ۔

اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ فِيْ اٰخِرِ حَيَاتِهٖ فَلَمَّا

سن لو! لوگ تو نماز پڑھ چکے اور سو رہے اور تم جب تک نماز کے انتظار میں رہے

۲۔ اور حسن بصری نے کہا۔ لوگ جب تک کسی نیک کام کے میں ہوتے ہیں تو گویا اس نیک کام میں ہی ہوتے ہیں۔

۳۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک بار حضور نے پاک کے آخری زمانے میں عشاء کی نماز پڑھی۔ جب سلام پھیر

ام النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرَأَيْتَكُمْ هٰذِهٖ فَاِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ لَا يَبْقٰى يَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فَوَهَلَ النَّاسُ قَالَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَدَّثُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْاَحَادِيْثِ ائَةِ سَنَةٍ وَاِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى اَرْضِ يُرِيْدُ بِذٰلِكَ اَنَّهَا تَخْرِمُ قَرْنَ ۔ (بخاری)

کھڑے ہو کر فرمایا تم نے اس رات کو دیکھا اب سے لے کر سو برس کے ختم تک جتنے لوگ اس وقت زمین پر ہیں۔ ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا ــــــ تو لوگوں نے حضورؐ کے اس ارشاد کے مطلب سمجھنے میں غلطی کی۔ اور سو برس کے متعلق کچھ کہنے لگے۔ ابن مسعود نے یہ سمجھا کہ سو برس میں قیامت آ جائے گی۔ حالانکہ آپ نے یہ نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ جو لوگ زمین پر بستے ہیں۔ ان میں کوئی باقی نہ رہے گا۔ آپ کا مطلب یہ بتانا تھا کہ سو برس میں یہ قرن گزر جائے گا۔

بَابُ السَّمَرِ مَعَ الْاَهْلِ وَالضَّيْفِ

باب، اپنی بیوی یا مہمان سے عشاء کے بعد بات کرنا

طلب عنوان یہ ہے۔ نماز عشاء کے بعد دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہے۔ مگر مہمان یا اپنی بیوی کے ساتھ ضروری باتیں کرنے میں ہیں ہے۔ حضرت عبد الرحمن بن ابو بکر سے روایت ہے کہ اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے اور حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا۔

عِنْدَهٗ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَاِنْ خَامِسٌ اَوْ سَادِسٌ وَاَنَّ اَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلٰثَةٍ لَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَةٍ هُوَ اَنَا وَاَبِيْ وَاُمِّيْ وَلَا اَدْرِيْ هَلْ امْرَاَتِيْ وَخَادِمٌ بَيْنَ بَيْتِنَا وَبَيْتِ اَبِيْ وَاِنَّ اَبَا بَكْرٍ تَعَشّٰى عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ لَبِثَ حَتّٰى تَعَشّٰى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضٰى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللهُ امْرَاَتُهٗ مَا حَبَسَكَ عَنْ اَضْيَافِكَ اَوْ قَالَتْ قَالَ اَوَمَا عَشَّيْتِيْهِمْ قَالَتْ اَبَوْا حَتّٰى تَجِيْءَ ضُوْا فَاَبَوْا قَالَ فَذَهَبْتُ اَنَا فَاخْتَبَاْتُ فَقَالَ فَجَدَّعَ وَسَبَّ وَقَالَ كُلُوْا لَا هَنِيْئًا قَالَ وَاللهِ لَا اَطْعَمُهٗ اَبَدًا وَاَيْمُ اللهِ مَا خُذُ مِنْ لُقْمَةٍ اِلَّا رَبَا مِنْ اَسْفَلِهَا اَكْثَرُ شَبِعُوْا وَصَارَتْ اَكْثَرَ مِمَّا

جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا (اصحاب صفہ سے) لے جائے اور جس کے پاس چار کا ہو وہ پانچواں اور جس کے پاس پانچ کا ہو وہ چھٹا آدمی اصحاب صفہ سے لے جائے۔ حضرت ابوبکرؓ تین آدمیوں کو کھانے کے لیے لے آئے اور حضور علیہ السلام دس آدمی اپنے ساتھ لے گئے۔ عبد الرحمن نے کہا گھر میں میں تھا اور میرے ماں باپ (یعنی تین فرد تھے) ابو عثمان نے کہا۔ مجھے یہ یاد نہ رہا کہ عبد الرحمن نے اپنی زوجہ اور خدمت گار کا جو ان کے اور ابوبکر کے گھروں کا کام کرتا تھا۔ ذکر کیا یا نہیں۔ خیر حضرت ابوبکر نے شام کا کھانا حضورؐ کے ہمراہ کھا لیا۔ پھر جہاں عشاء پڑھی وہیں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد بحضور نبویؐ آئے اور حضورؐ کے پاس رہے۔ حتیٰ کہ آپ نے رات کا کھانا بھی کھا لیا۔ پھر جتنی رات اللہ کو گزارنی منظور تھی۔ اس کے گزرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ گھر آئے آپ کی بیوی نے کہا۔ تم مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں اٹک گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ تم نے ان کو رات کا کھانا نہیں کھلایا۔ آپ کی بیوی ام رومان نے جواب دیا۔ میں نے ان کے سامنے کھانا رکھ دیا مگر مہمانوں نے کہا۔ جب تک ابوبکر نہ آئیں گے ہم نہیں کھائیں گے۔

كَانَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا اَبُوْبَكْرٍ فَاِذَا هِيَ كَمَا هِيَ اَوْ اَكْثَرُ فَقَالَ لِامْرَاَتِهٖ اُخْتَ بَنِيْ فِرَاسٍ مَا هٰذَا قَالَتْ لَا وَقُرَّةِ عَيْنِيْ لَهِيَ الْاٰنَ اَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِثَلَاثِ مِرَارٍ فَاَكَلَ مِنْهَا اَبُوْبَكْرٍ وَقَالَ اِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ يَعْنِيْ يَمِيْنَهٗ ثُمَّ اَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً ثُمَّ حَمَلَهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَصْبَحَتْ عِنْدَهٗ وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ فَمَضَى الْاَجَلُ فَفَرَّقَنَا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ اُنَاسٌ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ فَاَكَلُوْا مِنْهَا اَجْمَعُوْنَ اَوْ كَمَا قَالَ (بخاری)

عبدالرحمٰن نے کہا میں ڈر کر چھپ گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اُو باجی اور بُرا بھلا کہا (کہ تم چھپ کیوں گئے) پھر اپنے اہل وعیا کہا کھاؤ یہ کھانا تمہیں ناخوشگوار رہا ہو اور بخدا میں تو اس کھانے کھاؤں گا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ اس کھانے کا یہ حال ہوا کہ جب ایک لقمہ اس میں سے اٹھاتے تو نیچے سے اور زیادہ بڑھ آتا۔ حتیٰ مہمان سیر ہو گئے اور کھانا جتنا تھا اس سے بھی زیادہ ہو گیا۔ حضرت نے دیکھا تو کھانا جوں کا توں بلکہ بڑھ گیا ہے۔ انھوں نے اپنی سے کہا۔ بنی فراس کے خاندان میں یہ کیا بات ہے۔ وہ بولیں مجھے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ یہ کھانا تو ویسا ہی بلکہ تگنا ہو گیا ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس میں سے کھایا اور کہنے لگے۔ یہ قسم شیطان طرف سے تھی۔ پھر آپ وہ کھانا بحضور نبوی لاتے۔ وہ صبح تک آپ کے رہا۔ عبدالرحمٰن نے کہا ہم میں اور قوم میں عہد تھا اس کی مدت گذر گئی تو ان میں سے بارہ آدمی چھٹے اور ہر ایک کے ساتھ کتنے آدمی تھے۔ اللہ ہی معلوم ہے تو سب نے کھایا یا عبدالرحمٰن نے کچھ ایسا ہی کہا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے علامات نبوۃ میں مسلم نے اطعمہ میں اور ابوداؤد نے ایمان اور نذور میں ذکر کیا۔ حدیث ہذا امو ذیل پر مشتمل ہے۔ ۱۔ نماز عشاء کے بعد اپنے اہل وعیال سے ضروری باتیں کرنے میں حرج نہیں ۲۔ اصحاب صفہ صحابہ میں ستر یا کچھ زیادہ افراد تھے جو مسجد نبویؐ کے قریب ایک سایہ دار جگہ میں رہتے تھے۔ یہ کوئی دنیاوی کاروبار نہیں کرتے تھے اور ان کے کا انتظام یہ تھا کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ کھانا ہوتا وہ انھیں کھلا دیتا تھا ۳۔ اس میں ایثار اور جود وسخا کی تعلیم دی گئی ہے کہ مومن کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جو کھانا زائد ہو تو غرباء و مساکین خصوصاً اپنے محلہ اور قریبیوں کو کھلائے ۴۔ اگر صاحب خانہ گھر پر نہ ہو تو ا کو مہمانوں کی خدمت کرنی چاہیئے ۵۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی یہ کرامت ہے کہ وہ کھانا بہت سے لوگوں کے لیے اور پھر بھی بچ رہا اور یہ کہ اولیاء کی کرامات حق ہیں ۶۔ یہ کہ حضور علیہ السلام کے معجزات کبھی دوسروں سے بھی ظاہر ہوتے ہیں یعنی کرامت دراصل نبی کا معجزہ ہوتا ہے ۷۔ بیوی کو اس کے نام کے علاوہ خطاب کرنا جائز ہے ۸۔ جس قسم کے توڑنے میں فائدہ ہو کو توڑ دینا چاہیئے اور کفارہ دینا چاہیئے ۹۔ صاحب خانہ کی عدم موجودگی میں مہمانوں کو کھانا کھلانا جائز ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـــــ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے

كِتَابُ الْاَذَانِ

بَابُ بَدْءِ الْاَذَانِ

باب اذان کی ابتداء کیونکر ہوئی؟

عرف شرع میں اذان ایک خاص قسم کا اعلان ہے جس کے الفاظ مقرر ہیں۔ پنج وقتہ نمازیں اور جمعہ جب جماعت مستحبہ کے مسجد میں وقت پر ادا کی جائیں تو ان کے لیے اذان سنت موکدہ ہے اور اس کا حکم مثل واجب ہے۔ اگر کسی نے اذان نہ کہی تو وہاں کے

گنہگار ہوں گے۔ حتیٰ کہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا اگر کسی شہر کے سب لوگ اذان ترک کردیں تو میں ان سے قتال کروں گا اور اگر ایک شخص چھوڑ دے تو اسے ماروں گا یا قید کروں گا۔ عنوان سے اذان کی ابتدا اس کی کیفیت مشروعیت اور اس کے احکام و مسائل کا بیان مقصود ہے۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔ الخ

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جب تم نماز کے لیے بلاتے ہو تو کفار اس کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تمہیں جمعہ کی نماز کے لیے پکارا جائے۔ الخ

ان آیتوں سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ اذان کی اصل قرآن سے ثابت ہے اور یہ کہ اذان کی ابتدا مدینہ میں ہوئی۔ کیونکہ سورہ مائدہ اور سورہ جمعہ دونوں مدینہ میں نازل ہوئیں اور صحیح یہ ہے کہ اذان ہجرت کے پہلے یا دوسرے سال میں شروع ہوئی۔ علامہ قسطلانی نے لکھا کہ امام بخاری نے اس آیت سے استدلال کیا کہ اذان نص سے مشروع ہوئی صرف خواب سے نہیں۔ ابن کثیر نے زہری سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اذان کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اذان کی فرضیت اس آیت سے ہوئی اور ترمذی کی حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ بن زید نے اذان کے متعلق خواب دیکھا اور حضورؐ کو سنایا تو آپ نے فرمایا اِنَّ هٰذِهٖ لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْشَاءَ اللّٰهُ۔ پھر حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا۔ اتنے میں جناب فاروق اعظم حاضر ہوئے۔ عرض کی میں نے بھی ایسا خواب دیکھا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ الحمد للہ۔ شیعہ حضرات اسی حدیث کی بنا پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سنیوں کی اذان خواب سے مقرر ہوئی۔ لیکن اگر انصاف اور دیانت کے ساتھ غور کیا جائے تو واضح ہے کہ اس میں اعتراض کی کونسی بات ہے۔ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ یا حضرت عمرؓ کے خواب کی صحت کو تسلیم فرما کر اذان کا حکم دے دیا تو اذان کی شرعیت تو حکم رسول ہی سے ہوئی۔ علاوہ ازیں مصنف عبدالرزاق میں کبار تابعین سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے حاضر دربار ہونے سے پہلے اذان کے متعلق وحی آچکی تھی اور جب حضرت عمر اپنا خواب سنانے بحضور نبوی آئے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ سَبَقَكَ بِذٰلِكَ الْوَحْيُ اذان کے متعلق تو وحی آچکی ہے (فتح الباری)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ ذَكَرُوْا اَنْ يَّعْلَمُوْا وَقْتَ الصَّلٰوةِ بِشَيْءٍ يَّعْرِفُوْنَهٗ فَذَكَرُوْا اَنْ يُّوْرُوْا نَارًا اَوْ يَضْرِبُوْا نَاقُوْسًا فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ (بخاری)

حضرت انس نے فرمایا جب لوگ بہت ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ نماز کے وقت کے لیے کوئی نشانی مقرر کرنی چاہیے۔ جس کو وہ پہچان لیں۔ کسی نے کہا آگ روشن کر دو یا گھنٹہ بجا دیا کریں بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے الفاظ دو دو بار اور تکبیر کے الفاظ ایک ایک بار کہیں۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے ذکر بنی اسرائیل میں اور مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے صلاۃ میں ذکر کیا ۲۔ عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ اذان حضور کے حکم سے شروع ہوئی۔ تاریخ امام کازرونی میں حضرت عروہ و زید ابن اسلم و سعید بن المسیب کا یہ قول موجود ہے کہ عہد نبویؐ میں منادی الصلاۃ جامعۃ پکار دیتا تھا اور لوگ جمع ہو کر نماز پڑھ لیتے۔ پھر جب کعبہ قبلہ مقرر ہوا تو اذان کا حکم دیا گیا۔ اس سے واضح ہوا کہ اذان ہجرت کے دوسرے سال مقرر ہوئی۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے بیت المقدس کی طرف ۱۶ مہینہ نماز ادا فرمائی (هكذا في السعاية) ۲۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اذان کے الفاظ دو دو بار اور

تکبیر کے الفاظ ایک بار کہے جائیں۔ حضرت امام شافعی و امام احمد کا یہی مذہب ہے لیکن احناف کے نزدیک اذان و اقامت دونوں کے الفاظ دو دو بار کہے جائیں۔ مگر دراصل یہ ہے کہ اقامت کے الفاظ کو دو دو بار کہنا اور ایک ایک بار کہنا دونوں طرح جائز ہے جیسا کہ اس سلسلہ کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احناف اگرچہ الفاظ تکبیر کو دو دو بار کہنے کے قائل ہیں مگر اکہری تکبیر کرنا ناجائز نہیں کہتے۔ فافہم

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ الصَّلٰوةَ لَيْسَ يُنَادٰى لَهَا فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوْا نَاقُوْسًا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ بُوْقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ۔ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ مسلمان جب پہلے پہل مدینہ آئے تو نماز کے لیے یونہی (بلا اطلاع) جمع ہو جاتے وہ نماز کے لیے ایک وقت ٹھہرا لیتے لیکن اذان نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن لوگوں نے اس بارے میں گفتگو کی۔ بعض نے کہا (نماز کی اطلاع کے لیے) نصاریٰ کی طرح ناقوس مقرر کر لو۔ (جو بجا دیا جائے) بعض نے کہا یہود کی طرح ایک بوق (بگل) مقرر کر لیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہ ایک آدمی کو مقرر کر دیا جائے وہ نماز کی اطلاع دے دیا کرے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے بلالؓ سے فرمایا اٹھو اور نماز کے لیے پکار دو۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم و نسائی و ترمذی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۲۔ فَيَتَحَيَّنُوْنَ باب تفعل سے تحیّن کے معنی وقت اور زمانے کے ہیں ۳۔ اذان کی مشروعیت سے قبل لوگ بلا اطلاع ایک وقت معین میں جمع ہو جاتے تھے اور نماز پڑھ لیتے پھر اس بارے میں گفتگو ہوئی تو کسی نے کہا بوق نرسنگا بجا دیا جائے۔ بعض نے کہا ناقوس بجا دیا جائے کیونکہ یہ دونوں چیزیں یہود و نصاریٰ استعمال کرتے تھے۔ اس لیے جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ ہوئی کہ اطلاع کے لیے کوئی شخص اعلان کر دیا کرے چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز کا اعلان کریں۔ ۴۔ اگرچہ بعض شارحین نے یا بلال قم فناد بالصلوٰۃ سے اذان مراد لی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک اذان مشروع نہیں ہوئی تھی اور خط کشیدہ جملوں کا مطلب اذان نہیں ہے بلکہ محض اطلاع و اعلان ہے یعنی جب نماز کا وقت ہوتا تو ایک شخص راستوں میں الصلاۃ الصلاۃ پکار دیتا تھا ۵۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اذان کھڑے ہو کر دینی چاہیے۔ ابو ثور کے علاوہ جملہ علماء کا یہی مذہب ہے۔

بَابُ الْاَذَانُ مَثْنٰى مَثْنٰى

باب ۔ اذان کے الفاظ دو دو بار کہنا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ اِلَّا الْاِقَامَةَ۔

حضرت انسؓ نے کہا کہ حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے الفاظ دو بار اور تکبیر کے الفاظ ایک ایک بار کہیں مگر (قد قامت الصلوٰۃ)

بَابُ الْاِقَامَةُ وَاحِدَةٌ اِلَّا قَوْلَهُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ

باب تکبیر کے الفاظ ایک بار کہے جائیں۔ سوا قد قامت الصلوٰۃ کے

اس عنوان کے ماتحت بھی امام نے حدیث انس ہی ذکر کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اذان کے الفاظ دو دو بار کہے جائیں اور تکبیر کے اکہرے مگر قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے الفاظ دو دو بار ہی کہے جائیں۔ واضح ہو کہ اکہری تکبیر بھی جائز ہے مگر بعض احادیث صحیحہ میں تکبیر کے الفاظ کو بھی دو دو بار کہنا آیا ہے۔ چنانچہ حدیث ابی محذورہ عند الترمذی میں علمہ الْاَذَان مثنیٰ مثنیٰ کے الفاظ ہیں اور حدیث ابی جحیفہ میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی تو کلماتِ اذان کو دو دو بار ادا کیا۔ اسی طرح ویقیم الْاِقَامۃ مثنیٰ مثنیٰ

اقامت کے الفاظ بھی دو دو بار کہے۔ احناف کا انہی حدیثوں پر عمل ہے۔ عینی ج ۲ ص ۶۱۹

بَابُ فَضْلِ التَّاذِيْن

باب اذان دینے کی فضیلت کے بیان میں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاذِیْنَ فَاِذَا قَضَی النِّدَآءُ اَقْبَلَ حَتّٰی اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ حَتّٰی اِذَا قَضَی التَّثْوِیْبُ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطِرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ نَفْسِهٖ یَقُوْلُ اذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ یَكُنْ یَذْكُرُ حَتّٰی یَظَلَّ الرَّجُلُ لَا یَدْرِیْ كَمْ صَلّٰی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے۔ تو شیطان گوز مارتا ہوا پیٹھ موڑ کر چل دیتا ہے تاکہ اذان نہ سنے۔ جب اذان ہو چکتی ہے تو پھر آتا ہے۔ جب نماز کی تکبیر ہوتی ہے تو پھر پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے تکبیر ہونے کے بعد پھر آتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے فلاں بات یاد کر۔ فلاں بات یاد کر۔ شیطان وہ باتیں یاد دلاتا ہے جو نمازی کو یاد نہیں ہوتیں حتیٰ کہ آخر نمازی بھول جاتا ہے کہ کتنی رکعتیں پڑھیں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو ابوداؤد و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۲۔ ادبر اقبال کی ضد ہے۔ ضراط۔ جملہ اسمیہ ہے۔ حال واقع ہوا ہے۔ مقصود تمثیل یہ ہے کہ شیطان اذان سے سخت خوفزدہ ہو کر بھاگتا ہے اور شیطان کی پیٹھ موڑ کر بھاگنے کو ضراط کے لفظ کے ساتھ بیان کرنے میں اس کی قباحت کی طرف اشارہ ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اذان سے تو شیطان بھاگتا ہے اور مؤذن کے دل میں وسوسے بھی نہیں ڈال سکتا۔ مگر نماز جس میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے اور اللہ رب العزت سے قرب ہوتا ہے اس میں خلل انداز ہوتا ہے حالانکہ نماز اذان سے افضل ہے۔ اس سوال کے شارحین نے متعدد جواب دیئے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں سوال اذان یا نماز کی فضیلت کا نہیں یعنی اذان سے شیطان کے بھاگنے کی علت اذان کی افضلیت نہیں ہے بلکہ شیطان کا اذان سے بھاگنا اذان کے خصائص سے ہے اور خصائص جیسے ایک افضل چیز کے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی اس سے کم فضل رکھنے والی چیز کے بھی ہو سکتے ہیں۔ ۳۔ حتیٰ اذا ثوب یہاں تثویب کے معنی اقامت کے ہیں۔ ویسے اصل لغت میں تثویب کے معنی دشمن کے خوف کے وقت اپنے ساتھی کو کپڑا ہلا کر متوجہ کرنے کے ہیں۔ یعنی کسی شے کا اعلان یا کسی بات کے واقع ہونے سے ڈرانا۔ پھر تثویب بلند آواز سے اعلان کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ خواہ وہ اعلان کسی بھی نوع کا ہو۔ یظل یہاں بمعنی یصیر ہے جیسے کتاب مجید میں آیا (ظل وجہہ) اور روایت اصیلی میں یضل بالضاد المکسورہ ہے ای ینسی ویذھب وھمہ ویسھو کتاب مجید میں آیا (ان تضل احداھما) ابن قرقول نے کہا یضل ضلال سے اس کے معنی حیرت کے ہیں (عینی ج ۲ ص ۲۶۹) ۴۔ اس حدیث سے اذان مؤذن کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور دیگر احادیث میں اذان و مؤذن کے کثیر فضائل بیان ہوئے ہیں جن میں سے چند حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے

اذان و مؤذن کے فضائل ۱۔ مؤذنوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے زیادہ دراز ہوں گی۔ مسلم و احمد و ابن ماجہ، علامہ عبدالرؤف مناوی نے تیسیر میں لکھا کہ یہ حدیث متواتر ہے اور معنی حدیث یہ ہیں کہ مؤذن رحمت الٰہی کے بہت امیدوار ہوں گے کیونکہ جس کو جس چیز کی امید ہوتی ہے اس کی طرف گردن دراز کرتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ ان کے ثواب بہت ہیں یا یہ کہ وہ قیامت کے دن شرمندہ نہ ہوں گے کیونکہ جو شرمندہ ہوتا ہے اس کی گردن جھک جاتی ہے ۲۔ مؤذن کی جہاں تک آواز پہنچتی ہے اس کے لیے مغفرت کر دی جاتی ہے اور ہر تر و خشک جس نے اس کی آواز سنی اس کی تصدیق کرتا ہے یا گواہی دیتا ہے ۳۔ اذان دینے والا جو محض ثواب

کے لیے اذان دیتا ہے اس شہید کی طرح ہے جو خون میں آلودہ ہے۔ قبر میں اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑیں گے۔ (طبرانی) ۴۔ اذان دافع عذاب بلا ہے (طبرانی) ۵۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ اذان کہنے میں کتنا ثواب ہے تو اس پر باہم تلوار چلتی (احمد) ۶۔ جس نے بارہ برس اذان دی جنت اس کے لیے واجب ہو گئی اور اذان کے بدلے ساٹھ نیکیاں اور اقامت کے بدلے تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (ابن ماجہ وحاکم) ۷۔ جو سال بھر اذان کہے اور اُجرت طلب نہ کرے وہ قیامت کے دن جنت کے دروازے پر کھڑا کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا جس کے لیے تو چاہے شفاعت کر (ابن عساکر) ۸۔ اذان کے وقت دعا بہت کم رد ہوتی ہے (ابوالشیخ عن انس) اس طرح بہت فضیلتیں احادیث میں ان مؤذنوں کے لیے وارد ہوئی ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے لیے اذان دیتے ہیں اور اُجرت طلب نہیں کرتے۔ عجیب زمانہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں لوگ اذان کہتے نہیں اور جو خلوص دل کے ساتھ اذان دے بھی تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور ملاں پھبتی کستے ہیں اور یہ سب کچھ دین سے بے رغبتی و بے تعلقی کی وجہ سے ہے۔

سمجھے گا اقبال کون ان کو یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالنِّدَآءِ

باب، اذان بلند آواز سے کہنا

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَذِّنْ اَذَانًا سَمْحًا وَّاِلَّا فَاعْتَزِلْنَا۔

اور عمر بن عبد العزیز نے ایک مؤذن سے فرمایا۔ اگر اذان دینی ہے تو صحیح طرح دو۔ ورنہ نہ دو۔

سمحا کے معنی آسان کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ خوش آوازی کے ساتھ اذان دی جائے ۲۔ اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے موصول روایت کیا کہ ایک مؤذن نے اذان میں لحن کیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا۔ سادی طرح بلند آواز سے اذان دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلمات اذان کو قواعد موسیقی پر گانا ناجائز ہے اور اذان خوش آوازی سے دینا مطلوب ہے۔

اَنَّ اَبَا سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيَّ قَالَ لَهٗ اِنِّيْ اَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ فَاِذَا كُنْتَ فِيْ غَنَمِكَ اَوْ بَادِيَتِكَ فَاَذَّنْتَ لِلصَّلٰوةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَآءِ فَاِنَّهٗ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّ لَا شَيْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابو سعید خدری نے ان سے کہا۔ تم جنگل کی بود و باش اور بکریاں چرانے کو پسند کرتے ہو۔ لہذا جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں نماز پڑھو تو بلند آواز سے اذان دو۔ کیونکہ جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے۔ جن یا آدمی یا کوئی اور اذان کی آواز سنتا ہے وہ قیامت کے دن اس کیلئے گواہی دے گا۔ ابو سعید نے کہا یہ بات میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے ذکر الجن اور توحید میں۔ نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے بلند آواز سے کہی جائے کہ پڑوس والوں کو خوب سنائی دے ۲۔ فتنہ و فساد کے زمانہ میں تنہائی اختیار کرنا جائز ہے ۳۔ اکیلا آدمی اگر میں ہو تو بھی اذان کہہ کر اسے نماز پڑھنا مستحب ہے کیونکہ اگرچہ جنگل میں آدمی اذان نہیں سنیں گے۔ مگر حیوانات اور جمادات گواہ ہو جائیں گے جنات بنی آدم کی آواز کو سنتے ہیں ۴ یہ کہ بعض مخلوقات بعض پر گواہ ہوں گی ۵۔ جنگل میں بھی بلند آواز سے اذان دینی چاہیے اگرچہ کسی اور نمازی کے آنے کی

بَابُ مَا يُحْقَنُ بِالْاَذَانِ مِنَ الدِّمَآءِ

باب، اذان کی وجہ سے خون ریزی سے رک جانا

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ اِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يُغِيْرُ بِنَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ وَاِنْ لَمْ يَسْمَعْ اَذَانًا اَغَارَ عَلَيْهِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا اِلٰى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ لَيْلًا فَلَمَّا اَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ اَذَانًا رَكِبَ وَرَكِبْتُ خَلْفَ اَبِيْ طَلْحَةَ وَاِنَّ قَدَمِيْ لَتَمَسُّ قَدَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخَرَجُوْا اِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَمَسَاحِيْهِمْ فَلَمَّا رَاَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا مُحَمَّدٌ وَاللهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيْسُ قَالَ فَلَمَّا رَاٰهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللهُ اَكْبَرُ اَللهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔ (بخاری)

حضرت انس نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب ہمارے ساتھ کسی قوم پر جہاد کرتے تو صبح ہونے تک اس گاؤں پر حملہ کی اجازت نہ دیتے اور آپ اگر اس گاؤں میں اذان کی آواز سنتے تو حملہ سے رک جاتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو ان پر حملہ کرتے۔ انس نے کہا ہم خیبر کی طرف جہاد کے لیے روانہ ہوئے اور رات کو وہاں پہنچے۔ جب صبح ہوئی اور اذان کی آواز سنائی نہ دی تو سوار ہوئے اور میں ابوطلحہ کے پیچھے سوار ہوا۔ میرا پاؤں چلتے ہوئے حضورؐ کے قدم مبارک سے چھو جاتا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ خیبر والے یہودی اپنی ٹوکری اور کدالیں لے کر نکلے۔ جب انھوں نے حضورؐ کو دیکھا تو کہا۔ بخدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنی فوج کے ساتھ آپہنچے۔ جب حضورؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر خراب و ویران ہوا۔ بےشک جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں جو لوگ ڈرائے گئے (کفار) ان کی صبح بری ہوتی ہے۔

فوائد و مسائل یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ اذان دینِ اسلام کا شعار ہے اور اس کا ترک جائز نہیں ۲۔ جس قوم کو اسلام کی دعوت پہنچ جاتی تھی۔ اس پر حملہ کے وقت حضور علیہ السلام یہ دیکھا کرتے تھے کہ اس قوم میں اذان ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر اذان سنائی دیتی تو اس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ بصورتِ دیگر ان سے جنگ کی جاتی تھی ۳۔ دشمن سے سامنا ہو تو اس وقت تکبیر کہنا مستحب ہے ۴۔ قرآن پاک کی آیات سے استشہاد کرنا مستحب ہے حضورؐ کے مذکورہ بالا کلمے سورہ صافات کی آیت فاذا نزل بساحتهم فساء صباح المنذرين سے ماخوذ ہیں۔

بَابٌ ؛ مَا يَقُوْلُ اِذَا سَمِعَ الْمُنَادِيْ

باب ؛ جب اذان سنے تو کیا کہے؟

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ۔

۱۔ حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم اذان سنو تو جس طرح مؤذن کہے تم بھی وہی کہو۔

۲۔ عیسٰے ابن طلحہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت معاویہ کو دیکھا وہ مؤذن کی طرح کہہ رہے تھے۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ تک۔

قَالَ يَحْيٰى وَحَدَّثَنِيْ بَعْضُ اِخْوَانِنَا اَنَّهُ قَالَ لَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔ وَقَالَ هٰكَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

۳۔ یحیٰے نے کہا مجھ سے میرے بعض احباب نے کہا کہ جب مؤذن نے حي على الصلوٰة کہا تو حضرت معاویہ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا۔ اور امیر معاویہ نے کہا میں نے تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا۔

جوابِ اذان کے فضائل و مسائل اس سلسلہ کی چند حدیثوں کے خلاصے یہ ہیں ۱۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جب اذان سنو تو

اللہ کے داعی کا جواب دو (طبرانی) ۲۔ جب مؤذن اذان کہے تو سُنو اور جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو (ابن ماجہ) ۳۔ مومن کو بدبختی و نامرادی کے لیے
مؤذن کو تکبیر کہتے سُنے اور جواب نہ دے ۴۔ حضور علیہ السلام نے مستورات سے فرمایا۔ جب تم بلال کو اذان و اقامت کہتے سنو تو جس طرح
تم بھی کہو۔ اللہ تعالےٰ تمہارے ہر کلمے کے بدلے ایک لاکھ نیکی لکھے گا اور ہزار درجے بلند فرمائے گا۔ اور ہزار گناہ محو کرے گا۔ اور مردوں
دوگنا ثواب ہے (ابن عساکر) ۵۔ اذان کا جواب دینے والے کی مغفرت ہوگی۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم و ابو الشیخ) ان احادیث
واضح ہوا کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے۔ مؤذن جو کلمہ کہے تو اس کے بعد سُننے والا بھی وہی کلمہ کہے مگر حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ
الفلاح کے جواب میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے ۲۔ جنبی بھی اذان کا جواب دے مگر حیض و نفاس والی عورت اور خطبہ سُنے
اور نماز جنازہ پڑھنے والے اور جماع میں مشغول یا قضاء حاجت میں ہوں ان پر جواب واجب نہیں ۳۔ جب اذان ہو تو اتنی دیر کے
کلام اور جواب سلام تمام اشغال موقوف کر دے اور بغور اذان سُنے اور جواب دے یونہی اقامت میں بھی ۴۔ راستہ میں اذان
آئے تو رک جائے اور کھڑا ہو کر اذان سُنے اور جواب دے ۵۔ چند اذانیں سُنے تو پہلی ہی کا جواب دے۔ مگر بہتر ہے کہ سب کا
۶۔ خطبہ کی اذان کا جواب زبان سے دینا مقتدیوں کو جائز نہیں ۷۔ جب اذان ختم ہو جائے تو مؤذن اور سامعین درود شریف پڑھیں
کے بعد دعا اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ پڑھیں۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہدایت موجود ہے ۸۔ جب مؤذن اشہد ان
الرسول اللہ کہے تو سُننے والا درود شریف پڑھے اور انگوٹھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں کو لگائے اور کہے۔ قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ۔ بعض لوگ انگوٹھے چومنے کو بلا دلیل شرک و بدعت قرار دیتے ہیں لیکن آپ یہ سوچئے کہ کیا حضور سرور
علیہ وسلم کے نام اقدس کی تعظیم کے لیے چومنا شرک یا بدعت ہو سکتا ہے؟

فائدہ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے کیونکہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام
جب یہ سُنا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ تو فرمایا علی الفطرۃ جب مؤذن نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا تو فرمایا خرجت من
النار دیکھیے۔ حضور نے مؤذن کے جواب میں وہ کلمے نہیں کہے جو مؤذن نے کہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جواب میں وہی کلمے کہنا
نہیں ہیں جو مؤذن کہتا ہے بلکہ مستحب ہیں۔ اس کے جواب میں علامہ عینی نے فرمایا۔ جواب اذان کے متعلق حضور علیہ السلام کا امر موجود
ہے اور یہ وجوب کی دلیل ہے۔ ثانیاً ایک حدیث میں فرمایا۔

مِنَ الْجَفَاءِ اَنْ تَسْمَعَ الْمُؤَذِّنَ ثُمَّ لَا يَقُوْلُ
مِثْلَ مَا يَقُوْلُ (ابن ابی شیبہ)

یہ بھی ظلم ہے کہ تو اذان سُنے اور جو مؤذن کہتا ہے تو
کہے۔

ظاہر ہے وعید ترک واجب پر ہوتی ہے اور مستحب کے تارک کو ظالم نہیں کہہ سکتے۔ عینی ج ۲ صـ ۶۳۶

فائدہ اقامت کا جواب دینا مستحب ہے۔ اس کا جواب بھی اسی طرح ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قد قامت
الصلوٰۃ کے جواب میں اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ کہے۔

بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ النِّدَاءِ

باب، اذان کے بعد کی دعاء

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ

جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام
فرمایا۔ جو شخص اذان کے بعد یہ دعا پڑھے

اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ الْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

اس دعا، تمام اور نماز برپا ہونے کے مالک تو ہمارے سردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ عطا کر اور ان کو مقام محمود میں کھڑا کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ تو قیامت کے دن میری شفاعت کا وہ مستحق ہو جائے گا۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے تفسیر میں ابو داؤد، نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۲۔ اَللّٰهُمَّ یعنی یا اللہ میم یعنی کے عوض میں ہے۔ ربّ منصوب علی النداء ہے اور اس کو ضمیر مبتداء محذوف کی خبر مانا جائے تو پھر رب پر رفع پڑھیں گے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ ربُّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ۔ دعوة۔ د کے زبر کے ساتھ طعام کے لیے ہے دعوة بالکسر نسب کے معنی میں آتا ہے۔ دعوة بالضم حرب کے معنی میں آتا ہے اور یہاں مراد الفاظ اذان ہیں۔ جن کے ذریعہ آدمی اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہے۔ تامہ۔ یہ دعوت کی صفت ہے اور تامہ کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تغیر و تبدل نہیں قیامت تک باقی رہے گی۔ وسیلہ یہ جنت میں ایک خاص مقام ہے جو حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ بخاری کی روایت ہے (فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ) ۳۔ حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب مؤذن اذان دے تو جو وہ کہے تم بھی وہی کہو۔

ثم صلوا علیّ فانہ من صلی صلاة صلی الله علیه بها عشرا ثم سلوا الله لی الوسیلة فانها منزلة فی الجنة لا ینبغی لاحد الا لعبد من عباد الله وارجوا ان اکون انا هو فمن سأل الله لی الوسیلة حلت له الشفاعة۔ (مسلم)

پھر مجھ پر درود پڑھو اور جو مجھ پر درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالے اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ تعالے سے میرے لیے وسیلہ طلب کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے۔ یہ مقام اللہ کے خاص بندے کو حاصل ہوگا اور مجھے امید ہے کہ اس مقام پر میں فائز ہونگا۔ تو جس نے اللہ سے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی۔ میری شفاعت اس کے لیے حلال ہوگئی۔ مسلم، ابوداؤد و نسائی

مقام محمود

وہ جگہ ہے جس پر جلوہ گر ہو کر حضورؐ شفاعت فرمائیں گے۔ تمام اولین و آخرین تلاش شفیع میں سرگرداں ہوں گے۔ جلیل القدر انبیاء کرام نفسی اذھبوا الی غیری فرمائیں گے۔ مگر صرف اور صرف حضورؐ کی زبان پر انا لها ہوگا۔ حضورؐ کی اس عظمت و رفعت بزرگی و شان کو دیکھ کر اولین و آخرین حضورؐ کی تعریف کریں گے۔ اسی لیے اس کو مقام محمود کہتے ہیں۔ حدیث ابوہریرہؓ میں حضورؐ نے فرمایا۔

هو المقام الذی اشفع فیه لامتی۔ عینی ج ۲ صـ ۱۲۱

یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

ابن جوزی نے کہا۔ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے۔ بعض نے کہا عرش پر یا کرسی پر حضور علیہ السلام کا کھڑا ہونا مراد ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما سے روایت ہے کہ مقام محمود وہ مقام ہے کہ اولین و آخرین اس وقت حضورؐ کی تعریف کریں گے اور کل عالم پر حضورؐ کے فضل و شرف کا اظہار ہوگا۔

سال فتعطی تشفع فتشفع لیس احدٌ الا تحت لوائک۔ عینی ج ۲ صـ ۱۲۱

مانگئے آپ دیئے جائیں گے۔ سفارش کیجئے وہ قبول کی جائے گی۔ (اس وقت) سبھی آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

وہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ مقام محمود تو حضور علیہ السلام کو حاصل ہے اور اللہ تعالٰی نے وعدہ بھی فرمالیا ہے۔ پھر اسکے لیے دعا کرنیکا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کسی حاصل شدہ نعمت کے لیے دعا کرنا یا کرانا یہ ہی شان عبدیت ہے اور بعض اوقات حاصل شدہ نعمت کے دوام و بقا کے لیے بھی دعا کرتے ہیں۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کسی دوسرے سے دعا کرانا اور اسکی تمنا

پی ضروریات میں استعانت کرنا (خصوصاً صالحین امت سے دعا کرانا) جائز ہے۔ عینی ج ۲ صفحہ ۹۲ (۴) والفضیلة۔ بعض
وسیلہ کی تفسیر ہے لیکن فضیلة میں ابہام کہاں ہے؟ (۵) "حلت له" مطلب یہ ہے کہ جس کے لیے حضورؐ کی شفاعت حلال ہو گئی
کا مستحق ہو گیا اور یہاں حلال حرام کے مقابل نہیں ہے کیونکہ شفاعت اس سے قبل حرام نہ تھی (۶) اگر یہ کہا جائے کہ شفاعت تو گنہ
اور ان کے بعد جو مسلمان مذکورہ فی الحدیث دعا کرتے ہیں۔ وہ سب کے سب گنہگار نہیں ہوں گے۔ جواب یہ ہے کہ حضور سید عالم
کی شفاعت متعدد قسم کی ہوگی۔ گناہوں کی بخشش کے لیے شفاعت اور جنت میں بغیر حساب داخل کرانے کی شفاعت جو صالحین امت
کریں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔ وہ حضورؐ کی شفاعت سے بلا حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے اور راقم الحروف جیسے گنہگا
گناہوں کی معافی بھی حضورؐ ہی کی شفاعت سے ہوگی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

بَابُ الْاِسْتِهَامِ فِى الْاَذَانِ

باب اذان دینے میں جھگڑا ہو تو قرعہ ڈالنا

وَيُذْكَرُ اَنَّ قَوْمًا اخْتَلَفُوْا فِى الْاَذَانِ فَاَقْرَعَ بَيْنَهُمْ سَعْدٌ۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِى النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِى التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِى الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (بخاری)

(۱) اور ذکر کیا گیا کہ کچھ لوگوں میں اذان کے متعلق جھگ
حضرت سعد نے ان میں قرعہ ڈالا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلا
کہ اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کے ثواب کا علم ہو جا
قرعہ اندازی کے سوا چارہ نہ پائیں تو دونوں میں قرعہ ڈال
ظہر کا ثواب معلوم ہو جائے تو اس کی طرف دوڑ
اگر فجر و عشاء کے اجر کا علم ہو جائے تو نخبہ و عشا
گھسٹتے ہوئے آئیں۔

فوائد و مسائل

تعلیق اول کو سعید بن منصور، بیہقی و طبری نے عبداللہ بن شبرمہ سے وصل کیا انھوں نے کہا قادسیہ
اذان کے معاملہ پر جھگڑا ہوا کہ مؤذن کون مقرر ہو تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے قرعہ کے ذریعہ فیصلہ فرمایا۔
بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو قادسیہ کا گورنر مقرر فرما دیا تھا۔ قادسیہ ایک موضع ہے۔ کوفہ
حجاج کی منزل بھی ہے۔ زمانہ فاروقی میں وہاں اہل فارس سے جنگ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے امیر لشکر حضرت سعد تھے۔ بعض
کو قادسیہ اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا آپ نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا اور اس
اس نے کہا قدست من الارض اس لیے اس جگہ کا نام قادسیہ ہوا۔ استہام کے معنی قرعہ اندازی کے ہیں۔ علامہ خطابی
ڈالنے کو استہام اس لیے کہتے ہیں کہ عرب تیروں پر اپنے نام لکھ کر قرعہ ڈالا کرتے تھے۔ اس حدیث سے اذان دینے کی فضیلت
صف اول کی اور فجر کی نماز با جماعت پڑھنے کی فضیلت بھی واضح ہوئی اور یہ کہ اگر اذان دینے میں جھگڑا ہو تو پھر قرعہ اندازی سے
فیصلہ کر لیا جائے۔ مگر یہ اس صورت میں جب کہ تمام امیدوار سنی العقیدہ ہوں اور اگر ایک صحیح العقیدہ ہو اور دوسرا گمراہ
دونوں کے درمیان اذان و امامت یا اسی نوع کے کسی منصب پر جھگڑا ہو تو اس صورت میں بہر حال صحیح العقیدہ ہی کو ترجیح د

بَابُ الْكَلَامِ فِى الْاَذَانِ

باب، اذان کہتے ہوئے بات کرنا

لَّمَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ فِي أَذَانِهِ. وَقَالَ
سَنُ لَا بَأْسَ أَنْ يَّضْحَكَ وَهُوَ يُؤَذِّنُ
يمُ.
عَبْدُ اللهِ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ
وْمٍ رَدْغٍ فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ
أَنْ يُّنَادِيَ الصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ فَنَظَرَ
بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَقَالَ فَعَلَ هٰذَا
وَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ" (بخاری)

۱۔ سلیمان بن صرد نے اذان دیتے ہوئے بات کی۔

۲۔ اور حسن بصری نے فرمایا اگر مؤذن اذان دیتے ہوئے ہنسا تو کوئی حرج نہیں۔

۳۔ عبداللہ بن حارث نے کہا کہ جناب ابن عباس نے کیچڑ والے دن ہمیں جمعہ کا خطبہ دیا تو جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ الصلوٰۃ فی الرحال کہو۔ اس پر لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا جو سب سے بہتر تھے وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے اور جمعہ کی نماز واجب ہے۔

و مسائل

سلیمان بن صرد ابی الجون خزاعی صحابی ہیں۔ جاہلیت میں ان کا نام (یسار) تھا۔ حضورؐ نے سلیمان رکھا۔ ان کی کنیت ابوالمطرف ہے۔ یہ بڑے عابد و زاہد صحابی ہیں۔ کوفہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ ابن سعد نے کہا۔ جزیرہ عین وردہ میں ربیع الآخر ۶۵ھ
ہوئے۔ یہ اس لشکر کے امیر تھے جو خونِ حسینؓ بن علیؓ کا مطالبہ کر رہا تھا۔ ۲۔ اس تعلیق کو خود امام بخاری نے تاریخ میں اور امام بخاری کے
نے کتاب الصلوٰۃ میں اور ابن شیبہ نے بسند صحیح وصل کیا کہ سلیمان لشکر میں اذان دے رہے تھے۔ آپ نے دورانِ اذان اپنے غلام
حکم دیا تھا ۳۔ اور اثر حسن بصری عنوان کے مناسب نہیں۔ کیونکہ ہنسنا کلام نہیں۔ بلکہ آواز محض ہے ۴۔ علامہ داؤدی نے کہا کہ
ن عباس بھی عنوان کے مطابق نہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباس کا مقولہ اس موقع پر مشروع ہے۔ دورانِ اذان میں کلام کرنے
میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن المنذر نے عروہ، عطاء، حسن بصری اور قتادہ سے مطلقاً جواز نقل کیا ہے اور نخعی اور ابن سیرین و اوزاعی
ے قائل ہیں اور امام ثوری عدم جواز کے قائل ہیں اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین خلاف اولیٰ کا قول کرتے ہیں اور دورانِ اذان
بات کر لی تو اذان فاسد نہ ہوگی۔ دوبارہ کہنے کی حاجت نہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے کتاب الآثار میں فرمایا:۔ وان فعل لم
ذٰلك في اذانه وهو قول ابي حنيفة رحمة الله تعالىٰ عليهم اجمعين كذا في السعايه۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے یہ نتیجہ نکالنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دورانِ اذان بلاضرورت ہنسنا اور بات کرنا شارع علیہ السلام
ہے بلکہ مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ اگر مؤذن کسی وجہ سے ہنس پڑا یا بضرورت دورانِ اذان گفتگو کر لی تو حرج نہیں۔ لیکن اس کو عادت
بلاضرورت دورانِ اذان ہنسنا و بولنا بہرحال محمود و مطلوب نہیں ہے۔

بَابُ أَذَانِ الْأَعْمٰى إِذَا كَانَ لَهُ مَنْ يُّخْبِرُهُ

باب: نابینا اذان دے سکتا ہے جبکہ اسے کوئی وقت بتانے والا ہو

بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ
سَلَّمَ قَالَ إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا
ادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ وَكَانَ رَجُلًا أَعْمٰى
حَتّٰى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ۔

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلال رات باقی ہوتے ہوئے اذان دیتے ہیں اس لئے تم کھاتے پیتے رہو سحری حتیٰ کہ عبداللہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ ابن عمر نے فرمایا کہ عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا تھے اور وہ اذان اس وقت دیتے تھے جبکہ لوگ کہتے تھے صبح ہو گئی، صبح ہو گئی۔

دیث

۱۔ نابینا کی اذان درست ہے جبکہ وہ خود یا کسی کے بتانے پر ٹھیک وقت پر اذان دے سکے اور حضرت ابن مسعود و ابن زبیر سے جو کراہت منقول ہے یا محیط سرخسی میں نابینا کی اذان کو مکروہ لکھا ہے۔ یہ کراہت اسی صورت میں

ہے۔ جب کہ نابینا ٹھیک وقت پر اذان نہ دے سکے ۲۔ سحری میں تاخیر مستحب ہے ۳۔ خبر واحد پر عمل جائز ہے ۴۔ کسی شخ
اس کی والدہ کی طرف کی جاسکتی ہے۔ جب کہ وہ اسی نسبت سے مشہور ہو ۵۔ عورت کو کنیت رکھنا جائز ہے۔

حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم قرشی عامری قدیم الاسلام ہیں۔ آپ کے والد کا نام قیس بن زائدہ ہے اور ماں کا نام عا
مخزومیہ، ان کی کنیت ام مکتوم تھی۔ مکتوم نابینا کو کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن ام
صحابی اور مقرب بارگاہ نبوت تھے۔ اپنی عدم موجودگی میں حضورؐ مدینہ میں اپنا نائب بنا دیا کرتے تھے۔ سورہ عبس
انھیں کے متعلق ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ بَعْدَ الْفَجْرِ

باب، طلوع فجر کے بعد اذان دینا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخْبَرَتْنِیْ حَفْصَةُ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا
اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا الصُّبْحُ صَلّٰی
رَكْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ تُقَامَ الصَّلٰوةُ۔ عَنْ
عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ رَكْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ بَیْنَ النِّدَآءِ وَ
الْاِقَامَةِ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلَالًا
یُنَادِیْ بِلَیْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُنَادِیَ
ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ۔ (بخاری)

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ا
حفصہؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وس
اذان دے کر بیٹھ جاتا اور صبح ظاہر ہو جاتی۔
سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔ حضرت عا
عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کے درمیان دو ہلکی سی رکعتیں پڑھا کرتے
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
کہ بلال باقی رات ہوتے ہوئے اذا
کھاتے پیتے رہو۔ یہاں تک کہ عبد اللہ
اذان دیں۔

فوائد ومسائل حدیث اول کو امام نے مسلم، نسائی و ابن ماجہ نے صلوۃ میں اور ترمذی نے صلوۃ اور شمائل میں
سے معلوم ہوا کہ فجر کی دو سنتیں ہیں جو نماز فجر سے پہلے پڑھی جائیں اور یہ سنت مؤکدہ ہیں اور نما
فجر کے بعد ہے۔ طلوع فجر سے پہلے فجر کی نماز پڑھی، نہ ہوگی۔ اسی طرح فجر کی اذان طلوع فجر کے بعد دی جانی چاہیے
دی گئی تو دوبارہ وقت ہونے پر دینا ضروری ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ

باب، طلوع فجر سے قبل اذان دینا

اس عنوان سے امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلوع فجر سے قبل اگر اذان دی گئی تو اعادہ و
فجر کی اذان طلوع فجر کے بعد دی جانی چاہیے۔ زیر عنوان حدیثوں سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ لَا یَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَوْ اَحَدًا مِنْكُمْ اَذَانُ
بِلَالٍ مِنْ سَحُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ یُؤَذِّنُ اَوْ یُنَادِیْ بِلَیْلٍ لِیَرْجِعَ

عبد اللہ بن مسعود نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روا
نے فرمایا تم کو بلال کی اذان سحری کھانے سے
وہ رات باقی ہوتے ہوئے اذان دیتے ہیں تاکہ

وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ وَلَيْسَ اَنْ يَّقُوْلَ الْفَجْرُ
حُ وَقَالَ بِاَصَابِعِهٖ رَفَعَهَا اِلٰى فَوْقُ
لٰى اَسْفَلَ حَتّٰى يَقُوْلَ هٰكَذَا وَقَالَ
بِسَبَّابَتَيْهِ اِحْدٰهُمَا فَوْقَ
ى ثُمَّ مَدَّهُمَا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ
شَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَ اِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا
وْا حَتّٰى يُؤَذِّنَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ (بخاری)

والا لوٹ جائے اور سونے والا جاگ جائے اور فجر و صبح اس طرح نہیں ہوتی۔ آپ نے اپنی انگلیوں کو اٹھا کر پھر نیچے کی طرف جھکا کر بتلایا۔ جب تک اس طرح سے ظاہر نہ ہو۔ اور زہیر نے اس کو یوں بیان کیا کہ شہادت کی انگلیوں کو اوپر نیچے رکھا۔ پھر ان کو دائیں بائیں کھینچ دیا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلال رات باقی ہوتے ہوتے اذان دے دیتے ہیں۔ تم کھاتے پیتے رہو حتے کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔

یثوں سے واضح ہوا کہ حضرت بلال طلوع فجر سے قبل جو اذان دیتے تھے وہ اس لیے تھی کہ جو نماز میں مصروف ہو وہ ۔ تھوڑی دیر آرام کر لے اور جو سو رہا ہے وہ جاگ جائے ۲۔ فجر کی اذان طلوع فجر کے بعد ہی دی جائے اگر پہلے دی اعادہ کیا جائے ۳۔ اذانِ بلال فجر کی اذان نہ تھی۔ ۴۔ صبح صادق مستطیر ہوتی ہے اور صبح کاذب مستطیل ہوتی ہے اس ت شروع نہیں ہوتا۔ حدیث ہذا میں انگلیوں کے اشارہ سے حضورؐ نے صبح صادق وکاذب کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

الفجر کی بحث

احادیث زیر بحث سے حضرت اوزاعی و عبداللہ بن المبارک امام مالک و شافعی واحمد و اسحٰق و داؤد و ابن جریر طبری نے یہ دلیل لی کہ فجر کے لیے اس کے وقت سے پہلے اذان دے دینا جائز ہے۔ لیکن ابن ور محدثین کا ایک طائفہ یہ کہتے ہیں کہ اگر قبل الفجر اذان دی گئی تو وقت پر دوسری اذان دینا ضروری ہے۔ تفصیل کے لیے ج ۲ صفحہ ۹۹ ملاحظہ کیجئے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و امام ثوری و امام محمد و امام زفر قبل فجر اذان کو جائز نہیں مانتے اور بلال کی لوذکر قرار دیتے ہیں اور دوسری اذان وقت پر دینے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ احناف کے دلائل یہ ہیں ۱۔ حضرت قاسم ابی بکرؓ کے پوتے ہیں اور مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ اور ابن ام مکتوم کی اذانوں میں اتنا نارہ پر چڑھے اور وہ اترے ولم یکن بینھما الا ان ینزل ھذا ویصعد ھذا۔

۲ صدا فتح الباری ج ۲ صـ۸۵ طحاوی ج ۱ صـ۶۵ عینی ج ۲ صـ۱۹۵ اور طحاوی میں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے مروی ہے سلام کے دو مؤذن حضرت بلالؓ اور ابن ام مکتوم تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بلال رات میں اذان دیتے ہیں۔ کھاؤ پیو کتوم اذان دیں۔

كُنْ بَيْنَهُمَا اِلَّا اَنْ يَّنْزِلَ
ذَا (مسلم عن ابن عمر و عائشہ ج ۱ صـ۳۵۰)

فرمایا کہ ان دونوں کی اذانوں میں اتنا وقفہ ہوتا کہ یہ منارہ سے اترے اور وہ چڑھے۔

ن اذانوں کے قرب سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم دونوں وقت پر اذان دینے کا قصد کرتے تھے۔ مگر کر دیتے اور ابن ام مکتوم صحیح وقت پر اذان دیتے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر کے لیے قبل فجر اذان دینا مشروع

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلال نے قبل الفجر اذان دے دی تو حضور علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ منارہ کر یہ اعلان کریں کہ عبد (بلال) سو گیا تھا اور غافل ہو گیا۔ حضرت بلال نے یہ اعلان کر دیا اور کہنے لگے۔

لیت بلالا لم تلدہ امہ ثم اذن حین اضاء الفجر (دارقطنی مرفوعا عن انس و مرسلا عن قتادہ)	کاش بلال کو اس کی ماں نہ جنتی۔ پھر حضرت بلالؓ نے صادق ہونے پر دوبارہ اذان دی۔

اسی طرح طحاوی ج ۱ صفحہ ۸۵، مستدرک، بیہقی ج ۱ صفحہ ۳۸۳ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نے فجر سے اذان دے دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ما حملك على ذالك قال استيقظت وانا فی نوم فظننت ان الفجر طلع فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینادی بالمدینۃ ثلاثا ان العبد قد نام ثم اقعدہ الی جنبہ حتی طلع الفجر۔ (ابوداؤد عن ابن عمر)	بلال تمہیں اس فعل پر کس نے ابھارا۔ عرض کی حضو مگر نیند میں تھا گمان کیا کہ صبح صادق ہوگئی۔ حضورؐ نے مدینہ میں تین بار اعلان کرو کہ بندہ سویا ہوا تھا۔ ا حالت میں تھا۔ پھر حضورؐ نے بلال کو اپنے پہلو میں بٹ یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی۔

ان احادیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اذان قبل الفجر مشروع نہیں ہے اور اگر غلطی سے دی گئی تو وقت ہونے پ جانی چاہیے۔ مزید تفصیل کے لیے طحاوی، عینی، فتح الباری، نیل الاوطار کا مطالعہ کیجیے۔

فائدہ ہمارے زمانے کے غیر مقلد وہابی حضرات نے بخاری کی زیر بحث احادیث سے یہ اذان کا استدلال کیا۔ بلکہ اس پر کر دیا ہے کہ حضرت بلال کو حضورؐ نے سحری کے وقت روزہ داروں کو جگانے کے لیے اذان دینے پر مقرر کیا تھا۔ لہ کے لیے یہ اذان سنت ہے اور اس کو پھر جاری کرنا چاہیے لیکن اس سلسلہ کی جس قدر روایتیں ہیں۔ ان میں کسی روایت مذکورہ بالا مطلب ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ شارحین کرام میں سے کسی نے یہ استدلال کیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی حدیثوں ائمہ کرام نے یہ استدلال تو کیا کہ اذان قبل الفجر جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو پہلی کافی ہے یا دوبارہ ضروری ہے مگر کسی شا نے یہ استدلال کیا ہی نہیں کہ حضرت بلال کی اذان سحری کو جگانے کے لیے ہوا کرتی تھی؛ چنانچہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے تصریح کی اگر نیند کے بعد آتی ہے اس لیے مناسب ہوا کہ ایک شخص مقرر کر دیا جائے جو فجر کا وقت آنے سے پہلے لوگوں کو جگایا کرے۔ نماز فجر کے لیے تیاری کر لیں اور اول وقت کی فضیلت حاصل کریں۔ فتح الباری ج ۲ صفحہ ۸۳

علامہ ابن حجر کی اس تصریح سے ثابت ہوا کہ حضرت بلالؓ کی اذان کا مقصد نماز فجر کے لیے اٹھانا تھا۔ سحری کے لیے جگ یہ اعمال ضمنی طور پر ادا کیے جا سکتے تھے یعنی حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد چونکہ رات کا کچھ وقت باقی رہتا تھا۔ اس لیے اگر کسی یا وتر رہ گئے ہوں تو پڑھ سکتا تھا۔ اسی طرح اگر روزہ رکھنا ہو تو سحری کھا سکتا تھا۔ یا اگر رمضان کا مہینہ آگیا ہے اور سحری نہیں ک کھا سکتا ہے اسی لیے حضورؐ نے فرمایا کہ بلال کی اذان تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ کھاؤ پیو ابھی وقت باقی ہے۔ غرضیکہ سحری کھا وغیرہ تو ضمنی باتیں ہیں۔ اذان کی غرض و غایت ان امور کی ادائیگی کے لیے نہ تھی۔ چنانچہ تمام شارحین حدیث نے یہ مانا ہے ماہ رمضان سے خاص نہ تھی۔ خود حضور علیہ السلام نے اس اذان کی غرض و غایت جو بیان فرمائی وہ یہ ہے۔ لیرجع قائمکم ولینبہ نائمکم۔ کہ یہ اذان اس لیے ہے کہ تمہارا تہجد گزار اپنی نماز تہجد سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کر لے اور وہ جاگ جائے۔ جس سے واضح ہوا کہ یہ اذان سحری کے لیے جگانے کو نہ تھی بلکہ نماز فجر کے لیے اٹھانے اور اس کی تیا لیے تھی۔ چنانچہ شارحین نے لکھا معناہ یرد القائم ای المتہجد الی راحتہ لیقوم الی صلوٰۃ الص

بالغسل والوضوء علامہ

اد الصوم نیل الاوطار ج ۲ ص۲۹ نووی ج ۱ ص۳۵۰ عینی ج ۲ ص۱۹۵ فتح الباری ج ۲ ص۳۴۳ ان کا مطلب یہ ہے۔ یہ اذان اس لیے تہجد پڑھنے والا نماز پوری کرکے ذرا آرام کرے تاکہ صبح کی نماز کے لیے خوش و خرم اٹھے اور اگر روزہ کی حاجت ہو یا روزہ کا ارادہ ہو تو ں کھا لے اور جو سو رہا ہو وہ جاگ جائے۔ تاکہ نماز فجر کے لیے غسل و وضو اطمینان سے ہو سکے۔ دیکھئے شارحین نے یہ تصریح کی کہ اگر روزہ جت ہو یا ارادہ ہو تو سحری کھالے۔ ظاہر ہے کہ اگر رمضان آجائے اور روزہ فرض ہو جائے تو پھر ارادہ ہو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سے واضح ہوا کہ احادیث زیر بحث میں اذانِ بلال سحری کو جگانے کے لیے نہ تھی اور نہ ماہِ رمضان سے خاص تھی۔ غرض کہ کسی بھی نے احادیث زیر بحث سے یہ نتیجہ نہیں نکالا کہ اذانِ بلالؓ سحری کے لیے تھی اور یہ کہ اس مقصد کے لیے اس اذان کو جاری نت ہے۔

بَابُ كَمْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ

باب۔ اذان اور اقامت کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیے

ن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ لٰوةٌ ثَلَاثًا لِمَنْ شَآءَ (بخاری)

عبداللہ بن مغفل مزنی سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اذان و تکبیر کے درمیان (نماز نفل) ہے تین مرتبہ فرمایا اور یہ نفل جو چاہے پڑھے۔

د و مسائل

بعض شارحین نے کہا۔ ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے حدیث ترمذی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا۔ اذان و اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ کرو کہ کھانے والا کھانے سے اور ے اور جس کو بول و براز کی حاجت ہو وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے (اور یہ حدیث ضعیف ہے) لیکن یہ بات بڑی عجیب ہے م بخاری ایک عنوان قائم کریں اور اس کے ماتحت حدیث صحیح درج کریں اور اشارہ کریں۔ حدیث ضعیف کی طرف۔ آخر اس کی کیا دلیل عنوان سے امام نے حدیث ضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے ۲۔ حدیث زیر عنوان کو مسلم، ترمذی، ابوداؤد و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۳۔ اذانین ر اذان و اقامت ہے تغلیباً اذانین کہا گیا۔ جیسے چاند اور سورج کو شمسین یا قمرین کہہ سکتے ہیں ۴۔ صلوٰۃ (ای وقت صلوٰۃ و ضحها) ۵۔ ثلاثاً یعنی حضور علیہ السلام نے یہ جملے تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ جیسا کہ آئندہ روایت میں ہے کہ حضورؐ نے دو مرتبہ یہ فرمایا۔ ین کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ" اور تیسری بار لمن شاء فرمایا اور حدیث مسلم میں یہ ہے کہ چوتھی بار لمن شاء فرمایا۔ اس یث سے ہر اذان و اقامت کے درمیان نفل پڑھنے کا جواز نکلتا ہے اور یہ کہ اذان و اقامت میں وصل مکروہ ہے۔ کیونکہ اذان کا مقصد یہ ے لوگ جان جائیں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور نماز کے لیے تیاری کریں اور وصل سے یہ مقصود فوت ہو جاتا ہے۔

ذان و اقامت کے درمیان وقفہ کی بحث

واضح ہو کہ اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ ہر نماز کی اذان و اقامت کے درمیان وقفہ کرنا چاہیے اور وصل مکروہ ہے۔ وقفہ کے متعلق ے اقوال مختلف ہیں۔ مگر سب کا نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے۔

۱۔ فجر و ظہر و عصر و عشا کی اذان و اقامت کے درمیان اتنا وقفہ بھی کیا جائے کہ کھانے پینے والا، کھانے پینے سے بول و براز والا اجت سے فارغ ہو جائے (عام اہل علم) ۲۔ دو رکعت پڑھنے کی مقدار وقفہ کیا جائے (امام شافعی و احمد بن حنبل) ۳۔ چار رکعت ے کی مقدار وقفہ کیا جائے یا اتنا کہ جماعت سے نماز پڑھنے والے مسجد میں آجائیں (احناف) ظاہر ہے کہ اس نوع کے جس قدر اقوال ب کا نتیجہ یہی ہے کہ مذکورہ بالا چاروں نمازوں کی اذان و اقامت کے درمیان حسب ضرورت وقفہ کیا جاسکتا ہے اور وقفہ کی کم از کم

مقدار یہ ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ لی جائیں۔ البتہ اتنا وقفہ کرنا ممنوع ہے کہ وقت مکروہ آجائے۔ اسی طرح اس پر بھی سب کا اتفاق ہے مغرب کی اذان واقامت میں بھی وقفہ ہو مگر بہت کم۔ اس بہت کم وقفہ کے متعلق احناف کا مسلک یہ ہے کہ مغرب کی اذان واقامت میں اتنا وقفہ کیا جائے جتنی دیر میں تین آیتیں چھوٹی یا ایک بڑی پڑھ لی جائے۔ سیدنا امام اعظم ؒ سے تین قدم چل لینے کا وقفہ مروی ہے اور امام ابویوسف ومحمد سے جلسہ خفیفہ کا وقفہ اور حضرت امام شافعی کا مذہب جو علامہ نووی نے ذکر فرمایا۔ وہ ایک قعدہ یا اس کی مثل مدت وقفہ کیا ہے۔ عینی ج ۲ صفحہ ۲۵۹ اور صاحب ہدایہ نے نقل کیا کہ امام شافعی ؒ کے نزدیک مغرب کی اذان اور اقامت میں بھی دو رکعت کا وقفہ کیا جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام احمد یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ نفل پڑھنے والا مغرب کی تکبیر تک نفل ختم کرلے

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ الْمُؤَذِّنُ اِذَا اَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ حَتّٰى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ كَذٰلِكَ يُصَلُّوْنَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ شَيْءٌ وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ وَاَبُوْدَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا اِلَّا قَلِيْلٌ۔ (بخاری)

انس بن مالک کہتے ہیں کہ جب مؤذن اذان دیتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابی ستونوں کی طرف لپکتے یہاں تک کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جلوہ فرما ہونے تک وہ اسی حال میں رہتے۔ مغرب سے پہلے بھی دو رکعتیں پڑھتے اور اذان واقامت کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہ ہوتا۔ عثمان بن جبلہ نے کہا ابوداؤد طیالسی نے شعبہ سے یوں نقل کیا کہ اذان وتکبیر میں تھوڑا وقفہ ہوتا۔

فوائد ومسائل

یبتدرون کے معنی جلدی کرنے اور سبقت لے جانے کے ہیں۔ السواری جمع ساریہ ستون کو کہتے ہیں یعنی یہ کہ مغرب کی اذان کے فوراً بعد صحابہ کرام ستونوں کی طرف بڑھتے اور دو نفل پڑھتے۔ حتی کہ حضور علیہ السلام حجرہ مبارکہ سے برآمد ہوجاتے۔ شیئٌ میں کثرت کی نفی اور قلت کا اثبات ہے کیونکہ تنوین تنکیر وتعظیم کے لیے ہے اور نفی کثیر مستلزم نفی قلیل نہیں ہوتی۔ لہٰذا معلق روایت موصول کی معارض نہیں۔ لم یکن بینھما الا قلیل دراصل پہلی کی تفسیر ہے کہ اذان واقامت میں زیادہ وقفہ نہیں ہوتا تھا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ ہر نماز کی اذان واقامت کے درمیان وقفہ کرنا سنت ہے اور اذان سنتے ہی اقامت کہہ دینا مکروہ ہے۔ جن نمازوں سے پیشتر سنت یا نفل ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ بعد اذان سنن ونوافل میں مشغول ہوجائے۔ مگر مغرب کی اذان واقامت میں زیادہ وقفہ نہیں چاہیئے۔ حدیث زیر بحث کے پیش نظر غیر مقلدین حضرات مغرب کی اذان واقامت کے درمیان دو نفل پڑھنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ بلکہ بعض تو نہ پڑھنے والوں پر ملامت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اصل یہ ہے کہ گو عہد نبوی ؐ میں صحابہ کرام ؓ نے یہ دو نفل پڑھے ہیں۔ بلکہ خود حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مگر یہ نفل حضورؐ کی سنت اخیرہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ کی احادیث کے پیش نظر یہ کہنا تو درست ہے کہ

مغرب سے قبل نفل پڑھنے کے متعلق بحث

اگر کوئی مغرب کی اذان واقامت کے درمیان دو نفل پڑھ لے تو جائز ہے جیسا کہ علامہ ابن الھمام علیہ الرحمۃ نے فرمایا (کما فی القنیہ) لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حق ہے کہ عہد نبوی ؐ میں تو صحابہ ؓ نے یہ نفل پڑھے ہیں۔ مگر اس کے بعد یہ عمل منقطع ہوگیا اور اس کے انقطاع کا یہ عالم ہوا کہ سیدنا ابن عمر ؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے اس سے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ جبکہ کسی نے یہ نفل پڑھے تو صحابہ ؓ نے اس پر حیرت اور استعجاب کا اظہار کیا۔ حتی کہ عہد خلفاء اربعہ میں بھی اس کا پتہ نشان نہیں ملتا۔ حضرت خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین یہ نفل نہیں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ حضور

لسلام کی سنتِ آخیرہ جس پر حضورؐ کا اور صحابہ کرام کا عمل مستقر ہوا۔ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان نفل نہ پڑھنا ہی ہے اب میں
حادیث کو لکھتا ہوں جس سے مذکورہ بالا نتیجہ نکلتا ہے۔

اول۔ حدیث عام بدون تعرض الی المغرب نفیا و اثباتاً۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہر اذان واقامت کے درمیان
نماز ہے۔

دوم۔ وہ حدیث جس میں مغرب سے قبل نفل پڑھنے کے متعلق ارشاد ہے۔ بخاری باب الصلوٰۃ قبل المغرب میں حدیث گذر چکی
ضور علیہ السلام نے فرمایا۔ صلوا قبل المغرب کہ مغرب سے قبل نفل پڑھو۔ اس میں نماز مغرب سے قبل نفل پڑھنے کی تصریح ہے
صیغہ امر بھی ہے۔ جس کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے۔ وقال فی الثالثۃ لمن شآء جس سے یہ واضح ہوا۔ یہ نفل فرض واجب نہیں
۔ جو چاہے پڑھے، اور جو چاہے نہ پڑھے۔

سوم۔ وہ حدیث جس میں مغرب کا استثناء ہے۔ دار قطنی بیہقی نے اپنے سنن میں حیان سے روایت کیا حضورؐ نے فرمایا۔

عنہ کل اذانین رکعتین الا المغرب	کہ ہر اذان واقامت کے درمیان دو رکعت نفل پڑھنا ہے مگر مغرب میں نہیں

عرف الشذی میں ہے کہ بزار وابن شاہین اس طرف گئے کہ مغرب سے قبل نفل پڑھنا منسوخ ہے (الورود والاستثناء) واضح ہو
ابن شاہین، امام دار قطنی کے معاصر ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا اور کہا فلاس سے منقول ہے کہ
کذاب ہے لیکن ابن جوزی سے در اصل سہو ہوا۔ فلاس نے حیان بن عبداللہ کو کذاب قرار دیا ہے۔ حیان بن عبیداللہ کو نہیں
المغرب کے استثناء والی روایت حیان بن عبیداللہ کی ہے جو بصری ہیں اور ثقہ ہیں۔ چنانچہ علامہ زیلعی نے لکھا۔ حیان دو ہیں
عبداللہ وھو کذاب و ابن عبیداللہ وھو ثقہ۔ اور علامہ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ میں تحریر فرمایا۔ قال البزار بعد تخریجہ
حلو رواہ الاحیان وھو بصری مشھور لیس بہ باس۔ اور بڑی عجیب بات ہے کہ حافظ علیہ الرحمۃ نے عبارت ابن
ی تو نقل فرما دی۔ مگر عبارت بزار محض اس بنا پر کہ اس میں حنفیہ کو نفع تھا۔ ترک فرما گئے ——— وھو لیس
خلو عن ھٰذا۔ فافہم

چہارم:۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مغرب سے قبل دو رکعت نفل کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

ایت احدا علیٰ عھد رسول اللہ صلی علیہ وسلم یصلیھا۔ ابوداؤد ص ۱۸۳/۱۸۲	میں نے کسی کو عہدِ نبویؐ میں یہ نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

غور کیجئے کہ سیدنا ابن عمرؓ مغرب سے قبل دو نفل پڑھنے کے متعلق بالکل لاعلمی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ عہد
ی میں یہ نفل پڑھے گئے تھے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ کی سنتِ اخیرہ نہ پڑھنا ہی تھی۔ ورنہ حضرت ابن عمرؓ نفی نہیں فرما
تے تھے۔ اسی طرح ابوداؤد باب الرخصۃ فی الصلوٰۃ ص۹۵ جناب ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابا تمیم الشیبانی
رب سے قبل دو رکعت پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔

ت لعقبہ بن عامر انظر الی ھذا ای صلاۃ یصلی	تو میں نے عقبہ بن عامر سے کہا دیکھو یہ کونسی نماز پڑھ رہے ہیں۔

ہوں نے کہا۔ یہ نماز ہم عہدِ نبویؐ میں بھی پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد)

اس سے ثابت ہوا یہ نفل عہد نبویؐ میں پڑھے گئے پھر منقطع ہو گئے۔ حتیٰ کہ پڑھنے والوں پر اعتراض ہونے لگا اور حضرت
مرؓ نے اس انداز سے پوچھا کہ جیسے اس کی کوئی اصل ہی نہیں ہے۔

پنجم: اب حدیث زیر بحث پر غور کیجئے۔ جس میں یہ ہے کہ جب مؤذن اذان دیتا تو قام ناس من اصحٰب النبیؐ الخ تو صرف سے بعض نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ حتیٰ یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (من) یہ بتا رہا ہے کہ تمام صحابہ نفل نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ ان میں سے کچھ نفل پڑھنے لگتے۔ گویا انھوں نے اذان واقامت کے وقفہ میں بیکار بیٹھے رہنے کی بجائے میں مصروف رہنا پسند کیا۔ جس پر حتیٰ یخرج النبیؐ کا لفظ دال ہے۔ پھر ظاہر یہی ہے کہ حضور علیہ السلام یہ نفل نہیں پڑھتے تھے وھم کذلک یصلون سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ نفل بطریق استحباب و سنت نہیں پڑھے۔ بلکہ امور اتفاقیہ کی طرح ادا کیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ سنت مطلوبہ ہوتے تو خلفاء اربعہؓ کبھی ان کو ترک نہ فرماتے۔ فافہم

بَابُ مَنِ انْتَظَرَ الْاِقَامَةَ

باب، اذان سن کر گھر میں تکبیر کا انتظار کرنا

اِنَّ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْاُوْلٰى مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ بَعْدَ اَنْ يَّسْتَبِيْنَ الْفَجْرُ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مؤذن صبح کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے اور دو رکعت (سنت فجر) ہلکی ادا فرماتے۔ صبح صادق روشن ہو جانے کے بعد پھر آپ داہنی کروٹ پر آرام فرما ہوتے یہاں تک کہ مؤذن تکبیر کہنے کے لیے حاضر ہوتا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ سنت فجر میں تخفیف قراءۃ مستحب ہے لیکن اطالۃ بھی جائز ہے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ربما اطال رکعتی الفجر اور حدیث صحیح میں وارد ہوا کہ حضور علیہ السلام سنت فجر کی پہلی رکعت میں الحمد اور قل یاایھا الکٰفرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ اور قل ھو اللہ احد تلاوت فرماتے ۲۔ سنت فجر پڑھنے کے بعد ذرا دیر داہنی کروٹ لیٹ جانا مسنون ہے ۳۔ طلوع فجر کے بعد صرف فجر کی دو سنتیں ہی پڑھی جائیں۔ دو رکعت سنت فجر سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔ مسلم میں حضرت حفصہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام طلوع فجر کے بعد صرف دو رکعت سنت فجر ہی ادا کرتے تھے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔ یسار کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے طلوع فجر کے بعد نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یسار ایک دن میں طلوع فجر کے بعد نفل پڑھ رہا تھا کہ حضورؐ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا۔

لا تصلوا بعد الفجر الا رکعتین۔ (قال [illegible] حدیث غریب) | طلوع فجر کے بعد سوائے سنت فجر کے کوئی اور نفل نہ پڑھو۔

بَابٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ لِّمَنْ شَآءَ

باب، ہر اذان واقامت کے درمیان جو چاہے نفل پڑھے

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے جو باب کم بین الاذان والاقامۃ کے تحت مع تفہیم و ترجمہ اور مکمل بحث کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ (پارہ سوم صفحہ ۲۸۳) دیکھئے۔

بَابُ مَنْ قَالَ لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَّاحِدٌ

باب، سفر میں ایک ہی شخص اذان دے، جیسے حضر میں،

مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ فِيْ نَفَرٍ مِّنْ قَوْمِيْ فَاَقَمْنَا عِنْدَهٗ عِشْرِيْنَ وَكَانَ رَحِيْمًا رَفِيْقًا فَلَمَّا رَاٰى شَوْقَنَا اِلٰى نَا قَالَ ارْجِعُوْا فَكُوْنُوْا فِيْهِمْ وَعَلِّمُوْ مْ وَصَلُّوْا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔ (بخاری)

حضرت مالک بن حویرث سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں اپنی قوم بنی لیث کے چند افراد کے ہمراہ بحضور نبوی آیا اور بیس راتیں آپ کے پاس رہا۔ آپ بہت رحیم و رفیق تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ ہم کو گھر جانے کا شوق ہے تو فرمایا اب تم واپس جاؤ اور اپنی قوم میں رہو اور ان کو دین کی باتیں سکھاؤ اور نماز پڑھتے رہنا جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔

د و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ ادب، خبر واحد اور جہاد میں اور مسلم، ترمذی، ابن ماجہ و نسائی و ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ مسائل حدیث یہ ہیں ۱۔ جماعت ایک امام و ایک مقتدی کے ساتھ درست ہے ۲۔ سفر و حضر میں اذان کی ت شارع کو مطلوب ہے ۳۔ مسافروں کے لیے بھی اذان اور جماعت مشروع ہے اور جب جماعت سے نماز پڑھیں تو اذان واقامت یں۔ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ سے فقہا نے ترتیب امامت کے مسئلہ کو اخذ کیا یعنی سب سے زیادہ امامت کا وہ شخص مستحق ے جو نماز و طہارت کے مسائل کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اس کے بعد وہ جو تجوید قرأت کا زیادہ علم رکھتا ہو۔ اگر کئی شخص ان باتوں ں برابر ہوں تو وہ جو زیادہ ورع رکھتا ہو۔ اس میں بھی برابر ہوں تو وہ جو زیادہ عمر والا ہو۔ غرضیکہ چند اشخاص اگر برابر کے ہوں تو ان میں ئی ترجیح رکھتا ہو، زیادہ حقدار ہے اور اگر ترجیح نہ ہو سکے تو قرعہ ڈالا جائے یا جس کو لوگ چاہیں یا جس کی طرف اکثریت ہو وہ ت کا مستحق ہے۔ یہاں عنوان میں مؤذن واحد سے اذان واحد مراد ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے باب الجمعہ میں مؤذن واحد سے اذان واحد مراد لی ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام بخاری کے نزدیک ایک مؤذن ایک ہی اذان دے۔

بُ الْاَذَانِ لِلْمُسَافِرِ اِذَا كَانُوْا جَمَاعَةً وَّالْاِقَامَةِ وَكَذٰلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ وَقَوْلِ

ب۔ اگر متعدد مسافر ہوں تو نماز کے لیے اذان واقامت کہیں اور عرفات و مزدلفہ میں بھی اسی طرح کریں اور جب سردی یا

الْمُؤَذِّنِ الصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ وَالْمَطِيْرَةِ

بارش کی رات ہو تو مؤذن یوں پکارے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو

احناف کے نزدیک مسافر کو مستحب ہے کہ اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھے اور اگر صرف اقامت پر اکتفا کرے تو جائز ہے کن دونوں کا ترک مکروہ ہے ۲۔ حدیث ابن مسعود میں ہے کہ انھوں نے مغرب و عشاء اذان واقامت کے ساتھ پڑھی اور کہا کہ میں نے حضورؐ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا اور حدیث جابر جو ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت بلالؓ نے اذان اور اقامت کہی ب کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں ظہر و عصر جمع کر کے پڑھی (مسلم شریف) ۳۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث ابراد بالظہر ذکر کی جو ترجمہ ہیم و ترجمان کے فیوض الباری پارہ سوم ص ۲۳۱، ۲۳۰ پر گزر چکی ہے جس سے سفر میں اذان کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

عَنْ مَّالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتٰى رَجُلَانِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدَانِ السَّفَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَاَذِّنَا ثُمَّ اَقِيْمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا۔

عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ قَالَ

۱۔ مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ دو شخص بحضور نبوی حاضر ہوئے ان کا ارادہ سفر کا تھا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ جب تم سفر پر جاؤ تو اذان کہنا اور تکبیر کہنا۔ پھر تم دونوں میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

۲۔ ابوقلابہ نے کہا ہم سے مالک بن حویرث نے بیان کیا۔ ہم

أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُوْنَ فَاَقَمْنَا عِنْدَهٗ عِشْرِيْنَ يَوْمًا وَّلَيْلَةً وَّكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيْمًا رَّفِيْقًا فَلَمَّا ظَنَّ اَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا اَهْلَنَا وَقَدِ اشْتَقْنَا سَاَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا فَاَخْبَرْنَاهُ فَقَالَ ارْجِعُوْا اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَاَقِيْمُوْا فِيْهِمْ وَعَلِّمُوْهُمْ وَمُرُوْهُمْ وَذَكَرَ اَشْيَاءَ اَحْفَظُهَا اَوْ لَا اَحْفَظُهَا وَصَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔

قَالَ اَذَّنَ ابْنُ عُمَرَ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ بِضَجْنَانَ ثُمَّ قَالَ صَلُّوْا فِيْ رِحَالِكُمْ وَاَخْبَرَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ مُؤَذِّنًا يُّؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُوْلُ عَلٰى اِثْرِهٖ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ اَوِ الْمَطِيْرَةِ فِي السَّفَرِ۔ (بخاری)

بحضورِ نبوی حاضر ہوئے اور ہم سب نوجوان اور قریب العمر کے پاس ۲۰ دن ۲۰ رات قیام کیا اور حضور علیہ السلام بڑے اور غمسار تھے۔ جب آپ یہ سمجھے کہ ہم اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں یا ہمیں گھر جانے کا شوق ہے تو آپ نے پوچھا اپنے وطن میں کن کن عزیزوں کو چھوڑ کر آئے ہو۔ ہم نے آپ نے فرمایا اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ انہیں رہو انہیں دین کرو اور حکم دو (مالک نے حضورؐ کی فرمودہ کئی باتیں بیان کیں نے کہا کہ ابو قلابہ نے یہ کہا کہ وہ باتیں مجھے یاد ہیں یا کہ یاد نہیں فرمایا جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھنا کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور جو اکبر ہو وہ

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے بمقام ضجنان سردی کی رات اذان دی۔ پھر کہا اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھ لو اور بیان کیا کہ صلے اللہ علیہ وسلم مؤذن کو حکم دیتے کہ اذان دے۔ پھر یہ کرو لوگو اپنی اپنی قیام گاہ میں نماز ادا کر لو اور حضورؐ سردی یا کی رات میں بحالتِ سفر یہ حکم دیتے تھے۔

فوائد و مسائل

ان احادیث کے مسائل یہ ہیں۔ سفر میں نماز کا وقت آجائے تو اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت نماز محمود و مطلوب ہے ۲۔ اگر رات سخت سرد ہو یا بارش ہو اور سفر میں یکجا مل کر باجماعت پڑھنا دشوار ہو تو پھر قیام گاہوں میں نماز ادا کرلیں ۳۔ حدیث ۱ کے الفاظ (فاذنا الخ) کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تم دونوں اذان کہنا اور دونوں اقامت کہنا مراد یہ ہے کہ تم دونوں میں سے جو چاہے اذان و اقامت کہے اور جو اکبر ہو وہ امامت کرے ۴۔ اکبر سے عمر میں یا علم و فضل میں بڑا ہونا یا وہ جو تقویٰ میں بڑا ہونا مراد لیا جا سکتا ہے ۵۔ سب حدیثوں کی باب سے مناسبت یہی ہے کہ ان میں بحالتِ سفر اذان و اقامت کا ذکر ۶۔ حدیث ۳ میں ضجنان بروزن فعلان غیر منصرف ہے اور یہ مکہ میں ۲۵ یا ۲۶ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے ۷۔ ظاہر یہی ہے صلوا فی الرحال کا جملہ بعد اذان کہا گیا ہے کیونکہ (ثم) کا مفاد یہی ہے ۸۔ اگر بوجہ آندھی یا بارش یا سخت سردی مسجد میں آنا دشوار ہو تو گھر نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں جماعت میں حاضر ہونا معاف ہے ۹۔ امام نے ان حدیثوں کے بعد ایک اور حدیث لکھی ہے جو باب سترۃ الامام سترۃ لمن سفر میں مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ دیکھو فیوض الباری پارہ دوم صفحہ ۲۰۱

بَابٌ هَلْ يَتَتَبَّعُ الْمُؤَذِّنُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا وَهَلْ يَلْتَفِتُ فِي الْاَذَانِ

باب (۱) کیا مؤذن اذان میں اپنا منہ ادھر ادھر کرے ۲۔ اور کیا اذان میں ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے ؟

وَيُذْكَرُ عَنْ بِلَالٍ اَنَّهٗ جَعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَجْعَلُ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا بَاْسَ اَنْ يُّؤَذِّنَ عَلٰى

۳۔ حضرت بلالؓ نے بوقتِ اذان اپنی دونوں انگلیوں کو کانوں میں ڈالا ۴۔ عبداللہ بن عمر بوقتِ اذان کانوں میں انگلیاں رکھتے تھے ۵۔ اور ابراہیم نخعی نے کہا۔ بے وضو اذان دینے میں حرج نہیں

غَيْرِ وُضُوْءٍ وَقَالَ عَطَاءٌ اَلْوُضُوْءُ حَقٌّ وَّسُنَّةٌ وَقَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِيْ جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ رَاٰى بِلَالًا يُّؤَذِّنُ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَ هٰهُنَا بِالْاَذَانِ۔

(بخاری)

(۶) اور عطاء بن ابی رباح نے فرمایا۔ بوقت اذان باوضو ہونا حق ہے اور سنت ہے (۷) اور جناب عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا حضور علیہ السلام ہر حال میں یادِ خدا کرتے تھے (۸) اور عون اپنے والد ابی جحیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے جناب بلال کو اذان دیتے ہوئے دیکھا اور وہ اذان میں اپنا چہرہ ادھر ادھر پھراتے تھے۔

فوائد و مسائل تعلیقات زیر عنوان کے مسائل یہ ہیں۔ اوّل۔ حي علي الصلوٰة داہنی طرف منہ کرکے کہے اور حی علی الفلاح بائیں جانب منہ کرکے کہے اور یہ پھیرنا صرف منہ کا ہے۔ سارے بدن سے نہ پھرے۔ چنانچہ حدیث ابوداؤد میں ہے فلمّا بلغ حیّ علی الصلوٰۃ حیَّ علَی الفلاح لوی عنقہ یمینا وشمالاً ولم یستدر۔ اور اگر مینارہ پر اذان کہے تو داہنے طرف کے طاق سے سر نکال کر حی علے الصلاۃ اور بائیں جانب کے طاق سے حی علے الفلاح کہے تاکہ آواز اچھی طرح پہنچ جائے اور یہ وہیں ہوگا کہ مینارہ بند ہے اور دونوں طرف طاق کھلے ہوں۔ لیکن اگر کھلے مینارہ پر اذان دی جائے تو ایسا نہ کرے بلکہ وہی صرف منہ پھیرے اور قدم ایک جگہ قائم رہیں ۲۔ بوقت اذان کانوں میں انگلیاں ڈالے رہنا مستحب ہے اور یہ فعل بلندیٔ آواز میں معین ہے۔ کان جب بند ہوتے ہیں تو آدمی زور سے بولتا ہے اور اگر اذان میں ایسا نہ کیا تو بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر ایسا نہیں کرتے تھے ۳۔ باوضو اذان دینا افضل و بہتر ہے۔ ویسے اذان کے لیے شرط نہیں ہے۔ بے وضو اذان دی تو ہوگئی اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اذان نہ دے مگر متوضی یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس سے شریعت کے رجحان کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ اذان باوضو دینا محمود و محبوب ہے ۴۔ اور حدیث عائشہؓ سے امام نے یہ واضح کیا ہے کہ بے وضو اذان دینا درست ہے۔ (چنانچہ امام مالک اور اہل کوفہ کا بھی یہی مذہب ہے) کیونکہ اذان ذکر ہے اور حضور علیہ السلام اللہ کا ذکر ہر حال میں جائز سمجھتے تھے اس کی مزید توضیح کے لیے فیوض الباری پارہ دوم صہ ۴۲ کا ضرور مطالعہ کیجئے۔

بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ فَاتَتْنَا الصَّلٰوةُ

باب یوں کہنا کہ "میری نماز فوت ہوگئی" کیسا ہے؟

وَكَرِهَ ابْنُ سِيْرِيْنَ اَنْ يَّقُوْلَ فَاتَتْنَا الصَّلٰوةُ وَلْيَقُلْ لَمْ نُدْرِكْ وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَحُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ سَمِعَ جَلَبَةَ رِجَالٍ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا شَاْنُكُمْ قَالُوْا اسْتَعْجَلْنَا اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا اِذَا اَتَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا۔ (بخاری)

حضرت ابن سیرین نے اس کو مکروہ جانا اور کہا کہ یہ کہنا چاہیے کہ ہم نے نماز نہیں پائی اور نبی علیہ السلام کا فرمان سب سے زیادہ صحیح ہے حضرت عبداللہ اپنے والد ابو قتادہ سے راوی کہ ہم ایک مرتبہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اچانک آپ نے چند لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنی۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا یہ آواز کیسی تھی۔ لوگوں نے عرض کی ہم نماز کے لیے دوڑ کر آئے تھے۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کرنا جب تم نماز کیلیے آؤ تو اطمینان کو لازم پکڑو جتنی نماز تم کو جماعت سے مل جائے پڑھ لو اور جتنی فوت ہو جائے تو وہ خود پوری کرلو۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر کسی کی نماز قضا ہوگئی ہو تو اسے یہ کہنا جائز ہے کہ میری نماز قضا ہوگئی یا فوت ہوگئی اور حضرت ابن سیرین علیہ الرحمۃ کی یہ رائے کہ ایسا کہنا مکروہ ہے غلط ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ بڑی سے بڑی

شخصیت کی رائے بھی حدیث رسول کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے اور حدیث رسول بہرحال مقدم ہے۔

بَابُ مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا

باب، جتنی نماز امام کے ساتھ پاؤ، پڑھ لو اور جتنی رہ جائے اسے پوری کرلو

قَالَهُ اَبُوْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْاِقَامَةَ فَامْشُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ وَالْوَقَارَ وَلَا تُسْرِعُوْا فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا۔ (بخاری)

یہ ابو قتادہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ ۲۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم تکبیر کی آواز سنو تو نماز کے لیے آہستگی اور اطمینان سے اور دوڑو نہیں۔ پھر جتنی نماز مل جائے وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے پوری کرلو۔

احادیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ با جماعت نماز پڑھنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا محمود و محبوب ہے ۲۔ جو شخص جماعت کے ساتھ ایک رکعت یا اس کا کوئی جزو پالے وہ فضیلت جماعت حاصل کرلے گا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے ف ادرکتم فصلوا فرمایا اور قلیل وکثیر میں فصل نہیں کیا ۳۔ اس میں یہ ہدایت بھی ہے کہ جماعت سے ملنے کے لیے دوڑنا نہ بلکہ معتدل رفتار سے چل کر ملنا چاہیے۔ بعض اوقات دوڑنے سے پاؤں پھسل جاتا ہے۔ ویسے مسجد میں دوڑنا آداب مسجد کے بھی خلاف

بَابُ لَا يَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ مُسْتَعْجِلًا وَلْيَقُمْ اِلَيْهَا بِالسَّكِيْنَةِ وَالْوَقَارِ

باب، نماز کے لیے جلدی سے نہ اٹھے بلکہ اطمینان اور سہولت کے ساتھ اٹھے،

عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ۔

حضرت قتادہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام فرمایا جب نماز کی تکبیر ہو تو تم اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

بَابُ مَتٰى يَقُوْمُ النَّاسُ اِذَا رَاَوُا الْاِمَامَ عِنْدَ الْاِقَامَةِ

باب، لوگ کس وقت کھڑے ہوں، جب کہ امام کو دیکھ لیں۔ اقامت کے وقت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ۔

عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے راوی۔ حضور صلے اللہ وسلم نے فرمایا۔ جب نماز کی تکبیر ہو تو جب تک مجھے نہ د کھڑے نہ ہو۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ میں ذکر کیا اور مسلم و ترمذی و ابوداؤد نے بھی صلوٰۃ میں ذکر کیا ۲۔ حضور نے فر لا تقوموا حتیٰ ترونی۔ جب تک مجھے نہ دیکھ لو کھڑے نہ ہو۔ جس سے واضح ہوا کہ امام کے مسجد میں آنے سے صف بنا کر کھڑے ہونا بیکار ہے ۳۔ مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کے مسجد میں جلوہ فرما ہونے سے پہلے ا کہی گئی اور ہم کھڑے ہوگئے اور صفیں برابر کیں اور حدیث جابر کا مضمون یہ ہے کہ حضرت بلالؓ اقامت اس وقت کہتے تھے۔ جب حضو جلوہ فرما ہوتے۔ تو ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔ حضرت بلالؓ نگاہ رکھتے تھے کہ حضور کب جلوہ فرما ہوتے ہیں اور وہ حضور کر ہی اقامت کہتے تھے اور بعض اوقات دوسرے لوگوں کو حضور کا جلوہ فرما ہونا دکھائی نہ دیتا اور وہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے۔ جب حضو مصلے پر آتے ہوئے دیکھ لیتے ۴۔ حضور علیہ السلام کا حجرہ مبارکہ کا دروازہ مسجد کی طرف تھا اور جب آپ مسجد میں آنا چاہتے تو دوسرا قدم

پڑھاتے تھے اور حضرت بلالؓ چونکہ حضورؐ کے خروج پر نگاہ رکھتے تھے۔ اس لیے حضورؐ کے اولین خروج کو دیکھ لیتے اور دوسرے بعض اوقات نزدیک پاتے ــــ کتب احناف میں ہے کہ کھڑے ہو کر اقامت کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔ جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے تو کھڑے ہونا چاہیے۔ یعنی اقامت کے وقت جو شخص آئے اور جو لوگ مسجد میں موجود ہوں انہیں چاہیے کہ بیٹھے رہیں۔ اس وقت اٹھیں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے۔ یہی حکم امام کے لیے ہے۔

بَابُ هَلْ يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِعِلَّةٍ

باب، کیا بوقتِ ضرورت آذان کے بعد مسجد سے نکل سکتا ہے

ب) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوْفُ حَتّٰی اِذَا قَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ انْتَظَرْنَا اَنْ یُّكَبِّرَ انْصَرَفَ قَالَ عَلٰی مَكَانِكُمْ فَمَكَثْنَا عَلٰی هَیْئَتِنَا حَتّٰی خَرَجَ اِلَیْنَا یَنْطِفُ رَأْسُهٗ مَاءً وَّقَدِ اغْتَسَلَ۔ (بخاری)

(ب) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں جلوہ فرما ہوئے اور نماز کی تکبیر ہونے والی تھی اور صفیں برابر کی جانے والی تھیں۔ آپ جب مصلے پر کھڑے ہوئے اور ہم منتظر تھے کہ آپ اللہ اکبر کہیں گے۔ آپ لوٹے اور فرمایا اپنی جگہ کھڑے رہو۔ ہم اسی طرح کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ آپ تشریف لائے۔ آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آپ نے غسل فرمایا تھا۔

فوائد و مسائل خرج وقد اقیمت الصلوٰۃ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضورؐ کے مصلے پر آنے سے قبل اقامت ہو چکی تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ ایسے وقت میں تشریف لائے کہ تکبیر ہونے والی تھی ۲۔ ہوا یہ کہ حضور علیہ السلام کو نہانے کی حاجت تھی۔ آپ بھولے سے تشریف لائے پھر یاد آیا تو واپس ہوئے اور غسل فرما کر تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو امور غیر بلاغیہ میں نسیان ہو سکتا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو مسائل معلوم ہو جائیں۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ بحالت جنابت بھولے سے مسجد میں آ گیا اور نماز میں شامل ہو گیا تو گناہ نہیں مگر یاد آنے پر فوراً واپس ہو اور غسل کر کے نماز ادا کرے ۲۔ امور دین میں شرم و حیا مطلوب نہیں ہے ۳۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اذان کے بعد مسجد سے نکلا تو حضورؐ نے فرمایا۔ اس نے ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے نہیں نکلتا۔ مگر منافق۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا جائز نہیں اس حدیث سے واضح ہوا کہ بلا ضرورت شرعیہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا جائز نہیں مگر جو عذر کی وجہ سے جائے۔ مثلاً بول و براز کی حاجت ہو گئی یا کوئی ضروری کام ہے اور واپسی کا ارادہ رکھتا ہے۔ یعنی قبل قیام جماعت واپس آنے کا ارادہ ہے یا دوسری مسجد کی جماعت کا منتظم ہے تو اسے اذان کے بعد مسجد سے جانا جائز ہے ۵۔ اسی طرح اگر کوئی اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہے تو اذان کے بعد مسجد سے جا سکتا ہے۔ مگر ظہر و عشاء میں اقامت ہو گئی تو رک جائے۔ نفل کی نیت سے شریک ہو جائے اور باقی تین نمازوں (فجر عصر و مغرب میں) اگر تکبیر ہو گئی اور یہ تنہا پڑھ چکا ہے تو باہر نکل جانا ضروری ہے کیونکہ فجر و عصر و مغرب میں بطور نفل شریک نہیں ہو سکتا۔ اور مسجد میں ٹھہرے رہنے میں لوگ بے نمازی ہونے کا گمان کریں گے

فائدہ منکرین شانِ نبوت اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا اگر آپ کو پہلے سے یہ علم ہوتا کہ مصلے پر جا کر واپس آ جاؤں گا تو آپ بغیر غسل کیے جاتے ہی کیوں؟ لیکن یہ استدلال بہت ہی رکیک ہے کیونکہ نسیان عدم علم پر دلالت نہیں کرتا بلکہ نسیان تو علم کی دلیل ہے۔ دیکھیے ایک شخص قرآن حکیم کا حافظ کامل ہے مگر بعض اوقات کوئی آیت بھول جاتا

ہے۔ اس کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو قرآن کا علم نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ بھول گیا۔ بلاتمثیل اسی طرح بعض اوقات کرام کو ان کے افعال غیر تبلیغیہ میں نسیان ہو جاتا ہے۔ مگر اس پر بھی اللہ تعالےٰ نے قائم نہیں رہنے دیا۔ فوراً ادھر متوجہ فرما دیتا ہے۔ تو کسی بات سے توجہ کا ہٹ جانا (ذہول) یا کسی بات کو بھول جانا (نسیان) کو عدم علم کی دلیل بنانا بجائے خود جہالت ہے۔

بَابٌ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ مَكَانَكُمْ حَتّٰى يَرْجِعَ انْتَظَرُوا وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ

باب، جب امام مقتدیوں سے کہے۔ کہ یہیں ٹھہرے رہو۔ جب تک میں آؤں تو مقتدی انتظار کریں۔

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔ جس پر ہم نے ب کا نشان دیا ہے۔ بخاری کے نسخوں میں یہ بھی ہے کہ امام بخاری سے پوچھا گیا کہ مقتدی امام کا انتظار کھڑے کھڑے کریں یا بیٹھ کر تو آپ نے فرمایا کہ اگر تکبیر تحریمہ ہو چکی ہو تو کھڑے کھڑے انتظار کریں ورنہ بیٹھ جانے میں حرج نہیں۔

بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ مَا صَلَّيْنَا

باب، اس طرح کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو باب من صلی بالناس جماعۃ بعد ذہاب الوقت (فیوض الباری سوم صفحہ ۲۰۹) میں ذکر کی ہے۔ مقصود عنوان یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز رہ گئی تو اس کو یوں کہنا جائز ہے کہ میں نے ابھی نماز نہیں پڑھی۔

بَابُ الْاِمَامِ تَعْرِضُ لَهُ الْحَاجَةُ بَعْدَ الْاِقَامَةِ

اگر تکبیر ہو جانے کے بعد امام کو کوئی ضروری حاجت پیش آ جائے (تو اسے پوری کر سکتا ہے)

ج۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاجِي رَجُلًا فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ فَمَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَامَ الْقَوْمُ۔ (بخاری)	ج۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نماز کی تکبیر ہوئی اور حضور علیہ السلام مسجد کے ایک گوشے میں ایک شخص سے سرگوشی رہے اور نماز شروع نہیں فرمائی۔ حتیٰ کہ لوگ اونگھنے لگے۔

۱۔ بعض شارحین نے کہا کہ حدیث ہذا میں نَامَ سے مراد اونگھنا ہے یعنی اقامت ہو گئی اور حضور علیہ السلام اس شخص کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہے یہاں تک کہ لوگ اونگھنے لگے۔ لیکن اگر نام کے حقیقی معنی (سونے) کے لیے جائیں تو بھی حرج نہیں کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ سونے کے بعد بغیر وضو کیے نماز پڑھ لی گئی ہوگی؛ ۲۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔ یہ واقعہ عشا کا ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ تکبیر تحریمہ و اقامت میں بھی بضرورت شرعیہ فاصلہ جائز ہے۔ اگر اقامت کے بعد امام کو کوئی حاجت پیش آ جائے تو اسے اس کا پورا کرنا جائز ہے۔ مقتدیوں کو چاہیے کہ اتنی دیر امام کا انتظار کریں۔ لیکن بضرورت یہ فاصلہ ایسی صورت میں جائز ہوگا۔ جب کہ وقت میں گنجائش ہو ۳۔ صاحب توضیح نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے اقامت کے بعد بضرورت بات کرنے کا جواز نکلا۔ اگرچہ زہری اور ابراہیم نے اسے مکروہ قرار دیا اور بعض حنفیہ نے یہ بھی لکھا کہ اقامت کے بعد امام کو اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک کراہت اس صورت میں ہے جب کہ بلاضرورت ایسا کیا جائے۔ لیکن اگر کسی امر دینی کی وجہ سے اقامت کے بعد بات کرے تو حرج نہیں

بَابُ الْكَلَامِ اِذَا اُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ

باب، کیا تکبیر کے بعد بات کرنا جائز ہے

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔ جس پر ہم نے (ج) کا نشان دیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کے بعد بضرورت بات کرنا جائز ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ اقامت

نماز میں وصل سنتِ مؤکدہ نہیں ہے بلکہ وصل مستحب ہے۔

بَابُ وُجُوْبِ الصَّلٰوةِ الْجَمَاعَةِ

باب: باجماعت نماز پڑھنا ضروری ہے

وَقَالَ الْحَسَنُ إِنْ مَنَعَتْهُ أُمُّهُ عَنِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً لَمْ يُطِعْهَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ لِيُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ۔

اور حسن بصری نے فرمایا۔ اگر کسی کو اس کی ماں شفقت کے طور پر نمازِ عشاء باجماعت پڑھنے سے روکے تو وہ ماں کا کہنا نہ مانے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نے یہ ارادہ کیا کہ حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کی جائیں۔ پھر نماز کا حکم دوں۔ نماز کی اذان دی جائے۔ پھر ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان کو چھوڑ کر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے۔ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ اسکی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان لوگوں کو جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے یہ معلوم ہو جائے کہ عرق سمین یا مرماتِ حسن ملے گا تو عشاء کی نماز میں ضرور شامل ہوتے۔

حضرت حسن بصری کے اثر کو علامہ مروزی نے بسند صحیح وصل کیا کہ حضرت حسن ؓ نے فرمایا کہ اگر والدہ نفل روزہ افطار کرائے تو کردے اس کو روزہ کا ثواب بھی ملے گا اور والدہ کی تابعداری کا بھی اور اگر ماں عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے سے از روئے شفقت و محبت منع کرے تو اس کا کہنا نہ مانے کیونکہ یہ فرض ہے ۲۔ حدیث دوم کو امام نے احکام میں اور نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۳۔ عرق اس کی جمع عُراق ہے اور سمین کے معنی فربہ کے ہیں۔ تو عرق کے معنی ہوئے وہ ہڈی جس سے گوشت نوچ کر کھا لیا جائے اور مرمات بکری کے کھروں کو کہتے ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ وہ ہڈی جس پر ذرا سا گوشت رہ جاتا ہے اور اسی طرح بکری کی کھری کہ ذرا سے گوشت کی حامل ہوتی ہے۔ اگر لوگوں کو یہ دونوں چیزیں مسجد میں ملنے کی اُمید ہو تو وہ ضرور نماز باجماعت ادا کریں۔ تو جب اتنی معمولی سی چیز کے حصول کے لیے آدمی کی کیفیت ہے تو جماعت سے نماز پڑھنے میں جو ثواب ہے۔ اس کے حصول کے لیے تو اور بھی زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔

نماز باجماعت پڑھنا واجب ہے

ہر عاقل بالغ حر اور قادر مسلمان پر جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے اور بلا عذر ایک بار بھی چھوڑنے والا گنہگار مستحق سزا ہے اور کئی بار ترک فسق ہے۔ بلکہ ایک جماعت علماء جن میں سیدنا احمد بن حنبل بھی شامل ہیں۔ وہ جماعت کو فرض عین قرار دیتے ہیں اور اگر فرض عین نہ مانا جائے تو اس کے واجب اور ضروری ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا عمومی عمل یہی تھا کہ آپ فرض نمازیں باجماعت ادا فرماتے الا یہ کہ کوئی مجبوری پیش آجاتی۔ صحابہ کرام ؓ کا بھی اسی پر عمل تھا اور عہدِ نبوی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عتاب بن اسید نے جو عہدِ نبوی میں مکہ کے گورنر تھے۔ اپنے خطبہ میں فرمایا:۔

یا اهل مكة والله لا يبلغني ان احدا منكم يتخلف عن الصّلوٰة في المسجد في الجماعة الا

اے اہلِ مکہ! خدا کی قسم۔ اگر مجھے یہ خبر پہنچی کہ تم میں سے کوئی قصداً جماعت کی نماز کے لیے مسجد میں نہیں آیا۔ تو میں

ضربت عنقه ۔ (کتاب الصلوٰۃ لابن القیم)

اس کی گردن مار دوں گا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی دُور بین نگاہ میں جماعت سے مسجد میں نماز پڑھنے کی کتنی اہمیت

یہی وجہ ہے کہ علماء نے مسجد میں جمع ہو کر نماز ادا کرنے کو شعارِ دین قرار دیا۔ جماعت کی اہمیت کے لیے یہ کچھ کم ہے؟ کہ ساری

میں جو شخصیت سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے اور جسے اس کے رب کریم نے رحمۃ للعالمین قرار دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے:۔

”جی چاہتا ہے کہ جو لوگ باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں نہیں
آتے۔ ان کے گھروں کو جلا دوں۔“

قرآنِ مجید کے الفاظ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ نمازوں کی ادائیگی باجماعت مسجدوں میں ہی مطلوب ہے اور شریعت

میں ان مسجدوں کو مرکزی گھر ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مخلصین له الدین (اعراف ۳۰)

اور سیدھا کرو اپنے چہروں کو ہر مسجد کے پاس اللہ
کی عبادت اس طور پر کرو کہ عبادت اسی کے لیے خالص

اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیراتِ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ففی الآیه دلیل علی فرضیة القیام فی الصلوٰة وادائها فی المسجد وعدم اختصاص بمسجدها۔

اس آیت سے نماز میں قیام کی فرضیت ثابت ہو
اور یہ کہ وہ مسجد میں ادا کی جائے۔ ہاں وہ کسی خاص م
ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اور علامہ ابوبکر جصاص علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:۔

والثانی فعل الصلوٰة فی المسجد وذلك یدل علی وجوب فعل المكتوبات جماعة لان المساجد بنیت للجماعات۔ (احکام القرآن ج ۳ ص۳۰)

اور یہ کہ فرض نماز باجماعت واجب ہے۔ کیونکہ مس
جماعت کے لیے بنائی گئیں۔

سورہ نور پ۱۸ کی آیت بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا ۔ الایہ کے تحت تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص

تحریر ہے۔

اس آیت کا طرزِ بیان بھی بتلاتا ہے کہ مسجدوں کا یہ واجبی حق ہے کہ اللہ کی دوسری عبادت اور نماز انہی میں ادا کی جا

بیوت سے مراد مسجد ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ جونہی فرض نماز کے لیے اذان پکار

بازار والوں کی ایک جماعت کام کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ منظر دیکھ کر آپ نے بیساختہ فرمایا۔ انہی لوگوں کے

کا اعلان ہے۔ رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر اللہ الخ

اور احادیث تو اس باب میں کثرت سے وارد ہوئیں۔ مسلم شریف کی ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ آئے جس کے راوی عبداللہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علمنا سنن الهدی وان من سنن الهدی الصلوٰة فی المسجد الذی یوذن فیه وان كنتم صلیتم فی بیوتكم كما یصلی هذا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنن ہدیٰ کی تعل
سُنن ہدیٰ یہی ہے کہ نماز اس مسجد میں ادا کی جا
اذان ہوتی ہو۔ اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی جیس
گھر میں نماز پڑھتا ہے تو بلاشبہ تم نے اپنے نبی کی س

المتخلف فی بیته لترکتم سنة نبیکم و لو ترکتم سنة نبیکم لضللتم (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳۲)

ترک کردی اور جس وقت تم نے اپنے نبیؐ کی سنت ترک کردی یقین کرلو کہ گمراہ ہوگئے۔

حضرت شیخ الحدیث محدث دہلویؒ اسی نوع کی ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں:۔

در بدائع گفتہ کہ واجب است، بر حر، عاقل، بالغ کہ معذور نیست حاضر شدن بمسجد برائے جماعت۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ صفحہ ۲۶۴)

بدائع میں ہے کہ آزاد عاقل، بالغ جو معذور نہیں ہے۔ اس پر جماعت کی نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہونا واجب ہے۔

۲۔ بعض علماء اس طرف گئے کہ گھر میں باجماعت نماز ادا کرلینا مسجد میں نماز ادا کرلینے کے برابر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں جماعت کا ثواب مل جانے کی امید ہے۔ مگر مسجد کا ثواب تو نہ ملے گا۔ بہرحال مسجدوں کو چھوڑ کر گھروں میں باجماعت نماز پڑھ لینے کو عادت بنالینا اور سستی و کاہلی کی وجہ سے مسجد میں نہ حاضر ہونا بہرحال شارع کو مطلوب نہیں ہے البتہ اگر کسی موقع پر بضرورت گھر میں باجماعت نماز ادا کرلی گئی تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی اور ترک جماعت کی وعید سے بچ جانے کی امید ہے۔

جماعت اور ترک جماعت کے ضروری مسائل

بعض کتب فقہ میں جماعت کو سنت لکھا ہے تو سنت اس لیے لکھا گیا ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہوا ۲۔ پانچوں نمازوں کے لیے جماعت واجب ہے لیکن شرط نہیں اور جمعہ وعیدین کے لیے جماعت شرط ہے اور تراویح کے لیے سنت کفایہ کہ محلہ کے سب لوگوں نے ترک کی تو سب نے برا کیا اور اگر کچھ لوگوں نے قائم کرلی تو باقیوں کے سر سے ساقط ہوگئی اور رمضان کے وتر کے لیے جماعت مستحب ہے ۳۔ جس کی جماعت جاتی رہی اس پر یہ واجب نہیں کہ دوسری مسجد میں نماز تلاش کرے۔ ہاں دوسری مسجد میں جماعت تلاش کرنا مستحب ہے ۴۔ مریض جسے مسجد تک جانے میں مشقت ہو۔ اپاہج جس کا پاؤں کٹ گیا ہو، اندھا ہو، سخت سردی یا سخت تاریکی ہو۔ آندھی یا بارش ہو اور شدید کیچڑ کا حائل ہونا۔ مال یا کھانے کے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہو، ظالم کا خوف ہو، قافلہ چلے جانے کا خوف ہو۔ مریض کی تیمارداری کہ جماعت کے لیے جانے سے اس کو تکلیف ہوگی اور گھبرائے گا۔ یہ سب ترک جماعت کے عذر ہیں۔ ان صورتوں میں اکیلے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْجَمَاعَةِ

باب، نماز باجماعت کی فضیلت میں

وَكَانَ الْأَسْوَدُ إِذَا فَاتَتْهُ الْجَمَاعَةُ ذَهَبَ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ وَجَاءَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ فَأَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلَّى جَمَاعَةً۔ (بخاری)

اور اسود کو اگر ایک مسجد میں جماعت نہ ملتی تو دوسری مسجد میں چلے جاتے اور انس بن مالک ایک مسجد میں آئے جہاں نماز ہوچکی تھی تو انھوں نے اذان دی اور تکبیر کہی اور جماعت سے نماز پڑھی۔

فوائد و مسائل اس سے قبل کے عنوان میں جماعت کے وجوب کا بیان تھا اور عنوان ہذا میں جماعت کی فضیلت کا بیان ہے اور کسی شے کا وجوب کے ساتھ متصف ہونا، فضیلت کے ساتھ متصف ہونے کے منافی نہیں ہے۔ زیر عنوان تعلیق کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے باسناد صحیح وصل کیا۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر اسود کو ان کی قوم کی مسجد میں جماعت نہ ملتی تو کسی دوسری مسجد میں چلے جاتے۔ صاحب توضیح نے لکھا ہے کہ یہی بات حضرت حذیفہ و سعید بن جبیر سے بھی مروی ہے اور امام طحاوی نے کوفیوں اور امام مالک سے نقل کیا کہ اگر چاہے تو اسی مسجد میں اکیلا نماز پڑھ لے اور اگر چاہے تو دوسری مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔

اور امام مالک نے یہ بھی فرمایا کہ جس کی نماز باجماعت مسجد حرام یا مسجد نبوی میں فوت ہو جائے تو وہ ان دونوں مسجدوں میں اکیلے پڑھ لے کیونکہ ان دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنا بہر حال دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے افضل ہے (عینی ج ۲ ص ۲۸۹) ۲۔ اثر انس کو اپنی سند میں وصل کیا۔ جب کسی مسجد میں جماعت مؤذن کے ساتھ پڑھ لی جائے تو اذان و اقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنے میں علماء کا اختلاف ہے ابن مسعود و علقمہ و اسود و عطاء و حسن و احمد و اسحق و اشہب (فی روایۃ) بلا کراہت جواز کے قائل ہیں اور حضرت سالم و قاسم و امام مالک و لیث و ابن مبارک و ثوری و اوزاعی و امام ابو حنیفہ و شافعی کراہت کا قول کرتے ہیں۔ یعنی احناف کے ہاں مسئلہ یہ میں امام مقرر ہو۔ امام نے اذان و اقامت کے ساتھ بطریق مسنون جماعت پڑھ لی ہو تو اذان و اقامت کے ساتھ ہیئت اولی پر دوبارہ جماعت قائم کرنا مکروہ ہے اور اگر بے اذان جماعت ثانیہ ہوئی تو حرج نہیں جب کہ محراب سے ہٹ کر ہو۔ لیکن سرائے اور سٹیشن کی مسجد کہ جس کے نمازی مقرر نہیں ہوتے اس میں اگرچہ اذان و اقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ قائم کی جائے حرج نہیں بلکہ یہی افضل ہے کہ جو گروہ آئے۔ نئی اذان و اقامت کے ساتھ جماعت کرے ۲۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اثر انس کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جماعت کی فضیلت جو احادیث میں وارد ہے وہ جماعت مسجد کے متعلق ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز باجماعت اکیلے شخص کی نماز سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ ابو سعید خدری سے مروی ہے نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے باجماعت علیحدہ نماز پڑھنے سے ۲۵ درجے زیادہ رکھتی ہے۔

فوائد و مسائل

صلوٰۃ الفذ۔ فذ کے معنی منفرد کے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ صحت نماز کے لیے جماعت شرط نہیں کی نماز بھی صحیح و درست ہے۔ مگر باجماعت نماز پڑھنے میں بہت فضیلت ہے ۲۔ ان دونوں میں ۲۵ درجے اور ستائیس درجے فضیلت کا ذکر ہے۔ روایت مسلم میں چھبیس۔ ابو داؤد میں پچاس درجے کا ذکر ہے اختلاف تصرف رواۃ پر محمول نہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ یہ اختلاف اختلافِ اشخاص کی بنا پر ہے۔ کوئی عالم متقی و پرہیزگار ہے اور خشوع کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو ۲۷ یا ۵۰ درجے زیادہ ثواب ہوگا درجے ثواب ہوگا۔ اور یا ان مختلف اعداد کے بیان سے مقصود صرف کثرتِ ثواب ہے۔ تخصیص عدد نہیں۔ (فافہم)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَضْعُفُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَفِيْ سُوْقِهٖ خَمْسَةً وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَّذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَّحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَاِذَا

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا باجماعت نماز پڑھنا یا بازار میں پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ثواب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جب اچھی طرح مسجد میں جانے کے لیے نکلتا ہے اور صرف نماز ہی سے نکلتا ہے تو جو قدم اٹھاتا ہے۔ ہر قدم پر اس ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف

ـلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّيْ
عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ
ـلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ
ـحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَّا انْتَظَرَ
ـصَّلٰوةَ ۔ (بخاری)

ہے۔ پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے اور جب تک اپنی نماز کی جگہ میں رہتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ یا اللہ اس پر اپنی رحمت اُتار یا اللہ اس پر رحم کر اور تم میں کوئی جب تک نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ گویا وہ نماز ہی میں ہے۔

ـدو مسائل

یہ حدیث باب الصلوٰۃ فی مسجد السوق فیوض الباری پارہ دوم صفحہ ۱۹۳ پر مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ البتہ الفاظ حدیث میں کچھ فرق ہے ۲۔ تضعف تضعیف کے معنی اصل پر زیادتی کے ہیں ۳۔ اس حدیث سے ـا جماعت کی افضلیت ثابت ہوئی کہ باجماعت نماز پڑھنے والے پر خاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اور ملائکہ اس کی مغفرت ـعائیں کرتے ہیں اور اس سے صالحین اُمّت کا ملائکہ سے افضل ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ نماز پڑھنے والے عبادت کے ذریعے بلندی ـت کے مستحق ہیں اور ملائکہ ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ خواص بنی آدم یعنی انبیاء کرام مطلقاً ملائکہ ـ افضل ہیں۔ عوام بنی آدم عوام ملائکہ سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ عوام بنی آدم سے افضل ہیں ۴۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ـت نماز کے لیے جماعت شرط نہیں ہے۔ حضورؐ کے الفاظ علےٰ صلوٰۃ وحدہٖ اس پر نص صریح ہیں اور جن لوگوں نے اس سلسلہ کے آثار سے ـر نکالا ہے کہ بلا عذر اکیلے نماز پڑھی تو نہیں ہوگی۔ یہ غلط ہے کہ یہی وجہ ہے کہ ان آثار سے بعض علماء نے جماعت کے فرض یا واجب ـے کا استدلال تو کیا ہے۔ مگر کسی نے یہ استدلال نہیں کیا کہ اکیلے نماز پڑھنے والے کی نماز ہوگی ہی نہیں۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فِيْ جَمَاعَةٍ

باب، نماز فجر باجماعت پڑھنے کی فضیلت میں

پہلا باب مطلقاً جماعت کی فضیلت کے بیان میں تھا اور یہ باب خاص فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت کے متعلق ہے ـہ نماز فجر کی جماعت دیگر اوقات کی جماعت سے زیادہ اہم ہے کیونکہ یہ فرشتوں کے اجتماع کا وقت ہے۔

ـا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
ـيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تَفْضُلُ صَلٰوةُ الْجَمِيْعِ
ـلٰوةَ اَحَدِكُمْ وَحْدَهٗ بِخَمْسَةٍ وَّ
ـرِيْنَ جُزْءًا وَّتَجْتَمِعُ مَلٰئِكَةُ اللَّيْلِ
ـلٰئِكَةُ النَّهَارِ فِي الصَّلٰوةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَقُوْلُ
ـوْ هُرَيْرَةَ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ
ـ مَشْهُوْدًا ط تَقُوْلُ دَخَلَ عَلَيَّ اَبُو الدَّرْدَاءِ
ـوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا
ـرِفُ مِنْ اَمْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ
ـيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ
ـمِيْعًا ۔ (بخاری)

ابوہریرہ نے کہا میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے۔ جماعت کی نماز تم میں سے کسی کے اکیلے نماز سے پچیس درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے اور صبح کی نماز کے وقت رات اور دن کے (چوکیدار) فرشتے اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ پھر ابوہریرہ کہتے تھے۔ اگر تمہارا جی چاہے تو (سورہ بنی اسرائیل کی) یہ آیت پڑھو۔ فجر کے قرآن پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ام درداء کہتی ہیں کہ ابودرداء میرے پاس آئے ۔۔ غصے میں تھے۔ میں نے پوچھا۔ غصے میں کیوں ہو۔ انہوں نے کہا۔ بخدا میں دیکھتا ہوں۔ کہ حضورؐ کے وقت کا کوئی کام باقی نہیں رہا۔ بس یہ رہ گیا ہے کہ لوگ مل کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔

فائدہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین کی تبلیغ و تعلیم کے لیے متعدد صحابہ کرام رض کو مختلف شہروں میں مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ ملک شام میں حضرت ابو درداء، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار کو علی الترتیب تعلیم، تولیت بیت المال و امامت کے منصب پر فائز کیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا امیر مقرر فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رض نے کوفہ و بصرہ کو چھاؤنی بنا دیا تھا۔ چنانچہ قریہ فرقیہ میں چھ سو صحابہ کرام رض نے نزول فرمایا تھا۔ مالکی اس پر فخر کرتے ہیں کہ ان کا امام مدینہ کا ساکن ہے جو علم کا معدن ہے تو اس فضل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر صحابہ کرام رض دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے عراق کی طرف بھی آئے ہیں اور کوفہ بھی علم نبوت کا مخزن و منبع بنا ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلٰوةِ أَبْعَدُهُمْ مَمْشًى وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ (بخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ سب سے زیادہ ثواب اس کو ملتا ہے جو مسجد میں دور سے چل کر آتا ہے۔ اسکے بعد وہ جو اور زیادہ دور سے آئے اور جو امام کے ساتھ نماز کا منتظر رہتا ہو اسکو زیادہ ثواب ہے اس سے جو اکیلا نماز پڑھ کر سو جائے

قرآن الفجر۔ نماز فجر سے کنایہ ہے۔ ان احادیث سے نماز باجماعت پڑھنے کی افضلیت ثابت ہوئی۔ موطا امام مالک رح میں سیدنا عثمان غنی رض سے مروی ہے کہ جس نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھی۔ گویا اس نے نصف رات عبادت میں گذار دی جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا ساری رات عبادت میں گذار دی۔

بَابُ فَضْلِ التَّهْجِيرِ إِلَى الظُّهْرِ

باب ظہر کی نماز کے لیے جلدی جانے کی فضیلت میں

تہجیر تبکیر کے معنی میں ہے اور مراد یہاں ظہر کے لیے اول وقت میں جانا ہے اور یہ بات حدیث ابراد کے مخالف نہیں کیو گرمیوں میں تاخیر مستحب ہے اور اول وقت میں پڑھنا جائز ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ ثُمَّ قَالَ الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِيقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَقَالَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا عَلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا

حضرت ابو ہریرہ رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا اس نے راستہ پر کانٹوں کی ٹہنی دیکھی۔ اس نے وہاں سے اس کو ہٹا دیا۔ اللہ کو اس کا کام بہت پسند آیا۔ اس کو بخش دیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ شہید پانچ ہیں۔ جو طاعون سے مرے اور جو پیٹ کے مرض سے اور جو ڈوب جائے اور جو دب کر مر جائے اور جو اللہ کی راہ میں مارا جائے اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ثواب اذان اور پہلی صف میں ہے۔ پھر قرعہ ڈالے بغیر نہ پا سکیں تو ان کے لیے قرعہ ڈالیں اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ظہر کی نماز کے لیے جانے میں کیا ثواب ہے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھیں اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ عشاء اور صبح کی جماعت میں آنے کا کیا ثواب ہے تو گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے آئیں

اس حدیث کو امام نے اور نسائیؒ نے شہادت میں، مسلم نے ادب اور جہاد میں، ترمذی نے بر میں ذکر کیا۔ مسائل حدیث یہ ہیں۔ ستہ سے تکلیف دہ چیز کا دور کرنا کارِ ثواب ہے اور خدا کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جب اتنی سی نیکی کی وجہ سے بخشش ہو سکتی ے تو بڑی نیکیوں کے فضل و ثواب کا کیا ٹھکانہ ہے ۲۔ حدیثِ ہذا میں طاعون، پیٹ کا عارضہ، ڈوب کر اور دب کر مرنے والوں کو ہید فرمایا گیا ہے تو اس سے شہید فقہی مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان عوارض میں مرنے والوں کو بھی اللہ تعالےٰ شہادت کا درجہ ب عطا فرمائے گا ۳۔ نماز کے لیے مسجد کی طرف جتنے قدم اٹھتے ہیں۔ ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے ۴۔ اذان دینا اور پہلی صف ڑے ہو کر نماز پڑھنے کا بہت ثواب ہے ۵۔ عشاء و فجر کو جماعت کے ساتھ پڑھنے میں فضیلت ہے۔

بَابُ اِحْتِسَابِ الْاٰثَارِ

باب نیک کام کرنے والے کو ہر قدم پر ثواب ملتا ہے

نَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
وَسَلَّمَ يَا بَنِي سَلِمَةَ اَلَا تَحْتَسِبُوْنَ اٰثَارَكُمْ
ـثَنِي اَنَسٌ اَنَّ بَنِي سَلِمَةَ اَرَادُوْا اَنْ
ـحَوَّلُوْا عَنْ مَنَازِلِهِمْ فَيَنْزِلُوْا قَرِيْبًا
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
ـرِهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُعْرُوْا
ـدِيْنَةَ فَقَالَ اَلَا تَحْتَسِبُوْنَ اٰثَارَكُمْ قَالَ مُجَاهِدٌ
ـهُمْ اٰثَارُهُمْ الْمَشْيُ فِي الْاَرْضِ بِاَرْجُلِهِمْ۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اے بنی سلمہ! کیا تم اپنے قدموں کا ثواب نہیں چاہتے۔؟ حضرت انس کا بیان ہے کہ بنی سلمہ نے ارادہ کیا کہ اپنے مکان (جو مسجد سے دور تھے) چھوڑ دیں اور حضورؐ کے قریب آرہیں (تاکہ نماز کے لیے آنے میں آسانی ہو) حضورؐ کو یہ پسند نہ آیا کہ وہ اپنا مکان چھوڑ دیں آپ نے فرمایا تم اپنے قدموں کا ثواب نہیں چاہتے؟ مجاہد نے کہا۔ سورہ یٰسین میں آثارھم سے قدم مراد ہیں۔ یعنی زمین پر پاؤں سے چلنا۔

دو مسائل

بنی سلمہ انصار کا ایک قبیلہ ہے انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ مسجد نبویؐ کے قریب آباد ہو جائیں۔ تاکہ نماز کے لیے مسجد میں آنے میں آسانی ہو۔ جب حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا۔ ان لکم بکل خطوۃ درجۃ کہ تم م پر جو مسجد کی طرف چلو گے ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ سورہ یٰسین کی یہ آیت۔ و نکتب ما قدموا و اٰثارھم قع پر نازل ہوئی۔ اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے مسجد کی طرف چل کر آنے میں ہر قدم پر ایک نیکی لکھی ہے۔ مسجد کے قریب رہنا بھی مستحب ہے لیکن اگر زیادتی قدم کے لیے مسجد سے دور رہے تو بھی اچھا ہے اور حضور علیہ السلام ز کے لیے مسجدِ نبویؐ کے قریب سکونت اختیار کرنے کو ناپسند فرمانا اس بنا پر تھا کہ ان کے وہاں آجانے سے جوانب یران ہو جاتے۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ

باب، باجماعت نمازِ عشاء پڑھنے کی فضیلت میں

ـي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَى
ـفِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ
ـيْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا لَقَدْ هَمَمْتُ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ منافقوں پر فجر و عشاء سے زیادہ کوئی نماز گراں نہیں۔ اگر لوگ ان نمازوں کے ثواب کو جانتے تو گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے آتے اور میں نے ارادہ کیا کہ مؤذن کو

اَنْ اٰمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيْمَ ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اٰخُذَ شُعَلًا مِّنْ نَّارٍ فَاُحَرِّقَ عَلٰى مَنْ لَّمْ يَخْرُجْ اِلَى الصَّلٰوةِ بَعْدُ۔

اذان کا حکم دوں پھر ایک شخص کو نماز پڑھانے کے لیے مقرر کروں۔ پھر چنگاریاں لے کر ان کو جلادوں جو تک نماز کے لیے نہیں آئے۔

اس حدیث سے فجر وعشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے اور یہ کہ ان دونوں نمازوں کا اجرو اتنا عظیم وجلیل ہے کہ جو پاؤں سے نہیں چل سکتے۔ اگر انھیں ان نمازوں کے اجر وثواب کا علم ہو جائے تو وہ گھٹنوں کے بل مسجد میں حاضر ہوں اور یہ کہ فجر وعشاء باجماعت پڑھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے اور بلا عذر شرعی جماعت سے رہ جانا علامتِ نفاق ہے۔

بَابُ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ

باب دو یا دو سے زائد جماعت ہے

مطلب عنوان یہ ہے کہ جماعت کے لیے کم از کم ایک امام اور ایک مقتدی کا ہونا لازمی ہے۔ لہٰذا جب صورت یہ ہو جماعت قائم کر لینی چاہیے۔ تاکہ جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے۔

۲۔ عنوانِ بالا کے الفاظ دراصل ایک حدیث ہے جس کو ابن ماجہ ودار قطنی وبیہقی وطبرانی وامام احمد نے اپنی مسند میں ابوموسیٰ وابن عمر وانس وابو امامہ سے روایت کیا۔ چونکہ یہ حدیث ضعیف تھی۔ اس لیے امام نے صرف اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عَنْ مَّالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا۔

مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ و فرمایا جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہنا اور پھر تکبیر ک تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

فائدہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر دو آدمی ہوں جو ان میں بڑی عمر والا ہے یا زیادہ علم والا ہے وہ امام ہو جائے اور دو مقتدی۔ لیکن مقتدی مرد اگرچہ لڑکا ہو امام کی برابر دہنی جانب کھڑا ہو۔ بائیں جانب یا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اگر دو مقتدی ہیں تو پیچھے کھڑے ہوں۔ دو مقتدیوں کو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے اور دو سے زائد کا امام کے برابر کھڑ مکروہ تحریمہ ہے (در مختار) اور امام کے برابر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی کا قدم امام سے آگے نہ ہو یعنی مقتدی کے پاؤں کا گٹا امام کے گٹے سے آگے نہ ہو۔

بَابُ مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ

باب نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہنے کی فضیلت کے بیان میں اور مسجدوں کی فضیلت کے متعلق

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے جو باب فضل الجماعۃ میں گذر چکی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھا رہے۔ تو فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس شخص کا مسجد میں نماز کے انت میں بیٹھنا بھی عبادت ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اَلْاِمَامُ

حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے کہ آپ نے فرمایا۔ سات آدمی ایسے ہیں کہ ان کو اللہ تعا عرش کے سایہ کے نیچے جگہ دے گا۔ اس دن سوائے اس کے

عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ اِخْفَآءً حَتّٰى لَا تَعْلَمُ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔

عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ هَلِ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا فَقَالَ نَعَمْ اَخَّرَ لَيْلَةً صَلٰوةَ الْعِشَاءِ اِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ بَعْدَ مَا صَلّٰى فَقَالَ صَلَّى النَّاسُ وَرَقَدُوْا وَلَمْ تَزَالُوْا فِيْ صَلٰوةٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوْهَا قَالَ فَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ خَاتَمِهٖ۔

عرش کے سایہ کے اور کہیں سایہ نہ ہوگا۔ امام[١] عادل۔ وہ[٢] نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشوونما پائی۔ وہ[٣] آدمی جس کا دل مسجد سے معلق رہتا تھا۔ وہ[٤] آدمی جو آپس میں صرف اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں اسی پر جمع ہوتے اور اسی پر جُدا ہوتے ہیں۔ وہ[٥] آدمی جس کو حسب و نسب والی خوبصورت عورت بُرائی کی طرف بُلاتی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ[٦] آدمی جو کہ پوشیدہ طور پر صدقہ کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے بائیں کو معلوم نہیں ہوتا کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔ وہ[٧] آدمی جس نے خلوت میں ذکر اللہ کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

حمید کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پہنی ہے تو اس نے کہا ہاں پہنی ہے۔ ایک رات آپ نے عشاء کی نماز میں آدھی رات تاخیر کی (پھر آپ تشریف لائے) اور نماز پڑھا کر ہماری طرف متوجہ ہوئے آپ نے فرمایا لوگ تو نماز پڑھ کر سو گئے اور تم برابر نماز ہی میں رہے۔ جب سے نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے کہا جیسے میں آپ کی انگوٹھی کی چمک (اسوقت بھی) دیکھ رہا ہوں۔

ائد و مسائل

۱۔ امامِ عادل۔ وہ حاکم بادشاہ اور سربراہ جو عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے اور امرِ الٰہی کا تابع ہو۔ مسلم کی حدیث میں آیا کہ عدل کرنے والے قیامت کے دن نُور کے منبر پر ہوں گے اور یہ منبر عرشِ الٰہی کی داہنی طرف ہوں گے۔ ۲۔ وہ جوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشوونما پائی۔ جوانی میں شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور خواہشات کا ہجوم ایسی حالت میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہنا اور احکامِ الٰہیہ کے مطابق اپنی زندگی کو گذارنا بھی باعثِ اجر و ثواب ہے ۳۔ مسجد سے وابستہ دل ہوتا ہے۔ نماز کے اوقات کے انتظار سے مطلب یہ ہے کہ ایک نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور وقت پر مسجد میں با جماعت نماز ادا کرنا اور یہ شان اسی کی ہو سکتی ہے جو کاروبار میں انہماک و مشغولیت کے باوجود نماز باجماعت کا خیال رکھے اور بڑی سے بڑی مصروفیت مسجد کی حاضری میں رکاوٹ نہ بنے ۴۔ اللہ کے لیے دوستی، دنیا میں دوستی اور محبت کی بہت سی بنیادیں ملتی ہیں دولت، حکومت و اقتدار، حسن و جمال اور خونی و نسلی تعلقات۔ لیکن ان میں کوئی بھی بُنیاد مستحکم نہیں۔ محبت و دوستی وہی پائیدار ہو سکتی ہے جس کی بنیاد اللہ کی رضا ہو نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی یہ رشتہ منقطع نہ ہوگا۔ قرآن حکیم میں فرمایا۔ اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بعضهم لبعضٍ عدوٌّ الا المتقین۔ اسی دن ہر دوست دوست کا دشمن ہوگا۔ مگر تقوٰے والے ان کی دوستیاں قائم رہیں گی۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ اللہ کی محبت اور اللہ ہی کے لیے عداوت ایمان کی نشانی ہے ۵۔ معصیت سراپا دعوت یعنی ایک طرف معصیت اپنی پوری وجاہت، حسن و جمال اور سج دھج کے ساتھ سراپا دعوت بنی ہوئی ہو اور دوسری طرف ایک اللہ کا بندہ اس ساری آن بان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے صاف کہہ دیتا ہے۔ اِنِّی اَخَافُ اللّٰہَ۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

ولمن خاف مقام ربه جنتان ۶۔ خشیتِ الٰہی۔ تنہائی میں اللہ کا ذکر کرنا اور خوف و خشیت کی بنا پر آنکھوں سے
کا جاری ہونا اس امر کی علامت ہے کہ ابھی دل میں خشیتِ الٰہی اور جذبۂ انابت موجود ہے۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔
نگاہوں پر جہنم کے شعلے حرام ہیں۔

عين بكت من خشية الله وعين باتت تحرس في سبيل الله۔ (مشکوٰۃ)

ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے رو پڑے اور دوسری جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے ساری رات بیداری میں

۷۔ انفاقِ مال۔ عام طور پر نفس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو خرچ کریں تو اس کا صلہ اس دنیا میں مدح سرا
اور شہرت کی شکل میں مل جائے۔ لیکن مومن کامل کا نفس اس تقاضا سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اپنی دولت اس طرح چُپ چاپ
کی راہ میں لُٹا دیتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں فرمایا۔ وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو
خيرٌ لكم۔ اگر تم فقراء کو چھپا کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ مگر یہ حکم صدقاتِ نافلہ کے لیے ہے۔ لیکن صدقاتِ وا
زکوٰۃ تو اس کو علانیہ دینا چاہیے تاکہ دوسروں کو بھی شوق ہو اور شعائرِ اسلام کا اعلان ہو ——— اور حدیث دوم سے
جماعت کی فضیلت ثابت ہوئی کہ جماعت سے نماز پڑھنے کے انتظار میں مسجد میں بیٹھ رہنا بھی عبادت ہے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَّاحَ

باب اس شخص کی فضیلت جو مسجد میں صبح و شام جاتا ہے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص صبح کو یا شام کو مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مہمانی کا جنت میں صبح و شام سامان تیار کرتا ہے

صحاح میں ہے کہ رواح صباح کی نقیض ہے اور یہ وقت کے نام ہیں۔ غدو صبح سے زوالِ شمس تک چلنے کو کہتے ہیں
رواح زوالِ شمس سے رات تک چلنے کو کہتے ہیں۔ (یعنی اس وقت کے درمیان چلنا) معلوم ہوا کہ جو لوگ صبح و شام مسجد میں حاضر
ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت میں جگہ مقرر فرما دیتا ہے۔

بَابُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ

باب جب نماز کی تکبیر ہو۔ تو اس نماز کے سوا کوئی اور نماز نہ پڑھی جائے

قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا مِّنَ الْاَزْدِ يُقَالُ لَهٗ مَالِكُ بْنُ بُحَيْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا وَّقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاثَ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصُّبْحَ اَرْبَعًا اَلصُّبْحَ اَرْبَعًا۔ (بخاری)

عاصم کہتے ہیں کہ میں نے قبیلہ ازد کے ایک شخص مالک بحینہ سے سُنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا۔ وہ نماز کی تکبیر ہونے کے بعد دو رکعت پڑھ رہا تھا جب حضورؐ نے سلام پھیرا۔ تو لوگوں نے اس شخص کو گھیر لیا حضورؐ نے اس سے فرمایا۔ کیا صبح کی چار رکعتیں ہیں؟ کیا کی چار رکعتیں ہیں؟

جب فرض نماز کی تکبیر ہو جائے تو کسی نفل کا شروع جائز نہیں

اس حدیث کو مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جماعت قائم ہو جائے

کسی نفل کا شروع کرنا جائز نہیں اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ سنتِ فجر کے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ یرین وابراہیم وعطاء وامام شافعی واحمد واسحٰق وابو ثور کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نمازِ فجر کے لیے مسجد میں آیا اور جماعت کھڑی ہے تو اب اس کو سنتِ فجر پڑھنا مکروہ ہے اور دلیل ان حضرات کی حدیث زیرِ بحث ہے۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اور اوزاعی نے مذکورہ صورت میں سنتِ فجر خارج مسجد ادا کرے جب کہ اسے یقین ہو کہ دوسری رکعت امام کے ساتھ پالے گا۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا عرف اسی قدر ہے۔ کما فی الجامع الصغیر والبدائع ——— اور صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں مسجد کے پر سنتِ فجر پڑھے تاکہ سنت اور جماعت دونوں کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ ذخیرہ ومحیط میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ سنتِ فجر ھے اور اگر گھر میں نہیں پڑھی اور امام مسجد میں نمازِ فجر پڑھ رہا ہے تو مسجد کے دروازہ پر، اگر کوئی قابلِ نماز جگہ ہو تو وہاں نماز پڑھے۔ ں نہ ہو تو مسجد کے اندر کے حصہ میں جماعت ہوتی ہو تو باہر کے حصہ میں اور اگر باہر کے حصہ میں ہو تو اندر پڑھے ——— اور اگر اس یں باہر اندر درجے نہ ہوں تو ستون یا پیڑ کی آڑ میں پڑھے۔ تاکہ اس میں اور صف میں حائل ہو جائے۔ چنانچہ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ کہ حدیث زیرِ بحث کا مطلب یہ ہے کہ سنتِ فجر اور نمازِ فجر ایک جگہ نہ پڑھی جائے بلکہ دونوں میں فصل کیا جائے اور اس کی س حدیث سے ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ ابن بحینہ سنتِ فجر پڑھ رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ لا تجعلوا صلوٰۃ لصلوٰۃ الظھر واجعلوا بینھما فصلاً۔ اس سے واضح ہوا۔ سببِ کراہت یہی ہے کہ نفل وفرض دونوں ایک ر پڑھے جائیں اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خارج مسجد یا مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھنا مکروہ نہ ہو۔ چنانچہ حسبِ ذیل آثار سے امام علیہ الرحمۃ کی تائید ہوتی ہے۔

۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب اقامت ہو جائے تو کوئی نماز جائز نہیں۔ الا رکعتی لفجر کی دو سنتیں امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے اگرچہ خط کشیدہ استثناء کو بے اصل قرار دیا ہے اور اس کے راوی حجاج وعباد کو ضعیف علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ میں نے ابن معین سے حجاج بن نصیر فساطیطی بصری کے متعلق پوچھا۔ تو انھوں صدوق ہے اور ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور عباد بن کثیر صالحین سے ہیں۔ (عینی ج ۲ ص۶)

۔ ابوبکر بن ابی شیبہ اپنے مصنف میں شعبی سے اور مسروق سے مروی ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے ضرت مسروق نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ فصلی ھما فی ناحیۃ المسجد ثم دخلہ مع القوم فی لیھم تو انھوں نے مسجد کے ایک کونہ میں سنتِ فجر پڑھیں اور پھر نماز میں شامل ہو گئے۔

۔ حضرت سعید ابن جبیر مسجد میں آئے اور امام نمازِ فجر میں مشغول تھے۔ آپ نے سنتِ فجر مسجد کے دروازہ پر پڑھیں۔ فصلی تین قبل ان یلج المسجد عند باب المسجد۔

۔ ابی عثمان النہدی کہتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور حضرت عمرؓ نمازِ فجر پڑھا رہے تھے۔ اس نے مسجد کے دروازے پر سنتِ فجر پڑھیں۔ پھر جماعت میں شامل ہو گیا۔

۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب تو مسجد میں داخل ہو اور نمازِ فجر ہو رہی ہو اور تو نے سنتِ فجر نہ پڑھی ہوں۔ فارکعھما وان ان الرکعۃ الاولیٰ تفوتک تو سنتِ فجر پڑھ لے اگرچہ تجھے فجر کی پہلی رکعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

۔ وبرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور ابو درداء کہتے ہیں کہ میں بھی ایسے ہی کرتا ہوں۔ ان تمام کو زبیدی نے اتحاف میں ذکر کیا ہے۔

۱۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں آئے اور نماز فجر کی اقامت ہو چکی تھی۔ آپ نے ستون کی آڑ میں دو رکعت
فجر پڑھی اور اس وقت حضرت حذیفہ وابی موسیٰ بھی موجود تھے ۲۔ ابن البطال نے کہا کہ اسی طرح حضرت عمر بن الخطابؓ وابی
وابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے بھی مروی ہے ۴۔ اور حضرت ابن عمرؓ کے متعلق ہے کہ وہ مسجد میں آئے اور امام فجر کی نماز
تو وہ حضرت حفصہ کے گھر میں داخل ہوئے اور وہاں دو رکعت سنتِ فجر پڑھیں۔ پھر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو گئے۔ اھ
نیز صحیح ابن خزیمہ کی حدیث عن انس خرج النبی صلی اللہ وعلیہ وسلم حین اقیمت الصلوٰۃ فرأی
یُصَلُّوْنَ رکعتین بالعجلۃ فقال اصلوتان معاً؟ فنھی ان تصلیا فی المسجد اذا اقیمت الصلوٰۃ
تصریح ہے کہ نہی مقتصر علے المسجد ہے۔ (فافہم) اور سنتِ فجر کی تخصیص کو مزید قوت ان احادیث سے بھی ہو جاتی ہے۔ جن
نے سنتِ فجر کے پڑھنے کی تاکید اکید فرمائی اور یہاں تک فرمایا کہ اگر تمھیں گھوڑوں کے پاؤں تلے روندے جانے کا خوف
تو بھی سنتِ فجر کو نہ چھوڑو۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

بَابُ حَدِّ الْمَرِيْضِ اَنْ يَّشْهَدَ الْجَمَاعَةَ

باب مریض کو بیماری کی کس حد تک مسجد میں جماعت کیلئے آنا چاہیے

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ الْاَسْوَدُ كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ فَذَكَرْنَا
الْمُوَاظَبَةَ عَلَى الصَّلٰوةِ وَالتَّعْظِيْمَ لَهَا
قَالَتْ لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَرَضَهُ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَاُذِّنَ
فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيْلَ لَهٗ
اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ اَسِيْفٌ اِذَا قَامَ مَقَامَكَ
لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَاَعَادَ فَاَعَادُوْا لَهٗ
فَاَعَادَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ
يُوْسُفَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَخَرَجَ
اَبُوْ بَكْرٍ يُّصَلِّيْ فَوَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مِنْ نَّفْسِهٖ خِفَّةً فَخَرَجَ يُهَادٰى
بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى رِجْلَيْهِ تَخُطَّانِ
الْاَرْضَ مِنَ الْوَجَعِ فَاَرَادَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنْ يَّتَاَخَّرَ
فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ
مَّكَانَكَ ثُمَّ اُتِيَ بِهٖ حَتّٰى جَلَسَ اِلٰى جَنْبِهٖ فَقِيْلَ
لِلْاَعْمَشِ فَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ
وَاَبُوْ بَكْرٍ يُّصَلِّيْ بِصَلٰوتِهٖ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ
اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ بِرَاْسِهٖ نَعَمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ

ابراہیم نخعی سے روایت ہے۔ اسود نے کہا کہ ہم حضرت عائشہؓ کے
ہوئے تھے۔ ہم نے نماز میں مواظبت و نماز کی عظمت کا ذکر کیا تو حضرت
نے فرمایا۔ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں
جس میں آپ کا وصال ہوا تو نماز کا وقت ہو گیا اور اذان
حضورؐ نے فرمایا۔ ابوبکر کو حکم پہنچاؤ کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں
کہا گیا کہ ابوبکر نرم دل ہیں۔ جب آپ کے مصلے پر کھڑے ہوں
لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ نے پھر یہی فرمایا اور
سابقہ جواب دیا گیا۔ پھر تیسری دفعہ آپ نے فرمایا۔ تم صواحب
یوسف کی طرح ہو۔ ابوبکر کو حکم دو۔ وہ نماز پڑھائیں تو ابوبکر
پڑھانے کے لیے مسجد میں آئے۔ پھر حضورؐ نے بھی اپنی
طبیعت میں سکون پایا۔ آپ دو آدمیوں کے سہارے
گویا کہ میں آپؐ کے دونوں پاؤں کو دیکھ رہی تھی کہ زمین
جاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا
نے انھیں اپنی جگہ قائم رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر حضور علیہ
ابوبکر صدیق رضؓ کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔ اعمش سے کہا گیا
صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکرؓ حضورؐ
کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کرتے تھے تو
سر کے اشارے سے کہا۔ ہاں! اس حدیث کا ایک حصہ

شُعْبَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ بَعْضَهٗ وَزَادَ اَبُوْ مُعَاوِيَةَ مَشِ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ لِّيْ قَآئِمًا۔

٢۔ قَالَتْ عَائِشَةُ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ يْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ وَجَعُهٗ اِسْتَأْذَنَ اَزْوَاجَهٗ يُّمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ فَاَذِنَّ لَهٗ فَخَرَجَ بَيْنَ لَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الْاَرْضَ وَكَانَ بَيْنَ بَّاسٍ وَّبَيْنَ رَجُلٍ اٰخَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَذَكَرْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَّا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ لِيْ لْ تَدْرِيْ مَنِ الرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ تُسَمِّ شَةُ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيُّ بْنُ طَالِبٍ۔

(بخاری)

نے شعبہ سے روایت کیا۔ انھوں نے اعمش سے اور ابو معاویہ نے اس روایت میں اتنا زیادہ بیان کیا کہ حضور علیہ السلام ابوبکر کی بائیں جانب تھے اور ابوبکرؓ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا جب حضور علیہ السلام کی علالت سخت ہو گئی تو آپ نے اپنی ازواج سے اس امر کی اجازت چاہی کہ علالت کے دن آپ میرے ہی پاس جلوہ فرما رہیں تو انھوں نے اجازت دیدی۔ آپ دو آدمیوں کے کندھوں کے سہارے تشریف لائے اور آپ کے پاؤں مبارک زمین پر لکیر کھینچتے ہوئے جاتے تھے اور آپ حضرت عباس اور ایک اور شخص کے درمیان تھے۔ عبید اللہ نے کہا میں نے اس واقعہ کا جو کچھ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا۔ حضرت ابن عباس سے ذکر کیا تو انھوں نے مجھ سے کہا کیا تم اس آدمی کا نام جانتے ہو جس کا نام حضرت عائشہؓ نے نہیں لیا میں نے کہا نہیں، حضرت ابن عباسؓ نے کہا وہ علی ابن ابی طالب تھے۔

ئدو مسائل

حدیث اول کو امام نے صلوٰۃ میں مسلم ونسائی وابن ماجہ نے بھی صلوٰۃ میں ذکر کیا اور حدیث دوم کو امام نے طہارت باب الغسل والوضوء فی المخضب مغازی۔ طب صلوٰۃ ہبہ، خمس۔ استیذان ازواج میں اور نسائی وابن ماجہ و نے بھی استیذان ازواج میں ذکر کیا۔ زہری نے تصریح کی۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آپ کے مرض نے شدت اختیار کی اور آپ عائشہ صدیقہ میں جلوہ فرما ہو گئے۔ ٢۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تمام صحابہ کرامؓ سے افضل ہونا ثابت ہوا کہ حضورؐ نے حیات مبارکہ میں تمام صحابہ کرامؓ میں سے صرف انھیں کو اپنی جگہ امامت کے لیے مقرر کیا اور حضرت عائشہؓ کے عذر پیش کرنے کے حضورؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ ہی کی امامت کو پسند فرمایا ٣۔ اسیف بروزن فعیل اس کے معنی شدت حزن کے ہیں۔ قرآن مجید میں یا اسفیٰ علیٰ یوسف۔ مطلب یہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ رقیق القلب ہیں۔ جب مصلی پر حضورؐ کو نہ پائیں گے تو ضبط نہ کر سکیں گے فجل سی الخ ظاہر ہے کہ اسی نماز کے موقع پر حضورؐ کی طبیعت سکون پذیر ہوئی اور آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آئے۔ حضرت یق اکبرؓ نے جب دیکھا کہ حضورؐ آ رہے ہیں تو غایت ادب و تعظیم کی بنا پر پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر حضورؐ نے اشارہ سے ہدایت کی کہ اپنی جگہ ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام حضرت صدیقؓ کے پہلو میں جلوہ فرما رہے ٥۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس نماز میں حضور ہی امام تھے۔ صدیق اکبرؓ مقتدی اور مبلغ حضورؐ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے اور صدیق اکبرؓ کھڑے ہو کر حضورؐ کی اقتدا کر رہے تھے۔

بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ اَنْ يُّصَلِّيَ فِيْ رَحْلِهٖ

باب بارش یا کسی اور عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت

نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ دٍ وَّرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ لَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ

حضرت نافع سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک ٹھنڈی اور ہواؤں والی رات میں نماز کے لیے اذان دی۔ تو انھوں نے اذان کے بعد کہا۔ خبردار! ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو، تو پھر انھوں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سردی اور بارش والی رات میں مؤذن

يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔ (بخاری)

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ رَبِيْعِ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يَؤُمُّ قَوْمَهُ وَهُوَ اَعْمٰى وَاَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا تَكُوْنُ الظُّلْمَةُ وَالسَّيْلُ وَاَنَا رَجُلٌ ضَرِيْرُ الْبَصَرِ فَصَلِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ بَيْتِيْ مَكَانًا اَتَّخِذُهُ مُصَلًّى فَجَآءَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّيَ فَاَشَارَ اِلٰى مَكَانٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

کو حکم دیتے کہ وہ کہہ دے کہ اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھو۔

محمود بن ربیع انصاری سے مروی ہے کہ عتبان بن مالک قوم کی امامت کرتے تھے اور وہ نابینا تھے۔ انھوں نے حضو نبوی عرض کی۔ یا رسول اللہ کبھی اندھیرا ہوتا ہے اور کبھی بہتا ہے اور میں نابینا آدمی ہوں (جماعت میں شریک ہو سکتا) تو یا رسول اللہ! آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز میں اسی کو نماز کی جگہ بنا لوں گا۔ پھر حضورؐ ان کے گھر گئے تم کونسی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ نماز پڑھوں۔ انھو گھر میں ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ تو حضورؐ نے اسی جگہ پڑھی۔

حدیث اوّل باب الاذان للمسافر میں اور حدیث دوم باب المساجد فی بیوت فیوض الباری پارہ دوم ص۱۹۵ پر اور فیوض پارہ سوم ص۲۹۱ پر گذر چکی ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ اگر سخت سردی یا آندھی یا بارش وغیرہ ہو۔ تو جماعت میں ہونا معاف ہے اور اس صورت میں گھر میں اکیلا یا جماعت نماز ادا کر سکتا ہے۔ مگر یہ رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے کہ مسجد میں ہو کر با جماعت نماز پڑھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نے بوجہ نابینا ہونے کے ترک جماعت کی رخصت چاہی تو حضورؐ نے انھیں اجازت نہ دی اور اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ حضورؐ چاہتے تھے کہ عبداللہ عزیمت پر عمل کریں۔

بَابُ هَلْ يُصَلِّي الْاِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ وَهَلْ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَطَرِ

باب، بارش میں بھی لوگ اگر مسجد میں آجائیں تو کیا امام انھیں نماز پڑھائے اور جمعہ کا خطبہ دے‘

قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ قَالَ خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ رَدْغٍ فَاَمَرَ الْمُؤَذِّنَ لَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ قُلِ الصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ كَاَنَّهُمْ اَنْكَرُوْا فَقَالَ كَاَنَّكُمْ اَنْكَرْتُمْ هٰذَا اِنَّ هٰذَا فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا عَزْمَةٌ وَاِنِّيْ كَرِهْتُ اَنْ اُحْرِجَكُمْ وَعَنْ حَمَّادٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ كَرِهْتُ اَنْ اُؤَثِّمَكُمْ فَتَجِيْئُوْنَ تَدُوْسُوْنَ الطِّيْنَ اِلٰى رُكَبِكُمْ۔

عبدالحمید صاحب الزیادی نے بیان کیا کہ میں نے عبد حارث سے سنا کہ عبداللہ بن عباس نے ہمیں کیچڑ والے دیا۔ جس وقت مؤذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو آپ نے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے کہ لوگو اپنے اپنے ٹھکانوں پر پڑھ لو۔ لوگ یہ دیکھ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جیسے نے اس کو غیر معقول سمجھا۔ ابن عباس نے فرمایا۔ تم نے برا جانا۔ یہ تو انھوں نے کیا جو مجھ سے بہتر تھے۔ یعنی نبی علیہ وسلم۔ بیشک جمعہ واجب ہے اور میں نے بانا کہ تم کو میں ڈالوں۔ حماد نے اسی حدیث کو عاصم سے۔ انھوں نے بن حارث سے۔ انھوں نے عبداللہ بن عباس سے ایسے روایت کیا۔ مگر اس فرق سے کہ ابن عباس نے فرمایا۔ میں نے مشکل میں ڈالنا برا جانا کہ تم گھٹنوں تک کیچڑ میں لتھڑے ہو

عنوان کا مقصود یہ بتانا ہے کہ اگر عذر ہوتے ہوئے بھی لوگ مسجد میں آجائیں تو امام حاضرین کو نماز پڑھا دے اور جو لوگ نہیں آئے ن کا انتظار نہ کرے خصوصاً جب کہ الصلوٰۃ فی الرحال کا اعلان بھی ہو جائے —— اور حدیث زیر بحث سے واضح ہوا کہ سخت بارش دھی یا کیچڑ کہ جس کی وجہ سے جماعت میں شامل ہونا دشوار ہو۔ ترکِ جماعت کے لئے عذر ہیں۔

عَنْ اَبِي سَلَمَةَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيَّ
فَقَالَ جَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ حَتّٰى سَالَ
سَّقْفُ وَكَانَ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ فَاُقِيْمَتِ
صَّلٰوةُ فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ حَتّٰى رَاَيْتُ
ثَرَ الطِّيْنِ فِي جَبْهَتِهٖ (بخاری)

ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو سعید خدری سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ایک ابر کا ٹکڑا آیا۔ برسا۔ یہاں تک کہ مسجد کی چھت ٹپکنے لگی اور وہ کھجور کی شاخوں کی تھی۔ پھر نماز کی تکبیر ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ پانی اور مٹی (کیچڑ) میں سجدہ کر رہے ہیں اور کیچڑ کا اثر آپ کی پیشانی پر بھی آگیا ہے۔

اس حدیث کو امام نے اعتکاف، صوم، صلوٰۃ میں۔ مسلم و ابن ماجہ نے صوم میں اور ابو داؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا —— ب سے مناسبت یہی ہے کہ بارش وغیرہ کے موقع پر عموماً بعض لوگ مسجد میں نہیں آتے تو امام حاضرین کو نماز پڑھا دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام ے بھی جو آگئے تھے ان کو نماز پڑھا دی اور یہ واقعہ صبح کی نماز کا ہے۔ لہٰذا حدیث "باب ھل یصلی الامام بمن حضر" کے مناسب ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ سَمِعْتُ
سًا يَقُوْلُ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ
يْ لَآ اَسْتَطِيْعُ الصَّلٰوةَ مَعَكَ وَكَانَ رَجُلًا
ضَخْمًا فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَامًا فَدَعَاهُ اِلٰى مَنْزِلِهٖ فَبَسَطَ لَهٗ حَصِيْرًا
نَضَحَ طَرَفَ الْحَصِيْرِ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ
قَالَ رَجُلٌ مِّنْ اٰلِ الْجَارُوْدِ لِاَنَسٍ اَكَانَ
نَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي
ضُّحٰى قَالَ مَا رَاَيْتُهٗ صَلَّاهَا اِلَّا
وْمَئِذٍ۔ (بخاری)

انس بن سیرین سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس سے سُنا وہ کہتے تھے کہ انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا میں آپ کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو سکتا اور وہ شحیم و لحیم اور موٹا آدمی تھا۔ اس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ کو اپنے مکان پر دعوت دی اور ایک بوریا آپ کے لیے بچھایا اس کا ایک کنارہ دھو ڈالا۔ نبی علیہ السلام نے اسی بوریئے پر دو رکعتیں پڑھیں۔ ایک شخص نے جو جارُود کی اولاد میں سے تھا۔ انسؓ سے کہا۔ کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم دن چڑھے چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے تو آج ہی آپ کو یہ نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

وائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے صلاۃ ضحیٰ اور ادب میں، ابو داؤد نے صلاۃ میں ذکر کیا۔ مسائل حدیث یہ ہیں ۱۔ جس شخص کو موٹاپے کی وجہ سے جماعت میں شریک ہونا مشکل ہو وہ معذور ہے گھر پر نماز پڑھ سکتا ہے ۲۔ اہل افضل کی وت کرنا، دعوت قبول کرنا مستحب ہے ۳۔ چٹائی اور فرش جو گھانس پھونس سے بنایا جائے اس پر نماز بلا کراہت جائز ہے اور ر بن عبد العزیز رحؒ سے جو مروی ہے کہ وہ چٹائی پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یہ ان کی تواضع و انکساری تھی۔

ماز چاشت

چاشت کی نماز مستحب ہے کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ چاشت کی بارہ رکعتیں ہیں اور افضل بارہ ۱۲ ہیں۔ اس نماز کے فضائل میں متعدد حدیثیں وارد ہوئیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھیں

اس کے لیے اللہ تعالے جنت میں سونے کا محل بنائے گا۔ (ترمذی و ابن ماجہ) چاشت کی دو رکعتوں پر جو محافظت کرے اس کے گ
بخش دیے جائیں گے اگر سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں (ترمذی) چاشت کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال یعنی نصف النہار شرعی تک
ہے اور بہتر یہ ہے کہ چوتھائی دن چڑھے پڑھے (عالمگیری)۔

بَابٌ اِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ

باب، جب کھانا حاضر ہوا اور ادھر تکبیر ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَاُ بِالْعَشَآءِ وَقَالَ اَبُوْ الدَّرْدَآءِ مِنْ فِقْهِ الْمَرْءِ اِقْبَالُهٗ عَلٰى حَاجَتِهٖ حَتّٰى يُقْبِلَ عَلٰى صَلٰوتِهٖ وَقَلْبُهٗ فَارِغٌ عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا وُضِعَ الْعَشَآءُ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَآءِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قُدِّمَ الْعَشَآءُ فَابْدَءُوْا بِهٖ قَبْلَ اَنْ تُصَلُّوْا صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَلَا تَعْجَلُوْا عَنْ عَشَآئِكُمْ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ عَشَآءُ اَحَدِكُمْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَآءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَلَا يَاْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ وَاِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قِرَآءَةَ الْاِمَامِ وَقَالَ زُهَيْرٌ وَوَهْبُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ وَاِنْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ۔ (بخاری)

عبد اللہ بن عمرؓ تو ایسی حالت میں شام کا کھانا کھاتے تھے اور ابو درداء نے کہا کہ یہ آدمی کی عقلمندی ہے کہ پہلے اپنی پوری کرے۔ تاکہ نماز میں جب وہ کھڑا ہو تو اس کا دل خالی ہو (کوئی خیال دل میں نہ ہو) ہشام سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مجھ سے میرے ماں باپ نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سُنا۔ انھوں نے نبی علیہ السلام سے کہ آپ نے فرمایا۔ جب شام کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور ادھر نماز کی ہو جائے تو پہلے شام کا کھانا کھا لو۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب شام کا کھانا رکھ دیا جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے اسے کھا لو اور اپنا کھانا چھوڑ کر نماز میں جلدی مت کرو۔ ابن عمر سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی ایک کے سامنے شام کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کی تکبیر ہو جائے تو پہلے شام کا کھانا کھا لو اور نماز کے لیے جلدی کرو۔ یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو جائے اور عبد اللہ کے سامنے کھانا رکھا جاتا۔ اور ادھر نماز کھڑی ہو جاتی۔ وہ کھانے سے فارغ ہونے تک نماز کے لیے نہ آتے اور امام کی قرأت سُنتے رہتے اور زہیر اور وہب بن عثمان نے موسیٰ بن عقبہ سے انھوں نے نافع سے انھوں نے ابن عمر سے روایت کیا۔ انھوں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھ پر ہو تو وہ جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنی کھانے کی حاجت پوری کرے اگرچہ نماز کھڑی ہو جائے۔

فوائد و مسائل

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ فابدؤا کا امر جمہور کے نزدیک ندب کے لیے ہے۔ ان احادیث و آثار سے واضح ہوتا ہے کہ اگر سخت بھوک لگی ہو اور وقت میں گنجائش بھی ہو تو پھر پہلے کھانا کھالے اس کے بعد نماز پڑھے

کہ خضوع و خشوع میں فرق نہ آئے اور دربار خداوندی میں بحضور قلب حاضر ہو۔

اور روایت ابوداؤد عن جابر کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانے وغیرہ کے لیے نماز کو موخر نہ کرے۔ تو یہ حدیث ضعیف ہے اور اگر اس کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو مطلب حدیث یہ ہے کہ اگر نماز کا وقت تنگ ہو کہ کھانے میں مشغول ہونے کی صورت میں وقت ختم ہو جائیگا تو پہلے نماز پڑھ لینا ضروری ہے۔ لہذا تنگی وقت کی صورت میں نماز کو موخر کرنا جائز نہ ہوگا۔ عینی ج ۲ ص ۲۶۔

بَابُ إِذَا دُعِيَ الْإِمَامُ إِلَى الصَّلٰوةِ وَبِيَدِهٖ مَا يَأْكُلُ

باب، جب امام کو نماز پڑھانے کے لیے بلایا جائے اور وہ کھا رہا ہو۔

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ ذِرَاعًا يَحْتَزُّ مِنْهَا فَدُعِيَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَقَامَ فَطَرَحَ السِّكِّيْنَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (بخاری)

ابن شہاب سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جعفر بن عمرو بن اُمیہ خبر دی۔ ان کے باپ عمرو نے کہا۔ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ (بکری کا) دست کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے کہ اتنے میں نماز کے لیے آپ کو بلایا گیا آپ نے چھری پھینک دی اور نماز پڑھائی اور (دوبارہ) وضو نہیں کیا۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اس عنوان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ گزشتہ باب کی حدیثوں میں امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔ اگر وجوب کے لیے ہوتا تو حضور علیہ السلام درمیان طعام نماز کے لیے تشریف نہ لے جاتے ۲۔ حدیث زیر بحث سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ چند لقمے کھانے کے بعد بھوک کی شدت ٹوٹ جائے۔ تو پھر نماز میں تاخیر نہ کرے۔ بلکہ جماعت میں شامل ہو جانا بہتر ہے۔ ۳۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ یہ بھی کہ گوشت کے بڑے ٹکڑے کو چھری سے کاٹ کاٹ کر کھانا جائز ہے۔ جیسے امرود یا سیب اور دیگر اشیاء کو کاٹ کر کھاتے تھے۔

بَابُ مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَهْلِهٖ فَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَخَرَجَ

باب، جو شخص گھر کے کام کاج میں مشغول ہو اور نماز کی تکبیر ہو جائے تو نماز کے لیے جائے

عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ أَهْلِهٖ تَعْنِيْ خِدْمَةَ أَهْلِهٖ فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ (بخاری)

اسود سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔ نبی علیہ السلام گھر میں کیا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا۔ حضورؐ اپنے اہل کے امور سرانجام دیتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ گھر کے کام کاج اور امور خانہ داری میں مشغولیت ترک جماعت کیلیے عذر نہیں بن سکتی۔ اگر کوئی گھر کے کام کاج میں مصروف ہو اور نماز کی تکبیر ہو جائے تو تمام کاموں کو چھوڑ کر نماز میں شامل ہونا ضروری ہے۔

بَابُ مَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ وَهُوَ يُرِيْدُ أَنْ يُعَلِّمَهُمْ صَلٰوةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَّتَهٗ

باب، جو شخص صرف لوگوں کو تعلیم دینے اور بتانے کے لیے کہ نبی علیہ السلام کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ نماز پڑھے تو کیسا ہے؟

عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ قَالَ جَآءَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فِيْ مَسْجِدِنَا هٰذَا فَقَالَ إِنِّيْ لَأُصَلِّيْ بِكُمْ وَمَا أُرِيْدُ الصَّلٰوةَ أُصَلِّيْ كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ

ابو قلابہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مالک بن حویرث (صحابی رسولؐ) ہماری اس مسجد میں آئے اور کہنے لگے میں اس وقت تمہارے لیے نماز پڑھتا ہوں اور میری نیت نماز پڑھنے کی نہیں ہے فقط

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ كَيْفَ كَانَ يُصَلِّي قَالَ مِثْلَ شَيْخِنَا هٰذَا وَكَانَ الشَّيْخُ يَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ قَبْلَ أَنْ يَنْهَضَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى۔

یہ چاہتا ہوں کہ اس طرح نماز پڑھوں (اور تم کو بتلاؤں) جس طرح نبی علیہ السلام نماز پڑھتے تھے۔ ایوب نے کہا میں نے ابو قلابہ سے پوچھا کہ مالک کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے اس شیخ (عمرو بن سلمہ) کی طرح اور عمرو بن سلمہ جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے پہلی رکعت پڑھنے کے بعد تو کھڑے ہونے سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ جاتے۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ لوگوں کو نماز کی ترکیب سکھانے کے لیے نماز پڑھ کر دکھانا جائز ہے اور یہ کہ تعلیم بالفعل تعلیم بالقول سے زیادہ واضح ہوتی ہے۔ ۲۔ اس حدیث سے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال کیا کہ جب سجدہ ثانی کرکے سر اٹھائے تو ذرا دیر بیٹھ جائے۔ پھر کھڑا ہو (اس کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں) لیکن احناف کا موقف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے سجدہ ثانی کے بعد جو جلسۂ استراحت فرمایا تو وہ بوجہ ضعف کے تھا۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود و ابن عمر و ابن عباس و حضرت عمر و علی و ابی الزناد و نخعی و امام مالک و ثوری و احمد و اسحٰق کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اکثر احادیث سے ترکِ جلوس ثابت ہوتا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ اہل علم ترکِ جلوس ہی کے قائل ہیں۔

بَابُ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ

باب جو علم و فضل میں زیادہ ہو وہ امامت کا سب سے زیادہ حقدار ہے

اس عنوان کے ماتحت امام نے متعدد ایسی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ جن میں حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت کا ذکر ہے۔ الفاظ میں اگرچہ فرق ہے مگر مضمون تقریباً سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرضِ وفات میں حضرت صدیق اکبرؓ کو نماز پڑھانے کے لیے مقرر فرمایا اور جناب عائشہ صدیقہ رض کی معذرت کے باوجود حضورؐ نے اپنے فیصلے میں تبدیلی نہ فرمائی اور حضرت صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کی حیاتِ اقدس میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ تمام صحابہ کرامؓ میں اعلم و افضل ہیں اور حضورؐ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں کوئی اور امامت کرائے اور یہ کہ امامت کا زیادہ حقدار وہی ہے جو سب سے زیادہ اعلم و افضل ہو اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔ اسی عنوان کے ماتحت امام نے یہ دو حدیثیں بھی لکھی ہیں۔

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ وَكَانَ تَبِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَدَمَهُ وَصَحِبَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ حَتّٰى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوْفٌ فِي الصَّلٰوةِ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرَ الْحُجْرَةِ يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَكَصَ أَبُوْ بَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ

۱۔ زہری نے فرمایا مجھے حضرت انس بن مالک نے خبر دی (وہ حضورؐ کے تابعدار خادم اور صحابی تھے) کہ حضرت ابوبکرؓ حضور علیہ السلام کی اس علالت میں جس میں آپ نے وصال فرمایا صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے۔ جب پیر کا دن ہوا تو لوگ نماز کے لئے صف باندھے کھڑے تھے۔ آپ نے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور ہمیں ملاحظہ فرمانے لگے۔ آپ کا چہرۂ اقدس گویا مصحف کا ورق تھا۔ پھر آپ مسکرائے۔ حضورؐ کے دیدار سے ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ ہم نماز چھوڑنے ہی کو تھے اور حضرت ابوبکرؓ (تعظیماً) الٹے پاؤں پیچھے ہٹے تاکہ صف میں مل جائیں۔ وہ سمجھے کہ نبی علیہ السلام

الصَّفَّ وَظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَارِجٌ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتِمُّوا صَلٰوتَكُمْ وَأَرْخَى السِّتْرَ فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثًا فَأُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحِجَابِ فَرَفَعَهُ فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَحَ لَنَا فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ وَأَرْخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَابَ فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهِ حَتّٰى مَاتَ (بخاری)

کے لیے جلوہ فرما ہو رہے ہیں۔ لیکن حضور ؐ نے ہم کو اشارہ سے بتایا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ ڈال دیا۔ پھر اسی دن حضور کا وصال ہوا۔

(۲) حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام تین دن تک تشریف نہ لائے۔ ایک دن نماز کی تکبیر ہوئی اور حضرت ابوبکر رض نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھنے کو تھے کہ حضور علیہ السلام نے چہرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا۔ جب حضور ؐ کا چہرۂ اقدس ہمارے سامنے ہوا تو آپ کے چہرۂ مبارک سے زیادہ حسین اور کوئی چیز ہم کو نظر نہ آئی۔ پھر حضور ؐ نے اپنے دست مبارک کے اشارے سے حضرت صدیق اکبر رض کو امامت کے لیے حکم دیا اور پردہ لٹکا دیا۔ پھر وصال تک ہم حضور ؐ کی زیارت نہ کر سکے۔

فوائد و مسائل دونوں حدیثیں مسائل ذیل پر مشتمل ہیں ۱۔ امامت کے زیادہ حقدار وہ ہے جو سب سے زیادہ اعلم و افضل ہو۔ ۲۔ سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ کرام رض میں افضل و اعلم تھے۔ اسی لیے حضور ؐ نے امامت کے لیے ان کا انتخاب کیا ۳۔ حضور ؐ کے چہرۂ انور کو ورقِ مصحف سے تشبیہ دینے میں آپ کے ظاہری و باطنی حسن و جمال کا اظہار مقصود ہے۔ ۴۔ حضرت صدیق اکبر رض کو امامت کراتے ہوئے حضور ؐ کا ملاحظہ فرمانا اور پھر مسکرانا اس امر پر دال ہے کہ حضور علیہ السلام امامتِ صدیق رض پر راضی تھے اور آپ نے مسکرا کر تمام حاضرین پر اپنی رضا کا اظہار فرمایا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وصال تک تمام نمازیں حضرت صدیق اکبر ہی پڑھاتے رہے اور حضرات شیعہ کا یہ قول باطل ہوا کہ حضور ؐ نے جلوہ فرما ہو کر حضرت صدیق اکبر رض کو امامت سے معزول کر دیا تھا۔

بَابُ مَنْ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْإِمَامِ لِعِلَّةٍ

باب، کسی عذر کی وجہ سے مقتدی کا امام کے پہلو میں کھڑا ہونا

مسئلہ یہ ہے کہ امام مقتدیوں سے آگے کھڑا ہو۔ لیکن اگر عذر ہو تو مقتدی امام کے پہلو میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر مقتدی ایک ہے تو اس کو امام کے برابر داہنی طرف کھڑا ہونا چاہیے یا اگر جگہ تنگ ہو یا امام کے تمام ننگے ہیں تو بھی امام مقتدیوں کے ساتھ بیچ میں کھڑا ہوگا۔ اگر مقتدی دو ہیں یا زیادہ تو امام سے پیچھے کھڑے ہوں گے ۲۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیثِ امامت صدیق اکبر رض لکھی ہے۔ حضور ؐ نے مرضِ وفات میں حضرت ابوبکر صدیق کو امامت کرنے کا حکم دیا پھر حضور ؐ خود جلوہ فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر رض کے برابر بازو میں بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر رض حضور ؐ کے پہلو میں کھڑے ہوئے جس سے واضح ہوا کہ کسی عذر کی وجہ سے مقتدی امام کے پہلو میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رض حضور ؐ کے پہلو میں اس لیے کھڑے ہوئے کہ صف اول میں جگہ نہ تھی۔

بَابُ مَنْ دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ فَجَاءَ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ فَتَأَخَّرَ الْأَوَّلُ أَوْ لَمْ يَتَأَخَّرْ جَازَتْ

باب، جس شخص نے امامت شروع کر دی پھر مقررہ امام آ گیا۔ اب پہلا شخص پیچھے ہٹ گیا یا نہیں ہٹا بہر صورت نماز

صَلٰوتُهُ فِيهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جائز ہو گئی اس کے متعلق حضرت عائشہ رض نے حضور ؐ سے روایت کی ہے

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ اِلٰى عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَجَآءَ الْمُؤَذِّنُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ اَتُصَلِّيْ لِلنَّاسِ فَاُقِيْمُ قَالَ نَعَمْ فَصَلّٰى اَبُوْ بَكْرٍ فَجَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فِي الصَّلٰوةِ فَتَخَلَّصَ حَتّٰى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمَّا اَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيْقَ الْتَفَتَ فَرَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ فَرَفَعَ اَبُوْ بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا اَمَرَهٗ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ اسْتَاْخَرَ اَبُوْ بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوٰى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَثْبُتَ اِذَا اَمَرْتُكَ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ مَا كَانَ لِابْنِ اَبِيْ قُحَافَةَ اَنْ يُّصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالِيْ رَاَيْتُكُمْ اَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيْقَ مَنْ نَابَهٗ شَيْءٌ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيُسَبِّحْ فَاِنَّهٗ اِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ اِلَيْهِ وَاِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَآءِ - (بخاری)

سہل بن سعد ساعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف کے ہاں ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ مؤذن حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں آیا اور کہا کیا آپ نماز پڑھائیں گے میں تکبیر کہتا ہوں۔ آپ نے کہا۔ ہاں تو حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھانے لگے کہ حضور علیہ السلام تشریف لے آئے اور لوگ نماز میں تھے۔ آپ صفوں کو چیرتے ہوئے پہلی صف میں آ کر کھڑے ہو گئے تو لوگوں نے دہنے ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی پشت پر ماریں حضرت ابو بکرؓ کی یہ عادت کریمہ تھی کہ وہ نماز میں کسی اور طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب لوگوں نے تصفیق میں زیادتی کی تو حضرت ابو بکرؓ متوجہ ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی ہی جگہ ٹھہرے رہو۔ پس ابو بکرؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر پیچھے ہٹ کر صف میں مل گئے اور حضور علیہ السلام آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا۔ میرے اشارے پر تم اپنی جگہ مصلے پر کیوں نہیں ٹھہرے رہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔ ابو قحافہ کے بیٹے کو یہ لائق نہیں کہ وہ حضورؐ کے آگے ہو کر نماز پڑھائے۔ پھر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم اتنی زیادہ تصفیق کیوں کرتے تھے۔ اگر نماز میں کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو اسے سبحان اللہ کہنا چاہیئے۔ جب وہ سبحان اللہ کہے گا۔ تو امام اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ اور تصفیق تو عورتوں کے لیے ہے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے سات جگہ ذکر کیا ہے۔ صلوٰۃ، سہو، صلح، احکام وغیرہ میں اور مسلم و نسائی و ابو داؤد نے بھی حدیث کو روایت کیا ہے۔ بنی عمرو بن عوف انصار میں دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ ان کی متعدد شاخیں تھیں بنی عمرو بن عوف بھی قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہیں۔ یہ لوگ قبا میں رہتے تھے۔ آپس میں لڑ پڑتے تھے۔ اور حضور علیہ السلام ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ مسند احمد و ابو داؤد و نسائی کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام ظہر کی نماز کے بعد صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے اور حضرت بلالؓ سے فرما گئے تھے کہ اگر عصر کی نماز تک میں نہ آؤں تو ابو بکرؓ نماز پڑھا دیں۔ چنانچہ جب عصر کا وقت ہوا تو حضرت بلالؓ نے تکبیر کہی اور حضرت ابو بکرؓ حسب

امامت کے لیے کھڑے ہوئے۔ ابھی صرف تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے، اور حضورؐ نے نماز پڑھائی (نیل الاوطار) حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ امام کا اپنی رعیت کے مصالح کے لیے خود جانا ۲۔ اگر متخاصمین کا عدالت میں بلانا قرین مصلحت نہ ہو تو حاکم خود جاکر فیصلہ کر سکتا ہے ۳۔ نماز کا دو اماموں کی امامت سے جائز ہونا جب کہ ایک کے بعد دوسرا امامت کرے۔ جیسے امام کو حدث ہو جائے تو اشارے سے اپنے مقتدی کو خلیفہ بنا سکتا ہے ۴۔ امام معین ہی امامت کا حقدار ہے۔ لیکن اگر امام معین وقت پر حاضر نہ ہو تو حاضرین اپنے میں سے کسی جامع شرائط امامت کو امام بنالیں اور بہتر یہ ہے کہ امام معین اپنے کسی کام سے حاضر نہ ہو سکے تو کسی کو اپنی جگہ مقرر کر جائے تاکہ جھگڑا وغیرہ نہ ہو ۵۔ نماز کی تکبیر کہنا اور امام کو نماز کے لیے بلانا مؤذن کا حق ہے۔ سُنت یہی ہے جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔ ۶۔ بحالتِ نماز بضرورت ادھر ادھر نظر کرنا جب گردن نہ پھرے جائز ہے اور حضورؐ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ لیکن بلا ضرورت ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نماز میں اللہ عزوجل اس وقت تک اپنے بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جب تک وہ کسی طرف التفات نہ کرے ۷۔ دورانِ نماز کوئی حادثہ پیش آجائے تو مرد اشارہ یا تسبیح سے کام لے اور عورت تصفیق کرے یعنی داہنے ہاتھ کی انگلیاں بائیں کی پشت پر مارے اگر مرد نے تصفیق کی اور عورت نے تسبیح تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ مگر ایسا کرنا خلافِ سنّت ہے۔

فائدہ عورت کے لیے تصفیق کا حکم اس لیے ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور سبحان اللہ کہنے میں عورت کی آواز بلند ہوگی اس لیے منع کیا گیا ۲۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا کہ جب امام معین آجائے تو اختیار ہے کہ خود امام بن جائے یا اقتداء کرے اور دوسرا شخص جو امام بن چکا ہے مقتدی ہو جائے۔ اس طرح کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی لیکن یہ استدلال دُرست نہیں کیونکہ زیر بحث حدیث میں حضورؐ کا امام بن جانا حضورؐ کی خصوصیات سے ہے۔ اسی طرح حضورؐ کا نمازیوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں جاکر کھڑا ہونا اور حضرت صدیق اکبرؓ کا اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر حمد و ثنا کرنا یہ سب اُمور مخصوص ہیں اور ان پر توارث عمل مفقود ہے۔ یہ اپنے مورد پر بند رہیں گے۔

بَابٌ اِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ اَكْبَرُهُمْ

باب جب سب کے سب قرأت میں برابر ہوں تو جو ان میں سب سے بڑا ہے وہ امامت کرے

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ فَلَبِثْنَا عِنْدَهٗ نَحْوًا مِّنْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيْمًا فَقَالَ لَوْ رَجَعْتُمْ اِلٰى بِلَادِكُمْ فَعَلَّمْتُمُوْهُمْ مُرُوْهُمْ فَلْيُصَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا وَصَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔

مالکؓ بن حویرث سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم اس وقت جوان تھے اور ہم آپ کے پاس تقریباً بیس راتیں رہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلّم بڑے ہی رحیم (مہربان) تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تم اپنے ملک میں لوٹ جاؤ اور وہاں کے لوگوں کو دین کی باتیں سکھاؤ اور ان کو حکم دو کہ وہ فلاں وقت کی نماز فلاں وقت میں پڑھیں اور فلاں وقت کی نماز فلاں وقت میں پڑھیں اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان دے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔

فائدہ مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ اگر حاضرین میں سے سب قرأت میں برابر ہوں تو جو سب سے بڑا ہو وہ امامت کرے۔ زیر

عنوان حدیث میں اگرچہ مفہوم عنوان کی تصریح نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مالک بن حویرث اور ان کے ساتھی جب بیس دن تک بحضورِ نبوی مقیم رہے تو سب حضورؐ کے فیوض و برکات سے مساوی طور پر فیض یاب ہوئے اور علمِ دین و قرأت سب نے برابر سیکھی لہذا اس صورت میں بڑی عمر والے کو ترجیح ہوگی۔

بَابُ إِذَا زَارَ الْإِمَامُ قَوْمًا فَأَمَّهُمْ

باب، جب امام کسی قوم سے ملنے جائے تو ان کا امام ہو سکتا ہے

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیثِ عتبان بن مالک درج کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر پر تشریف لے گئے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے گھر کی کونسی جگہ میں یہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں نماز پڑھوں انھوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا، حضورؐ کھڑے ہوئے اور حاضرین نے حضورؐ کی اقتداء میں نماز ادا کی ـــــ اس حدیث اور باب سے مقصود یہ بتانا ہے۔ جو مسلمانوں کا امام و خلیفہ ہو وہ اپنے ماموریں میں امامت کر سکتا ہے اور قوم کی اجازت سے امامت کرنا بہتر ہے کیونکہ حدیث زیر بحث میں ضمنی طور پر اجازت لینا بھی ثابت ہے۔

بَابُ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ وَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ بِالنَّاسِ وَهُوَ جَالِسٌ ۔

باب، امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور حضور علیہ السلام نے اپنی اس بیماری میں، جس میں وصال فرمایا لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی۔

عنوان دراصل ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جس کا اقتضاء عام ہے۔ یعنی یہ کہ مقتدی مطلقاً امام کی امامت کرے اور حدیث عائشہ میں ہے کہ حضورؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے اور حضورؐ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ لہذا حدیث کے عموم کی تخصیص ہوگئی ـــــ لہذا اگر امام بوجہ عذر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز ادا کریں اور اس معاملہ میں امام کی متابعت نہ کریں حضورؐ کے آخری عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِذَا رَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ يَعُودُ فَيَمْكُثُ بِقَدْرِ مَا رَفَعَ ثُمَّ يَتْبَعُ الْإِمَامَ ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ جب کوئی شخص امام سے پہلے سر اٹھائے تو وہ پھر رکوع یا سجدہ میں چلا جائے اور اتنی دیر ٹھہرے جتنی دیر سر اٹھائے رہا تھا پھر امام کی متابعت کرے۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا۔ عینی ج ۲ ص ۲۲۲، اس سے واضح ہوا کہ اگر امام سے پہلے مقتدی نے سر اٹھا لیا تو رکوع یا سجدہ میں لوٹ جانا واجب ہے۔ نہ لوٹے گا تو کراہت تحریم کا مرتکب ہوگا، گنہگار ہوگا۔

قَالَ الْحَسَنُ فِيمَنْ يَرْكَعُ مَعَ الْإِمَامِ رَكْعَتَيْنِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى السُّجُودِ يَسْجُدُ لِلرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَقْضِي الرَّكْعَةَ الْأُولَى بِسُجُودِهَا وَفِيمَنْ نَسِيَ سَجْدَةً حَتَّى قَامَ يَسْجُدُ ۔ (بخاری)

اور امام حسن بصریؒ نے کہا کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے لیکن سجدہ نہ کر سکے تو وہ اخیر رکعت کے لیے دو سجدے کرے پھر پہلی رکعت سجدے سمیت دہرائے ۲۔ اور جو شخص سجدہ بھول کر کھڑا ہوگیا تو وہ سجدہ میں چلا جائے۔

یعنی اگر کوئی شخص لوگوں کے اژدحام و ہجوم کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکے۔ تو سلام پھیرنے کے بعد وہ سجدہ کرے اور پہلی رکعت سجدوں سمیت قضا کرے۔ احناف کے ہاں بھی یہی مسئلہ ہے۔ جس کو مسائل سجدات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے فتح القدیر میں اور حضرت قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ نے مالابد منہ، میں ان مسائل کا ذکر کیا ہے اور اسی طرح جو شخص سجدہ بھول کر

ہو گیا تو اس کو چاہیئے کہ سجدہ میں چلا جائے۔

اس کے بعد امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے۔ جس میں حضورؐ نے اپنے مرض وفات میں جناب صدیق اکبرؓ کو امامت کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر خود حضورؐ بھی تشریف لے آئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے تھے۔

جعل ابوبکر یصلی وھو یاتم بصلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والناس بصلوٰۃ ابی بکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قاعد (بخاری)

تو ابوبکرؓ تو نماز میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے بیٹھے نماز ادا فرما رہے تھے۔

عن عائشۃ ام المؤمنین انھا قالت صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتہ وھو شاک فصلی جالسا وصلی وراءہ قوم قیاما فاشار الیھم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا رکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد واذا صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون (بخاری)

۲۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی وجہ سے گھر میں نماز بیٹھے بیٹھے پڑھی اور آپ کے پیچھے چند لوگوں نے کھڑے کھڑے نماز پڑھی آپ نے ان کو اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی سب کے سب بیٹھ کر پڑھو۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے اور مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں تو جائز ہے ۲۔ امام کی متابعت ضروری ہے ۳۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ تو مقتدی صرف ربنا و لک الحمد کہیں۔ یعنی وظیفہ امام تسمیع ہے اور مقتدی کا وظیفہ تحمید ہے کیونکہ حضورؐ نے دونوں کے وظیفے تقسیم کر دیئے اور قسمت شرکت کے منافی ہے۔ امام مالک و احمد (فی روایۃ) کا بھی یہ مذہب ہے اور امام شافعی و امام محمد و ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام و مقتدی تسمیع و تحمید دونوں کہے لیکن حدیث ہذا ان پر حجت ہے۔

ربنا لک الحمد اکثر روایات میں واؤ کے ساتھ منقول ہے۔ حدیث عائشہؓ و حضرت ابو ہریرہؓ و حدیث انسؓ میں بھی ہے۔ البتہ لیث عن زہری اور کشمیہنی کی روایت میں واؤ نہیں ہے۔ امام نووی نے فرمایا۔ بحذف واؤ و باثبات واؤ دونوں طرح ثابت ہے۔ اور ایک روایت میں اللھم ربنا و لک الحمد۔ اللھم کے لفظ کی زیادتی کے ساتھ بھی آیا ہے ____ بعض علماء نے اثبات کو ترجیح دی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس طرح ایک زائد معنی پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی واؤ عاطفہ علی المحذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔ یا ربنا استجب و لک الحمد اس صورت میں یہ کلام دعا اور حمد دونوں کو شامل ہو گا۔ بہرحال واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکب فرسا فصرع عنہ فجحش شقہ الایمن فصلی صلوٰۃ من الصلوٰۃ

انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ اس پر سے نیچے آ رہے تھے اور آپ کی داہنی کروٹ چھل گئی تو آپ نے کوئی نماز ان نمازوں میں سے

وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ قَوْلُهُ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَالِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری)

بیٹھ کر پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا۔ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی سب کے سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ امام بخاری نے فرمایا کہ حمیدی نے کہا۔ یہ جو آپ نے فرمایا جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ یہ پرانی بیماری میں فرمایا ہے۔ پھر اس کے بعد (مرض الوفات میں) آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہ دیا اور (قاعدہ یہ) ہے کہ جو فعل آپ کا آخری ہو۔ اسی کو لینا چاہیے اور پھر جو اس سے آخری ہو۔

کیا جب امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھیں

ابو عبد اللہ سے مراد امام بخاری ہیں اور حمیدی یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور امام شافعی کے تلمیذ۔ ان کا نام عبد اللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبید اللہ بن الزبیر بن عبید اللہ بن حمید القرشی اسدی ہے ان کی کنیت ابو بکر ہے اور یہ افراد بخاری سے ہیں ۲۱۹ھ میں ان کا وصال ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کا میلان بھی حمیدی کی طرف ہے اور حمیدی کا وہی مسلک ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ و شافعی و ثوری و ابو ثور اور جمہور سلف کا مسلک ہے یعنی جو قیام پر قادر ہے وہ قاعد امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا آخری عمل یہی ہے اور اس سے قبل کی حدیث میں جو ہے امام بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں۔ یہ منسوخ ہے۔

بَابُ مَتٰى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ

باب، امام کے پیچھے مقتدی کب سجدہ کریں؟

وَقَالَ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا (بخاری)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتّٰى يَقَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ (بخاری)

اور انس رض نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

عبد اللہ بن یزید سے مروی ہے انھوں نے کہا مجھ سے براء (صحابی) نے بیان کیا وہ جھوٹے نہیں تھے۔ انہوں نے کہا نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی اپنی پیٹھ (سجدہ کے لئے) نہ جھکاتا یہاں تک کہ آپ سجدہ میں تشریف لے جاتے۔ پھر آپ کے بعد ہم لوگ سجدہ میں جاتے

دو مسائل واضح ہو کہ مقتدی کے لیے امام کی متابعت واجب ہے اور متابعت کا مطلب یہی ہے کہ امام جب کسی رکن کو شروع کرے تو مقتدی کا شروع امام کے فراغ سے بعد ہو۔ مثلاً امام سجدہ میں جھکا تو اس کے جھکنے کے بعد مقتدی بھی سجدہ کے لئے جھک ـے چنانچہ فاسجدوا میں ف تعقیب کے لیے ہے۔ اس کا مفاد بھی صرف اسی قدر ہے کہ مقتدی کا شروع امام کے شروع کے بعد ہو اور اسی قدر ـیب ف کے لئے کافی ہے۔ اسی کو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے مقارنت سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی ف تعقیب مع الوصل کے لیے ہے۔

اور حدیث دوم کے لفظ ثم یقعون سے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے مسابقت و مقارنت کی نفی اور طول طمانیت کا سنت ہونا ثابت کیا ہے لیکن ـہے کہ اس سے طول طمانیت کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ مسلم کی حدیث میں یہ تصریح ہے انہ امرھم بذلک حین بدن ـلتی۔ ان یتقدموا علیہ کہ حضور علیہ السلام کا بدن مبارک بھاری ہوگیا تھا۔ اس وجہ سے آپ سجدہ میں جلدی نہیں جا سکتے تھے۔ اسلئے آپ نے ـا جب تک میں سجدہ میں نہ چلا جاؤں اس وقت تک تم نہ جھکو تاکہ تقدم کا خطرہ نہ رہے۔ فافہم۔ واضح ہو کہ مبادرۃ من الامام یعنی امام کے سجدہ یا ـع میں شروع ہونے سے پہلے مقتدی کا سجدہ یا رکوع میں چلے جانے سے اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مگر یہ فعل مکروہ تحریمی ہے۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ

باب جو شخص امام سے پہلے (رکوع یا سجدہ سے) سر اٹھائے اس کا گناہ

مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ
ـنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا يَخْشٰى اَحَدُكُمْ
لَا يَخْشٰى اَحَدُكُمْ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ
يَّجْعَلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ
صُوْرَتَهٗ صُوْرَةَ حِمَارٍ

محمد بن زیاد سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا۔ میں نے ابوہریرہؓ سے سنا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں کوئی جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کہیں اللہ اس کا سر گدھے کا سر کردے یا اس کی صورت گدھے کی صورت کردے۔

دو مسائل اس حدیث کو ابوہریرہ نے روایت کیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ امام کی متابعت واجب ہے اور اس شخص کے لئے وعید شدید ہے جو رکوع یا سجود میں امام سے پہلے اٹھ جاتا ہے اور جس فعل پر وعید آجائے اس کا گناہ ہونا متفق بات ـے۔ ۱۔ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے اس امر کا خوف ظاہر کیا ہے جو شخص ایسا کرتا ہے تو اس کی صورت مسخ ہوجائے۔ وقوع پر کوئی ـت نہیں ہے کہ جو ایسا کرے گا اس کا چہرہ مسخ ہوگا۔ بایں ہمہ اس کو معمولی سمجھنا سخت نادانی ہے۔ چنانچہ حضرت علی قاری علیہ الرحمۃ ـے مسخ کا ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ دمشق کے ایک مشہور عالم کے پاس ایک شخص پڑھنے گیا۔ وہ اسے پردہ میں بیٹھ کر پڑھاتے۔ جب ایک ـرصہ گذر گیا تو ایک دن انہوں نے پردہ اٹھا کر اپنا چہرہ دکھایا اور کہا۔ اے میرے بیٹے! امام پر سبقت کرنے سے بچنا۔ امام سے پہلے کبھی ـع و سجدہ میں نہ جانا۔ میں نے اس حدیث کو جس میں مسخ کی وعید ہے۔ مستبعد جانا اور قصداً امام پر سبقت کی فَصَار ـجھی کما تری تو میرا چہرہ ایسا ہوگیا جیسا تو دیکھ رہا ہے۔ (یعنی گدھے کا) العیاذ باللہ العظیم۔ ۲۔ ابن بزیزہ نے کہا کہ ـول سے مراد مسخ ہے یعنی ظاہری و باطنی حسی و معنوی ہیئت کا بدل جانا۔

علامہ قسطلانی نے لکھا ہے۔ اس امت میں مسخ ممکن ہے اور جن احادیث میں امت مرحومہ کے لئے خسف و مسخ کے امتناع ـیان ہے۔ اس سے مراد مسخ عام ہے اور یہ خاص ہے۔

بَابُ اِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلٰى

باب غلام اور آزاد کردہ غلام کی امامت کا بیان

وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ ۔

اور حضرت عائشہؓ کا غلام مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھتے ہ امامت کرتے تھے۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو وہ رمضان میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھتا اور امامت کرتا تھا۔ بیہقی کی حدیث میں یہ ہے کہ ابا عمرو ذکوان دونوں حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور رمضان میں کے فرائض انجام دیتے تھے۔

نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھنے کے متعلق بحث

نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھنا مفسد نماز ہے یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن سیرین، حس حکم بعض علماء جواز کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسف و محمد فرماتے ہیں کہ مصحف کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ لہذا نماز میں مصحف سے دیکھ جائز ہے البتہ مشابہت اہل کتاب کی وجہ سے مکروہ ہے۔ حضرت انس کے متعلق روایت ہے کہ وہ نماز پڑھتے اور ان کا غلام قرآن مجید کھڑا رہتا۔ جب وہ کہیں اٹکتے تو غلام قرآن مجید ان کے سامنے کھول دیتا۔ حضرت امام مالک صرف تراویح اور نوافل میں جواز کے قائل ہیں۔ ۲۔ ابر نخعی و سعید بن المسیب، شعبی و حسن (فی روایۃ) کراہت کا قول کرتے ہیں۔ ۳۔ علامہ ابن حزم نے فرمایا کہ امام ہو کہ مقتدی کسی کو نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ اگر پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ احناف کا یہی مسلک ہے اور بعض علماء نے اثر مذکور کی یہ تاویل کی ہے حضرت ذکوان صبح کو مصحف سے یاد کرتے تھے اور رات کو تراویح میں بغیر دیکھے پڑھتے تھے لیکن یہ تاویل محض ایک تاویل ہی ہے۔ اصل یہ ہے کہ نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھنے پر قرارت مفقود ہے لہذا ایسا کرنا مفسد نماز ہونا چاہیے۔

وَوَلَدِ الْبَغِيِّ وَالْأَعْرَابِيِّ وَالْغُلَامِ الَّذِي لَمْ يَحْتَلِمْ (بخاری)

اور ولد الزنا اور گنوار اور نابالغ لڑکے کی امامت کا بیان۔

واضح ہو کہ مرد غیر معذور کے امام کے لیے چھ شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ اسلام۔ بلوغ۔ عاقل ہونا۔ مرد ہونا۔ قرات۔ معذور نہ ہو۔ غلام۔ دیہاتی۔ اندھے اور ولد الزنا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اندھے کی امامت میں تو بہت خفیف کراہت ہے اور کراہت بھی وقت ہے جب کہ اس جماعت میں مذکورہ بالا افراد سے کوئی اور بہتر ہو۔ ورنہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں اور بالغوں کے لیے بالغ امام کا ہو ہے۔ نابالغوں کے پیچھے بالغوں کی کوئی نماز درست نہیں۔

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ ۔ (بخاری)

کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو ان میں اللہ کی کتاب ک زیادہ قاری ہو۔ وہ ان کی امامت کرے۔

اس حدیث کو امام نے مذکورہ بالا افراد کی امامت کے جواز ثبوت میں پیش کیا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث مذکورہ بالا افراد کو بھی شامل ہے اور ان میں فرق نہیں کیا گیا۔ صرف یہ قید ہے کہ جو زیادہ اقرء ہو وہ امامت کرائے۔ خواہ غلام ہو یا اعرابی ولد الزناء۔

وَلَا يُمْنَعُ الْعَبْدُ مِنَ الْجَمَاعَةِ بِغَيْرِ عِلَّةٍ ۔

اور غلام کو بغیر کسی وجہ کے جماعت سے نہ روکا جائے۔

یہ جملہ معطوف ہے ترجمہ پر اور امام بخاری کے اپنے الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ غلام کو جماعت میں حاضری سے نہ روکا جائے کیونکہ باب عبادت میں اللہ کا حق بندوں کے حق پر مقدم ہے کیونکہ ترک جماعت بلا عذر پر وعید شدید آئی ہے۔ لہذا مالک کو چاہیئے غلام و نوکر چاکر وغیرہ کو جمعہ و جماعت سے بلا وجہ شرعی نہ روکے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب مہاجرین اولین آگئے

قُوْنَ الْعُصْبَةَ مَوْضِعًا بِقُبَاءٍ وَقَبْلَ مَقْدَمِ رَسُوْلِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى
حُذَيْفَةَ وَكَانَ اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ
ـهٗ زَبِيْبَةٌ۔

ہجرت کر کے مقام عصبہ میں پہنچے جو قبا میں ایک مقام ہے۔ حضور علیہ السلام کے تشریف لانے سے پہلے تو سالم جو ابو حذیفہ کے غلام تھے۔ اُن کی امامت کیا کرتے تھے۔ ان کو سب سے زیادہ قرآن یاد تھا۔

۲۔ حضرت انس بن مالک نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا امام کی بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام جس کا سر سوکھے ہوئے انگور کے برابر ہو تم پر امام بنا دیا جائے۔

ئد و مسائل

حدیث اوّل کو ابو داؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا اور بیہقی نے بھی روایت کیا اور حدیث دوم کو امام نے صلوٰۃ میں اور ابن ماجہ نے جہاد میں ذکر کیا۔ ان دونوں حدیثوں سے غلام کی امامت کا درست ہونا ثابت ہوا۔ جب کہ وہ قرآن
ی ہو ۱۔ حضرت سالم بن معقل ابو حذیفہ کی زوجہ کے غلام تھے۔ آزاد ہونے سے پہلے مقامِ عصبہ میں امامت کیا کرتے تھے۔ کبار صحابہ
ت عمر، زید بن حارثہ اور عامر بن ربیعہ وغیرہ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔ حضرت سالم کو ابو حذیفہ کا مولیٰ اس لیے کہا گیا ہے
ے آزاد ہونے کے بعد بھی ابو حذیفہ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آخر ابو حذیفہ نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ کہا گیا ہے سالم اہلِ فارس سے تھے۔
موالی و خیارِ صحابہ مہاجرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔ ابن ام عبد یعنی ابن مسعود،
ی بن کعب، معاذ بن جبل۔ سالم بن معقل۔ حضرت ابن عمر وغیرہ انہیں کے شاگرد ہیں۔ حدیث زیر بحث میں حضرت ابن عمر نے وکان
ہم قرآنا کہہ کر ان کے استحقاقِ امامت کا اظہار فرما دیا ہے۔ حضرت سالم خلافتِ صدیق رضؓ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔
ج ۲ ص۵۵) وقسطلانی وفتح الباری۔ ۳۔ اور حدیث دوم کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ جب حبشی غلام کو مسلمانوں کا حاکم
ت کا حکم ہے تو اس کی امامت تو بطریق اولیٰ درست ہوگی۔ کیونکہ حضور نے فرمایا۔ صلی لکم خیر اھبر کم ور قرآن
تعمل حبشی کے معنی یہ ہیں کہ اگر امامِ اکبر کسی حبشی غلام کو بھی حاکم بنا دے تو اس کی اطاعت کرو۔ کیونکہ امامتِ کبریٰ کے
ے قرشی ہونا ضروری ہے اور غیر قرشی امام اکبر نہیں بن سکتا۔

بَابُ اِذَا لَمْ يُتِمَّ الْاِمَامُ وَاَتَمَّ مَنْ خَلْفَهٗ

باب۔ اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے اور مقتدی پورا کریں

ـي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ
ـهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُصَلُّوْنَ لَكُمْ
اَصَابُوْا فَلَكُمْ وَاِنْ اَخْطَاُوْا فَلَكُمْ
ـيْهِمْ۔ (بخاری)

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ امام لوگ تم کو نماز پڑھاتے ہیں۔ اگر صحیح طریقہ پر پڑھائیں گے تو تم کو ثواب ملے گا اگر غلطی کریں گے تو تم کو ثواب مل جائے گا اور غلطی کا وبال ان پر رہے گا۔

امام کی نماز میں نقص رہ جائے تو مقتدیوں کی نماز میں فساد نہیں آئیگا؟

اس حدیث سے امام شافعی و مالک و احمد علیہم الرحمۃ نے یہ استدلال
کہ امام کی نماز میں اگر نقص رہ جائے تو مقتدیوں کی نماز میں فساد نہیں آئیگا۔ جب کہ مقتدیوں نے جملہ شرائط وارکان پورے ادا کیے ہوں
امام نے بے وضو یا بحالتِ جنابت نماز پڑھا دی جس کی مقتدیوں کو خبر نہ تھی۔ نماز کے بعد امام کا بے وضو ہونا ثابت ہوا تو اس صورت
مقتدیوں کی نماز درست ہو گئی اور امام پر اعادہ لازم ہوگا۔ یعنی امام کی نماز درست نہ ہوگی (فکذا فی شرح السنۃ) حضرت امام

شافعی اسی حدیث سے یہ اصول قائم کرتے ہیں کہ مقتدی محض موافقت میں امام کا تابع ہوتا ہے۔ صحت وفساد میں نہیں لیکن سی امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

اوّل ۔ حدیث زیر بحث میں فان اخطاؤا فلکم وعلیھم ہے کہ اگر امام نے خطا کی اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ حدیث کے ان جملوں سے امام شافعی نے یہ استدلال فرمایا کہ امام کی خطا مقتدی کی نماز میں اثر انداز نہیں ہوتی۔ جب انھوں نے دیکھا یہ بات نص سے ثابت ہے تو انھوں نے اس کو اتنا عام کیا کہ یہاں تک فرما دیا کہ اگر امام نے بے وضو نماز پڑھا دی تو مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی لیکن امام شافعیؒ نے اس کا خیال نہیں فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے (خطا کرنے والے) امام کی نماز کو بھی نماز قرار دیا ہے اور اسی امام کی نماز کو نماز قرار دیتے ہوئے اس کی متابعت کا حکم دیا ہے یعنی لکم وعلیھم کے عام جملے کے مصداق وہ ہے جو نماز ہو اور جب بے وضو نماز پڑھا دی تو اس صورت میں تو اس کی نماز نماز ہے ہی نہیں کیونکہ حضورؐ نے فرمایا۔ لاصلوٰۃ الا بطھور اور امام شافعی لکم وعلیھم کا مصداق اس کو بنا رہے ہیں۔ جس پر صلوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہی نہیں اور جب امام کی نماز نماز ہی نہیں تو پھر اقتدا غرضیکہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے استدلال کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ حضورؐ کے ارشاد لکم وعلیھم کو اس پر بھی جاری کر رہے ہیں جس پر صلوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہی نہیں۔

دوم ۔ یہ کہ حدیث زیر بحث مبہم ہے یعنی حضورؐ کا یہ ارشاد فان اخطاؤا [2] اگر امام نماز میں خطا کرے تو اس کا وبال اسی پر ہے اس میں سخت ابہام ہے یعنی اس کا بیان نہیں ہے کہ امام سنن و مستحبات میں خطا کرے یا نماز کے ارکان و شرائط میں بھی نقص کیا ہو۔ اس کی نوعیت کیا ہو۔ لہٰذا ضروری ہے۔ پہلے یہ معین کیا جائے کہ کس قدر نقص مقتدیوں کی نماز میں خلل انداز نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ میں حدیث زیر بحث کا مقصود یہ ہے کہ اگر امراء فاسق و فاجر ہوں اور ان کے شر سے بچنے کے لیے ان کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے تو درست ہے گویا حدیث کا سوق مقتدیوں کی تسلی کے لیے ہے (اس لیے نہیں ہے جو امام شافعیؒ نے سمجھا ہے) چنانچہ آئندہ باب کے کے جملے بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ حدیث زیر بحث کا مصداق۔ افعالِ صلوٰۃ نہیں ہیں۔ بلکہ امام کے متعلق ان کے معتقدات ذہنی ہیں کہ اگر امام فاسق و فاجر باغی ہو تو اس کی اقتدا میں نماز درست ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے اس کی طرف سے باز پرس کا خطرہ ہو اور اس کو حاکمیت حاصل ہو۔ تو ایسے افراد کے لیے حضورؐ نے تسلی دی کہ فان اخط کہ اگر امام خاطی ہو یعنی فاسق و فاجر ہو تو اس کے فسق و فجور کا وبال اسی پر ہوگا۔ مقتدیوں پر نہیں ہوگا۔ خلاصہ کلام یہ کہ فان

---

[1] یصلی لنا امام فتنۃ و نتحرج کہ فسادیوں کا امام نماز پڑھاتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ حرج میں نہ پڑ جائیں (یعنی گنہگار نہ ہوں) تو یہ تحرج ان کے معتقدات ذہنی کا ہے یا فسق خارجی کا جیسے عام طور پر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ صاحب فلاں امام مسجد کی بیوی بے پردہ پھرتی ہے۔ فلاں سود کھاتا ہے۔ فلاں سینما دیکھتا ہے (اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟) دیکھیے یہ تمام نقائص خارجی ہیں۔ نماز کے نقائص نہیں۔ بلکہ امام کے نقائص ہیں جو مقتدیوں کے ذہن میں موجود ہیں کہ امام باغی ہے۔ فاسق، فاجر یا شرابی یا بدعتی اور متحرج سے قطعاً حتماً یہ مراد ہے ہی نہیں کہ امام نماز میں خطا کرتا ہے یعنی بے وضو نماز پڑھاتا ہے یا ارکان و شرائط نماز میں سے کسی رکن یا شرط کو ادا نہیں کرتا ہے۔ منہ

[2] یعنی اگر نماز میں وہ خطا کرے۔ دیکھیے امام کی نماز کو نماز قرار دینے کی صورت میں حضور علیہ السلام نے اس کی متابعت کی ہدایت دی ہے۔ منہ

خطاء وقت افعالِ صلوٰۃ میں تقصیر مراد نہیں ہے کہ اگر امام کی نماز میں نقص رہ جائے تو مقتدی کی نماز میں نقص پیدا نہ ہوگا۔ (جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے) بلکہ فان اخطاؤا سے نقائصِ خارجیہ مراد ہیں کہ اگر امام فاسق و فاجر یا بدعتی ہو اور لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے پر مجبور ہوں تو پڑھ لیں۔ گویا حدیث کا سوق مقتدیوں کی تسلی دینے کے لیے ہے۔

سوم۔ یا یہ کہ حدیث کا تعلق اوقات سے ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔

ستكون عليكم اُمراءُ يؤخرون الصّلوٰة فهي لكم وهي عليهم۔ (ابوداؤد ص۶۲ ج)	عنقریب ایسے امراء ہوں گے جو نماز میں تاخیر کریں گے تو تم کو نماز کا ثواب مل جائے گا۔ اور تاخیر کا وبال ان پر ہوگا۔

اور بخاری کی زیر بحث حدیث کے الفاظ مبہم ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

يصلون لكم فان اصابوا[1] فلكم وان اخطاؤا فلكم وعليهم	لوگ تم کو نماز پڑھائیں گے اگر صحیح طریقہ پر پڑھائیں گے تو تم کو ثواب مل جائے گا اگر غلطی کریں گے تو اس کا وبال ان پر ہوگا۔

اس میں اگرچہ ابہام ہے اور خطا کی کیفیت کا بیان نہیں ہے کہ وہ خطا کس چیز میں کریں گے۔ وقت میں یا ارکانِ صلوٰۃ میں۔ پس ابوداؤد وغیرہ کی حدیث سے یہ ابہام دُور ہوگیا اور بخاری کی زیر بحث حدیث کا مصداق تقصیرِ وقت متعین ہوگیا۔ لہٰذا مطلب حدیث یہ ہوا کہ اگر حاکم وقت غیر مسنون وقت میں نماز پڑھائے اور اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے تو ہو جائے گی پھر تقصیر فی الوقت سے مراد وقتِ مسنون کی تقصیر ہے اور اگر ظالم حکام غیر وقت میں نماز پڑھائیں تو بطور نفل ان کی اقتدا کی جائے اور اپنی نماز الگ اس کے وقتِ معین میں پڑھ لی جائے جیسا کہ نسائی و ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ستدركون اقواما يصلون الصلوٰة بغير وقتها فان ادركتموهم فصلوا في بيوتكم للوقتِ الذي تعرفون ثم صلوا معهم واجعلوها سُبْحَة	تم ایسے لوگوں کو (حاکموں) کو پاؤ گے جو نماز کو غیر وقت میں ادا کریں گے اگر تم کو ان سے واسطہ پڑے تو اپنی نماز گھر میں پڑھ لو جو وقت تم اس کے لیے جانتے ہو اس کے بعد ان کی اقتداء میں بطور نفل نماز ادا کرلو۔

اس حدیث میں یہ ہدایت دی گئی کہ اگر حاکم فاسق و فاجر ہو اور وقت پر نماز نہ پڑھاتا ہو تو پھر اپنی نماز وقت پر گھر میں پڑھ لی جائے اور اس کی اقتداء میں بطور نفل ادا کی جائے تاکہ حاکم ظالم کے ظلم سے بچا جاسکے اور نظام میں خلل بھی پیدا نہ ہو۔ ہمارے علماء نے فرمایا۔ فان اخطؤا فلكم کا مطلب یہ ہے کہ صلاتكم في بيوتكم في الوقت کہ اگر امام نماز میں خطا کرتا ہو تو پھر تم وقت پر اپنی نماز الگ پڑھو۔ چنانچہ سلف کی ایک جماعت کا اس پر عمل رہا۔ اور امراء جور کے زمانہ میں ان کے ظلم سے بچنے کے لیے حضرت ابن عمرؓ نے زمانہ حجاج میں، حضرت مسروق نے زمانہ زیاد میں، حضرت عطاء و سعید بن جبیر نے زمانہ ولید میں ایسا ہی کیا۔

چہارم:۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا انما جعل الامام ليؤتم به، امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے

---

[1] چنانچہ فان اصابوا فلكم کے متعلق شارحین کرام نے لکھا ہے کہ اس سے مراد اصابۃ الوقت والخطاء فیہ ہے۔ كما قال الطحاوي في مشكله۔ ج۲ ص۵۲ حاصله ان الحديث سيق في خطاء الامام في اصابة وقت الصلوٰة۔ اس سے واضح ہوا کہ خطاء سے۔ اجزاء صلوٰۃ (ارکان و شرائط) میں تقصیر مراد نہیں ہے۔ فافہم۔

اور دوسری حدیث میں جس کو امام حاکم نے سہل بن سعد سے علیٰ شرط مسلم روایت کیا۔ اس میں ہے۔ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ امام مقتدیوں کی ضامن ہے۔ یعنی مقتدیوں کی نماز صحۃً و فساداً ضمن نمازِ امام میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سہوِ امام سے مقتدیوں پر بھی سجدہ لازم آتا ہے۔ امام سترہ مقتدیوں کے حق میں کافی ہوتا ہے اور امام سے رکوع و سجود میں تقدیم و تاخیر ممنوع ہے اس لیے اگر امام کی نماز میں فساد ہوگا تو مقتدیوں کی نماز میں فساد کا آنا لازمی ہے۔

بَابُ اِمَامَةِ المفتُوْنِ والمبتدع

باغی اور بدعتی کی امامت کے متعلق

مفتون بمعنی فاسق بھی آتا ہے اور فاسق وہ ہے جو اپنے دین میں احتیاط نہ برتے۔ اس سے وہ مراد نہیں کہ نماز صحیح طریق سے نہ پڑھے یا نماز کے ارکان و شرائط میں کمی کرے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهٗ وَقَالَ لَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ اِنَّكَ اِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرٰى وَيُصَلِّيْ لَنَا اِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ اَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَاِذَا اَحْسَنَ النَّاسُ فَاَحْسِنْ مَعَهُمْ وَاِذَا اَسَاءُوْا فَاجْتَنِبْ اِسَاءَتَهُمْ۔

امام حسن بصریؒ نے فرمایا تو نماز پڑھ لے۔ اس کی بدعت اس کے سر ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا۔ ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا ہم سے اوزاعی نے کہا ہم سے امام زہری نے بیان کیا انہوں نے حمید بن عبد الرحمٰن سے انہوں نے عبید اللہ بن عدی بن خیار سے وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس آئے اور کہا تم تو عام مسلمانوں کے امام ہو اور تم پر جو آفت آئی وہ جانتے ہو۔ اب فسادیوں کا امام ہم کو نماز پڑھاتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھ کر گنہگار نہ ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ لوگ جو کام کرتے ہیں ان سب میں نماز بہتر ہے۔ پھر جب وہ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ مل کر کام کرو اور جب وہ برا کام کریں تو ان کی برائی سے علیحدہ رہو۔

فوائد و مسائل

اثر حسن بصری کو سعید بن منصور نے موصولاً بیان کیا ۲۔ امام فتنہ سے مراد عبد الرحمٰن بن عدیس البلوی اور کنانہ بن بشر ہے جو مفسدوں اور حضرت عثمانؓ پر خروج کرنے والوں کے سردار تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب محصور ہو گئے۔ تو لوگوں نے عرض کی۔ آپ تو محصور ہیں اور کنانہ باغی نماز پڑھا رہا ہے۔ اس پر آپ نے مذکورہ فی الحدیث جواب دیا۔ جس سے واضح ہوا کہ باغی، فاسق و فاجر کے پیچھے بھی اصل نماز ہو جاتی ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے بمتدع کے تحت بدعت کی دو قسمیں کی ہیں۔ حسنہ اور ضلالہ اور بدعت حسنہ کی تعریف یوں فرمائی ہے۔

وَهِيَ مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا وَلَا يَكُوْنُ مُخَالِفًا لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اَوِ الْاَثَرِ اَوِ الْاِجْمَاعِ۔ عینی ج ۲ صـ ۲۳۲

کہ بدعت حسنہ یہ ہے کہ جسے مسلمان اچھا جانیں اور وہ کام یا حدیث یا سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف نہ ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدعت کو حسنہ و ضلالہ میں بڑے بڑے ائمہ دین تقسیم کرتے چلے آتے ہیں اور بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ بدعت صرف ضلالت ہی ہوتی ہے۔ یہ ان کی کم فہمی ہے۔ مسائل حدیث یہ ہیں۔

۱۔ اذا اساءوا فاجتنب سے معلوم ہوا کہ جس کے قول و فعل اور اعتقاد میں خرابی ہو اس سے حتی المقدور دور رہنا اور اپنے کو اس سے بچانا چاہیے ۲۔ جس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ اس کی اقتدا میں نماز پڑھ لینا۔ جماعت چھوڑنے سے اولیٰ ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ فاسق و فاجر بھی اگر کوئی نیک کام کرے تو وہ نیک ہی قرار دیا جائے گا۔ اس کے فسق کی وجہ سے وہ کام قبیح نہیں ہو جائے گا۔

بدمذہب و بدعتی کی امامت کا حکم

واضح ہو کہ بدمذہب جس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچ گئی ہو اور وہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔ لیکن وہ بدمذہب جس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو اور فاسق معلن جیسے شرابی، جواری، زناکار، سود خوار، چغل خور وغیرہم جو کبیرہ گناہ بالاعلان کرتے ہوں ان کو امام بنانا گناہ اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یعنی اگر پڑھ لی تو فرض ادا ہو گیا۔ مگر نماز مکروہ تحریمی ہوئی۔ اس کو دوبارہ پڑھ لینا ضروری ہے۔ بدعتی جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت حسن بصری کے مذکورہ بالا ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدعتی کو قصداً امام بنایا جائے بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اگر وہ امام بن گیا ہے اور کسی وجہ سے اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لی ہو تو فرض ادا ہو جائے گا۔ مگر نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ قَالَ الزُّهْرِيُّ لَا نَرٰى أَنْ يُّصَلّٰى خَلْفَ الْمُخَنَّثِ إِلَّا مِنْ ضُرُوْرَةٍ لَا بُدَّ مِنْهَا۔

اور محمد بن ولید زبیدی نے کہا کہ امام زہری نے فرمایا۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہیجڑے کے پیچھے سوائے اشد ضرورت اور لاچاری کے نماز نہ پڑھی جائے۔

زبیدی کا نام محمد بن ولید ابو الہذیل الشامی الحمصی ہے۔ ابن سعید نے کہا ۱۴۳ھ میں بعمر ستر سال وفات پائی۔ امام زہری کے شاگرد ہیں اور زہری سے مراد محمد بن مسلم بن شہاب ہیں۔ مخنث دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو پیدائشی طور پر عورتوں کی طرح ہوں۔ دوسرے وہ جو مرد ہوتے ہیں۔ مگر عورتوں سے مشابہت کرتے ہیں اور انہیں کے طور طریقے اختیار کرتے ہیں ایسے مخنث بھی بدعتی ہیں اور ان کی اقتدا میں نماز مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ یہ فاسق معلن ہیں اور حضرت زہری کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں مخنث حاکم ہو جائے اور لوگ مجبور ہوں تو اس کی اقتداء میں نماز ادا کر لیں۔ تاکہ اس کے شر سے بچ سکیں۔

بَابٌ يَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْإِمَامِ بِحِذَائِهٖ سَوَاءً إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ

باب، جب دو نمازی ہوں تو مقتدی امام کے داہنی طرف اس کے برابر کھڑا ہو

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی ایک ہو تو امام کے برابر داہنی جانب کھڑا ہو۔ اگرچہ وہ مقتدی لڑکا ہی ہو۔ امام کے بائیں طرف یا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اگر مقتدی دو ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں۔ برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے ۲۔ پھر اگر دوسرا شخص آ گیا ہے تو امام آگے بڑھ جائے یا وہ مقتدی پیچھے ہٹ آئے اور وہ آنے والا اس مقتدی کے برابر کھڑا ہو جائے۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے۔ جو باب السمر فی العلم فیوض الباری پارہ اول ص ۲۴۴ پر مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے اور اس حدیث سے مذکورہ بالا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔

بَابٌ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَّسَارِ الْإِمَامِ فَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ إِلٰى يَمِيْنِهٖ لَمْ تَفْسُدْ صَلٰوتُهُمَا

باب۔ جب کہ کوئی شخص امام کی بائیں جانب کھڑا ہو اور امام اس کو گھما کر اپنی دائیں طرف کر لے تو ان دونوں میں سے کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

یعنی اگر اکیلا مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا اور امام نے ایک حرکت سے اس کو اپنی داہنی طرف کر لیا۔ تو نماز ہو گئی

فساد صادر ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک رات میں اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں سویا۔ اسی رات نبی ان کے ہاں تھے۔ پھر حضورؐ نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔

فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَنِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ (۱/۴) (بخاری)	میں آپ کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا۔ آپ نے مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا۔

یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے باب قراءۃ القرآن بعد الحدیث فیوض الباری پارہ اول ص۲۴۵ پر گذر چکی ہے جس سے واضح ہوا کہ اصلاح نماز کے لیے اتنا عمل نماز کو فاسد نہیں کرتا اور بلا ضرورت نماز میں عمل قلیل بھی مکروہ ہے۔

بَابُ اِذَا لَمْ يَنْوِ الْاِمَامُ اَنْ يَّؤُمَّ ثُمَّ جَآءَ قَوْمٌ فَاَمَّهُمْ

باب اگر امام نے نماز شروع کرتے وقت امامت کی نیت نہ کی ہے پھر کچھ لوگ آجائیں اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھیں تو کیا حکم ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ ایک رات میں نے اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں گذاری۔ حضور علیہ السلام اس رات نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو میں آپ کے بائیں کھڑا ہوگیا۔

فَاَخَذَ بِرَاْسِيْ فَاَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ (بخاری)	تو آپ نے میرا سر پکڑ کر دہنی طرف کر لیا۔

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکیلے مقتدی کا موقف امام کے دہنی طرف کھڑا ہونا ہے۔ حضرت انس و ابن عباس۔ [illegible] ابراہیم۔ مکحول۔ شعبی۔ عروہ و امام ابو حنیفہ و مالک و اوزاعی اور اسحٰق کا یہی مسلک ہے۔

۲۔ اس حدیث میں اس امر پر کوئی دلالت نہیں کہ امام مقتدیوں کی امامت کی نیت کرے یا نہ کرے۔ نہ اس پر دلالت کہ حضورؐ نے شروع کرنے پر نیت کی اور نہ اس پر کہ حضرت ابن عباس کے شامل ہونے پر حضورؐ نے نیت امام فرمائی لیکن جب حضورؐ نے ابن عباس کو مقتدی کے موقف پر کھڑا کر لیا۔ تو گویا ان کی امامت کی نیت فرمائی۔ بہر حال اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر کسی نے نماز شروع کی۔ پھر کوئی شریک ہو گئے تو امامت و نماز درست ہے۔ احناف کے نزدیک بھی امام کو مردوں کی امامت کی نیت کرنا شرط نہیں۔ لیکن عورتوں کی امامت کی نیت کرنا شرط ہے۔ البتہ جمعہ و عیدین کہ اگرچہ امام نے ان میں امامتِ زنان کی نیت نہ کی عورتیں اقتدا کر سکتی ہیں۔

بَابُ اِذَا طَوَّلَ الْاِمَامُ وَكَانَ لِلرَّجُلِ حَاجَةٌ فَخَرَجَ وَصَلّٰى

باب۔ اگر امام لمبی سورۃ شروع کر دے اور کسی کو کام ہو اور وہ اکیلے نماز پڑھ کر چلا جائے تو کیا حکم ہے؟

(۱) عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ (۲) وَقَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهٗ فَصَلَّى الْعِشَآءَ فَقَرَاَ بِالْبَقَرَةِ فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ فَكَانَ مُعَاذٌ يَنَالُ مِنْهُ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	معاذ بن جبل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے (۲) عمرو نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ معاذ بن جبل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر واپس جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے اور (ان کو) نماز پڑھاتے۔ ایک مرتبہ انھوں نے سورۃ شروع کر دی۔ (مقتدیوں میں سے) ایک شخص (نماز) توڑ کر چل دیا۔ معاذ اس کو برا کہنے لگے۔ یہ خبر نبی

فَقَالَ فَتَّانٌ - فَتَّانٌ - فَتَّانٌ ثَلٰثَ مِرَارٍ اَوْ قَالَ فَاتِنًا فَاتِنًا فَاتِنًا وَاَمَرَهٗ بِسُوْرَتَيْنِ مِنْ اَوْسَطِ الْمُفَصَّلِ قَالَ عَمْرٌو لَا اَحْفَظُهُمَا۔

(بخاری)

صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ آپ نے معاذ سے فرمایا۔ تو بہت ہی فتنہ انگیز ہے۔ تو بہت ہی فتنہ انگیز ہے، تو بہت ہی فتنہ انگیز ہے تین مرتبہ یہی فرمایا یا یوں فرمایا۔ تو فسادی ہے۔ فسادی ہے۔ فسادی ہے۔ اور آپ نے معاذ کو حکم دیا کہ مفصل کی درمیان کی دو سورتیں پڑھا کریں۔ عمرو نے کہا۔ مجھے سورتیں یاد نہ رہیں۔

فوائد و مسائل

۱۔ واضح ہو کہ حدیث نمبر حدیث نمبر کا ایک حصّہ ہے اور حدیث کے ایک حصّہ کو ذکر کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ طریق اولیٰ سے علو اسناد کی طرف اور طریق ثانیہ سے عمرو بن دینار کا جابر سے سماع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فافہم حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۲۔ امام کو چاہیئے کہ جماعت کی رعایت کرے اور قدر مسنون سے زیادہ طویل قرأت نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے ۳۔ حاجت دنیوی تخفیف کے لیے عذر ہے ۴۔ حضرت معاذؓ نے نماز میں سورہ بقرہ یا نساء شروع کر دی تھی (مسلم) فانصرف الرجل ظاہر یہی ہے کہ لمبی قرأت ہونے کی وجہ سے اس شخص نے نماز توڑ دی اور اپنی نماز علیحدہ پڑھ کر چلے گئے۔ چنانچہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح مزید ہے۔ فانحرف رجل فسلم ثم صلی وحدہٗ ——— حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے حضرت معاذ کو سختی سے ہدایت فرمائی کہ آیندہ ایسا نہ کریں اور مقتدیوں کی حاجتوں کا خیال رکھیں اور انھیں حکم دیا کہ لمبی سورۃ پڑھنے کی جگہ اوسط مفصل کو اختیار کریں۔ حجرات سے آخر تک قرآن مجید کی سورتوں کو مفصل کہتے ہیں۔ اس کے تین درجے ہیں۔ سورہ حجرات سے بروج تک طوال مفصل اور بروج سے لم یکن تک اوساط مفصل اور لم یکن سے آخر تک قصار مفصل۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ اگر امام لمبی قرأت شروع کر دے اور مقتدی کو کوئی ضروری کام ہو تو اسے امام کی اقتدا چھوڑ کر اپنی نماز الگ پڑھ لینا جائز ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ ایک نامعلوم شخص کا فعل ہے جس کی کوئی اور نظیر نہیں ملتی۔ البتہ اگر کسی نے ایسا کر دیا۔ یعنی امام کی اقتداء کو چھوڑ کر اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ مگر ایسا کرنا جائز نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس طرح کرنے میں متعدد قباحتیں ہیں۔ یعنی امام کی اقتداء سے علیحدہ ہونا۔ نماز کو شروع کر کے توڑنا۔ جماعت سے محروم ہو جانا۔ وغیرہ

کیا مفترض کی اقتدا متنفل کے پیچھے درست ہے

واضح ہو کہ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام شافعیؒ و احمدؒ کا مسلک یہ ہے۔ فرض نماز نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں جائز ہے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و امام مالک یہ فرماتے ہیں۔ مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے درست نہیں۔ یعنی فرض نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں۔ البتہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ بخاری کی زیر بحث حدیث سے ———

معاذ بن جبل یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یرجع فیوم قومه فصلی العشاء

"کہ حضرت معاذ حضورؐ کی اقتداء میں نماز پڑھتے اور پھر اپنی قوم کو عشا کی نماز پڑھاتے۔"

استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ عشاء کے فرض حضورؐ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم کو بھی عشاء کی نماز پڑھاتے تو معاذ کی نماز نفل ہوتی اور مقتدیوں کی نماز فرض۔ لہذا نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض ادا کرنا جائز ہے۔ لیکن یہ

استدلال متعدد وجوہ سے دُرست نہیں۔

اوّلاً یہ بھی تو ممکن ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کی اقتدا میں نفل پڑھتے ہوں اور قوم کو عشا کی نماز (فرض) پڑھاتے ہوں۔

ثانیاً حضرت معاذ کی زبان سے کسی بھی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ حضورؐ کی اقتدا میں فرض ادا کرتے تھے اور

تک وہ خود اس امر کی تصریح نہ کریں۔ ان کے عمل کی کیفیت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔

ثالثاً کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت معاذ کو اس امر کی اجازت حضور علیہ السلام نے دے دی تھی کہ تم میری
میں فرض ادا کر کے اپنی قوم کی امامت بطور نفل کر لیا کرو اور جب تک ان امور کی صاف و صریح طور پر نشاندہی نہ ہو اس وقت
امام شافعیؒ کا استدلال صحیح نہیں قرار پا سکتا۔

رابعاً اگر ہم یہ مان لیں کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کی اقتداء میں فرض پڑھتے تھے تو یہ ان کا اجتہاد تھا۔ جو واقعہ میں دُرست
صحابہ کرامؓ سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مسند احمدؒ کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام کو حضرت معاذ کے
عمل کی جب اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا۔ معاذ فتنہ کا باعث نہ ہو۔

اِمَّا اَنْ تُصَلِّیَ مَعِیَ وَ اِمَّا اَنْ تُخَفِّفَ عَلٰی قَوْمِكَ (مسند احمد) | یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا پھر اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا

جس کے معنی یہ ہی ہیں کہ یا تو صرف میری اقتدا میں نماز پڑھ لیا کرو اور اپنی قوم کو نہ پڑھایا کرو۔ یا یہ کہ اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھا
اور اس صورت میں میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو۔ پس اگر معاذ رضہ حضورؐ کی اقتدا میں فرض پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی امامت بطور
کرتے تھے۔ تو یہ ان کا اجتہاد تھا۔ جس کی منظوری حضور علیہ السلام نے نہیں دی۔

دلیل دوم۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ جس کو دارقطنی و بیہقی اور امام شافعی
نے اپنی سنن میں جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کیا کہ حضرت معاذ بن جبل حضور علیہ السلام کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر جاتے
قوم کو بھی وہی نماز پڑھاتے۔

ھِیَ لَہٗ تطوع و لھم فریضۃ[1] | تو معاذ کے لیے نفل ہوتی اور قوم کے لیے فرض۔

اس سے یہ استدلال کیا گیا کہ حضرت معاذ حضورؐ کی اقتدا میں فرض ادا کر کے جاتے تھے اور اپنی قوم کو بھی وہی نماز
تھے اور مقتدی فرض (عشاء) پڑھتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مفترض کی اقتدا متنفل کے پیچھے دُرست ہے اور یہ کہنا بھی
نہیں کہ حضرت معاذ حضور کی اقتداء میں بطور نفل شامل ہوتے تھے۔

لیکن حضرت جابر کی یہ تصریح بھی حضرت امام شافعی کے استدلال کی صحت کو نہیں چاہتی۔ اوّلاً۔ اس لیے حضرت جابرؓ حضرت
کا واقعہ نقل کر کے اپنے قیاس اور اندازے سے یہ فرما رہے ہیں کہ وہ حضورؐ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔ اس میں یہ تصریح کہاں
حضرت معاذ نے خود اپنی نیت و ارادہ کا اظہار فرمایا ہو۔ ظاہر ہے کہ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے پوچھے بغیر کوئی بات
یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔ لہٰذا حدیث جابر سے بھی استدلال تام نہیں۔ ثانیاً رہا یہ سوال کہ حضرت معاذ

---

[1] لان لفظ الحدیث - لا تکن فتانا اما ان تصلی معی واما ان تخفف عن قومك فهذا ابدل
یَفعَل احد الامرین اما الصلوٰۃ معہ او بقومہ ولا یجمعهما فدل علی ان المراد عدم الجمع والمنع
کل امرین بینهما منع الجمع کان بین نقیضیهما منع الخلوء (فافهم)

پیچھے نماز پڑھنے والے تیس” عقبی چالیس” بدری صحابی تھے۔ تو یہ بات بھی مجوزین کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ممکن ہے وہ اس خیال سے نماز پڑھتے ہوں کہ حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو اجازت عطا فرما دی ہے۔ حالانکہ حضورؐ کی اجازت کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں ملتا۔ غرضیکہ مجوزین کے پاس کوئی صریح مرفوع حدیث ہے ہی نہیں۔ نہ قولی نہ فعلی۔ صرف حضرت جابرؓ کا قول ہے اور وہ خود محلِ نظر ہے۔ کیونکہ حضرت معاذؓ جو نماز پڑھنے اور پڑھانے والے ہیں۔ وہ خود تو تصریح کرتے نہیں ۔ ایسی صورت میں حضرت جابرؓ کی تصریح ظاہر ہے کہ قیاس پر مبنی ہے جو دلیل نہیں بن سکتی۔ ثالثاً حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ” (ترمذی۔ ابوداؤد۔ احمدؒ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔
شافعی (مشکوٰۃ باب الاذان)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نماز کو اپنی نماز کے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ اعلٰے ادنٰے کو یا اپنے مثل کو تو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے لیکن ادنٰی اعلٰے کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتا۔ لہٰذا نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتا کیونکہ نفل فرض سے ادنٰی ہے۔ اسی طرح ایک فرض اپنے مثل فرض کو تو اپنے ضمن میں لے سکتا ہے لیکن دوسرے فرض کو نہیں۔ لہٰذا امام اگر نمازِ عصر پڑھ رہا ہے تو اس کی اقتداء میں نمازِ ظہر کی قضاء جائز نہیں۔ اس لیے کہ نمازِ عصر نمازِ ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کیونکہ دونوں میں مثلیت نہیں ہے اور دونوں نمازیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ فرض نماز دو باتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ذات صلوٰۃ اور وصف فرضیت پر بخلاف نفل کے کہ اس میں صرف ایک ہی امر ہے یعنی ذات الصلوٰۃ ——— اگر یہ کہا جائے۔ نفل بھی تو فرض کی طرح دونوں باتوں پر مشتمل ہے کیونکہ اس میں بھی وصفِ نفلیت پایا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ نفل اگرچہ وصف ہے لیکن ذاتِ صلوٰۃ عند الاطلاق اس سے جُدا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ نفل بغیر نیت کے بھی دُرست ہیں۔ کیونکہ یہ ادنٰی مرتبہ جنس ہے۔ بخلاف فرض کے کہ وہ نفس صلوٰۃ پر نیتِ زائدہ کا محتاج ہے پس فرض اس وقت تک فرض نہیں ہوتا۔ جب تک کہ فرضیت کی نیت نہ کی جائے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ امام اگر متنفل ہے تو اس کی نماز فرض پڑھنے والے مقتدیوں کی نماز کی نصف ہے اور کوئی شے اپنے سے کم یا مثل کو تو متضمن ہو سکتی ہے مگر اپنے سے اعلٰے کو متضمن نہیں ہو سکتی اور حضورؐ نے یہ فرمایا ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کو اپنی نماز کے ضمن میں لیے ہوئے ہے تو یہ تضمن اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ مقتدیوں کی نماز امام کی نماز کی مثل یا اس سے ادنٰی ہو اور اگر مقتدیوں کی نماز تو ہو اعلٰے (فرض) اور امام کی نماز ادنٰی (نفل) تو پھر تضمن ہو گا ہی نہیں۔ لہٰذا نماز دُرست نہ ہو گی۔

بَابُ تَخْفِيْفِ الْاِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَاِتْمَامِ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

باب، امام قیام میں تخفیف کرے اور رکوع و سجود پورا کرے،

اس عنوان کے ماتحت امام نے جو حدیث لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے بحضور نبویؐ عرض کی۔ یارسولؐ اللہ! میں صبح کی نماز میں جماعت سے اس وجہ سے پیچھے رہا کہ فلاں صاحب نماز میں قرأت لمبی کرتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے بہت غصہ کا اظہار فرمایا اور ہدایت دی کہ جب تم میں سے کوئی شخص امامت کرے تو وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ لوگوں میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند ہوتے ہیں۔ یہ حدیث آئندہ باب میں بھی آ رہی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ امام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اتنی لمبی قرأت نہ کرے کہ لوگ اُکتا جائیں اور کمزور، بوڑھے اور حاجت مند افراد کو تکلیف ہو۔ بلکہ قرأت مسنونہ کے ساتھ نماز پڑھا دے اور تخفیف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جلدی جلدی نماز پڑھا دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود و قومہ جلسہ وغیرہ

مسنون طریقہ پر ادا کرے اور قیام اتنا طویل نہ کرے کہ مقتدیوں پر بار ہو۔

بَابُ إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ

باب۔ جب کوئی اکیلا نماز پڑھے جتنا چاہے لمبا قیام کرے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے۔ اس لیے کہ ان میں کوئی کمزور ہوتا ہے اور کوئی بیمار اور کوئی بوڑھا اور جب کوئی تم میں تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے طویل کرے۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام جب نماز پڑھائے۔ تو مقتدیوں کا خیال رکھے اور قرأتِ مسنونہ سے نہ کرے۔ جب کہ مقتدیوں پر گراں گذرے۔ لیکن اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو جیسے چاہے کرے۔ یعنی خو قرأت لمبی کرے یا مختصر۔ یعنی تخفیف کا حکم امام کے لئے ہے۔ منفرد کے لیے تخفیف ضروری نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ شَكَى إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ

باب، جب کہ امام نماز کو طول کرے تو اس کی شکایت کرنا؛

وَقَالَ أَبُو أُسَيْدٍ طَوَّلْتَ بِنَا يَا بُنَيَّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الْفَجْرِ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فُلَانٌ فِيهَا فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأَيْتُهُ غَضِبَ فِي مَوْعِظَةٍ كَانَ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَمَنْ أَمَّ مِنْكُمُ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ خَلْفَهُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ۔

حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَيْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي فَتَرَكَ نَاضِحَهُ وَأَقْبَلَ إِلَى مُعَاذٍ فَقَرَأَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ أَوِ النِّسَاءِ

ابو اسید (صحابی) نے اپنے بیٹے سے کہا۔ بیٹے! تو نے کو لمبا کر دیا۔ ابومسعودؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک آدمی نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی یا رسول میں صبح کی جماعت سے صرف اس لیے پیچھے رہتا ہوں کہ صاحب صبح کی نماز کو ہم پر لمبا کر دیتے ہیں۔ (یہ سن کر) صلے اللہ علیہ وسلم اس قدر غضبناک ہوئے کہ اس دن سے زیادہ کسی نصیحت کے کرتے وقت میں نے آپ کو غصہ میں نہیں پھر آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ متنفر کرنے والے ہیں۔ پس جو کوئی تم میں سے لوگوں کی امامت کرائے تو اس کو چاہیئے کہ ہلکی نماز پڑھائے اس کے پیچھے ضعیف، بوڑھے اور کام کاج والے ہوتے ہیں۔

ہم سے محارب بن دثار نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے سنا انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اٹھانے والے دو اونٹ لے کر آیا اور رات اندھیری ہو گئی اس نے معاذ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ تو اس نے اپنے کو بٹھلایا اور معاذ کی طرف آیا۔ [illegible]

انطَلَقَ الرَّجُلُ وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ
َأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَا
لَيْهِ مُعَاذًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ أَوْ
َالَ أَفَاتِنٌ أَنْتَ ثَلَاثَ مِرَارٍ
َلَوْلَا صَلَّيْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ
َعْلٰى ـ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَاللَّيْلِ
َا يَغْشٰى ـ فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ
كَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ (بخاری)

میں شریک ہو) معاذ نے سورہ بقرہ یا سورہ نساء شروع کی (وہ نماز چھوڑ کر) چل دیا۔ اس سے کسی نے کہا کہ معاذؓ نے تجھ کو برا بھلا کہا ہے۔ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے معاذ کی شکایت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے معاذ! تو بہت فتنہ انگیز ہے۔ یا آپ نے یوں فرمایا تو فتنہ انگیز ہے۔ تین بار یہی فرمایا۔ تو نے سبح اسم ربک الاعلے والشمس وضحٰھا واللیل اذا یغشٰے۔ یہ سورتیں نماز میں کیوں نہیں پڑھیں؟ تیرے پیچھے بوڑھے، ضعیف اور کام کاج والے نماز پڑھتے ہیں۔

۱۔ ان احادیث میں بھی امام کو مقتدیوں کے حال احوال کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ قرأت اتنی لمبی نہ کرے۔ کہ قتدیوں کو بار ہو اور ضعیف، بیمار اور حاجت مندوں کو تکلیف ہو ۲۔ سُنّت یہ ہے کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل پڑھے اور عصر و ء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل اور ان سب صورتوں میں امام و منفرد دونوں کا ایک ہی حکم ہے ۳۔ اس حدیث ے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر امام قرأت میں اتنا طول دے کہ مقتدیوں پر گراں گزرے۔ تو وہ شکایت کر سکتے ہیں اور امام کو مقتدیوں اس شکایت کا ازالہ کرنا چاہیئے۔

بَابُ الْإِيجَازِ فِي الصَّلٰوةِ وَإِكْمَالِهَا

باب: نماز مختصر، ہلکی اور پوری پڑھنا

ن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ
يْهِ وَسَلَّمَ يُوجِزُ الصَّلٰوةَ وَيُكْمِلُهَا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز مختصر، ہلکی اور پوری پڑھتے تھے۔

ایجاز ضد ہے اطناب کی اور اکمال ضد ہے نقص کی۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ امام کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مقتدیوں کا کھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جلدی غیر مسنون طریقہ سے نماز پڑھا دے۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم مقتدیوں یال سے چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے۔ مگر رکوع و سجود، قومہ و جلسہ وغیرہ باطمینان ادا فرماتے تھے یعنی حضورؐ کی نماز مختصر ہوتی مگر مکمل ہوتی تھی

بَابُ مَنْ أَخَفَّ الصَّلٰوةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ

باب: بچہ کے رونے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کر دینا

عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَبِي
دَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
َقُومُ فِي الصَّلٰوةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ
يهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي الصَّلٰوةِ
هِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ (بخاری)
نَا شَرِيكُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ

عبد اللہ بن ابی قتادہ اپنے باپ ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو میرا ارادہ ہوتا ہے کہ نماز لمبی کروں (لیکن) پھر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔ اس کی ماں کو مشقت میں ڈالنا برا سمجھتا ہوں۔

ہم سے شریک بن عبد اللہ نے بیان کیا انھوں نے کہا میں

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلٰوةً وَلَا أَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ (بخاری)

حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلٰوةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلٰوتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلٰوةِ فَأُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ (بخاری)

نے انس بن مالک سے سُنا وہ کہتے تھے میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی اور پوری نماز نہیں پڑھی اور آپ کا یہ حال تھا کہ نماز میں اگر بچہ کے رونے کی آواز سُنتے تو نماز کو ہلکا کر دیتے۔ اس ڈر سے کہ کہیں اس کی ماں کو پریشانی نہ ہو۔ ہم سے قتادہ نے بیان کیا۔ ان سے انس بن مالک نے بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو میرا ارادہ نماز کو لمبا کرنے کا ہوتا ہے۔ پھر میں بچہ کے رونے کی آواز سُنتا ہوں تو اپنی نماز کو ہلکا کر دیتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ماں کے دل پر اس کے بچہ کے رونے سے کیسی چوٹ پڑتی ہے۔ انس بن مالک سے مروی ہے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نماز شروع کرتا ہوں تو میرا ارادہ اس کو طویل کرنے کا ہوتا ہے پھر بچہ کے رونے کی آواز سُنتا ہوں تو ہلکا کر دیتا ہوں۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں جو بچہ کے رونے سے اس کی ماں کو درد ہوتا ہے۔

یہ سب حدیثیں اپنے مفہوم میں واضح ہیں۔ حضور سید عالم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت پر کمال شفقت ہے کہ آپ بچوں کے رونے کی آواز سُن کر قرأت میں تخفیف فرما دیتے تھے اور اس زمانہ میں عورتیں بھی نماز میں شامل ہوا کرتی تھیں تو حضور چھوٹی سورتیں اس لیے پڑھتے تاکہ ماں کا دل بچہ کی وجہ سے پریشان نہ ہو ۲۔ علامہ ابن بطال وخطابی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ امام کو جب یہ معلوم ہو کہ کوئی نیا شخص نماز میں شامل ہونے کے لیے آرہا ہے تو اس کو رکوع کو طول دینا جائز ہے تاکہ آنے والا جماعت میں شامل ہو جائے —— وہ کہتے ہیں کہ جب دنیوی ضرورت کے لئے نماز میں تخفیف جائز ہے تو دینی ضرورت کے لئے تطویل بھی جائز ہونی چاہیئے۔ لیکن علامہ قرطبی نے فرمایا۔ حدیث ہٰذا میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ تطویل زیادتی ہے بخلاف تخفیف کے اور بات یہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا ضرورت کے لیے امام کا رکوع کو طول دینا مکروہ ہو۔ کیونکہ مقتدیوں کی رعایت کی بنا پر جو نماز میں تخفیف کی ہدایت ہے تو در حقیقت اصل نماز میں نہ تخفیف ہے اور نہ تطویل اور امام کا رکوع کو قدرِ مسنون سے زیادہ لمبا کرنا یہ اصل نماز میں زیادتی ہے۔ جو کم از کم مکروہ ضرور ہونی چاہیئے۔

بَابُ إِذَا صَلَّى ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا

باب جبکہ کوئی نماز پڑھ لے پھر دوسروں کی امامت کرے (تو جائز ہے)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ معاذؓ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھ کر پھر اپنی قوم والوں کے پاس آتے اور ان کو نماز پڑھاتے۔

یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے ۔ احناف کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام کسی جگہ نفل یا نماز باجماعت پڑھ کر اپنی قوم ماز کرائے ۔ تو جائز ہے ۔ جیسے حضرت معاذ حضور علیہ السلام کی اقتداء میں نفل پڑھتے اور اپنی قوم کو عشاء کے فرض پڑھاتے ۔

بَابُ مَنْ اَسْمَعَ النَّاسَ تَكْبِيْرَ الْاِمَامِ

باب ۔ امام کی تکبیر لوگوں کو سنانا

مقصود عنوان یہ ہے کہ جب امام کی آواز بوجہ ہجوم مقتدیوں تک نہ پہنچ سکے تو مکبر مقرر کئے جا سکتے ہیں ۔ تاکہ سب مقتدیوں واز پہنچ جائے ———— اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث امامت صدیق رض ذکر کی ہے ۔ جس میں یہ ہے کہ حضرت یق اکبرؓ حضورؐ کے مرض وفات میں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضورؐ بھی تشریف لے آئے اور

خَرَ اَبُوْبَكْرٍ وَقَعَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَ ـيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنْبِهِ وَاَبُوْبَكْرٍ يُسْمِعُ سَ التَّكْبِيْرَ ۔	ابوبکرؓ آپ کے دائیں جانب ہو گئے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان کی کروٹ میں بیٹھ گئے اور ابوبکرؓ آپ کی تکبیر لوگوں کو سناتے تھے ۔

اس سے واضح ہوا کہ اگر امام کی تکبیر کی آواز مقتدیوں تک نہ پہنچے تو بہتر ہے کہ کوئی مقتدی بھی بلند آواز سے تکبیر کہے تاکہ نماز ع ہونے اور انتقالات کا حال سب کو معلوم ہو جائے ۔

بَابُ الرَّجُلِ يَأْتَمُّ بِالْاِمَامِ وَيَأْتَمُّ النَّاسُ بِالْمَأْمُوْمِ (بخاری)

باب ۔ ایک شخص امام کی اقتداء کرے اور لوگ اس کی اقتداء کریں

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری نے امام شعبی کے مذہب کو اختیار کیا ہے کیونکہ ان کا قول ے کہ اگلی صف پچھلی صف کی امامت کرتی ہے ۔ فتح الباری میں ہے کہ اگر کسی شخص نے تکبیر تحریمہ کہہ لی اور اس سے قبل کہ اس کے ے والی صف والے لوگ رکوع سے سر اٹھائیں ۔ وہ رکوع میں مل گیا تو اس نے وہ رکعت پالی ۔ اگرچہ امام اس سے پہلے رکوع سر اٹھا چکا ہو ۔ کیونکہ ایک صف والے دوسری صف والوں کے لیے امام ہیں ۔ گویا ان کے نزدیک سب سے پہلی صف امام قتدی ہے اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کے مقتدی ہیں ۔ (اسی طرح اخیر صف تک معاملہ ہے)

ذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَمُّوْا بِيْ وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ	اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میری اقتدا کرو اور تمہارے پیچھے والے تمہاری اقتدا کریں ۔

یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا اور امام بخاری نے اگرچہ اس کو اس امر کے میں کیا ہے کہ اگلی صف پچھلی صف کی امام ہے ۔ مگر اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ۔ کیونکہ اس حدیث کا تعلق امامت ے نہیں بلکہ دین سے ہے ۔ یعنی صحابہ کرامؓ کو حضورؐ علیہ السلام نے یہ ہدایت دی ہے کہ جب تک میں ہوں میرا اتباع کرو اور ے بعد میرے جانشینوں کی اقتداء کرنا ۔ اور اگر اس کا تعلق نماز سے ہی مانا جائے تو بھی شعبی کا مسلک ثابت نہیں ہوتا ۔ یتموابی سے افعال نماز مراد ہیں ۔ یعنی جب مقتدی کو امام دکھائی نہ دے تو وہ دوسرے مقتدی پر یا اگلی صف پر اعتماد تا ہے ۔ یعنی اگلی صف سے یہ معلوم کر سکتا ہے کہ امام اب رکوع میں گیا ۔ اب سجدہ میں ہے ۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ صف دوسری صف کی امام ہے اور دوسری صف والے پہلی صف کے مقتدی ہیں ۔

اسی عنوان کے ماتحت امام نے حضورؐ کے مرض وفات کے موقعہ امامت صدیق رض والی حدیث بھی ذکر کی ہے ۔ جس میں

یہ لفظ بھی ہیں۔

فَجَآءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ يُّصَلِّيْ قَآئِمًا وَّكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَاعِدًا يَقْتَدِيْ اَبُوْبَكْرٍ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مُقْتَدُوْنَ بِصَلٰوةِ اَبِيْ بَكْرٍ۔

پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یہاں تک کہ ابوبکرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ پس ابوبکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوبکرؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔

اس حدیث میں اگرچہ مقتدون کا لفظ موجود ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگ حضرت صدیق رضؓ کو امام بنائے ہوئے تھے اور حضورؐ حضرت صدیق رضؓ کے امام تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حضور علیہ السلام علیل تھے۔ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے تو حضرت صدیق اکبر رضؓ حضورؐ کے مکبّر تھے اور لوگ حضرت صدیق اکبر رضؓ کی تکبیر سُن کر رکوع و سجود وغیرہ کرتے تھے چنانچہ اوپر جو حدیث گذری ہے اس میں صاف طور پر یہ لفظ موجود ہیں۔ ابوبکر یسمع النّاس التکبیر کہ ابوبکرؓ لوگوں کو تکبیر سُناتے تھے۔

بَابٌ هَلْ يَاْخُذُ الْاِمَامُ اِذَا شَكَّ بِقَوْلِ النَّاسِ

باب: جب امام کو شک ہو تو کیا مقتدیوں کے کہنے پر چل سکتا ہے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ فَقَالَ لَهٗ ذُوالْيَدَيْنِ اَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ اَمْ نَسِيْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَدَقَ ذُوالْيَدَيْنِ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى اثْنَتَيْنِ اُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ فَقِيْلَ قَدْ صَلَّيْتَ رَكْعَتَيْنِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ظہر کی) دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ تو آپ سے ذوالیدین نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز منجانب اللہ کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا کہ ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے کہا جی ہاں! پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور بقیہ دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر سلام پھیر کر اور اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں گئے اور سجدوں کی طرح سجدہ کیا یا اس سے کچھ لمبا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے رکعتیں پڑھائی ہیں تو آپ نے بقیہ دو رکعتیں پڑھائیں۔ سلام پھیرا پھر دو سجدے کیے۔

۱۔ سجودہ ظاہر یہ ہے کہ حضورؐ نے سہو کا ایک سجدہ فرمایا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ دو سجدے فرمائے جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں دو سجدوں کی تصریح ہے اور سجود کا لفظ مصدر ہے۔ ایک اور دو کو شامل ہے۔ اس لیے راوی نے

ں سجدہ کہنے پر اکتفا کیا ٢- اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام بھول جائے اور مقتدی یاد دلائیں تو امام ان پر اعتماد کر سکتا ہے۔ س حدیث کے مکمل مسائل وفوائد اور اس پر مفصل بحث فیوض الباری پارہ دوم صفحہ ١٣٦، صفحہ ١٣٩ پر ہو چکی ہے۔ قارئین کرام یہ صفحات رور ملاحظہ فرمائیں۔

بَابٌ اِذَا بَكَى الْاِمَامُ فِي الصَّلٰوةِ

باب جب کہ امام نماز میں روئے (تو جائز ہے)

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ سَمِعْتُ نَشِيْجَ عُمَرَ اَنَا فِيْ اٰخِرِ الصُّفُوْفِ يَقْرَاُ اِنَّمَا شْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ۔

اور عبداللہ بن شداد نے کہا کہ میں نے (نماز میں) حضرت عمرؓ کا رونا سنا اور میں آخری صف میں تھا وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ میں اپنے رنج وغم کا شکوہ اللہ سے کرتا ہوں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر میں سورۂ یوسفؑ پڑھ رہے تھے۔ جب مذکورہ بالا آیت پر پہنچے تو رو پڑے۔ وم ہوا کہ جہنم کے ڈر یا خوفِ الٰہی کی وجہ سے بے اختیار نماز میں رو پڑنا مفسدِ نماز نہیں ہے۔ مالکیہ وحنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ ین اگر آہ۔ اوہ۔ اف، تف یہ الفاظ درد یا مصیبت کی وجہ سے نکلے یا آواز سے رویا اور حرف پیدا ہو گئے۔ تو ان صورتوں میں ز جاتی رہے گی۔ اور کسی وجہ سے رویا مگر ایسے کہ صرف آنسو نکلے اور آواز وحرف نہیں نکلے تو حرج نہیں —— اس کے بعد نے وہی حدیث لکھی ہے جس میں حضورؐ کی مرض وفات کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت کا ذکر ہے۔ اس حدیث میں ے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبرؓ کو امامت کے لیے مقرر فرمایا تو جنابہ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی۔

نْ عَائِشَةَ قُلْتُ لَهٗ اِنَّ اَبُوْبَكْرٍ قَامَ فِيْ مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ نَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ يُصَلِّيْ نَّاسِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ يُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے آپ سے عرض کیا بے شک ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرأت نہ سنا سکیں گے۔ آپ حضرت عمرؓ سے فرمائیے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاویں۔ آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیث کے اس ٹکڑے سے یہ استدلال فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے باوجود اس توقع کے کہ حضرت کرؓ بوجہ نرم دل کے رو پڑیں گے۔ نماز پڑھانے پر مامور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لیکن یہ استدلال زیادہ پختہ نہیں۔ کیونکہ یہ خیال تو حضرت عائشہؓ کا تھا کہ حضرت ابابکرؓ بوقتِ امامت رو پڑیں گے اور وہ بھی محض امکان کا ہار فرما رہی ہیں۔ یہ ضروری کہاں ہے کہ حضرت ابابکر رو پڑیں گے (فافہم) ٢- حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے مشاہدہ کے مطابق بات کہی تھی۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا تھا کہ جب حضرت ابوبکر نماز میں قرآن پڑھتے ہیں تو عموماً خوف وخشیتِ الٰہی سے رو پڑتے ہیں یسی صورت میں تو بطریقِ اولیٰ روئیں گے۔ جب کہ وہ حضورؐ کو مصلیٰ پر نہ پائیں گے۔ حضرت عائشہؓ کے خیال میں قوت ضرور ہے ریاں پر حضرت ابابکرؓ کا رو پڑنا ضروری نہیں تھا اس لیے استدلال تام نہیں۔ البتہ یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے کہ نماز میں خوف شیتِ الٰہی یا جنت ودوزخ کے ذکر کے موقع پر دل بھر آئے اور رونا آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ عِنْدَ الْاِقَامَةِ وَبَعْدَهَا

باب، تکبیر کے وقت اور تکبیر کے بعد صفوں کو برابر کرنا

١- قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ فَإِنِّي أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِيْ۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نماز میں) اپنی صفیں برابر رکھو۔ نہیں تو اللہ تعالے تمہارے منہ الٹ دے گا۔ حضرت انس رض سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفیں ٹھیک رکھو میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھ رہا ہوں۔

یعنی اقامت کے وقت اور اقامت کے بعد صفوں کو سیدھا کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالے عنہ کے زمانہ میں مستقل طور پر ایک شخص اسی کام کے لیے مقرر تھا کہ جب نماز کے لیے لوگ کھڑے ہوتے تو صفوں کو سیدھا کرتے تھے ۲- صفوں کو سیدھا رکھنا واجب ہے اور اس کا ترک مکروہ تحریمہ ہے ۳- علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ حضور کا اپنی پس پشت ملاحظہ فر ہے ۴- اس حدیث میں وعید شدید ہے کہ صفوں کا سیدھا نہ رکھنا اختلاف کا باعث بن سکتا ہے ۵- واضح ہو کہ صفوں کو س رکھنا واجبات نماز سے نہیں ہے۔ ہاں صفوں کی تسویت کا خیال نہ رکھنا گناہ ہے۔ حضرت عمر رض، عثمان رض و علی رض تسویت صف کی بہت تاکید فرماتے تھے اور یہی حال حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ (ابوداؤد) عینی ج ۲ ص ۲۸۹

بَابُ إِقْبَالِ الْإِمَامِ عَلَى النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ

باب ، امام کا صفیں برابر کرتے وقت لوگوں کی طرف متوجہ ہونا

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ أَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَإِنِّيْ أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِيْ۔ (بخاری)

ہم سے انس بن مالک نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ نماز کی تکبیر ہوئی۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک متوجہ کیا اور فرمایا صفوں کو برابر رکھو اور مل کر کھڑے ہو۔ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھ ہوں۔

نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا واجب ہے

تَرَاصُّوا کے معنی تَضَامُّوا وَتَلَاصَقُوا کے ہیں۔ یعنی بعض کا بعض سے مل جانا اس طرح کہ درمیان میں خلا نہ رہے۔ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ کے بھی یہی معنی ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا اور خوب مل کر کھڑے ہونا ضروری ہے۔ اس س چند حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے ۱- حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ صفوں کو برابر رکھنا تمام نماز سے ہے (بخاری) ۲- جو صف کو ملائے گا اللہ اس کو ملائے گا اور جو صف کو قطع کرے گا۔ اللہ اسے قطع کرے گا۔ (رواہ الحاکم علی شرط مسلم) ۳- اگلی صفیں پوری کر مل کر کھڑے رہو۔ ملائکہ بھی اپنے رب کے حضور اسی طرح صف باندھتے ہیں (مسلم وابوداؤد) ۴- اللہ تعالے اور فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں جو صفوں کو ملاتے ہیں (حاکم علی شرط مسلم) ۵- جو صفوں کو ملائے اللہ اس کا درجہ بلند کرے گا جنت میں اس کے لیے گھر بنائے گا (طبرانی وابن ماجہ) ۶- بوقت اقامت حضور صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جاتے اور مقتدیوں کے مونڈھے یا سینے پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے مختلف کھڑے نہ ہو کہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔ ۷- صفوں کو برابر کرو اور مونڈھوں کو مقابل کرو (طبرانی واحمد) معلوم ہوا کہ صفوں کو سیدھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مونڈھے دوسرے شخص کے مونڈھے کے برابر ہوں ۸- کشادگیوں کو بند کرو کہ شیطان بھیڑ کے بچے کی تمہارے درمیان داخل ہو جاتا ہے ۹- حضور علیہ السلام صحابہ رض کی صفیں تیر کی طرح سیدھی کرتے تھے (بخاری) حدیث زیر

ح ہو کر صفوں کو سیدھا کرنے کے لیے امام کا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا جائز ہے۔ خواہ اقامت سے قبل یا اقامت کے بعد۔

بَابُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ

باب، صفِ اوّل کی فضیلت کے بیان میں

ن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ سَلَّمَ۔ الشُّهَدَاءُ الْغَرِقُ وَالْمَبْطُونُ لْمَطْعُونُ وَالْهَدِمُ وَقَالَ لَوْ يَعْلَمُونَ مَا ي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ ا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا لَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ سْتَهَمُوا۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بھی شہید ہے جو ڈوب جائے اور جو پیٹ کی بیماری سے مرے اور جو طاعون سے مرے اور جو دب کر مرے اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگ جان لیں جو ثواب نماز کے لئے جلدی آنے میں ہے تو وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھیں اور اگر جان لیں جو ثواب عشاء اور صبح کی نماز میں ہے تو وہ گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے ان میں آئیں اور اگر جان لیں جو ثواب پہلی صف میں ہے تو اس کے لیے قرعہ اندازی کریں

ف اوّل کے فضائل یہ حدیث فیوض الباری پارہ سوم ص۲ پر مع تفہیم و رجال کے گذر چکی ہے۔ صفِ اوّل کی فضیلت میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ چند کے خلاصے یہ ہیں۔ ۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اس کے فرشتے صفِ اوّل پر درود بھیجتے ہیں (احمد و طبرانی) ۲۔ مردوں کی سب صفوں میں بہتر پہلی صف ہے اور سب میں کمتر چھلی صف ہے اور عورتوں کی سب سے بہتر پچھلی صف ہے اور کمتر پہلی (مسلم ابوداؤد ترمذی) ۳۔ صف مقدم کو پورا کرو پھر اس کو جو اس ے بعد ہو۔ اگر کچھ کمی ہو تو پچھلی صف میں ہو (ابوداؤد) ۴۔ ہمیشہ صفِ اوّل سے لوگ پیچھے ہوتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی ت سے مؤخر کر کے نار میں ڈال دے گا۔ (مسلم ابوداؤد، نسائی و ابن ماجہ)

بَابُ إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ

باب، صف کو برابر کرنا اور نماز کا پورا کرنا ہے

ن أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ال إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَلَا تَخْتَلِفُوا لَيْهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ مَنْ حَمِدَهٗ۔ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا وَإِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوا لُوسًا أَجْمَعُونَ وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلٰوةِ نَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلٰوةِ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے تو تم اس سے اختلاف نہ کرو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو اور نماز میں صفوں کو برابر رکھو اس لیے کہ صف کو برابر رکھنا نماز کا حسن ہے۔

ن أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلٰوةِ۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی صفوں کو برابر کرو اس لئے کہ صفوں کا برابر کرنا نماز کے قائم کرنے سے ہے۔

ئد و مسائل امام بخاری نے تمام الصلوٰۃ کا عنوان قائم کیا ہے اور زیر عنوان حدیث میں حسن الصلوٰۃ اور اقامۃ الصلوٰۃ کا لفظ ہے اور حدیث ابوداؤد میں عن انس میں من تمام الصلوٰۃ کا جملہ بھی آیا ہے اس سے

واضح ہوا حسن سے مراد کمال ہے کیونکہ شی کا حسن وہ شی کی حقیقت میں داخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ترجمہ یوں ہوا باب اقامۃ الصف من کمال الصلوٰۃ ۔ او من حسن تمام الصلوٰۃ ۔ اور ظاہر ہے کہ تسویۂ صفوف حقیقت نماز میں داخل نہیں کہ اگر صف سیدھی نہ ہو تو نماز بھی نہ ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کا حسن اور اس کے آداب سے ہے ۔ کے نزدیک صفوں کو سیدھا رکھنا واجب ہے ۔ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ اور رصوا صفوفکم کہ صفوں کو سیدھا رکھو یہ کہ صلوا کما رأیتمونی اصلی میری طرح نماز پڑھو۔ حضورؐ کا یہ حکم صیغۂ امر کے ساتھ ہے اور پھر اس کے ترک پر وعید شدید کا وارد ہونا وجوب

بَابُ اِثْمِ مَنْ لَّمْ يُتِمَّ الصُّفُوْفَ

باب ، صف پوری نہ کرنے کا گناہ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَقِيْلَ لَهٗ مَا اَنْكَرْتَ مِنَّا مُنْذُ يَوْمِ عَهِدْتَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْكَرْتُ شَيْئًا اِلَّا اَنَّكُمْ لَا تُقِيْمُوْنَ الصُّفُوْفَ وَقَالَ۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ وہ (البصرہ آئے تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ تبلایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے تم نے کون سی بات ہم میں خلاف ہے انہوں نے کہا میں نے تو اس کے خلاف تم میں کوئی نہیں پائی۔ بس ایک یہ ہے کہ تم صفیں برابر نہیں کرتے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ صفوں کا برابر رکھنا ضروری ہے اور اس کا خیال نہ رکھنا گناہ ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ نے اس پر عمل نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل مدینہ پر باوجود انکار کے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا ۲۔ علامہ ابن حزم نے البتہ لکھا ہے کہ اگر صفوں کو برابر نہ کیا گیا تو نماز باطل ہوگی۔ مگر یہ ان کا ذاتی تشدد ہے۔ حدیث و آثار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔

۱ بَابُ اِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ الْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِي الصَّفِّ

باب صف میں مونڈھے سے مونڈھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہونا

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيْرٍ رَاَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهٗ بِكَعْبِ صَاحِبِهٖ۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ وَكَانَ اَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهٗ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهٖ وَقَدَمَهٗ بِقَدَمِهٖ۔ (بخاری)

اور نعمان بن بشیر (صحابی) نے کہا کہ میں نے دیکھا میں) ایک آدمی ہم میں سے اپنا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنے سے ملا کر

حضرت انس نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ صفوں کو برابر رکھو۔ میں تم کو اپنی پیٹھ کے سے دیکھتا ہوں اور ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ صف اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے اور اپنا قدم قدم سے ملا دیتا۔

فوائد و مسائل حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ عنوان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ تعدیل صف اور خلاء کو بھرنے میں مبالغہ یعنی صف بہت سیدھی ہو۔ جہاں تک ممکن ہو ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوا جائے۔ رہا یہ کہ دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو تو شرح وقایہ میں ہے کہ چار انگل کا فاصلہ ہو۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی قول ہے حضرات غیر مقلدین کا یہ کہنا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھی جائے تو قدموں کے درمیان زیادہ فاصلہ ہونا چاہئے۔ یہ صرف انہیں کا

ہے۔ اور حدیث زیر بحث کے الفاظ ملزق منکبہ سے یہ استدلال کرنا کہ صف میں کھڑے ہونے والے کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملائیں متعدد وجوہ سے باطل ہے۔ اول اس لیے ایک کا دوسرے کے کندھے سے کندھا تو مل سکتا ہے مگر اس کے ساتھ ٹخنے سے ٹخنہ ملانا مشکل ہے۔ دوم اس لیے کہ یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ کا مطلب محض یہ ہے کہ صف میں خلا نہ رہے۔ نہ یہ کہ ٹخنے سے ٹخنہ ملایا جائے کیونکہ حدیث کے خط کشیدہ الفاظ میں ب کا مقتضیٰ وہی ہے جو حرف بین یدیہ میں ہے۔ سوم اس لیے کہ صحابہ و تابعین کے متعلق یہ کہیں نہیں ملتا کہ وہ کندھے سے کندھا ملانے کے ساتھ ٹخنے سے ٹخنہ بھی ملاتے۔ اور عدم توارث[1] و تعامل بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی حدیث زیر بحث کا مفہوم و مطلب صرف یہ ہے کہ صف بالکل سیدھی ہو اور درمیان میں خلا نہ ہو۔

بَابُ اِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَّسَارِ الْاِمَامِ وَحَوَّلَهُ الْاِمَامُ خَلْفَهٗ اِلٰى يَمِيْنِهٖ تَمَّتْ صَلَاتُهٗ

باب، جب کوئی شخص امام کی طرف کھڑا ہو اور امام اس کو اپنے داہنی طرف لے آئے تو دونوں کی نماز صحیح رہتی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَاْسِيْ مِنْ وَّرَائِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَصَلّٰى وَرَقَدَ فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ يُصَلِّيْ وَلَمْ يَتَوَضَّاْ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ایک رات نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ میں آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میرا سر (تھام کر) اپنی داہنی طرف کر لیا۔ پھر نماز پڑھ کر آپ سو گئے۔ بعدہٗ آپ کے پاس مؤذن آیا۔ آپ کھڑے ہوئے اور (صبح کی) نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے داہنی طرف امام سے مل کر کھڑا ہو اور اگر مقتدی امام کے داہنی طرف کھڑا نہ ہو اور امام ایک حرکت سے اس کو اپنے دہنی طرف کر لے تو یہ عمل کثیر نہیں ہے اور اس طرح کرنے سے امام و مقتدی دونوں کی نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا اور دونوں کی نماز درست و صحیح ہوگی۔

بَابُ الْمَرْاَةُ وَحْدَهَا تَكُوْنُ صَفًّا

باب، اکیلی عورت صف کا حکم رکھتی ہے

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اور

---

[1] بعض لوگ صرف اسناد کی صحت کو دیکھ کر ایک رائے قائم کر لیتے ہیں اور تعامل و توارث کو نہیں دیکھتے۔ حالانکہ کسی حدیث پر عمل کرنے یا اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ کے تعامل کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ امام ترمذی نے دو صحیح حدیثیں لکھ کر یہ بھی لکھا کہ انہ لم یعمل بہ احد اور اس کی وجہ فقدان عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ غرضیکہ اگر کوئی حدیث صحیح الاسناد ہو اور اس پر صحابہ کرامؓ کا عمل نہ ہو تو وہ قابل استدلال نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ضعیف حدیث ہو اور سلف کا اس پر عمل ہو تو وہ حجت ہے۔ پس کسی حدیث کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لیے یا اس سے استدلال کرتے وقت صحابہؓ کے تعامل و توارث کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ (فافہم)

فائدہ۔ بعض غیر مقلدین نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ احناف کے نزدیک کعب سے مراد ارشی ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے۔ قول شاذ ینسب الی بعض الحنفیہ۔ (عینی ج ۲ صفحہ ۹۵)

وَيَتِيْمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمِّي خَلْفَنَا اُمُّ سُلَيْمٍ۔

ایک لڑکے نے جو کہ یتیم تھا اپنے گھر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور میری ماں ام سلیم ہمارے پیچھے تھیں۔

۱۔ اُمِ سُلیم۔ کنیت ہے یہ حضرت ابو طلحہ کی بیوی ہیں اور ان کا نام سہلہ یا رمیلہ یا رمیثا ہے۔ یہ علم دین کی فاضلہ تھیں۔ ہذا سے واضح ہوا کہ اگر دو مقتدی مرد ہوں اور ایک عورت تو دونوں مرد امام کے پیچھے کھڑے ہوں اور عورت ان کے پیچھے کھڑی جیسا کہ حدیث ہذا میں ہے کہ حضرت انسؓ اور وہ یتیم لڑکا تو حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ام سلیم ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں ۳۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ عورتیں مردوں کے ساتھ جماعت میں شامل ہو سکتی ہیں۔ مگر سب صفوں سے پیچھے کھڑی ہوں۔ حدیث ابن مسعود میں حضورؐ نے فرمایا۔ اخروهن من حيث اخرهن ہمارے فقہا نے لکھا ہے کہ اگر دو مقتدی ہوں۔ ایک مرد اور ایک لڑکا تو دونوں امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔ اگر اکیلی عورت مقتدی تو بھی پیچھے کھڑی ہو۔ زیادہ عورتیں ہوں جب بھی یہی حکم ہے اور اگر دو مقتدی ہوں ایک مرد اور ایک عورت تو مرد امام کے کھڑا ہو اور عورت پیچھے (عالمگیری) ۴۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ دو مقتدی ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے نماز پڑھائی اور مقتدی دو تھے۔ علقمہ اور اسود تو آپ نے ایک کو دائیں طرف دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کیا تھا۔ اس سے حضرت امام ابو یوسف نے یہ استدلال فرمایا کہ جب دو مقتدی ہوں تو ایک امام کے دائیں اور دوسرا بائیں کھڑا ہو۔ لیکن اس کے متعدد جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت ابن مسعود کو حدیث انس نہیں پہنچی تھی۔ دوم یہ کہ جگہ کی کی بنا پر انہوں نے ایسا کیا تھا۔ جیسا کہ طحاوی میں حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ فعله ابن مسعود لكان لضيق المكان عینی ج ۲ ص ۲۹۵ ۵۔ رہا یہ سوال کہ اگر ایک مقتدی ہو اور امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو کیا حکم ہے۔ امام نخعی و امام احمد و اسحٰق و ابن حزم کا مسلک یہ ہے کہ نماز باطل ہوگی کیونکہ حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک اکیلا شخص امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے فرمایا۔ اعد الصلوٰة "نماز دوبارہ پڑھو۔ رواه الطبرانی عن ابی هريرة) لیکن امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی فرماتے ہیں کہ نماز درست ہوگی۔ البتہ اس طرح نماز پڑھنا خلاف سنت ہے اور حدیث ابو ہریرہ کا جواب یہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے جو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا وہ بطور وجوب تھا بلکہ استحباب پر محمول ہے۔ ثانیاً۔ حدیث زیر بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ اکیلی عورت اگر امام کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھے تو درست ہے۔ تو جب اکیلی عورت کی نماز درست ہوگی۔ تو اکیلے مرد کی تو بطریق اولیٰ درست ہونی چاہیے۔

بَابُ مَیْمَنَةِ الْمَسْجِدِ وَالْاِمَامِ

باب، مسجد اور امام کی داہنی جانب کا بیان

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُمْتُ لَيْلَةً اُصَلِّي عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدِي حَتّٰى اَقَامَنِي عَنْ يَمِيْنِهٖ وَقَالَ بِيَدِهٖ مِنْ وَّرَائِيْ۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک رات نماز پڑھنے کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بائیں طرف کھڑا ہوا تو آپ نے میرا ہاتھ یا بازو پکڑ کر مجھے اپنی داہنی طرف کھڑا کر دیا اور ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ میرے پیچھے سے گھوم آؤ۔

مقصود عنوان یہ ہے کہ جب مقتدی ایک ہو تو اس کے کھڑے ہونے کی جگہ امام کے دہنی طرف ہے اور ظاہر ہے کہ جب مقتدی امام کے دہنی طرف کھڑا ہوگا تو مسجد کے بھی دہنی طرف ہی ہوگا۔ زیر عنوان حدیث مضمون عنوان پر بلا اشکال مشتمل ہے اور دہنی طرف کھڑے ہونے کی فضیلت پر حدیث نسائی سے روشنی پڑتی ہے۔ حضرت براء سے مروی ہے کہ ہم جب حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھتے تو حضورؐ کے دہنی طرف کھڑے ہونے کو دوست رکھتے تھے۔ (یعنی صف کے دہنی طرف) اور ابوداؤد و ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے صف کے دہنے والوں پر درود بھیجتے ہیں اور غالباً یہ بھی کسی حدیث کا مضمون ہے کہ رحمت سب سے پہلے امام پر اور پھر ان پر جو اس کے دہنے طرف ہوں۔ پھر ان پر جو امام کے بائیں طرف ہوں نازل ہوتی ہے ـــــ ظاہر ہے کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے ہر شخص امام کی دہنی طرف صف میں کھڑا ہونے کی کوشش کرتا اور بائیں جانب خالی رہ جاتی۔ تو اس کے متعلق حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسجد کی بائیں جانب اس لیے کھڑا ہو کہ ادھر لوگ کم ہیں تو اسے دُونا ثواب ہے (رواہ الطبرانی عن ابن عباس) علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اگرچہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ لیکن بر تقدیر صحت یہ حدیث، حدیث براء کے معارض نہیں کیونکہ یہ ہدایت ایک خاص حالت کے لیے ہے جب وہ حالت ختم ہوگی تو حکم بھی ختم ہو جائے گا۔

بَابُ اِذَا كَانَ بَيْنَ الْاِمَامِ وَبَيْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ اَوْ سُتْرَةٌ

باب: جب امام اور مقتدی کے درمیان دیوار یا پردہ حائل ہو تو کیا حکم ہے؟

وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَاْسَ اَنْ تُصَلِّيَ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ نَهْرٌ۔

حضرت حسنؓ نے فرمایا۔ اس میں حرج نہیں کہ تو نماز پڑھے اور تیرے اور امام کے درمیان نہر ہو۔

واضح ہو کہ اقتداء کی تیرہ شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک مکان میں ہوں۔ احناف کے نزدیک مسجد مکانِ واحد ہے تو اگر امام و مقتدی کے درمیان دیوار یا کوئی اور چیز حائل ہو۔ تو اگر امام کے انتقالات مشتبہ نہ ہوں۔ مثلاً اس کی یا مکبر کی آواز سنی جاتی ہو یا ـــــ اُسے مقتدیوں کے انتقالات دکھائی دیتے ہوں۔ تو اقتداء درست ہے۔ مثلاً مسجد بہت بڑی ہے اور امام اگرچہ محراب میں ہے اور مقتدی منتہائے مسجد میں تو اقتداء درست ہے۔ اسی طرح مسجد کے متصل کوئی دالان ہے۔ اس میں مقتدی اقتداء کر سکتا ہے جب کہ امام کا حال مخفی نہ ہو۔ یونہی بیچ مسجد کے ایسی چھوٹی نہر ہے جس پر کشتی یا بجرا نہ چل سکے۔ تو اقتداء درست ہے ـــــ حضرت امام حسن علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا کہ اگرچہ امام و مقتدی کے درمیان نہر ہو اقتداء درست ہے تو اس نہر سے اگر ایسی نہر مراد ہے جس میں کشتی یا بجرا نہ چل سکے تو اقتداء درست ہے۔ اگر امام اور مقتدی کے درمیان اتنا چوڑا راستہ ہے جس میں بیل گاڑی جا سکے یا بیچ میں نہر ہو جس میں کشتی یا بجرا چل سکے تو اقتداء درست نہیں۔ یونہی اگر بیچ میں حوض دہ دردہ ہے تو اقتداء نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر حوض کے گرد صفیں برابر متصل ہوں۔ یا اگر حوض چھوٹا ہو تو اقتداء صحیح ہے۔

وَقَالَ اَبُوْ مِجْلَزٍ يَاْتَمُّ بِالْاِمَامِ وَاِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا طَرِيْقٌ اَوْ جِدَارٌ اِذَا سَمِعَ تَكْبِيْرَ الْاِمَامِ۔ (بخاری)

اور ابو مجلز نے کہا کہ امام کی اقتدا کر سکتا ہے۔ گو کہ امام اور مقتدی کے درمیان راستہ یا دیوار حائل ہو۔ لیکن مقتدی امام کی تکبیر سن سکے۔

ابو مجلز لاحق بن حمید بن سعید بصری تابعی ہیں۔ اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا ـــــ راستہ سے مراد احناف کے نزدیک، اگر اتنا چھوٹا راستہ ہے۔ جس میں بیل گاڑی نہیں گذر سکتی تو اقتداء درست ہے اور اگر اتنا چوڑا راستہ ہے کہ جس میں بیل

کاٹی جا سکے تو اقتداء درست نہیں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيْرٌ فَرَاَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ اُنَاسٌ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِهٖ فَاَصْبَحُوْا فَتَحَدَّثُوْا بِذٰلِكَ فَقَامَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةَ فَقَامَ مَعَهٗ اُنَاسٌ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِهٖ صَنَعُوْا ذٰلِكَ لَيْلَتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا حَتّٰى اِذَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَخْرُجْ فَلَمَّا اَصْبَحَ ذَكَرَ ذٰلِكَ النَّاسُ فَقَالَ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلٰوةُ اللَّيْلِ۔

حضرت عائشہ رض سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رات کو (تہجد کی) نماز اپنے حجرہ میں پڑھتے تھے حجرہ کی دیوار چھوٹی سی تھی۔ لوگوں نے نبی صلے اللہ علیہ و کا جسم مبارک دیکھ لیا اور کچھ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو اس کا چرچا کرنے لگے۔ دوسری رات آپ کھڑے ہوئے۔ تب بھی چند لوگ آپ کے نماز پڑھتے رہے۔ دو یا تین راتوں تک وہ ایسا ہی کرتے رہے اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھ رہے۔ نماز کے مقام پر تشریف نہیں لائے۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں رات کی تم پر فرض نہ ہو جائے۔

فوائد و مسائل فِیْ حُجْرَتِهٖ کے متعلق علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اس سے ازواج مطہرات میں سے کسی کا حجرہ مراد ہے جو سے بالکل متصل ہے۔ جیسا کہ روایت ابونعیم میں ہے۔ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ حُجْرَةٍ مِنْ حُجَرِ اَزْوَاجِ تو مطلب حدیث یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام اس حجرہ میں نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور اس حجرہ کی دیواریں اتنی چھوٹی تھیں کہ حضور جسم مبارک نظر آتا تھا اور لوگوں نے حضور کو دیکھ کر آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ جس سے واضح ہوا کہ اگر امام و مقتدی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔ اگرچہ دیوار ہی ہو اور امام کی حالت دکھائی دے یعنی اس کی آواز سنائی دے یا اس کے نماز کے افعال نظر آئیں تو اقتداء درست ہے اس لیے نوافل گھر میں ادا کرنا افضل ہیں ۳۔ جماعت کے ساتھ بھی نوافل پڑھے جا سکتے ہیں ۴۔ حضور علیہ السلام نے دو رات یا تین رات یہ نوافل جماعت کے ساتھ ادا فرمائے۔ مگر چوتھی رات آپ اس جگہ تشریف ہی نہ لائے فَلَمْ يَخْرُجْ کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ نوافل ادا فرماتے تھے، جلوہ گر نہ ہوئے۔ صبح کو جب اس کا ذکر ہوا۔ تو حضور نے فرمایا۔ میں اس لیے نہیں آیا کہ کہیں یہ نوافل تم پر فرض نہ ہو جائیں۔

بَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ

باب، رات کی نماز کا بیان

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهٗ حَصِيْرٌ يَبْسُطُهٗ بِالنَّهَارِ وَيَحْتَجِرُهٗ بِاللَّيْلِ فَثَابَ اِلَيْهِ نَاسٌ فَصَفُّوْا وَرَآءَهٗ۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ حُجْرَةً قَالَ حَسِبْتُ

۱۔ حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک بوریا تھا جس کو آپ دن میں بچھایا کرتے اور رات کو پردہ بنا لیتے چند لوگ آپ کے پاس کھڑے ہوئے اور آپ کے پیچھے صف باندھی۔

۲۔ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حجرہ بنا لیا۔ حسیر بن سعید نے کہا میں سمجھتا

اَنَّہٗ قَالَ مِنْ حَصِیْرٍ فِیْ رَمَضَانَ فَصَلّٰی فِیْھَا لَیَالِیَ فَصَلّٰی بِصَلٰوتِہٖ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فَلَمَّا عَلِمَ بِھِمْ جَعَلَ یَقْعُدُ فَخَرَجَ اِلَیْھِمْ فَقَالَ قَدْ عَرَفْتُ الَّذِیْ رَاَیْتُ مِنْ صَنِیْعِکُمْ فَصَلُّوْا اَیُّھَا النَّاسُ فِیْ بُیُوْتِکُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ الصَّلٰوۃِ صَلٰوۃُ الْمَرْءِ فِیْ بَیْتِہٖ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ (بخاری)

حضرت زید نے کہا کہ وہ بوریئے کا تھا اور آپ نے یہ حجرہ رمضان میں بنایا تھا۔ اس کے اندر کئی راتوں تک آپ نماز پڑھتے رہے اور آپ کے ہمراہ کئی صحابہؓ نے بھی نماز پڑھی۔ جب آپ کو ان کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بیٹھنا شروع کر دیا (نماز موقوف رکھی) پھر آپ تشریف لائے اور فرمایا تم نے جو کیا مجھ کو معلوم ہے لیکن لوگو! تم اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھتے رہو، کیونکہ افضل نماز آدمی کی اس کے گھر میں ہے۔ سوائے فرض نمازوں کے۔

فوائد و مسائل

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ عنوان مذکور صرف روایت مستملی کا ہے اور اس مقام پر اس کے ذکر کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ذکر صفوف اور اقامت صفوف کا بیان چل رہا ہے اور یہی عنوان منفرد طور پر کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں آ رہا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس عنوان کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ بتانا ہو کہ امام اور مقتدی کے درمیان دیوار حائل ہو تو اقتداء درست ہے۔ چنانچہ حدیث زیر عنوان میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام کا یہ حجرہ بوریئے کا تھا۔ یہ بوریا دن میں بچھا دیا جاتا تھا اور رات کو اس سے پردہ کا کام لیا جاتا تھا تو بوریئے کا پردہ بھی دیوار کی مثل ہی ہے۔ ۲۔ حدیث اول کو امام نے لباس میں مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا اور حدیث دوم کو امام بخاری نے ادب و اعتصام میں اور مسلم و ترمذی و نسائی و ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

۳۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں اور اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ گھر میں نماز پڑھنا نور ہے، تو اپنے گھروں کو منور کرو (ابن ماجہ) گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے۔ (مسلم و نسائی) نماز گھر میں بھی پڑھا کرو (یعنی نوافل) (احمد) نوافل گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ (ابوداؤد) اور نوافل کو گھر میں پڑھنے کی ہدایت کا راز یہ ہے کہ آدمی خلوص و للّٰہیت کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو اور ریا و سمع کا اس میں دخل نہ ہو سکے ۴۔ اور عموم حدیث سے وہ نوافل مستثنیٰ ہیں جن کے لیے جماعت مشروع ہے۔

اس حدیث سے تراویح کی اصل ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے رمضان کی تین راتوں میں باجماعت ادا فرمائیں اس کے بعد بخوف فرضیت ترک فرما دیں۔ تراویح کے متعلق بحث اپنی جگہ آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

بَابُ اِیْجَابِ التَّکْبِیْرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ

باب، تکبیر تحریمہ کا واجب ہونا اور نماز کے شروع کرنے کے متعلق

تکبیر تحریمہ کے متعلق بحث

اس سے قبل جماعت، اقامت، تسویۂ صفوف کے مسائل بیان ہوئے اور اس سلسلہ میں امام نے ایک سو بائیس (۱۲۲) حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں ۹۶ موصول ہیں ۲ معلق ہیں اور صحابہ و تابعین رضی کے اثر تھے۔ اس عنوان سے نماز پڑھنے کا طریقہ اور اس کے احکام کا بیان مقصود ہے ۲۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔ تینوں کے الفاظ تقریباً ایک ہی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ

فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا
قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا
وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا وَإِذَا
صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ۔

اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی کہو اور جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

۳۔ وَافْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ میں واؤ عاطفہ ہے یا مع کے معنی میں ہے۔ شارحین نے اس پر کافی بحث کی ہے لیکن جو بات ہمیں سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نماز کا افتتاح صرف تکبیر سے ہوگا۔ یا صرف رفع یدین سے۔ تو امام یا کہ نماز کا افتتاح تکبیر سے ہوگا پس اگر کسی نے بغیر تکبیر کہے ہاتھ اٹھا کر نماز شروع کی تو وہ نماز میں داخل نہ ہوگا۔ یعنی مقصود یہ بتانا ہے کہ آدمی کا نماز میں داخلہ تکبیر سے ہوگا۔ فقط ہاتھ اٹھانے سے نہیں۔ چنانچہ سیدنا امام جعفر صادق نے سوال کیا (تحریمۃ الصلوٰۃ هو بالتكبير ام برفع اليد فقال بالتكبير ولما ذهب الامام قال نعم فقيه) کہ نماز کی ابتدا تکبیر سے ہوگی یا ہاتھ اٹھانے سے امام ابو حنیفہ نے فرمایا تکبیر سے۔ جب آپ واپس آئے تو جناب امام جعفر علیہ الرحمہ نے فرمایا یہ فقیہ ہیں۔

کیا تکبیر تحریمہ کے لیے لفظ اللّٰہ اکبر ہی کہنا ضروری ہے؟

واضح ہو کہ امام احمد و شافعی و مالک کے نزدیک نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہنا فرض ہے اور کوئی لفظ اس کی جگہ کافی نہیں ہے اور احناف کے نزدیک تکبیر یعنی نماز کا افتتاح ایسے الفاظ سے کرنا جو خالص اللہ عزوجل کی تعظیم کے الفاظ ہوں فرض ہے اور لفظ اللہ اکبر سے نماز شروع کرنا واجب ہے۔ چنانچہ شیخ ابن الہمام نے فرمایا۔ اللہ اکبر سے نماز شروع کرنا واجب ہے۔ صاحب بحر و نہر و صاحب تنویر الابصار اور ابن امیر الحاج نے شرح منیہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ نیز عالمگیری و درمختار وغیرہ میں یہ تصریح بھی ہے کہ اگر کسی نے اللہ اکبر کی جگہ دوسرے لفظ تعظیمی کہے تو ان سے بھی نماز کی ابتدا ہو جائے گی مگر یہ تبدیل مکروہ تحریمی ہے ۲۔ جو اکثر اللہ اکبر کے سوا کسی دوسرے لفظ سے نماز کا افتتاح جائز نہیں سمجھتے وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں یہ آیا ہے کہ حضور علیہ السلام لفظ اللہ اکبر سے نماز شروع فرماتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس مضمون کی احادیث سے دوسرے تعظیمی الفاظ سے نماز کے افتتاح کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا۔ لفظ تکبیر از روئے لغت تعظیم ہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید میں ہے (فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ اَيْ عَظَّمْنَهٗ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (اَيْ عَظِّمْ) اور فرمایا وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى الآیہ۔ اس آیت میں ذکر کو عام رکھا گیا ہے۔ خواہ وہ لفظ اللہ سے ہو یا لفظ رحمٰن سے پس جائز ہے اللہ اکبر کی جگہ الرحمٰن اعظم کہا جائے کیونکہ ذکر ہونے میں یہ دونوں برابر ہیں اور قرآن نے یہ بھی فرمایا ہے لِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے اور مسند ابن ابی شیبہ میں ابو العالیہ سے مروی ہے کہ انبیاء کرام نماز کی ابتداء توحید تسبیح و تہلیل سے فرماتے تھے اور امام شعبی نے فرمایا کہ اسماء الٰہی میں سے جس کے ساتھ بھی نماز کا افتتاح کیا جائے جائز ہے اور یہی امام نخعی و ابراہیم کا قول ہے۔ لہٰذا اللہ اکبر کی جگہ اگر کسی دوسرے تعظیمی الفاظ سے نماز کا افتتاح کیا جائے جائز ہے ۲۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ امام کی متابعت ضروری ہے اور مقتدی کو امام کے بعد تکبیر کہنی چاہیے۔ اگر امام سے پہلے تکبیر کہی تو اقتداء درست نہ ہوگی حتیٰ کہ اگر مقتدی نے لفظ اللہ امام کے ساتھ کہا مگر لفظ اکبر سے پہلے ختم کر چکا تو نماز نہ ہوگی ۳۔ واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ درحقیقت شرائط نماز سے ہے مگر چونکہ افعال نماز سے اس کو بہت اتصال ہے اس لیے فرائض نماز میں اس کا شمار کر لیتے ہیں۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِى التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مَعَ الْاِفْتِتَاحِ سَوَآءً

باب تکبیر تحریمہ میں نماز شروع کرتے ہی دونوں ہاتھوں کو برابر اٹھانا

نْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ
هِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ
حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ
رُكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا
ذٰلِكَ اَيْضًا وَقَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا
وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِى السُّجُوْدِ۔ (بخاری)

حضرت سالم بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے (تو بھی رفع الیدین کرتے) اور سمع اللہ لمن حمدہ۔ ربنا ولک الحمد کہتے اور آپ رفع الیدین کرتے سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت نہ کرتے۔

١۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ احادیث میں تکبیر تحریمہ کہنے اور ہاتھ اٹھانے کی تین صورتیں وارد ہوئی ہیں:۔

اوّل۔ قبل التکبیر۔ یعنی پہلے ہاتھ اٹھانا اس کے بعد تکبیر کہنا۔

دوم۔ معہ۔ یعنی تکبیر و ہاتھ اٹھانا۔ دونوں ایک ساتھ ہوں۔

سوم۔ بعدہ۔ یعنی پہلے تکبیر کہنا پھر ہاتھ اٹھانا۔

صاحب ہدایہ علیہ الرحمۃ نے صورت اول کو اختیار کیا کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے کیونکہ ہاتھ اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ ی اللہ کے سوا اور کی کبریائی کی نفی کرتا ہے اور تکبیر (اللہ اکبر) سے اللہ کی بزرگی ثابت کرتا ہے اور نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے۔

امام ابو یوسف و امام طحاوی علیہم الرحمۃ نے دوسری صورت اختیار کی کہ تکبیر کہنا اور ہاتھ اٹھانا دونوں ایک ساتھ ہوں۔ اسی کو شیخ الاسلام و صاحب تحفہ و قاضی خان نے اختیار فرمایا ہے۔

اور تیسری صورت تصرف رواۃ سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ سلف میں سے کسی نے اس کو اختیار نہیں کیا اور پھر تکبیر کے بعد ہاتھ ٹھانا ویسے بھی درست نہیں قرار پاتا کیونکہ ہاتھ اٹھانا تو تکبیر کے لیے ہے تو جب تکبیر ختم ہو گئی تو رفع کا محل باقی نہ رہا ورنہ اگر شارع بیر کے بعد ہاتھ اٹھانا منظور ہوتا تو پھر دوسری و تیسری رکعت کے شروع کے لیے بھی اس کا حکم ہوتا۔ جس سے واضح ہوا کہ مرضی شارع ل الرفع بعد التکبیر ہے۔ پس مذکورہ بالا دو صورتیں ہی باقی رہیں۔

٢۔ واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ سے نماز کو شروع کرنا فرض ہے اور ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے اور پہلے ہاتھ اٹھانا پھر تکبیر کہنا یا تکبیر کہنا اور تھ اٹھانا دونوں ایک ساتھ ہوں دونوں طرح جائز ہے۔

یر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بحث

٣۔ سیدنا امام شافعیؒ کے نزدیک تکبیر کے وقت ہاتھ کندھوں تک اٹھائے جائیں۔ جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ے اور احناف کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ کان تک لائے جائیں کہ انگوٹھے کی لو سے چھو جائیں اور انگلیاں نہ ملی ہوئی رکھے نہ خوب کھولے اپنی حالت پر رہنے دے اور ہتھیلیاں قبلہ رخ کرے۔ جیسا کہ احادیث ذیل سے ثابت ہے۔

حضرت وائل بن حجر و براء و انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام جب تکبیر کہتے تو

ن اذا کبر رفع یدیہ حذاء اذنیہ
(رواہ احمد و اسحٰق و حاکم فی المستدرک)

اپنے ہاتھ کانوں تک اُٹھاتے۔

رفع یدیہ حیال اذنیہ

کہ جب آپ تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھاتے

رواہ ابوداؤد (عن وائل)

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنی مسند میں بروایت عاصم عن وائل بن حجر روایت کی

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ یُحَاذِیْ بِہِمَا شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ (مسند شریف ۱۴۳)

کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بوقت تکبیر تحریمہ دونوں ہاتھ اُٹھاتے کہ کانوں کی لو تک برابر ہوجاتے۔

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام افتتاح نماز کے لیے جب ہاتھ اٹھاتے۔

یرفع ابہامیہ فی الصَّلوٰۃ الی شحمۃ اذنیہ (ابوداؤد)

تو آپ اپنے انگوٹھوں کو کان کی لو تک لے جاتے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ :-

حتی یحاذی بابہامیہ اذنیہ۔ (دارقطنی)

آپ کان تک اپنے انگوٹھے لے جاتے (عینی ج

اور ترمذی نے سعید بن سمعان کی حدیث میں ذکر کیا کہ جناب ابوہریرہؓ مسجد نبوی میں آئے اور کہا حضور علیہ السلام جب تکبیر کہتے تو

ولم یفرج بین اصابعہ ولم یضمہا (ترمذی)

نہ اپنی انگلیوں کو ملاتے اور نہ انھیں کھولتے (خلاصہ

حضرت مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب تکبیر تحریمہ کہتے تو

حتی یحاذی بہما اذنیہ (مسلم)

ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے۔

اور دوسری روایت میں فروع اذنیہ کے لفظ بھی آئے ہیں۔ حضرت انس سے بھی اسی طرح مروی ہے (دارقطنی

اور حضرت براء سے مروی ہے کہ حضورؐ ہاتھ اٹھاتے تو آپ کے دونوں انگوٹھے

حتی یکون ابہاما لاقریبا من شحمتی اذنیہ

کان کی لو کے قریب ہوتے۔

(طحاوی۔ مسلم و بخاری)

ف۔ مذکورہ بالا مضمون کی حدیثوں کو ۱۔ بخاری و مسلم وطحاوی نے مالک بن حویرث سے ۲۔ بخاری وابوداؤد ونسائی نے ابن ع سے ۳۔ ابوداؤد وطحاوی دارقطنی واحمد وامام عبدالرزاق نے حضرت براء بن عازب سے ۴۔ مسلم وابوداؤد نے حضرت وائل بن حجر ۵۔ اور حاکم و مستدرک و دارقطنی و بیہقی نے باسناد صحیح حضرت انس سے (بشرط مسلم و بخاری) روایت کیا ہے۔ (دیکھو صحیح البہاری)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نماز کا افتتاح کرے تو ہاتھوں کو اٹھ

ولیستقبل بباطنہما القبلہ (طبرانی)

تو ہتھیلیاں قبلہ رُخ کرے۔

فضل بن عباس سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ترفعہما الی ربک مستقبلا بطونہما (ابونعیم)

تو ہاتھ اٹھا اپنے رب کی طرف کہ ہتھیلیاں قبلہ رُخ ہوں۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ نماز شروع کرنے کے لیے دونوں ہاتھ کان تک اٹھائے جائیں۔ انگوٹھے کان کی لو تک پہنچ جائیں انگلیاں نہ ملی ہوں اور نہ خوب کھلی ہوں۔ بلکہ اپنی حالت پر رہنے دی جائیں اور ہتھیلیاں قبلہ رُخ ہوں اور جس حدیث میں کند تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے وہ حالت عذر پر محمول ہے جیسا کہ حدیث وائل بن حجر سے واضح ہوتا ہے۔ البتہ عورتوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ کندھوں تک ہاتھ اٹھائیں کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔

(لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

۴۔ حدیث زیر بحث سے یہ استدلال کیا گیا کہ امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کے ساتھ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ بھی کہے لیکن یہ استدلال تام نہیں ہے۔ اول اس لیے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضورؐ نے بحالت امام دونوں جملے کہے تھے۔ ثانیاً دوسری قولی حدیث میں حضورؐ نے بالتصریح یہ ہدایت دی ہے کہ امام فقط سمع اللہ لمن حمدہ کہے لہٰذا ظاہر یہی ہے۔ یہ حدیث حالتِ انفرادی پر محمول ہے چنانچہ بخاری و مسلم ہی کی دوسری حدیث حضرت انسؓ و حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم (یعنی مقتدی) ربنا لک الحمد کہو۔ اس حدیث میں حضورؐ نے امام و منفرد کے درمیان تقسیم فرمادی اور قسمت منافیٔ اشتراک ہے یعنی اگر امام بھی دونوں جملے کہے تو تقسیم نہ رہے گی۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ مزید تفصیل کے لیے فیوض الباری پارہ سوم ص۳۲۹ ملاحظہ فرمائیے!

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ

باب، تکبیر تحریمہ کے وقت اور رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ۔

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهٗ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلّٰى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هٰكَذَا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے، انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔ یہاں تک کہ دونوں آپ کے کندھوں کے برابر ہو جاتے اور جب رکوع میں جانے کے لیے تکبیر کہتے۔ تب بھی اسی طرح رفع الیدین کرتے اور جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی ایسا ہی کرتے اور فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ اور آپ سجدوں کے بیچ میں رفع الیدین نہ کرتے۔

حضرت ابوقلابہ سے مروی ہے کہ انھوں نے (صحابیٔ رسولؐ) مالک بن حویرث کو دیکھا۔ جب وہ نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ کرتے تو بھی اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی رفع الیدین کرتے اور بیان کرتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

فوائد و مسائل ان احادیث سے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ واضح کیا ہے کہ حضور علیہ السلام جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ اٹھاتے۔ اسی طرح جب رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی رفع الیدین فرماتے اور آپ سجدہ میں جاتے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔

حاشیہ [1] حدیث وائل بن حجر کے الفاظ یہ ہیں۔ قال قدمنا المدینة فوجدتهم یرفعون ایدیهم الی الاذنین ثم قدمت علیهم من القابل وعلیهم الاکسیة والبرانس من شدة البرد یرفعون ایدیهم الی المناکب۔

مسئلہ رفع یدین

واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے پر اجماع ہے لیکن رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ و احمدؒ و اسحٰقؒ و ابوثورؒ و ابن جریر طبریؒ و مالکؒ و حسن بصریؒ و ابن سیرینؒ و عطاء بن ابی رباحؒ و طاؤسؒ و مجاہدؒ و قاسم بن محمدؒ و سالمؒ و قتادہؒ و مکحولؒ و سعید بن جبیر و عبداللہ بن مالک و سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔ رفع یدین کے قائل ہیں اور ان حضرات کی دلیل وہ احادیث ہیں۔ جن کے متعدد صحابہ کرامؓ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت، رفع یدین فرمایا (جیسا کہ زیر عنوان حدیثوں میں مذکور ہے)۔ احناف کا جواب یہ ہے کہ ہمیں تسلیم ہے کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ نے رفع یدین کیا لیکن سوال صرف کرنے کا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ کیا حضورؐ نے رفع یدین کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھا؟ تو جہاں تک دلائل کا تعلق ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابتداء میں رفع یدین کیا جاتا تھا۔ مگر اس کے بعد منسوخ ہو گیا اور وہ احادیث جو قائلین رفع یدین پیش کرتے ہیں ان میں اسی منسوخ فعل کا ذکر ہے۔

ثانیاً۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ رفع یدین کے متعلق حضور علیہ السلام کی کوئی قولی حدیث نہیں ملتی۔ جتنی ملتی ہیں وہ سب کی سب فعلی ہیں لیکن رفع یدین کی ممانعت پر قولی و فعلی دونوں طرح کی حدیثیں ملتی ہیں اور حضورؐ نے اپنے قول و عمل سے بڑی وضاحت کے ساتھ رفع یدین کا ضابطہ بتایا ہے کہ اتنے مقامات پر رفع یدین ہونی چاہیئے اور اس میں رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے رفع یدین کی اہمیت اور کم ہو جاتی ہے ——— واضح ہو کہ رفع یدین کی جائے یا نہ کی جائے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ جس پر اکھاڑے قائم کئے جائیں اور ایک دوسرے پر زبان طعن دراز کی جائے۔ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے اور فروعات میں غلو و تشدد جائز نہیں ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کی تحقیق یہ ہے کہ رفع یدین منسوخ ہے۔

دلائلِ نسخ

۱۔ عن جابر بن سمرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای قوماً رفعوا ایدیھم فقال قد رفعوا ایدیھم کانھا اذناب خیل شمس اسکنو فی الصلوٰة (ابوداؤد)

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا یہ ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ گویا یہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ نماز میں سکون کرو۔

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور منع فرمایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین سنت نہیں بلکہ منسوخ ہے۔ لیکن اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں سے رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت جو رفع یدین کی جاتی ہے اس کی ممانعت نہیں کی گئی۔ بلکہ بوقت سلام جو رفع یدین کی جاتی ہے اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت جابر ابن سمرہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں۔

سلام والی حدیث

الف صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکُنَّا اِذَا سَلَّمْنَا قُلْنَا بِاَیْدِیْنَا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَنَظَرَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ مَا شَانُکُمْ تُشِیْرُوْنَ بِاَیْدِیْکُمْ کَاَنَّھَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمُسٍ، اِذَا سَلَّمَ

میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ ہم ایسا کیا کرتے تھے کہ جب سلام پھیرتے تو السلام علیکم کہتے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے۔ پس ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور فرمایا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو جیسے سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہل رہی ہوں۔ دیکھو جب تم میں سے کوئی شخص سلام پھیرے

اَحَدُکُمْ فَلْيَلْتَفِتْ اِلٰى صَاحِبِهٖ وَلَا يُوْمِیْ بِيَدِهٖ۔

تو اپنے برابر والے کی طرف رُخ کرے اور ہاتھ سے ہرگز اشارہ نہ کرے۔

ایک دوسری روایت کا ٹکڑا ہے۔

ب۔ اِنَّمَا يَكْفِیْ اَحَدَكُمْ اَنْ يَّضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلٰى اَخِيْهِ مَنْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ۔

یہ بات کافی ہے ہر ایک کے لیے کہ اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے پھر سلام پھیرے دائیں ہاتھ والے بھائی کی طرف اور اپنے بائیں ہاتھ والے کی طرف۔

ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے جس رفع یدین کو منع فرمایا ہے۔ وہ وہ ہے کہ جو لوگ سلام پھیرتے وقت ہاتھوں کو اٹھا کر اشارہ کرتے تھے ـــــ لیکن یہ جواب نہیں بلکہ محض ایک مغالطہ ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں جن پر ہم نے (الف و ب کا نشان دیا ہے) بیشک بوقت سلام لوگ جو ہاتھ اٹھاتے تھے ان کی ممانعت کی گئی ہے لیکن جو حدیثیں احناف پیش کرتے ہیں وہ سلام کے وقت رفع یدین کے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ وہ تو نماز میں رفع یدین کی ممانعت کے متعلق ہیں۔ چنانچہ ہم وہ دونوں حدیثیں دوبارہ پیش کرتے ہیں۔ بغور پڑھیئے۔ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں۔

رفع یدین کی ممانعت والی حدیث

۱۔ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِیْ اَرَاكُمْ رَافِعِیْ اَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِی الصَّلٰوةِ۔ (مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی)

فرمایا کہ حضورؐ تشریف لائے (اور ہمیں رفع یدین کرتے ہوئے پاکر) فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا کہ میں تمہیں اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے پاتا ہوں۔ جیسے گھوڑوں کی دُمیں ہلتی ہیں۔ تم نماز میں سکون کرو۔ (رفع یدین نہ کیا کرو)

اور اس حدیث کی تشریح میں حسب ذیل احادیث ہیں:۔

۲۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ رَافِعُوْا اَيْدِيْنَا فِی الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَا بَالُهُمْ رَافِعِيْنَ اَيْدِيَهُمْ فِی الصَّلٰوةِ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِی الصَّلٰوةِ (نسائی، ابوداؤد و مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائے کہ ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا ہو گیا۔ ان کو کہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں جیسے گھوڑوں کی دُمیں ہلتی ہیں۔ تم نماز میں سکون کرو۔ (رفع یدین نہ کیا کرو)

اور نسائی میں ہے۔

وَحِيْنَ رَاَى النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْوَامًا يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ فِی الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّاْسِ فَقَالَ مَالِیْ اَرَاكُمْ رَافِعِیْ اَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ فَاسْكُنُوْا فِی الصَّلٰوةِ (نسائی)

جب دیکھا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ رفع یدین کرتے ہیں نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ انھیں کیا ہو گیا ہے کہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں جیسے گھوڑوں کی دُمیں ہلتی ہیں۔ تم نماز میں سکون کرو۔

اب سلام والی اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیثوں پر غور کیجئے کہ یہ دونوں ایک ہی موقع کی اور ایک ہی حکم رکھتی ہیں

کا مفہوم اور حکم جُدا جُدا ہے؟

سلام والی حدیث میں ہے۔ **صلّیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** کہ میں نے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے۔ "**خَرَجَ علینا رسول اللہ علیہ وسلم ونحن رَافِعُوْا اَیْدِیْنَا فِی الصَّلٰوۃ**" ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے کہ حضورؐ تشریف لائے (یعنی ہم علیحدہ علیحدہ نمازیں پڑھ رہے تھے اور اس نماز میں رفع یدین کر رہے تھے کہ حضورؐ باہر سے تشریف لائے)

سلام والی حدیث میں ہے کہ "**فَکُنَّا اِذَا سَلَّمْنَا قُلْنَا بِاَیْدِیْنَا السَّلَامُ عَلَیْکُمْ**" (ہم ایسا کیا کرتے تھے کہ جب سلام پھیرتے تو سلام علیکم کہتے وقت ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔

اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے۔ "**فَقَالَ بَالُهُمْ رَافِعِیْ اَیْدِیْهِمْ فِی الصَّلٰوۃِ کَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمُسٍ**" (باہر سے حضورؐ تشریف لائے) اور فرمایا کیا ہوگیا ان کو کہ وہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں۔ جیسے سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہل رہی ہوں۔

سلام والی حدیث میں ہے۔ "**فَنَظَرَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا شَانُکُمْ تُشِیْرُوْنَ بِاَیْدِیْکُمْ کَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمُسٍ**" (یعنی ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے (سلام کے وقت) حضورؐ نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ **تُشِیْرُوْنَ بِاَیْدِیْکُمْ** کہ تم ہاتھوں سے اشارہ کر رہے ہو جیسے سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہل رہی ہوں)۔

اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے: "**اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃِ**" نماز میں تم سکون کرو یعنی رفع یدین نہ کرو۔

سلام والی حدیث میں ہے۔ **اِذَا سَلَّمَ اَحَدُکُمْ فَلْیَلْتَفِتْ اِلٰی صَاحِبِهٖ وَلَا یُوْمِیْ بِیَدِهٖ**:

اور ایک روایت میں ہے۔ **اِنَّمَا یَکْفِیْ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّضَعَ یَدَیْهِ عَلٰی فَخِذَیْهِ ثُمَّ یُسَلِّمُ عَلٰی اَخِیْهِ مَنْ عَلٰی یَمِیْنِهٖ وَ شِمَالِهٖ**۔ کہ جب تم میں سے کوئی سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر السلام علیکم کہے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ اپنے ہاتھ رانوں پر رکھو۔ پھر سلام پھیرو پہلے اپنے دائیں والے بھائی پر اور پھر بائیں والے بھائی پر۔

اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں "**اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃِ**" ہے کہ تم نماز میں رفع یدین مت کرو بلکہ سکون اختیار کرو۔ غرضیکہ انصاف و دیانت کے ساتھ دونوں حدیثوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ حکم رکھتی ہیں۔ دونوں مختلف واقعوں کے متعلق ہیں۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں بوقت سلام رفع یدین کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہے کہ وہ حدیث جس میں بوقت سلام اشارہ کرنے کی ممانعت ہے وہ الگ ایک حدیث ہے اور اس میں نماز کے اندر رفع یدین کا ذکر تک نہیں ہے۔ بلکہ سلام کے وقت اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور سلام سے خروج عن الصلوٰۃ ہوتا ہے۔ یعنی سلام پھیرنے سے آدمی نماز سے خارج ہوتا ہے اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں اس رفع یدین سے ممانعت کی گئی ہے جو نماز کے اندر کی جاتی تھی۔ جس پر "رافعوا ایدینا فی الصلوٰۃ" اور "اسکنوا فی الصلوٰۃ" کے الفاظ نص صریح ہیں۔ غرضیکہ اس تشریح سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ رفع یدین کی

ممانعت والی حدیث میں اس رفع یدین کی ممانعت کی گئی ہے جو رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کی جاتی تھی۔ لہٰذا واضح ہوا کہ رفع یدین کا حکم منسوخ ہے۔

چنانچہ بیہقی نے عبد اللہ بن زبیر سے روایت کی۔

(۱) انه رای رجلا یرفع یدیه فی الصلوٰة عند الرکوع وعند رفع راسه من الرکوع فقال له لا تفعل فان هذا شئ فعله رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم ترک (عینی ج ۳ ص)

کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ تو فرمایا ایسا نہ کیا کرو۔ کیونکہ یہ وہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔

دارقطنی نے ابن مسعود سے روایت کی۔

(۲) قال صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم ومع ابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیهم الا عند التکبیرة الاولیٰ فی افتتاح الصلوٰة (دارقطنی ص ۱۱۱)

کہ میں نے حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات نے شروع تکبیر اولیٰ کے سوا کسی اور جگہ ہاتھ نہیں اٹھائے۔

طحاوی و ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

(۳) قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولیٰ من الصلوٰة

کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی اور جگہ ہاتھ نہیں اٹھائے۔

طحاوی نے حضرت اسود سے روایت کی۔

(۴) قال رایت عمر بن خطاب رفع یدیه فی اول التکبیر ثم لا یعود (بیہقی)

کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے صرف اول تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہیں۔

اور امام محمد بسند صحیح عاصم بن کلیب سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے کہ

(۵) ان علیا کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا یعود

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے پھر باقی نماز میں نہیں۔

امام زیلعی نے کہا کہ مجاہد سے مروی ہے۔

(۶) قال خدمت ابن عمر عشر سنین فما رایته یرفع یدیه فی شئ من صلوٰته الا فی التکبیرة الاولیٰ (نور الانوار ص ۱۹۱)

انہوں نے کہا میں نے ابن عمر کی دس برس تک خدمت کی تو میں نے ان کو نماز میں سوائے پہلی تکبیر کے کسی اور جگہ رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔

(۷) وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه ان العشرة المبشرة ما کانوا یرفعون ایدیهم الا فی افتتاح الصلوٰة (بدائع، نہایہ، وکفایہ، عینی ج ۳)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عشرہ مبشرہ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر شروع نماز میں۔

ان احادیث و آثار سے واضح ہوا کہ رفع یدین سنت باقیہ نہیں ہے اور رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا منسوخ ہے یہی وجہ ہے۔ سیدنا صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی مرتضیٰ، ابن عمر و عشرہ مبشرہ و دیگر صحابہ کرام و تابعین عظام نے رفع یدین کو ترک کر دیا تھا۔ نیز اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ بھی ہیں۔

ممانعت رفع یدین کی حدیثیں

حدیث ۱ امام ترمذی اور ابوداؤد- نسائی و ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ مع تکبیر الافتتاح (وقال ترمذی هذا حدیث حسن)

کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا میں تم کو حضو نماز پڑھ کر دکھاؤں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوائے تک تحریمہ کے اور کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابن حزم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بعض محدثین نے عاصم بن کلیب پر کچھ کلام کیا لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ نسائی و یحیٰی بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا۔ امام مسلم نے ان سے روایت لی۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا۔ ابوحاتم نے انہیں صالح کہا (علامہ فیض پوری)

حدیث ۲ امام طحاوی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود

وہ حضور سے روایت کرتے کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کبھی نہیں اٹھاتے۔

حدیث ۳ ابوداؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی کہ

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ حین افتتح الصلوٰۃ ثم لم یرفعهما حتی انصرف

میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے۔ پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔

ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت براء سے اسی مضمون کی حدیث روایت کی۔

حدیث ۴ امام حاکم و بیہقی نے حضرت ابن عباس و ابن عمر سے روایت کیا۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یرفع الایدی فی سبع مواطن عند افتتاح الصلوٰۃ واستقبال القبلۃ والصفا والمروۃ والموقفین والجمرتین۔

کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ کے سامنے منہ کرتے وقت صفا و مروہ پہاڑ پر دو موقف منیٰ و مزدلفہ اور جمروں کے سامنے۔

اسی مضمون کی حدیث بزار نے حضرت ابن عمر سے ابن ابی شیبہ نے ابن عباس سے بیہقی نے ابن عباس سے۔ طبرانی و بخاری نے کتاب المفرد میں ابن عباس سے بھی روایت کی ہے —— اس حدیث میں رفع یدین کا ایک ضابطہ بتا دیا گیا کہ صرف سات مواقع ہیں جہاں رفع یدین کی جائے اور اس میں سے ایک مقام نماز میں پہلی تکبیر کے وقت ہے۔ اس کے سوا نماز میں کہیں بھی رفع یدین مشروع نہیں ہے۔

حدیث ۵ بیہقی و طحاوی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ ثم لا یرفع فی شیء

کہ آپ نماز میں پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کسی موقع پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

حدیث ۶ ابوداؤد نے حضرت براء سے روایت کی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود

کہ حضور علیہ السلام جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے پھر ایسا نہیں کرتے۔

بطور نمونہ یہ چند حدیثیں پیش کی گئیں۔ جن میں قولی و فعلی دونوں طرح کی حدیثیں موجود ہیں اور جن سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوتا ہے کہ رفع یدین اب مشروع نہیں ہے اور احناف کا مسلک بفضلہ تعالیٰ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

بَابٌ اِلٰی اَیْنَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ

باب بوقت تکبیر تحریمہ ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث ابن عمر لکھی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے بوقت تحریمہ دونوں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے۔ اسی مضمون کی حدیث باب رفع الیدین فی التکبیر میں گذر چکی ہے اور وہاں ہم اس مسئلہ پر مفصل بحث کر چکے ہیں۔ فیوض الباری پارہ سوم ص ۳۶۰ دیکھئے۔

بَابُ رَفْعِ الْیَدَیْنِ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا رَکَعَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَفَعَ یَدَیْہِ وَ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ رَفَعَ یَدَیْہِ وَرَفَعَ ذٰلِکَ ابْنُ عُمَرَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب دو رکعت پڑھ کر اٹھنے پر رفع یدین کرنے کے متعلق

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تب بھی رفع یدین کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تب بھی رفع الیدین کرتے۔ اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تب بھی رفع الیدین کرتے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔

فوائد و مسائل حضرت ابن عمر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھ کر جب تیسری رکعت کے لئے اٹھتے تو بھی رفع یدین کرتے تھے۔ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضرت مجاہد کی روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ تو دونوں حدیثوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ سیدنا ابن عمر کو جب تک رفع یدین کے منسوخ ہونے کا علم نہ تھا اس وقت تک وہ رفع یدین کرتے تھے لیکن جب آپ کو نسخ کی تحقیق ہوگئی تو رفع یدین چھوڑ دی اور پھر آپ نے صرف وقت تکبیر تحریمہ رفع یدین پر اکتفا کیا جیسا کہ روایت مجاہد سے واضح ہے۔

بَابُ وَضْعِ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی فِی الصَّلٰوۃِ

عَنْ سَہْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ کَانَ النَّاسُ یُؤْمَرُوْنَ اَنْ یَّضَعَ الرَّجُلُ الْیَدَ الْیُمْنٰی عَلٰی ذِرَاعِہِ الْیُسْرٰی فِی الصَّلٰوۃِ (بخاری)

باب نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر مرد اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔

بوقت قیام ہاتھ باندھنا اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی بحث

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بحالت قیام ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ اور ضابطہ اس کا یہ ہے کہ نماز کا (۱) قیام جس میں ذکر مسنون ہو۔ وہاں ہاتھ باندھے جائیں۔ اور جہاں نہ ہو وہاں ہاتھ نہ باندھے جائیں جیسے تکبیرات عیدین وغیرہ (۲) بوقت قیام نماز میں ہاتھ باندھنے پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق۔ علی مرتضیٰ۔ عائشہ صدیقہ۔ حضرت ابوہریرہ۔ سعید بن جبیر اور

ابو ثور۔ ابی عبید۔ ابن جریر و داؤد و عامہ اہل علم وجمہور علماء کا یہی قول ہے (۲) ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ اللہ اکبر کہ کے نیچے ہاتھ باندھیں۔ یوں کہ داہنی ہتھیلی کی گدی بائیں کلائی کے سرے پر ہو۔ اور بیچ کی تین انگلیاں بائیں کلائی کی پشت پر انگوٹھا اور چھنگلیا کلائی کے اغل بغل ہو ـــــ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں۔

حدیث اول۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ (جو امام بخاری ومسلم کے استاذ ہیں) نے اپنے مصنف میں با ایں اسناد روایت کیا۔

یزید بن هارون قال انا الحجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سألته قلت کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله ویجعلها اسفل من السرة	یزید بن ہارون نے انہوں نے حجاج بن حسان نے مجلز سے سنا یا سوال کیا کہ نماز میں ہاتھ کیسے جائیں تو انہوں نے فرمایا۔ سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی ک ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے۔

حدیث دوم جسے امام احمد بن حنبل نے روایت کیا۔

عن علی رضی الله تعالی عنه قال من السنة فی الصلوٰة وضع الاکف علی الاکف تحت السرة	حضرت علی نے فرمایا کہ ہاتھوں کا ہاتھوں کے کے نیچے رکھنا نماز کی سنتوں سے ہے۔

حدیث سوم جسے امام ابو داؤد نے روایت کیا کہ حضرت علی نے فرمایا۔

السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوٰة تحت السرة (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷)	کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا نماز میں ناف کے سنت ہے۔

اسی مضمون کی حدیث ابن شاہین و دار قطنی و بیہقی و رزین نے بھی حضرت علی سے روایت کی ـــــ واضح کوئی صحابی بلا اضافت یوں کہے (السنة کذا او ان من السنة) تو اس سے مراد سنت نبوی ہوتی ہے اور وہ حدیث مرفوع قرار پاتی ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

الصحابی اذا قال السنة یحمل علی سنة النبی صلی الله علیه وسلم (کشف المغطی فی شرح الموطا)	کہ جب صحابی یہ کہے السنۃ تو اس کو سنت نبو محمول کیا جائے گا۔

علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے بھی تصریح فرمائی کہ فن حدیث کے جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ ان کے اص یہ ہیں۔ اذا قال الصحابی امرنا بکذا او نهینا عن کذا او من السنة کذا فکله مرفوع علی المذ الصحیح الذی قاله الجماهیر من اصحاب الفنون ـــــ اس لئے علامہ عینی و طحاوی و علامہ سندھی ناقدین حدیث نے اسی مقام پر لکھا۔

ان قول علی رضی الله عنه ان من السنة هذا اللفظ یدخل فی المرفوع عندهم وقال عبد البر ان الصحابی اطلق اسم السنة فالمراد به سنة النبی صلی الله علیه وسلم (عینی ج ۳)	کہ حضرت علی کا یہ فرمانا ان من السنۃ یہ فقہ کے نزدیک حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور علا نے فرمایا کہ جب صحابی اسم سنت کو مطلق بولے اس سے سنت نبوی مراد ہوتی ہے (لہٰذا مذکورہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے)

حدیث چہارم جسے ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح وائل بن حجر سے روایت کی انہوں نے فرمایا

ت رسول الله صلی الله علیه وسلم وضع ینه علی شماله تحت السرة۔

میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا۔ آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔

حدیث پنجم جسے ابن حزم نے حضرت انس سے روایت کیا۔

ن اخلاق النبوة وضع الیمین علی الشمال ت السرة

انھوں نے فرمایا داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا نبوت کے اخلاق سے ہے۔

حدیث ششم امام احمد و مسلم نے حضرت وائل سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپ نے تکبیر کہی اور اپنے ہاتھ کپڑے کے اندر کرلئے۔

ووضع الیمنی علی الیسری (مسلم)

اور اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔

اسی مضمون کی حدیث ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود سے بھی روایت کی ہے۔ دیکھو ابوداؤد صہ ۲۶

ان آثار و احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

بَابُ الْخُشُوْعِ فِي الصَّلٰوةِ

باب نماز میں خشوع کا بیان

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

ل تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هٰهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا يَخْفٰى عَلَيَّ كُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ وَاِنِّيْ لَاَرَاكُمْ اءَ ظَهْرِيْ (بخاری)

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میرا قبلہ یہی ہے۔ بخدا مجھ پر تمہارے رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں اور میں اپنی پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

حضرت انس سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

يْمُوا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ نْ بَعْدِيْ وَرُبَّمَا قَالَ مِنْ بَعْدِ ظَهْرِيْ رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ

رکوع اور سجدہ صحیح طریقے سے کرو۔ بخدا میں تم کو اپنے پیچھے سے یا پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ جبکہ تم رکوع اور سجدہ کرتے ہو۔

ائد و مسائل

هل ترون استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ میری رویت صرف سمت قبلہ تک محدود ہے، بلکہ میرا حال تو یہ ہے۔ جیسے سامنے کی چیزیں مجھے نظر آتی ہیں۔ اسی طرح پیچھے شیا بھی میری نظروں کے سامنے ہوتی ہیں۔ یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت تھی کہ یمین و یسار فوق و تحت سب آپ ظاہر و روشن تھے۔ بلکہ اندھیرا بھی آپ کے لئے حجاب نہیں بنتا تھا۔ جیسا کہ حدیث عائشہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(۲) نماز میں رکوع و سجود کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا اور دل کو ماسوا سے دور رکھنا اور صرف اللہ عزوجل کی طرف متوجہ رہنا شوع کا مطلب ہے۔ مستدرک میں حضرت علی سے مروی ہے۔ الخشوع فی القلب۔ خشوع دل میں ہوتا ہے جب نمازی دل اللہ عزوجل کی ہیبت و جلال سے لبریز ہوگا۔ تو اس کا اثر جوارح پر بھی مرتب ہوگا اور پھر نمازی سکون و اطمینان کے ساتھ رکان نماز کو ادا کرے گا۔ قرآن مجید نے فرمایا قد افلح الذین هم فی صلاتهم خاشعون۔ لہٰذا ترک خشوع کمال لوٰۃ کے منافی ہے (۳) اقیموا الرکوع الخ سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان رکوع و سجدہ کو پورا کرنا واجب ہے۔ رکوع و سجدہ و قومہ جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کے قدر ٹھہرنا چاہیے۔

بَابُ مَا یُقْرَأُ بَعْدَ التَّکْبِیْرِ

(۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بخاری)

باب تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے قراۃ شروع فرماتے تھے۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث سے تکبیر تحریمہ کے بعد اعوذ و بسم اللہ پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ مطلب حدیث یہ ہے کہ بسم اللہ جہر سے نہیں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ اس سلسلہ کی دوسری حدیثوں سے واضح ہوتا ہے نیز حدیث ہذا میں صلوٰۃ سے مراد قراۃ ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام اور صدیق و فاروق قرأت قرآن سورۂ فاتحہ سے شروع فرماتے تھے۔ چنانچہ سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا احادیث صحاح سے ثابت ہے اور حدیث زیر بحث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہیئے۔

بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی بحث حضرت انس سے ایک جماعت نے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جس میں قتادہ و اسحٰق بن عبداللہ و منصور بن زاذان و ایوب ابو نعامہ قیس ابن عبایۃ الحنفی و عائذ بن شریح وحسن وثابت البنانی وحمید الطویل و محمد بن نوح بھی شامل ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حدیث اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ عن انس کو مسلم نے روایت کیا کہ میں نے حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر و عمر کے پیچھے نماز پڑھی۔

فلم اسمع احدا منھم یجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مسلم)

تو ان حضرات میں سے کسی کو میں نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے نہیں سنا

(۲) حدیث منصور عن انس کو نسائی نے روایت کیا۔ اس کے لفظ یہ ہیں۔

فلم یسمعنا قرأتھا (نسائی)

تو ہمیں کسی نے قرأت تسمیہ نہ سنائی

(۳) حدیث ایوب عن انس جسے امام شافعی۔ نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیا کہ

قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مع ابی بکر و عمر فافتتحوا بالحمد (نسائی و ابن ماجہ)

حضرت ایوب نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ اور حضرت ابوبکر کے ساتھ اور حضرت عمر کے ساتھ نماز پڑھی تو ان حضرات نے الحمد سے قرأت شروع فرمائی۔

(۴) حدیث ابی نعامہ کو بیہقی نے روایت کیا جس کے لفظ یہ ہیں۔

لایقرءون یعنی لایجھرون بھا (بیہقی)

کہ یہ حضرات بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

(۵) حدیث عائذ بن شریح کو دار قطنی نے اور حدیث حسن عن انس کو طبرانی نے روایت کیا۔ جس کے لفظ ہیں کان یسر بھا۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔

(۷) حدیث ثابت عن انس کو بیہقی و طحاوی نے روایت کیا جس کے لفظ یہ ہیں۔

قال لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ابوبکر ولا عمر یجھرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت انس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر و عمر بسم اللہ جہر سے نہیں پڑھتے تھے۔

(۸) حدیث حمید عن انس کو طحاوی و بیہقی نے روایت کیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال قمت وراء ابی بکر و عمر و عثمان فکلھم

کہ میں نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کی اقتداء میں نماز پڑھی

لایقرءون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سب حضرات جہر سے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔

۹) حدیث محمد بن نوح عن انس کو طحاوی نے روایت کیا۔

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر یستفتحون القرآۃ بالحمد للہ رب العالمین

حضرت انس نے کہا میں نے حضور علیہ السلام ابوبکر وعمر کو الحمد للہ سے قرآۃ کی ابتدا کرتے سنا ہے ۔

اسی طرح حضرت قتادہ سے ایک جماعت نے روایت کیا۔ شعبہ و ہشام و ابوعوانہ و ایوب و سعید بن ابی عروبہ اوزاعی ۔ شیبان جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت شعبہ عن قتادہ کو مسلم و بخاری نے روایت کیا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ابوبکر صدیق عمر و عثمان یستفتحون القرآۃ بالحمد للہ رب العالمین (ابوداؤد)

الحمد للہ سے قرات شروع فرماتے تھے۔

حدیث ابوعوانہ کو ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور کہا حدیث حسن اور اس کا مضمون حدیث ۱۰ کا مضمون ہی ہے ۔

روایت ایوب عن قتادہ کو نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیا۔

روایت ابن ابی عروبہ عن قتادہ کو نسائی نے روایت کیا۔

روایت اوزاعی عن قتادہ کو مسلم نے روایت کیا۔

روایت شیبان عن قتادہ کو طحاوی نے روایت کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں۔

فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِنْهُمْ یَقْرَءُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (بخاری، مسلم، احمد)

ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوں۔

نسائی، ابن حبان و طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی کہ میں نے نبی علیہ السلام صدیق اکبر و فاروق اعظم و عثمان غنی کے

فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِنْهُمْ یَجْهَرُ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے نہ سنا۔

طبرانی نے کبیر میں، ابونعیم نے حلیہ میں، ابن خزیمہ و طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی

النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ وَّعُمَرَ کَانُوْا یُسِرُّوْنَ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کہ بے شک نبی علیہ السلام و ابوبکر و عمر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

مسلم و ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوۃَ بالتکبیر والقرأۃ الا بالحمد للہ رب العالمین

کہ حضور علیہ السلام نماز تکبیر تحریمہ سے شروع فرماتے تھے اور قرآۃ الحمد للہ رب العالمین الخ سے۔

مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے۔

النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر و

کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان

عثمان کانوا یستفتحون القرأة بالحمد لله رب العالمین لا یذکرون بسم الله الرحمن الرحیم فی اول القرأة ولا فی آخرها۔

(۲) عن انس قَالَ صَلَّیْتُ خلف النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر فلم اسمع احداً منهم یجهر ببسم اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم

(مسلم شریف، عینی ج ۴ ص ۹۸)

الحمد سے قرأۃ شروع فرماتے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ قرأت کے شروع میں ذکر کرتے اور نہ قرأت کے آخر میں۔

حضرت انس فرماتے ہیں۔ میں نے حضور علیہ السلام صدیق اکبر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ ان میں سے کسی نے بسم اللہ بلند آواز سے نہیں کہی۔

ان تمام حدیثوں سے واضح ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے اول بسم اللہ پڑھنا اور آہستہ پڑھنا سنت ہے۔ امام ثوری وسیدنا امام اعظم کا یہی مسلک ہے اور جن روایتوں میں بسم اللہ کا بلند آواز سے پڑھنا مروی ہے وہ ضعیف ہیں۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے ان تمام روایتوں پر بحث کرکے اس امر کی تصریح کی ہے کہ روایات جہر تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ صحاح اور مسانید مشہورہ میں ان کا نام ونشان نہیں ہے اور قائلین جہر کے تمام دلائل کا بڑی تفصیل سے جواب دیا ہے۔ دیکھو عینی ج ۴ ص ۲ تا ۳۰

(۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْكُتُ بَیْنَ التَّكْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَةِ اِسْكَاتَةً قَالَ اَحْسِبُهٗ قَالَ هُنَیَّةً فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتُكَ بَیْنَ التَّكْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا كَمَا یُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام قرأت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان خاموش رہتے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ تکبیر اور قرأت کے درمیان چپ جو رہتے ہیں۔ تو اس میں کیا پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں یہ دعا پڑھتا ہوں۔ اللہ مجھ سے میری خطائیں اتنی دور کردے جیسے مشرق اور مغرب میں دوری ہے۔ یا اللہ مجھ کو خطاؤں سے ایسا پاک صاف کردے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہوجاتا ہے۔ یا اللہ! میری خطائیں پانی اور برف اور اولوں سے دھو ڈال۔

تکبیر تحریمہ کے بعد کونسی دعا پڑھے۔ واضح احادیث میں تکبیر تحریمہ کے بعد مختلف دعاؤں کا پڑھنا مروی ہے۔ بالا میں اللهم باعد الخ مذکور ہے۔ دوسری حدیثوں میں انی وجهت وجهی للذی فطرنی الخ مذکور ہے اور احادیث میں سبحانک اللهم مروی ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ کہ مختار یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اللهم باعد پڑھی جائے۔ دیگر علماء یہ کہتے ہیں جونسی دعا چاہے پڑھے سنت ادا ہوجائے گی۔ لیکن احناف اور حنابلہ کا مختار یہ ہے کہ سبحانک اللهم پڑھنی چاہیے۔ جیسا کہ ترمذی وابن ماجہ کی روایت میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا استفتح الصلوٰة قال سبحانک اللهم الخ (عینی ج ۳ ص ۳۲)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز کا افتتاح سبحانک اللهم سے فرماتے تھے۔

(۱) اسی مضمون کی حدیث حضرت انس سے طبرانی نے روایت کی۔ امام زیلعی نے نصب الرایہ ص۳۲۶ پر یہی حدیث بحوالہ دار قطنی نقل فرمائی اور لکھا کلہم ثقات اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

(۳) یہی مضمون ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی میں حضرت ابو سعید خدری سے بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام جب رات کو اٹھتے تو تکبیر کہتے پھر سبحانک اللہم پڑھتے۔

(۴) صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سبحانک اللہم بلند آواز سے پڑھتے تھے مسلم ج۱ ص۱۷۲ دار قطنی ص۱۱۳ طحاوی ص۱۱۷ اور حضرت عمر کا ثنا کا بلند آواز سے پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا چنانچہ طحاوی ص۱۱۷ دار قطنی ص۱۱۳ کتاب الآثار امام محمد ص۲۱ پر اس کی تصریح ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ بصرہ سے کچھ آدمی بحضور فاروق اعظم اس غرض کے لئے آئے کہ ان سے دعا افتتاح پوچھیں تو حضرت عمر کھڑے ہوئے اور نماز شروع کی اور وہ لوگ آپ کے مقتدی ہوئے۔

ثم جهر فقال سبحانك اللهم	پھر آپ نے بلند آواز سے سبحانک اللہم پڑھی۔

حضرت اسود نے خود یہ تصریح کی "لیسمعنا ذالک و یعلمنا" کہ حضرت فاروق اعظم کا ثنا کو بلند آواز سے پڑھنا ہم کو سنانے اور سکھانے کے لئے تھا۔ کذا فی الطحاوی ص۱۱۷

(۵) حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ

كان عثمان رضى الله تعالى عنه اذا افتتح الصلوة يقول سبحانك اللهم (دار قطنی ص۱۱۳)	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز شروع کرتے تو سبحانک اللہم پڑھتے۔

(۶) سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی کہ سیدنا ابو بکر صدیق

انه كان يستفتح بذالك منتقی ص۵۰	نماز کا افتتاح سبحانک اللہم سے فرماتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر و عثمان و عبد اللہ بن مسعود و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس دعا (سبحانک اللہم) کو اختیار کرنا اور پھر جناب فاروق اعظم کا صحابہ کے سامنے لوگوں کو سکھانے کے لئے اس دعا کو بلند آواز سے پڑھنا اس کی افضلیت پر دال ہے کہ یہی وہ دعا ہے جس پر حضور علیہ السلام نے ہمیشگی فرمائی ہے اسی دعا کا پڑھنا افضل ہے۔ غرضکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ و سفیان ثوری و احمد بن حنبل و اسحاق بن راہویہ اور دیگر علماء تابعین کے نزدیک سبحانک اللہم پڑھنا ہی افضل ہے اور جن روایتوں میں دوسری دعائیں مذکور ہیں وہ احناف کے نزدیک نفل و تہجد پر محمول ہیں چنانچہ صحیح ابو داود و نسائی میں اس کی تصریح ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص۱۹۸

باب۔ اس کے ماتحت امام نے جو حدیث ذکر کی ہے۔ اس کے ابتدائی جملوں کا خلاصہ یہ ہے۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے سورج گرہن کی (نماز) دو رکعت پڑھائی۔ اور اس نماز کے قیام و رکوع و سجود میں طول دیا پھر سلام پھیرا اور فرمایا۔

فَقَالَ قَدْ دَنَتْ مِنِّي الْجَنَّةُ حَتّٰى لَوِ اجْتَرَأْتُ عَلَيْهَا لَجِئْتُكُمْ بِقِطَافٍ مِنْ قِطَافِهَا وَ دَنَتْ مِنِّي النَّارُ حَتّٰى قُلْتُ اَيْ رَبِّ اَوَ اَنَا مَعَهُمْ فَاِذَا امْرَاَةٌ حَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ تَخْدِشُهَا	جنت میرے قریب آگئی تھی اتنی قریب کہ اگر میں جرات کرتا تو اس کے خوشوں میں سے ایک خوشہ تم کو لا دیتا اور دوزخ بھی مجھ سے اتنی قریب آگئی تھی حتی کہ میں نے کہا اے میرے رب کیا میں ان کے ساتھ ہوں؟ پھر کیا دیکھتا

هِرَّةٌ قُلْتُ مَا شَاْنُ هٰذِهٖ قَالُوْا حَبَسْتَهَا حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا لَا اَطْعَمَتْهَا وَلَا اَرْسَلَتْهَا تَاْكُلُ (بخاری)

جوں کہ ایک عورت ہے۔ ۲ نافع نے کہا کہ میں یوں سمجھتا ہوں کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اس کو بلی نوچ رہی تھی میں نے پوچھا کہ اس عورت کا کیا قصور ہے انھوں نے کہا کہ اس نے دنیا میں بلی کو باندھ دیا تھا نہ اس کو کھانا دیا اور نہ چھوڑا کہ وہ کچھ کھاتی حتی کہ مر گئی۔

فوائد و مسائل اس حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو طویل قیام فرمایا۔ تو وہ قرأۃ دعا اور قرأۃ قرآن پر مشتمل ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دعا افتتاح کے بعد اور قرأۃ قرآن سے قبل پڑھی جاتی ہے (۱) سورج گہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور جماعت سے پڑھنی مستحب ہے۔ یہ نماز اور نوافل کی طرح دو رکعت پڑھیں۔ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کریں۔ اس میں نہ اذان ہے نہ اقامت نہ بلند آواز سے قرأت۔ نماز کے بعد دعا کریں۔ یہاں تک کہ آفتاب کھل جائے۔ اور دو رکعت سے زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ خواہ دو دو رکعت پر سلام پھیریں یا چار پر (۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور کو ایسے باندھ کر رکھ دینا کہ وہ بھوکا رہے حرام ہے اور جس جانور پر ظلم کیا گیا ہے قیامت کے دن وہ ظالم پر مسلط کیا جائے گا (۳) بحالت نماز حضور علیہ السلام کا جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمانا متعدد حدیثوں میں وارد ہوا ہے اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ آپ نے واقعی جنت و دوزخ کو دیکھا یا اس کے وجود مثالی کو ملاحظہ فرمایا تو بعض حدیثوں کے الفاظ سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ نے واقعی جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمایا اور بعض حدیثوں کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے انہیں ان کے وجود مثالی میں دیکھا اور واقعات متعدد ہیں لہذا تضاد نہیں ہے۔

ف۔ اس حدیث کو امام نے باب فضل سقی الماء میں ابن ماجہ و مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔

بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ اِلَى الْاِمَامِ فِي الصَّلٰوةِ

(۱) وَقَالَتْ عَائِشَةُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ رَاَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِيْنَ رَاَيْتُمُوْنِيْ تَاَخَّرْتُ۔

(۲) عَنْ اَبِيْ مَعْمَرٍ قَالَ قُلْنَا لِخَبَّابٍ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الظُّهْرِ قَالَ نَعَمْ قُلْنَا بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهٖ (بخاری)

(۳) حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ وَكَانَ غَيْرَ كَذُوْبٍ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامُوْا قِيَامًا حَتّٰى يَرَوْهُ قَدْ سَجَدَ (بخاری)

(۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ

باب نماز میں امام کی طرف دیکھنا

اور حضرت عائشہ نے فرمایا نبی علیہ السلام نے سورج گرہن کی نماز میں فرمایا میں نے جہنم کو دیکھا اس کا بعض بعض کو کھا رہا تھا جیسا کہ تم نے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹ گیا تھا۔

ابو معمر سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت خباب سے پوچھا کہ حضور عصر و ظہر کی نماز میں قرأت کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں۔ ہم نے کہا تم آپ کی قرأت کو کس طرح جانتے تھے کہا آپ کی ریش اقدس کے ہلنے سے۔

حضرت براء نے بیان کیا اور وہ جھوٹے نہیں ہیں کہ صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھتے اور آپ رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو وہ کھڑے رہتے حتی کہ آپ سجدہ میں جاتے۔

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی میں سورج گرہن

عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى لُوا يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ نِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا

(بخاری)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ الْآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلٰوةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قِبْلَةِ هٰذَا الْجِدَارِ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ ثَلَاثًا (بخاری)

ہوا تو آپ نے گرہن کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں اپنی جگہ پر ہی سے کسی چیز کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھے تھے۔ پھر ہم نے دیکھا آپ پیچھے ہٹے۔ حضور نے فرمایا۔ میں نے جنت کو دیکھا اور ارادہ کیا کہ اس کے باغ سے ایک خوشہ لوں اور اگر لے لیتا تو جب تک دنیا قائم ہے تم اس سے کھاتے رہتے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر آپ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور قبلہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ ابھی دوران نماز میں نے جنت اور دوزخ کی تمثیل دیوار قبلہ میں دیکھیں۔ آج کے دن کی طرح خیر و شر میں نے نہ دیکھی (تین مرتبہ فرمایا)

فوائد و مسائل ان تمام حدیثوں کو ذکر کر کے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے۔ کہ نماز میں امام کی طرف دیکھنا جائز ہے حدیث اول میں حین رایتمونی جب تم نے مجھے دیکھا۔ حدیث دوم میں باضطراب لحیتہ اور جب تک امام کی طرف نظر نہ ہو اس کی ڈاڑھی کی حرکت معلوم نہیں ہو سکتی۔ حدیث سوم میں حتی یروہ قد سجد حدیث چہارم میں رایناک اور حدیث پنجم میں لقد رایت کے الفاظ سے مذکورہ بالا مسئلہ اخذ ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اصلاح کے لئے یا نماز کے اتصال ارکان کے معلوم کرنے کے لئے امام کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ (۲) حالت قیام میں موضع سجدہ کی طرف رکوع میں پشت قدم کی طرف سجدہ میں ناک کی طرف قعدہ میں گود کی طرف پہلے سلام میں داہنے شانہ کی طرف دوسرے سلام میں بائیں طرف نظر رکھنا مستحب ہے (۳) حدیث ۴ سے واضح ہوتا ہے کہ جنت اور جنت کی اشیاء کو فنا نہیں اگر حضور علیہ السلام جنت کا کوئی پھل توڑ لیتے تو وہ رہتی دنیا تک باقی رہتا۔ علامہ تیمی نے لکھا کہ حضور علیہ السلام نے وہ خوشہ جنت اس لئے نہیں لیا کہ اس دنیا میں فانی چیزیں ہی انسان استعمال کر سکتا ہے (۴) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے جو اس موقع پر جنت کو دیکھا تو حقیقت جنت کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کے وجود مثالی کو نہیں کیونکہ وجود مثالی سے خوشہ کا توڑنا متصور نہیں ہو سکتا۔ اور یہ سوال کہ زمین پر ہوتے ہوئے جنت کی چیزوں تک حضور علیہ السلام کا ہاتھ کیونکر جا سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ وہ زمان و مکان کی قیود سے کسی کے مقدس ہاتھوں اور نظروں کو رستے بھی فرما سکتا ہے۔

فائدہ۔ حدیث دوم کے راویوں میں حضرت خباب جلیل القدر صحابی ہیں۔ ابو عبد اللہ تیمی آپ کی کنیت ہے زمانہ جاہلیت میں اسیر، قیدی بنا لیا گیا تھا ایک عورت خزاعیہ نے خرید کر انہیں آزاد کیا۔ حضور علیہ السلام کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل مشرف باسلام ہوئے۔ یہ ان چھ مسلمانوں میں ہیں۔ جنہیں اسلام لانے کے جرم میں سخت

اذیت پہنچائی گئیں اور یہ حق پر قائم و دائم رہے۔ بعمر ۷۳ سال ۳۷ھ میں بمقام کوفہ وصال پایا۔ جناب علی مرتضے نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ سے کل ۳۲ حدیثیں مروی ہیں۔ ۵ بخاری میں ہیں۔ عینی ج ۳ ص۱۹ حدیث سوم کے راویوں میں حضرت براء ابن عازب انصاری حارثی صحابی ابن صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے۔ سنہ ۲۴ھ میں آپ نے رے کو فتح کیا۔ ابو موسیٰ کے ہمراہ غزوہ تستر میں بھی شریک ہوئے۔ جنگ جمل و صفین و نہروان میں جناب علی مرتضے کے ہمراہ رہے۔ کوفہ میں بزمانہ مصعب بن زبیر وفات پائی۔ آپ سے کل ۳۰۵ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۲۲ بخاری میں ہیں۔ (اکمال و کرمانی)

بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ اِلَى السَّمَآءِ فِي الصَّلٰوةِ

حَدَّثَنَا قَتَادَةُ اَنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَرْفَعُوْنَ اَبْصَارَهُمْ اِلَى السَّمَآءِ فِي صَلٰوتِهِمْ فَاشْتَدَّ قَوْلُهٗ فِي ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذٰلِكَ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ (بخاری)

باب بحالت نماز آسمان کی طرف دیکھنا

قتادہ (۱) حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ آپ نے اس کے متعلق بڑی سختی سے ارشاد فرمایا۔ حتیٰ کہ فرمایا اس (فعل) سے باز آجانا چاہیئے۔ ورنہ ان کی بصارت اُچک لی جائے گی۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اس حدیث میں بحالت نماز آسمان کی طرف دیکھنے پر وعید شدید وارد ہوئی ہے۔ علامہ قاضی عیاض نے فرمایا کہ بحالت نماز آسمان کی طرف نظر کرنے میں ایک قسم کا کعبہ سے اعراض پایا جاتا ہے۔ اس لئے تمام علماء بالاتفاق نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ علامہ واحدی نے اسباب نزول میں یہ روایت کی کہ ایک شخص نے بحالت نماز آسمان کی طرف دیکھا تو آیت اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ نازل ہوئی معلوم ہوا کہ یہ فعل منافی خشوع بھی ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام جب نماز شروع فرماتے تو اپنے موضع سجود پر نظر رکھتے تھے۔

لم ينظر الا موضع سجوده عینی ج ۳ ص۱۰

بَابُ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ (بخاری)

باب نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا (ممنوع ہے)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور سے نماز میں ادھر اُدھر دیکھنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ اُچک لینا ہے بندہ کی نماز میں سے شیطان اُچک لے جاتا ہے۔

نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا منع ہے

نماز کی حالت میں بندہ خلوص کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن جب وہ ادھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیتا ہے تو اب شیطان کو اس پر کامیاب ہونے اور اسے طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کر دینے کے لئے راستہ مل جاتا ہے اور وہ حضور جو نمازی کو ہوتا ہے شیطان اس کو منقطع کر دیتا ہے (۲) بحالت نماز گردن کو پھرا کر ادھر اُدھر دیکھنا مکروہ ہے اور بغیر گردن پھرائے گوشہ چشم سے دیکھنا بضرورت جائز ہے۔ اس مسئلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں۔

(١) جو بندہ نماز میں ہے، اللہ عزوجل کی رحمت خاصہ اس کی طرف متوجہ رہتی ہے، جب تک ادھر اُدھر نہ دیکھے۔ جب اس نے اپنا منہ پھیرا اس کی رحمت بھی پھر جاتی ہے (ابوداؤد و نسائی و حاکم)

(٢) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے منع فرمایا۔ مرغ کی طرح ٹھونگ مارنے، کتے کی طرح بیٹھنے اور ادھر اُدھر لومڑی کی طرح دیکھنے سے (احمد و ابویعلی)

(٣) حضور نے حضرت انس سے فرمایا اے بیٹے نماز میں التفات سے بچ کر نماز میں التفات ہلاکت ہے (ترمذی)

(٤) جب نمازی نماز میں التفات کرتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اے ابن آدم کس کی طرف التفات کرتا ہے۔ کیا مجھ سے کوئی بہتر ہے۔ جب بندہ تیسری دفعہ التفات کرتا ہے تو اللہ عزوجل اپنی خاص رحمت کو اس کی طرف سے پھیر لیتا ہے (بزار عن جابر)

فائدہ۔ اس حدیث کے بعد امام نے ایک اور حدیث بھی لکھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک بیل بوٹوں دار لوئی میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد فرمایا اس کو لے جاؤ اور اس کی جگہ ابوجہم سے سادہ لوئی لے آؤ کیونکہ اس لوئی کے بیل بوٹے نماز میں مجھے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ترجمہ باب سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ چادر کے نقش و نگار کی طرف جب نمازی متوجہ ہوگا۔ تو وہ اس کے مونڈھوں پر ہوگی تو ضروری ہے کہ ادھر اُدھر نظر جائے گی۔

یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ دوم ص ۲ پر گزر چکی ہے۔

بَابٌ هَلْ يَلْتَفِتُ لِاَمْرٍ يَّنْزِلُ بِهٖ اَوْ يَرٰى شَيْئًا اَوْ بُصَاقًا فِي الْقِبْلَةِ

(١) وَقَالَ سَهْلٌ اِلْتَفَتَ اَبُوْبَكْرٍ فَرَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(٢) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً فِيْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّيْ بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ حِيْنَ انْصَرَفَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ اَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهٖ فِي الصَّلٰوةِ (بخاری)

(٣) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ بَيْنَمَا الْمُسْلِمُوْنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ يَفْجَاْهُمْ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ اِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوْفٌ

باب نمازی پر اگر کوئی حادثہ ہو یا نمازی کوئی (بری) چیز دیکھے۔ یا قبلہ کی دیوار میں تھوک دیکھے (تو التفات جائز ہے)

(١) اور سہل بن سعد نے کہا کہ حضرت ابوبکر نے التفات کیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

(٢) حضرت نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی دیوار پر بلغم دیکھا۔ آپ لوگوں کے آگے کھڑے ہوئے نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ نے اس کو کھرچ ڈالا اور سلام پھیرنے کے بعد فرمایا۔ بے شک تم میں سے جب کوئی نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالے اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے اس کو چاہیئے کہ نماز میں اپنے منہ کے سامنے کھنگار، بلغم نہ ڈالے۔

(٣) امام ابن شہاب زہری نے کہا کہ مجھ کو انس بن مالک نے خبر دی انہوں نے کہا ایک مرتبہ صحابہ کرام صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے گھبرا گئے۔ آپ نے (اچانک) حضرت عائشہ کے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ان کو دیکھا وہ صفیں باندھے ہوئے تھے

فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ وَ نَكَصَ اَبُوْبَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ لَهُ الصَّفَّ فَظَنَّ اِنَّهٗ يُرِيْدُ الْخُرُوْجَ وَهَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ يَّفْتَتِنُوْا فِيْ صَلٰوتِهِمْ فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ وَ اَرْخَى السِّتْرَ وَ تُوُفِّيَ مِنْ اٰخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ

آپ مسکرا کر ہنسے اور ابوبکر اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹے تاکہ وہ صف میں مل جائیں۔ حضرت ابوبکر نے خیال کیا آپ باہر تشریف لانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں نے یہ قصد کیا کہ نماز ہی توڑ دیں، آپ نے اشارہ سے ان کو فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ چھوڑ دیا، اور اسی دن شام آپ نے وفات پائی (صلے اللہ علیہ وسلم)

فوائد و مسائل ان تینوں حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ بحالت نماز بضرورت التفات جائز ہے۔ حدیث ۱ کو باب من دخل لیؤم الناس میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ سوم ص۴۳۵ پر گزر چکی ہے۔ حضرت صدیق اکبر نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور آگئے۔ صدیق اکبر نے حضور کو دیکھ کر اپنی جگہ سے ہٹنا چاہا، حضور نے ابوبکر کو اشارہ کیا کہ امامت پر ثابت رہو۔ تو حضرت ابوبکر نے بحالت نماز حضور کی طرف التفات کیا اور حضور نے انہیں نماز کے اعادہ کا حکم نہ دیا، معلوم ہوا کہ بضرورت نماز میں التفات جائز ہے۔

حدیث ۲ میں ہے کہ حضور نے بحالت نماز دیوار قبلہ میں جو بلغم تھا اس کو کھرچ دیا۔ اس سلسلہ کی دوسری روایت میں حالت نماز کا ذکر نہیں ہے۔ بہرحال یہ عمل قلیل ہے جو نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ اس حدیث سے بھی بضرورت التفات کا جواز نکلتا ہے۔ حدیث ۳ میں ہے کہ حضور نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز کو پوری کرو۔ گویا صحابہ نے بحالت نماز حضور کی طرف التفات کیا، جبھی تو حضور کے اشارہ کو سمجھا معلوم ہوا بضرورت التفات جائز ہے۔

بَابُ وُجُوْبِ الْقِرَاءَةِ لِلْاِمَامِ وَالْمَاْمُوْمِ فِي الصَّلٰوتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيْهَا وَمَا يُخَافَتُ[1]

باب امام ہو یا مقتدی سب پر قرآن پڑھنا واجب ہے ہر ایک نماز میں حضر میں یا سفر میں جہری نماز ہو یا سرّی۔

(۱) عنوان مذکور کا حاصل یہ ہے کہ قرأۃ ہر نماز میں واجب ہے نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی اور نماز خواہ جہری ہو یا سری سفری یا حضری ہو اور ماموم مقتدی کی قید یہ امام بخاری کے مذہب پر ہے کیونکہ وہ قرأۃ خلف الامام کے قائل ہیں اور منفرد کا ذکر اس لئے

---

[1] دیکھئے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عنوان میں یہ تو تصریح فرمادی کہ قرآن کا پڑھنا امام و مقتدی پر واجب ہے مگر سوال تو سورہ فاتحہ کا تھا کہ اس کا پڑھنا فرض ہے؟ یا نہیں تو اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور اس کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب سے سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ ورنہ اگر یہ حدیث ان کے مذہب کی دلیل محکم ہوتی تو وہ اپنی عادت کے مطابق ضرور یہاں لکھتے کہ امام و مقتدی دونوں کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

ثانیا، اسی طرح سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان بھی فرق نہیں کر سکے کیونکہ ان کے فرق پر کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن فصاعدا (مسلم)	نماز نہیں ہوتی جو الحمد کے ساتھ کچھ زیادہ نہ پڑھے۔
لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب والسورۃ (موطا امام مالک)	اس کی نماز نہیں ہوتی جو فاتحہ کے ساتھ کوئی سورہ نہ پڑھے۔

اس حدیث سے فاتحۃ الکتاب وغیرہ کی طرح فاتحہ اور سورۃ دونوں کا وجوب ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری اس پر قادر نہیں ہوئے (باقی حاشیہ

نہیں کیا کہ اس کا حکم امام کے حکم کی طرح ہے۔ یعنی جیسے امام پر قرأۃ واجب ہے اسی طرح منفرد (اکیلے پڑھنے والے پر بھی) قرأت واجب ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ شَكَى أَهْلُ الْكُوفَةِ سَعْدًا إِلَى عُمَرَ فَعَزَلَهُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا فَشَكَوْا حَتَّى ذَكَرُوا أَنَّهُ لَا يُحْسِنُ يُصَلِّي فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ إِنَّ هٰؤُلَاءِ يَزْعُمُونَ إِنَّكَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّي قَالَ أَمَّا أَنَا وَاللّٰهِ فَإِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلٰوةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخْرِمُ عَنْهَا أُصَلِّي صَلٰوةَ الْعِشَاءِ فَأَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأُخِفُّ فِي الْأُخْرَيَيْنِ قَالَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحٰقَ فَأَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلًا أَوْ رِجَالًا إِلَى الْكُوفَةِ يَسْأَلُ عَنْهُ أَهْلَ الْكُوفَةِ وَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا إِلَّا سَأَلَ عَنْهُ وَيُثْنُونَ عَلَيْهِ مَعْرُوفًا حَتَّى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِي عَبْسٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ يُكْنَى أَبَا سَعْدَةَ فَقَالَ أَمَّا إِذْ نَشَدْتَنَا فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ قَالَ سَعْدٌ أَمَا وَاللّٰهِ لَأَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَأَطِلْ عُمْرَهُ وَأَطِلْ فَقْرَهُ وَ

حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ اہل کوفہ نے حضرت عمر سے حضرت سعد (امیر کوفہ) کی شکایت کی۔ حضرت عمر نے ان کو معزول کر دیا اور عمار بن یاسر کو ان کا امیر بنایا۔ تو کوفہ والوں نے سعد کی کئی شکایتیں کیں۔ یہاں تک کہا کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھا سکتے۔ حضرت عمر نے سعد کو بلوایا اور فرمایا اے ابو اسحٰق (یہ سعد کی کنیت ہے) کوفہ کے یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا سکتے۔ سعد نے کہا۔ خدا کی قسم! میں ان کو اسی طرح نماز پڑھاتا تھا۔ جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پڑھایا کرتے تھے۔ میں نے اس میں ذرا کوتاہی نہیں کی۔ عشا کی نماز جب میں پڑھاتا تو پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرتا اور پچھلی دو رکعتوں کو ہلکا۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ تم سے تو اے ابو اسحاق یہی گمان ہے۔ پھر حضرت عمر نے سعد کے ساتھ ایک آدمی یا کئی آدمیوں کو کوفہ کی طرف بھیجا کہ کوفہ والوں سے سعد کی شکایتیں معلوم کریں۔ انہوں نے کوئی ایسی مسجد نہ چھوڑی جہاں سعد کا حال نہ پوچھا ہو۔ سب نے ان کی تعریف کی۔ پھر بنی عبس کی مسجد میں گئے۔ وہاں ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا جس کو اسامہ بن قتادہ کہتے تھے۔ اس کی کنیت ابو سعدہ تھی اس نے کہا جب تم ہم کو قسم دیتے ہو تو سچ تو یہ ہے کہ سعد کبھی فوج کے ساتھ (لڑائی کے لئے) نہیں جاتے تھے اور غنیمت کا مال برابر تقسیم نہیں کرتے تھے۔ اور جھگڑے میں انصاف نہیں کرتے تھے۔ سعد نے یہ سن کر کہا خدا کی قسم میں تم کو تین بددعائیں دوں گا۔ یا اللہ اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور صرف ناموری اور شہرت کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر اور ایک مدت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۶) کہ وہ تحریمہ کو تو نماز کا رکن ثابت کریں اور سورت کو سنت۔ اسی لئے انہوں نے عنوان میں نفس قرأۃ کو تو شامل کیا اور سورۃ فاتحہ کے متعلق خاموشی اختیار کی۔ فافہم

عَرَضَهُ بِالْفِتَنِ وَكَانَ بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ

تک محتاج کر دے اور آفتوں میں پھنسا دے۔ پھر اس کا یہی حال ہوا۔ جب کوئی اس کا حال پوچھتا تو کہتا کہ ایک بوڑھا ہوں آفت رسیدہ سعد کی بد دعا مجھ کو لگ گئی ہے۔ عبد الملک نے کہا میں نے بھی اس کو دیکھا تھا اتنا بوڑھا ہو گیا تھا۔ کہ بھویں آنکھوں پر آگئی تھیں اور راستہ میں کھڑا ہو کر لڑکیوں کو چھیڑتا اور ان کو چوکے بھرتا۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو مسلم و نسائی و ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا (۲) عنوان حسب ذیل (جزاء) پر مشتمل ہے (۱) امام ہو (۲) یا مقتدی (۳) نماز سری ہو (۴) یا جہری (۵) سفر کی ہو (۶) یا حضری۔ غرضکہ ہر نماز میں قرآن کا پڑھنا واجب ہے۔ حدیث زیر بحث عنوان کے تمام اجزا کے مطابق ہے مگر جزو دوم پر حدیث میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ حضرت سعد کا یہ فرمانا کنت اصلی الخ جو اول کے مطابق ہے یعنی یہ کہ کوئی نماز میں قرآن پڑھنا واجب ہے۔ ما اخرم یہ جز پنجم و ششم کے مطابق ہے یعنی جہری نماز میں جہر سے اور سری نماز میں آہستہ قرات کرنا۔ اسی طرح ما اخرم عنہا ای عن صلاۃ النبی جو سوم و چہارم سے بھی مطابق ہے یعنی یہ کہ حضور علیہ السلام نے خواہ بحالت سفر نماز ادا کی ہو یا حضر میں کبھی قرات ترک نہیں فرمائی۔ اور ان تمام مسائل پر سب کا اتفاق ہے لیکن عنوان کا جزو دوم کہ مقتدی کو بھی قرات کرنی چاہیئے حدیث مذکور میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ فافہم

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اکابر صحابہ میں آپ کا شمار ہے آپ کی کنیت ابو اسحاق ہے اور والد کا نام مالک بن وہیب ہے۔ جناب عمر نے آپ کو ۱۴ھ میں فارس کی مہم میں امیر مقرر کیا اور آپ کے ہاتھ پر عراق فتح ہوا۔ پھر ۲۱ھ میں حضرت عمر نے آپ کو کوفہ کا امیر مقرر فرمایا اور آپ ۲۱ھ یا ۲۲ھ تک کوفہ کے امیر رہے۔ کوفیوں کی بے وفائی تو مشہور ہے ہی۔ انہوں نے حضرت سعد جیسے جلیل القدر صحابی پر بھی غلط الزامات عائد کئے۔ حضرت عمر کو تحقیق کے بعد یہ معلوم ہو گیا تھا کہ الزامات غلط ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ نے مصلحتاً حضرت سعد کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عمار کو کوفہ کا امیر مقرر فرمادیا اور یہ تصریح فرمادی کہ میں نے حضرت سعد کو اس لئے معزول نہیں کیا کہ وہ امارت کے اہل نہ تھے۔ حضرت سعد کو حضور علیہ السلام نے دعا دی تھی کہ الٰہی ان کی ہر دعا کو قبول فرما۔ جب سے وہ مستجاب الدعوات ہو گئے۔ حضرت سعد نے اسامہ بن قتادہ کو تین بد دعائیں دیں۔ کیونکہ آپ پر اس نے تین غلط الزام لگائے تھے۔ چنانچہ آپ کی بد دعا کے اثرات مرتب ہوئے (فتح الباری)

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

امام کے پاس اپنے کسی نائب کی شکایت پہنچے تو امام کو اس جگہ کے معززین سے اس شکایت کے متعلق تحقیق کرنی چاہیئے (۲) اگر کوئی دینی یا سیاسی مصلحت ہو تو امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بلاقصور اپنے کسی نائب کو معزول کر دے (۳) بعض نے یہ کہا کہ حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ کوئی شخص چار سال سے زیادہ امارت کے منصب پر فائز نہیں رہنا چاہیئے (۴) ظالم کے بد دعا کرنی جائز ہے۔

(۱) اس حدیث سے واضح ہوا کہ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرات واجب ہے (۲) آخری دو رکعتوں میں قرات واجب نہیں ہے اسی بنا پر صاحب ہدایہ نے لکھا کہ اگر چاہے تو آخری دو رکعتوں میں قرات کرے اور اگر چاہے تو تسبیح پر اکتفا کرے اور اگر چاہے تو خاموش رہے لیکن افضل یہی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں بھی الحمد پڑھے حضرت علی و ابن مسعود و عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی ماثور ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ نمازی نماز میں قرات کرنے پر (فاقرءوا ما تیسر الخ) کے ماتحت مامور ہے اور امر تکرار نہیں چاہتا لہذا پہلی رکعت میں قرات کرنا متعین ہوا اور دوسری رکعت میں قرات کو استدلال بالاولی واجب کیا گیا کیونکہ رکعت ثانی رکعت اول کے مشاکل ہے۔

(۲) ولم یقرء فی الاخریین شیئا

(موطا امام محمد صہ ۹۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرض کی آخری دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

(۳) اقرأ فی الاولیین وسبح فی الاخریین

ابن منذر۔ عینی ج ۳ صہ ۱۲

حضرت علی فرماتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں قرات کر آخری دونوں میں تسبیح۔

اسی طرح حضرت عائشہ و عبداللہ بن یزید۔ ابراہیم۔ سفیان ثوری وغیرہ سے مروی ہے۔ عینی ج ۳ صہ ۶

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز کامل نہیں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے صلوۃ میں اور نسائی نے صلوۃ اور فضائل قرآن میں ذکر کیا۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام و مقتدی دونوں کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور یہ حدیث عنوان کے تمام اجزا کے مطابق ہے لیکن یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ ترجمہ میں فاتحہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ ترجمہ میں تو قرات کا ذکر ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے قرات سے مراد فاتحہ کو لیا۔ یعنی من قبیل اطلاق الکل علی الجزء تو جواب یہ ہے کہ اس صورت میں عنوان اور حدیث صدر میں کوئی مطابقت نہیں رہے گی۔ فافہم۔

امام و منفرد کو نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے

واضح ہو کہ نماز خواہ جہری ہو یا سری حضری ہو یا سفری نفلی ہو یا فرضی۔ سب میں امام و منفرد (جو اکیلا نماز پڑھے) کے لئے نماز میں مطلق قرآن کا پڑھنا فرض ہے اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

یعنی قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو وہ نماز میں پڑھو

اس آیت میں کلمہ ما عام ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو وہ پڑھو۔ خواہ الحمد یا کوئی سورت یا آیت۔ پس قرآن کی رو سے نماز میں مطلق قرات فرض قرار پائی اور حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (بخاری و مسلم)

سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔

تو اس میں ذات کی نفی نہیں بلکہ کمال کی نفی ہے۔ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ان احادیث میں لا نفی کمال کی نفی کے لئے ہے۔

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد لہ

اس کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں۔ اس کا دین نہیں جو عہد پورا نہ کرے۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے جو وعدہ وفا نہ کرے یا امانتدار نہ ہو وہ بے ایمان ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا ایمان کامل نہیں ہے پس قرآن کی رو سے مطلق قرأۃ قرآن نماز میں فرض ہے اور حدیث کی رو سے سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اس مسئلہ کی حدیثیں یہ ہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں جو نماز پڑھی تو اس میں حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ پھر جب حضور کو افاقہ ہوا تو آپ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکر بائیں طرف بیٹھ گئے اب حضور امام ہوئے تو

فَقَرَءَ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِی انْتَهٰی اَبُوْبَکْرٍ مِنَ السُّوْرَةِ (ابن ماجہ ودارقطنی)	آپ نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں تک ابوبکر پہنچ گئے تھے۔

اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے حسن کہا (فتح الباری) اور امام احمد و ابویعلی موصلی اور طحاوی نے شرح معانی الآثا بھی روایت کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے قرأۃ کو وہاں سے شروع کیا جہاں تک ابوبکر پہنچ چکے تھے حضور علیہ السلام نے الحمد نہیں پڑھی بلکہ حضرت ابوبکر کی پڑھی ہوئی حمد کو کا سمجھا تو اگر الحمد کے بغیر نماز باطل ہوتی تو حضور الحمد کو ترک نہ فرماتے۔

مطلق قرأۃ

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ وَّ لَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (مسلم، حاکم فی المستدرک)	حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فر جاؤ اعلان کردو کہ نماز نہیں ہے۔ مگر قرأۃ کے ساتھ۔ اگ فاتحہ پڑھی جائے۔

ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرء بفاتحۃ الکتاب وما تیسر (بیہقی)	ہمیں حکم دیا کہ ہم سورۃ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو قر سے وہ پڑھیں۔

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے۔

قال قال یا رسول اللہ فی کل صلوٰۃ قرأۃٌ قال نعم ذالک واجبٌ (ابن عدی وبیہقی)	انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہر نماز میں قرأۃ ہے۔ فرمایا ہاں، یہ واجب (فرض) ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ امام و منفرد کے لئے مطلق قرأۃ فرض ہے۔ یعنی نماز میں قرآن پاک سے جو بھی یاد ہو اور جس کا پڑھنا آسان ہو اس کا پڑھنا فرض ہے

نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

عن عبادۃ بن الصامت ان رسول اللہ علیہ وسلم قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب	حضرت عبادۃ بن الصامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑ اس کی نماز کامل نہیں۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

کل صلوٰۃ لا یقرء فیہا بام الکتاب فہی خداج (احمد و ابن ماجہ و بیہقی)	ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔

عبادہ بن صامت سے روایت ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب وآیتین من القرآن معھا (طبرانی فی الکبیر)

وہ نماز نہیں جس میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی دو آیتیں نہ پڑھی جائیں۔

عن ابی سعید قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر (بیہقی)

ابوسعید کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ جو آسان ہو (قرآن) پڑھیں۔

لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بالحمد وسورۃ فی فریضۃ او غیرھا (ترمذی وابن ماجہ وابن عدی)

انہیں سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں جس نے فرض ونفل میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت نہ پڑھی۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ نماز جس میں ام القرآن (سورہ فاتحہ)

فھی خداج غیر تمام (احمد۔ ابوداؤد۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ) وفی روایۃ البیہقی فھی خداج لم تقبل

نہ پڑھی جائے وہ خداج ہے۔ ناتمام ہے اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ وہ نماز خداج ہے۔ مقبول نہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

لاتجزی صلوٰۃ لایقرءُ فیھا بفاتحۃ الکتاب (ابن خزیمہ)

ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ جائز نہیں (ناقص ہے)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ امام ومنفرد کے لئے نماز میں سورہ فاتحہ (الحمد شریف) کا پڑھنا واجب ہے۔

فرض نماز میں الحمد کے ساتھ سورت ملانا بھی واجب ہے۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لاتجزی المکتوبۃ الا بفاتحۃ الکتاب وثلث آیات فصاعداً (ابن عدی)

فرض نماز صحیح نہیں جب تک سورہ فاتحہ کے ساتھ تین آیتیں یا اس سے زیادہ نہ پڑھی جائیں۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا

فی کل صلوٰۃ قراءۃ فاتحۃ الکتاب وما تیسر من القرآن (بیہقی)

ہر نماز کے لئے سورہ فاتحہ اور جو قرآن سے آسان ہو اس کا پڑھنا ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

کل صلوٰۃ لایقرء فیھا بفاتحۃ الکتاب وآیتین فھی خداج (ابن عساکر)

ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ اور دو آیتیں قرآن کی نہ پڑھی جائیں وہ ناتمام ہے

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب فصاعداً قال سفیان لمن یصلی وحدہٗ (ابوداؤد)

اس کی نماز کامل نہیں جو الحمد اور کچھ اوپر زیادہ نہ پڑھے۔ سفیان بن عیینہ جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ امام و منفرد کے لئے سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔ یعنی ایک چھوٹی سورت جیسے انا اعطینٰک الکوثر یا تین چھوٹی آیتیں جیسے ثم نظر۔ ثم عبس وبسر۔ ثم ادبر واستکبر۔ یا ایک یا دو آیتیں جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہوں ـــــ واضح ہو فرض کی دو پہلی رکعتوں میں الحمد کے ساتھ کوئی سورت یا آیت ملانا اور نفل و وتر کی ہر رکعت میں الحمد کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملائی جائے اور آخری دونوں میں صرف فاتحہ پڑھی جائے

حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کان یقرء فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب وسورتین و فی الرکعتین الاخریین بام الکتاب (بخاری، ومسلم)

ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد دو سورتیں پڑھتے تھے۔ اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

وعنه قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقرء فی الرکعتین من الظهر والعصر بفاتحة الکتاب وسورة سورة ویسمعنا الآیة احیانا (بخاری)

انہیں سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ سورۃ پڑھتے تھے اور کبھی ہم کو آیت بھی سنا دیتے۔

حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ

یقرء فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب و سورتین و فی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیة احیانا ویطول فی الرکعة الاولی ما لا یطیل فی الرکعة الثانیة وهکذا فی العصر وهکذا فی الصبح (متفق علیه) مشکوٰۃ ص۸۱

حضور علیہ السلام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد شریف اور دو سورتیں اور اخیر کی دو رکعتوں میں الحمد شریف پڑھتے اور کبھی ہم کو آیت سناتے اور پہلی رکعت کو دوسری سے طول دیتے۔ اسی طرح نماز عصر و نماز صبح میں پڑھتے۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ

انا اقرء فی الرکعتین الاولیین من الظهر والعصر بفاتحة الکتاب وسورة وفی الاخریین بفاتحة الکتاب (رواہ عبد الرزاق)

میں ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت ملا کر پڑھتا ہوں۔ اور آخری دونوں میں صرف فاتحہ پڑھتا ہوں۔

حضرت ابو الدرداء کہتے ہیں کہ

قال اقرء فی الرکعتین الاولیین من الظهر والعصر والعشاء فی کل رکعة بام القرآن وسورة وفی الرکعة الآخرة بام القرآن (عبد الرزاق)

میں ظہر و عصر و عشا کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ و سورت پڑھتا ہوں۔ اور آخری رکعت میں صرف الحمد للہ۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ امام و منفرد کو پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا بھی واجب ہے۔ واضح ہو کہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں الحمد پڑھنا واجب نہیں ہے کتب فقہ میں یہ تصریح ہے کہ آخری دو رکعتوں میں

الحمد پڑھنا افضل و مستحسن ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے —— راقم الحروف نے اس مسئلہ کے متعلق متعدد مقامات پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ کتب فقہ و تحقیق ج ۲ سے لکھا ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس مسئلہ میں خود ابھی تک میں مطمئن نہیں ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے:

(۱) جس قدر مرفوع قولی و فعلی حدیثیں ہیں ان سب میں یہ ہے کہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں بھی قرأت کی جائے۔

(۲) لاصلوٰۃ الا بقراءۃ بھی یہ چاہتی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قرأت کی جائے۔

(۳) خود مبسوط و شرح مختصر کرخی میں، بروایت حسن حضرت امام ابوحنیفہ سے اس کا وجوب مروی ہے عن ابی حنیفۃ ان قراءۃ الفاتحۃ واجبۃ فی الاخریین ویجب سجود السھو بترکھا۔

(۴) مبسوط میں ہے قراءۃ الفاتحۃ وحدھا فی الاخریین سنۃ۔ کبیری ص ۳۲۱

غرضیکہ ان دلائل کی بنا پر آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا کم از کم سنت مؤکدہ ضرور ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب پر مکمل بحث اور اس سے حضرت امام شافعی کے استدلال کے جوابات

بخاری شریف کی زیر بحث حدیث سے حضرت عبداللہ بن مبارک، اوزاعی، امام مالک، شافعی، احمد، اسحٰق، ابو ثور و داؤد علیہم الرحمۃ نے یہ استدلال فرمایا کہ مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم مطلق ہے، امام مقتدی اور منفرد سب کو شامل ہے۔ خواہ نماز جہری ہو یا سری۔ بہر صورت مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور اگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا تو نماز ہوگی ہی نہیں، کیونکہ حدیث میں لا ذات کی نفی کے لئے ہے —— لیکن امام شافعی کا استدلال درست نہیں اور اس کے متعدد معقول جوابات ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے۔

جواب اول: قرآن مجید میں ہے فاقرءوا ما تیسر من القرآن۔ یعنی قرآن سے جو تمہیں آسان ہو پڑھو۔ اس آیت میں ادنیٰ ما یطلق علیہ القرآن کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اگر قرأت کو سورہ فاتحہ کے ساتھ مقید کر دیا جائے تو یہ مطلق پر زیادتی ہوگی۔ اور یہ ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ نسخ ہے۔ لہٰذا مطلق قرآن پاک کا پڑھنا فرض قرار پائے گا اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اس آیت میں قرآن پڑھنے کے متعلق جو حکم ہے۔ وہ نماز سے متعلق ہے پس مذکورہ بالا حدیث کا عموم قرآن کا معارض ہے لہٰذا سورہ فاتحہ کی خصوصیت ثابت نہیں ہوگی۔

جواب دوم: اور جب قرآن کی رو سے نماز میں مطلق قرآن کا پڑھنا فرض قرار پایا تو اب ضروری ہے کہ حدیث کو قرآن کے تابع کیا جائے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ حدیث محکم نہ ہو بلکہ محتمل ہو اور یہ حدیث محتمل ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث لا نفی فضیلت اور نفی کمال کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا۔

(۱) لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر اس نے گھر میں نماز پڑھ لی۔ تو ہوگی ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے والا مسجد کی

---

[۱] واضح ہو کہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب خبر مشہور نہیں ہے کہ اس سے قرآن پر زیادتی جائز ہو اور بعض خبر مشہور سے بھی زیادتی اسی صورت میں جائز ہے جبکہ وہ حدیث محکم ہو اور محتمل ہوگی تو خبر مشہور سے بھی زیادتی جائز نہیں اور حدیث زیر بحث تو محتمل بھی ہے۔ ناظم

فضیلت سے محروم ہو جائے گا۔ اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت میں انہم لا ایمان لہم میں وجود ایمان کی نفی ہے۔ کیونکہ یہ بھی فرمایا ہے وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدہم اور اس کے بعد فرمایا الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانہم بلکہ معنی آیت یہ ہیں لا ایمان لہم موثوقا —— اسی طرح جامع صغیر میں تقریباً دو سو حدیثیں ایسی ہیں جن میں لفظ لا استعمال ہوا ہے کیا ہر جگہ لفظ لا نفی ذات کے لئے استعمال ہو گا ولہذا حدیث زیر بحث میں لا نفی ذات کے لئے نہیں ہے بلکہ نفی کمال کے لئے ہے اور مطلب حدیث یہ ہے سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی چنانچہ وہ حدیث جس میں لفظ خداج آیا ہے، وہ ہمارے جواب کی مؤید ہے یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

من صلی صلوٰۃ لم یقرء فیہا بام القرآن فہی خداج	جس نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز خداج ہے

خداج بالفتح کے معنی ناقص و ناتمام کے ہیں لہذا حدیث مذکورہ میں بھی لا نفی کمال کے لئے ہی ہے۔

جواب دوم: حدیث لا صلوٰۃ الخ سے یہی تو ثابت ہوتا ہے کہ ہر نمازی کو نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص مقتدی ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ لہذا جب امام الحمد پڑھے گا۔ تو گویا مقتدی نے بھی الحمد پڑھ لی۔ اگرچہ حکماً ہی پڑھی اور حضور کا ارشاد بھی یہی ہے۔

فقراءۃ الامام لہ قراءۃ	امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔

اب اگر مقتدی بھی الحمد پڑھے تو تکرار قرأت لازم آئے گی جو غیر مشروع ہے اور منافی حکم آیت اذا قرء القرآن ہے۔

جواب سوم: یہ کہ حدیث لا صلوٰۃ الخ کا تعلق منفرد سے ہے مقتدی سے نہیں۔ جیسا کہ احمدؒ بن حنبل و دیگر محققین نے فرمایا ترمذی شریف ج ۱ ص۵ اور ابو داؤد جلد اول ص۱۲۹ پر ہے۔

واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرء فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام الخ	امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔ حضور کا یہ ارشاد کہ اس کی نماز نہیں جس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ اس کا تعلق منفرد سے ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی اکیلا نماز پڑھے اس کو سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔ مقتدی کو نہیں اور انہوں نے حدیث جابر سے استدلال کیا۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ "جو کوئی رکعت بغیر

الحمد کے پڑھے تو نماز نہ ہو گی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔ کہ دیکھو جابر بن عبداللہ جو صحابی رسول ہیں۔ انہوں نے حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کا یہ مطلب متعین کیا کہ یہ حکم تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے (ترمذی و ابو داؤد)

الغرض جب خود حضور علیہ السلام نے یہ فرما دیا کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے تو پھر قراءۃ خلف الامام کا سوال ہی

---

[1] واضح ہو کہ امام احمد بن حنبل کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کے قائل نہیں تھے اور تو اور سیدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ بھی ۵۰ سال تک جہری نمازوں میں عدم قرأت کے قائل رہے اور جب مصر تشریف لائے تو اپنی وفات سے دو سال قبل سری و جہری دونوں قسم کی نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل ہوئے۔

نہیں پیدا ہوتا۔ چنانچہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ، امام ابو یوسف و محمد و احمد فی روایۃ و عبد اللہ بن وہب و اشہب کا یہی مسلک ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو نہ سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیئے اور نہ قرآن کا کوئی اور حصہ اور یہ بات جہری و سری دونوں نمازوں کے لئے ہے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام

احناف کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن شریف پڑھنا ممنوع ہے۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری مقتدی ہر صورت سنے اور چپ رہے۔ احناف کے دلائل یہ ہیں۔

یہ مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے اس میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے۔ لیکن ہمیں اس بحث سے صرف یہ واضح کرنا ہے کہ احناف صرف رائے اور قیاس کے پابند نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض متعصب غیر مقلدین الزام رکھتے ہیں۔ بلکہ احناف نے جو مسلک اختیار کیا ہے اس کی بنیاد بھی کتاب و سنت ہی ہے۔ اور انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں دیانت داری کے ساتھ جو کچھ سمجھا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

اس آیت میں اِسْتَمِعُوْا وَاَنْصِتُوْا امر کے صیغے ہیں اور یہ حکم مطلق ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے خواہ نماز میں یا غیر نماز میں ہر صورت سامع کے لئے چپ رہنا اور سننا لازم و واجب ہے۔ ——— نماز دو طرح کی ہوتی ہے۔ جہری جس میں امام بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہے۔ لہذا جہری میں سننا اور چپ رہنا دونوں پر عمل ہوگا۔ سری جس میں امام آہستہ قرأت کرتا ہے اس میں چونکہ سننا ممکن نہیں اس لئے انصتوا پر عمل ہوگا یعنی چپ رہنا اور امام چونکہ سری و جہری دونوں نمازوں میں قرأت کرتا ہے لہذا مقتدی کے لئے دونوں قسم کی نمازوں میں خاموش رہنا ہوگا۔

ابتداء اسلام میں بحالت نماز دنیاوی بات چیت بھی کرلیتے تھے اور امام کے پیچھے مقتدی قرأت بھی کرتے تھے مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ میں ہے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔

كنا نتكلم فى الصلوٰة يكلم الرجل صاحبه وهو الى جنبه فى الصلوٰة حتى نزلت وقوموا لله قانتين فامرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام (مسلم)

ہم لوگ بحالت نماز باتیں کرلیا کرتے تھے۔ ایک شخص اپنے ساتھی سے بحالت نماز گفتگو کرلیتا۔ حتی کہ آیت قُوْمُوْا لِلّٰہِ الخ نازل ہوئی کہ اللہ کے لئے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو خاموش، اس پر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور گفتگو سے منع کیا گیا۔

عن مجاهد قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرء فى الصلوٰة فسمع قراٰة فتى من الانصار فنزل واذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا (بیہقی)

حضور علیہ السلام قرأت فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری نوجوان کو قرآن پڑھتے سُنا۔ تو اس وقت یہ آیۂ مبارک نازل ہوئی۔ اذا قرئ القرآن، الخ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ آیت قوموا للہ کے نزول کے بعد بحالت نماز گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اور آیت اذا قرئ القرآن الخ کے نزول کے بعد قرأت خلف الامام کی ممانعت ہوگئی۔

تفسیر عماد بن کثیر نے لکھا

قال علی بن طلحة عن ابن عباس واذا قرئ القرآن الخ یعنی فی الصلوٰة المفروضة	حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت اذا قرئ الخ فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

تفسیر معالم التنزیل میں علامہ بغوی نے تحریر فرمایا کہ

ذهب جماعة الی انها فی القرأة فی الصلوٰة	ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت دربارہ قرأت نماز نازل ہوئی ہے۔

اس کے بعد امام بغوی نے دوسرے اقوال لکھ کر اخیر میں فیصلہ دیا ہے۔

والاول اولیٰ وهو انها فی القرأة فی الصلوٰة معالم مطبوعہ بمبئی صفحہ ۳۰	اور اول قول اولیٰ ہے یعنی یہ کہ یہ آیت دربارہ قرأت نماز نازل ہوئی ہے۔

تفسیر ابن عباس

واذا قرئ القرآن فی الصلوٰة المکتوبة فاستمعوا له الی قرأته وانصتوا لقرأته (تنویر مقیاس)	جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو سنو اور قرآن کی قرأت کے وقت خاموش رہو۔

تفسیر ابن کثیر

علامہ ابن کثیر نے لکھا کہ جب اللہ عزوجل نے قرآن مجید کو لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت اور بصیرت قرار دیا تو قرآن مجید کی حرمت و تعظیم کے لئے اس کی تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ کفار قریش اور مشرکین کا قول تھا کہ قرآن مت سنو الخ لیکن یہ حکم یعنی (فاستمعوا وانصتوا) فرض نماز

ولکن یتأکد ذالك فی الصلوٰة المکتوبة اذا جهر الامام بالقرأة کما رواه مسلم الخ	میں جبکہ امام جہر کرتا ہو مؤکد ہے۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں حضور نے فرمایا امام اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو۔
عن ابی العالیة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان اذا صلّٰی باصحابه فقرأ اصحابه فنزلت هذه الآیة فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ علیه وسلم (ابن کثیر)	ابو العالیہ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے اور قرأت کرتے تو صحابہ بھی آپ کے پیچھے قرأت کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی پھر قوم تو چپ ہو گئی اور صرف حضور قرأة فرماتے تھے۔

ان تفاسیر سے یہ واضح ہوا کہ یہ آیت دربارہ قرأت نماز نازل ہوئی اور مقتدیوں کو قرأت خلف الامام سے منع کیا گیا۔ رہا یہ سوال کہ ایک آیت کے متعدد شان نزول ہوتے ہیں۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ آیت خطبہ و وعظ اور امام کے پیچھے جہراً قرأت کی ممانعت کے لئے نازل ہے۔ اگرچہ اس کے متعدد جواب ہیں مگر اصولی بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا شان نزول سے آیت کا دربارہ قرأت نماز نازل ہونے کی نفی تو نہیں ہوتی۔ ثانیاً استدلال کرنے والا تو قرآن پاک کے نظم و معنی سے استدلال کرتا ہے لہذا آیت کا عموم و اطلاق قرأت خلف الامام کی ممانعت کے لئے کافی ہے۔

حدیث فقرأة الامام له قرأة کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے

قَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ (موطا امام محمد)

فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے۔ واضح ہو کہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ یعنی جابر بن عبداللہ، ابن عمر، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم — اور حدیث جابر کے متعدد صحیح طرق ہیں، جو ایک دوسرے کی مزید تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ اور ان سب طرق کو علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے ج ۳ صـ۱۲ تا صـ۱۴ تک ذکر کیا ہے۔

قرأت خلف الامام کی ممانعت اسّی صحابہ کرام سے مروی ہے

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ قرأۃ خلف الامام سے اسّی صحابہ کرام نے منع فرمایا جن میں علی مرتضیٰ اور عبادلہ ثلاثہ وابن عمر، ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شامل ہیں اور دس صحابہ کرام قرأۃ خلف الامام سے شدت کے ساتھ منع کرتے تھے۔ جناب صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضےٰ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد ابن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن جابر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔ لہٰذا ان جلیل القدر اکابر صحابہ کا قرأۃ خلف الامام کی ممانعت پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع ہی کے ہے۔ اسی لئے صاحب ہدایہ علیہ الرحمۃ نے باعتبار اتفاق الاکثر یہ تحریر فرمایا ہے کہ ترک قرأۃ خلف الامام پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ عینی ج ۳ صـ۱۰

احادیث دربارہ ممانعت قرأۃ خلف الامام قرأۃ خلف الامام کی ممانعت پر کثیر حدیثیں وارد ہوئیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِاَصْحَابِهٖ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ اَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ وَالْاِمَامُ يَقْرَءُ فَقَالَهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا (طحاوی صـ۱۲۸)

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو۔ حالانکہ امام بھی پڑھتا ہے (تین مرتبہ فرمایا) انہوں نے عرض کی ہاں ہم امام کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا نہ پڑھا کرو۔

امام بیہقی نے حضرت عمر سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے نماز ظہر پڑھی

فَقَرَءَ رَجُلٌ مِنَ النَّاسِ فِيْ نَفْسِهٖ فَقَالَ هَلْ قَرَءَ مَعِيْ اَحَدٌ مِنْكُمْ قَالَهٗ ثَلٰثًا فَقَالَ الرَّجُلُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا كُنْتُ اَقْرَءُ فَقَالَ اَقُوْلُ مَا لِيْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ اَمَا يَكْفِيْ اَحَدَكُمْ قِرَاءَةُ اِمَامِهٖ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا (بیہقی)

تو ایک آدمی نے اپنے جی میں قرأت کی۔ اس پر حضور نے فرمایا کیا میرے ساتھ تم میں سے کسی نے قرأت کی ہے؟ تین بار فرمایا۔ ایک شخص نے عرض کی میں نے قرأت کی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میں بھی کہتا تھا کہ قرآن میں جھگڑا کیا جا رہا ہوں۔ کیا تم کو امام کی قرأت کفایت نہیں کرتی امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ سری نماز میں بھی مقتدی کو خاموش رہنا چاہیئے نیز یہ کہ جس شخص نے قرأۃ خلف الامام کی تھی اس نے اپنے جی ہی میں کی تھی تو اس حدیث میں سری نمازوں میں امام کے پیچھے اپنے جی میں پڑھنے کی ممانعت بھی واضح ہوئی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ (طبرانی و دارقطنی)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ (ابن ماجہ و موطا)

حضرت جابر سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کے لئے امام ہو۔ تو امام کا قرآن پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔

محمد ابن منیع اور امام ابن ہمام نے کہا یہ اسناد صحیح ہے علی شرط الشیخین اور اس کے راوی بخاری و مسلم کی شرط پر ہیں نیز اس کو امام محمد نے کتاب الآثار میں مفصل درج کیا ہے۔ مفصل حدیث یہ ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلٌ خَلْفَهُ يَقْرَأُ فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَاهُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ أَتَنْهَانِي عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ نَبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَازَعَا حَتّٰى ذُكِرَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ إِمَامٍ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ (کتاب الآثار [illegible])

جابر ابن عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ اور ایک آدمی آپ کے پیچھے پڑھتا تھا تو ایک صحابی نے اس شخص کو منع کیا۔ اس نے کہا تو مجھے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے منع کرتا ہے؟ ان دونوں کا آپس میں تنازعہ ہوا۔ حتیٰ کہ اس واقعہ کی حضور علیہ السلام کو اطلاع ہوئی، تو آپ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو تحقیق امام کی قرأت اس (مقتدی) کی قرأت ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً فَلَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا وَرَاءَ الْإِمَامِ (طحاوی و دارقطنی)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص نے ایک رکعت (بھی) بغیر فاتحہ پڑھی۔ اس کی نماز کامل نہیں۔ مگر امام کے پیچھے (یعنی امام کے) پیچھے قرأت نہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے موقوفاً روایت کیا اور کہا حسن صحیح ہے اور امام دارقطنی و طحاوی نے مرفوعاً روایت کیا۔ اسی طرح یحییٰ بن سلام اور اسماعیل سدی نے اس کو مرفوعاً روایت کیا۔ اور یہ دونوں صدوق ہیں۔ نیز ذیل اللآلی صـ ۱۰ میں بھی یہ حدیث مرفوعاً درج ہے

---

[1] اس حدیث کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے لکھا کہ وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ کہ ہمارا عمل اسی حدیث پر ہے اور یہی قول ہے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا۔ اس سے واضح ہوا کہ امام محمد کی طرف بعض کتب میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کو مستحسن قرار دیتے ہیں غلط ہے۔

[2] یہ حدیث پوری سند کے ساتھ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس طرح لکھی ہے اخبرنا اسحاق الازرق ثنا سفیان و شریک عن موسیٰ بن ابی عائشۃ عن عبد اللہ بن شداد عن جابر

عَنْ عمران بن حصين اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ فَجَعَلَ رَجُلٌ يَقْرَءُ خَلْفَهُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَيُّكُمْ قَرَءَ اَوْ اَيُّكُمُ الْقَارِئُ قَالَ رَجُلٌ اَنَا فَقَالَ ظَنَنْتُ اَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيْهَا

مسلم صـ۱۷۲، نسائی صـ[illegible]

عمران بن حصین فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ تو ایک آدمی نے آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کس نے پڑھا یا کون پڑھنے والا ہے؟ ایک شخص نے عرض کی۔ میں ہوں اس پر آپ نے فرمایا تحقیق میں نے خیال کیا کہ تم میں سے کسی نے مجھے خلجان میں ڈالا۔

اس حدیث کو امام نسائی نے باب ترک القراۃ خلف الامام فیما لم یجہر فیہ میں ذکر کیا یعنی جن نمازوں میں قرأت کی جاتی ہے۔ ان نمازوں میں قرأت خلف الامام کے ترک کے باب میں اس حدیث کو درج کیا۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ وَرَجُلٌ يَقْرَءُ خَلْفَهُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُخَالِجُنِيْ سورة كذا فنهاهم عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ۔

دارقطنی صـ۱۴۲

حضور علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ اور ایک آدمی آپ کے پیچھے قرأت کر رہا تھا جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا مجھے خلجان میں ڈالنے والا کون تھا؟ تو آپ نے ان کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا۔

عَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانُوْا يَقْرَءُوْنَ خَلْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فقال خلطتم عَلَيَّ الْقِرَاءَةَ

طحاوی صـ[illegible] طبرانی والبزار اسنادہ حسن۔ آثار السنن صـ[illegible]

ابو الاحوص سے روایت ہے۔ کہ لوگ حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز میں قرأت کرتے تھے۔ اس پر حضور نے فرمایا تم نے مجھ پر قرأت خلط کر دی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔

نسائی

حضور علیہ السلام نے فرمایا امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

مسلم شریف باب التشہد میں ہے کہ ابو بکر نے سلمان سے پوچھا کہ حدیث ابو ہریرہ کیسی ہے تو انہوں نے کہا ھو صحیح یعنی واذا قرئ فانصتوا یہ حدیث کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ صحیح حدیث ہے۔

امام بیہقی نے ابو سعید خدری سے روایت کیا۔

سَاَلْتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم عَنِ الرَّجُلِ خَلْفَ الْاِمَامِ لَا يَقْرَءُ شَيْئًا اَيُجْزِيْهِ قَالَ نَعَمْ

میں نے حضور علیہ السلام سے اس شخص کے متعلق پوچھا امام کے پیچھے قرأت نہ کرے کیا اس کو کفایت کرتا ہے حضور نے فرمایا ہاں

دارقطنی نے حضرت علی سے روایت کی کہ

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اَقْرَاُ

ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا امام کے پیچھے

خَلْفَ الْاِمَامِ اَوْ اُنْصِتُ قَالَ بَلْ اَنْصِتْ فَاِنَّہٗ یَکْفِیْکَ (دار قطنی)

قرأت کروں یا خاموش رہوں۔ حضور نے فرمایا خاموش رہ امام تیرے لئے کافی ہے۔

امام طحاوی نے حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا کہ

لَا تَقْرَءُوْا خَلْفَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الصَّلٰوتِ

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ امام کے پیچھے کچھ قرأت نمازوں میں۔

امام بیہقی نے کتاب القرأۃ میں حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا کہ

اِنَّ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن القراءۃ خلف الامام

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قرأت سے منع فرمایا۔

ابن اکیمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ

صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَصْحَابِہٖ صَلٰوۃً نَظُنُّ اَنَّہَا الصُّبْحُ فَقَالَ ہَلْ قَرَءَ مِنْکُمْ اَحَدٌ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ

(احمد و ترمذی۔ نسائی و ابن ماجہ)

حضور علیہ السلام نے نماز پڑھائی۔ ہمارا گمان ہے کہ وہ فجر کی نماز تھی۔ اس کے بعد فرمایا تم میں سے کسی نے قرأت کی ہے؟ ایک شخص نے عرض کی۔ ہاں میں نے قرأت کی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا میں بھی کہتا تھا۔ کہ قرآن میں جھگڑا کیا جا رہا ہوں۔

بیہقی نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَلَا یَقْرَءُوْنَ مَعَہٗ فَاِنَّ قِرَاءَتَہٗ لَہٗ قِرَاءَۃٌ

جس کے لئے امام ہو وہ امام کے ساتھ کچھ نہ پڑھے تحقیق قرأۃ امام کی مقتدی کے لئے ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

یَکْفِیْکَ قِرَاءَۃُ الْاِمَامِ خَافَتَ اَوْ جَہَرَ

دار قطنی ص ۱۲۷

تیرے لئے امام کا پڑھنا کافی ہے۔ جہری یا سری۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

کُلُّ صَلٰوۃٍ لَا یُقْرَءُ فِیْہَا بِاُمِّ الْکِتَابِ فَہِیَ خداج اِلَّا صَلٰوۃً خَلْفَ اِمَامٍ (بیہقی)

ہر وہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص ہے۔ وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

شعبی سے روایت ہے کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا قِرَاءَۃَ خَلْفَ الْاِمَامِ

(دار قطنی۔ بیہقی)

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں۔

صحابہ کرام و تابعین عظام کے قرأۃ خلف امام کے متعلق ارشادات

صحابہ کرام و تابعین عظام کی ایک جماعت نہ صرف یہ کہ وہ قرأت خلف کی قائل نہ تھی بلکہ اس سے منع بھی کرتی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن زید اپنے والد سے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ

كان عشرة من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ينهون عن القرأة خلف الامام اشد النهي (عینی ج ۲)

دس صحابہ رسول قرأۃ خلف الامام سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کرتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

صدیق اکبر۔ عن موسى بن عقبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابا بكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القرءة خلف الامام

(مصنف عبد الرزاق، عینی ج ۲)

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اور ابو بکر و عمر و عثمان نے قرأۃ خلف الامام سے منع فرمایا ہے۔

حضرت فاروق اعظم

قال ليت في فم الذي يقرء خلف الامام حجراً (موطا امام محمد)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کاش جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں پتھر ہوں۔

حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا

مَنْ قرء خلف الامام فليس على فطرة (طحاوی)

جو امام کے پیچھے قرأت کرے، وہ دین فطرت پر نہیں ہے۔

عن امير المومنين على المرتضىٰ كرم الله وجهه قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ

(رواہ ابن ابی شیبہ وعبد الرزاق فی مصنفیہما)

علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے خطا کی

عبد اللہ بن عمر

عن ابن عمر قال اذا صلى احدكم خلف الامام فحسبه قراءة الامام واذا صلى وحده فليقرء؛ قال وكان عبد الله لا يقرء خلف الامام (موطا امام مالک)

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں جب تم امام کے پیچھے نماز پڑھو تو تمہیں امام کی قرأت کافی ہے اور جب اکیلے نماز پڑھو، تو پھر قرأت کرو۔ نافع نے کہا حضرت عبد اللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأۃ نہیں کرتے تھے۔

نیز حضرت ابن

قال من صلى الامام كفته قرأته

(موطا صفحہ)

جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کو امام کی قرأت کافی ہوگی

عبد اللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ

انه سأل عبد الله بن عمر وزيد بن ثابت وجابر بن عبد الله فقالوا لا يقرء خلف الامام في شئ من الصلوات (طحاوی)

میں نے عبد اللہ بن عمر و زید بن حارث و جابر بن عبد اللہ صحابیوں سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں قرأت نہ کی جائے۔

ان ابن عمر کان ینهی عن القراءۃ خلف الامام

(عبد الرزاق، جوہر النقی ص۵۵)

حضرت ابن عمر قرأت خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن ذکوان عن زید بن ثابت وابن عمر کانا لا یقرآن خلف الامام

(عبد الرزاق، جوہر النقی ص۵۵)

ذکوان سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

واخرج ایضا عن ابن عمر انه سُئل عن القراءۃ خلف الامام قال تکفیك قراءۃُ الامام

(مسند احمد ج ۲ ص۴۹)

حضرت ابن عمر سے قرأت خلف الامام کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تجھے امام کی قرأت کافی ہے

حضرت ابن عباس ابو حمزہ کہتے ہیں کہ

قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَقْرَأُ وَالْإِمَامُ بَيْنَ يَدَيَّ فَقَالَ لَا (طحاوی)

میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ کیا میں اس صورت میں قرأت کروں جبکہ امام میرے آگے ہو آپ نے فرمایا نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا

قَالَ لَيْتَ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فُوهُ تُرَابًا (طحاوی ص۱۲۹)

کاش کہ جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے۔ اس کا منہ مٹی سے بھرا جائے۔

قال انصت للقراءۃ فان فی الصلوۃ شغلا وسیکفیك ذلك الامام (بیہقی ج ۲ ص۱۶۰ طحاوی و طبرانی وابن ابی شیبہ وعبد الرزاق)

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا۔ قرأت کے واسطے خاموش رہو۔ تحقیق نماز میں شغل ہے اور بے شک قرأت کے لئے تجھے امام کافی ہے۔

واخرج عن علقمۃ بن قیس ان عبد اللہ ابن مسعود کان لا یقرأ خلف الامام فیما یجهر فیه وفیما یخافت فیه الاولیین ولا فی الاخریین واذا صلی وحده قرأ فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ ولم یقرأ فی الاخریین شیئا

علقمہ بن قیس سے روایت ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں۔ نہ پہلی دو رکعتوں میں نہ پچھلی دو رکعتوں میں اور جب اکیلے نماز پڑھتے تو پہلی دو رکعتوں میں الحمد و سورۃ پڑھتے اور پچھلی دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے اور یہ بھی کہ پچھلی دو رکعتوں میں قرأت واجب نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن مسعود جب اکیلے نماز پڑھتے تو پچھلی دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

سعد بن وقاص

قَالَ وَدِدْتُ اَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي فِيهِ جَمْرَةٌ

(موطا امام محمد وابن ابی شیبہ وعبد الرزاق۔ بیہقی ج ص۶۸)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے یہ پسند ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں چنگاری ہو۔

حضرت ابودرداء

عن كثير بن مرة عن ابي الدرداء قال قام
رجل فقال يا رسول الله أفي كل صلوة
قرآن. قال نعم. فقال رجل من القوم وجب
هذا فقال ابو الدرداء يا كثير وانا الى جنبه لا أرى
الامام اذا أم القوم الا قد كفاهم۔

(دار قطنی صہ۱۲۴ طحاوی صہ۱۲)

ابو درداء کہتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ہر نماز میں قرآن ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں — تو قوم میں سے ایک شخص نے کہا یہ واجب ہو گیا۔ تو ابو درداء نے کہا اے کثیر اور میں اس کے پہلو میں تھا۔ میں نہیں دیکھتا امام کو کہ وہ امامت کرے۔ مگر اس کی قرات مقتدیوں کو کافی ہو گی

دیکھیے حضرت ابو درداء صحابی امام کی قرات مقتدیوں کے لئے کافی قرار دے رہے ہیں اور فی کل صلوۃ قرآن کا مطلب انہوں نے یہی سمجھا کہ امام کی قرات مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔

حضرت زید بن ثابت

ه سأل زيد ابن ثابت عن القراءة
مع الامام فقال لا قراءة مع الامام في
شيئ (مسلم باب سجود التلاوة)

ال من قرء خلف الامام فلا صلوة
ه (موطا صہ۲۹)

عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام کے ساتھ قرات کے متعلق پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا امام کے ساتھ بالکل قراۃ جائز نہیں۔

حضرت زید بن ثابت نے فرمایا۔ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اس کی نماز نہیں۔

علقمہ بن قیس

ال لان اعض على جمرة احب الي من
ن اقرء خلف الامام (موطا صہ۲۹)

علقمہ تابعی کہتے ہیں کہ مجھے آگ کی چنگاری منہ میں رکھنی امام کے پیچھے قرات کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

ولید بن قیس

أقرء خلف الامام في الظهر و
العصر قال لا

(ابن ابی شیبہ) (آثار السنن صہ۹۰)

ولید بن قیس کہتے ہیں میں نے سوید بن غفلہ (تابعی یا صحابی) سے پوچھا کہ کیا میں ظہر و عصر میں امام کے پیچھے قرات کروں تو انہوں نے کہا نہیں۔

ابن سیرین

ال لا أعلم القراءة خلف الامام من السنة

(ابو بکر بن ابی شیبہ) (آثار السنن صہ۹۰)

حضرت ابن سیرین نے کہا کہ میں قرات خلف الامام کو سنت نہیں سمجھتا۔

یہ تمام احادیث و آثار امام کے پیچھے قرات کی ممانعت پر نص صریح ہیں۔ اور اگر عقلاً دیکھا جائے تو وہ بھی یہ چاہتی ہے قتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

لائل عقلیہ

(۱) اگر مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو جو شخص رکوع کی حالت میں امام کو پاتا ہے وہ رکعت کو نہ پاتا۔ حالانکہ یہ بات سب کے نزدیک متفق ہے کہ اگر امام رکوع میں چلا گیا ہے اور کوئی شخص

تکبیر تحریمہ کہہ کر ایک تسبیح کی مقدار قیام کرکے امام کے ساتھ رکوع میں چلا گیا۔ اور سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکا تو اس نے رکعت کو پا لیا۔ اس سے واضح ہوا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ ورنہ اگر فرض رہ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔

(۲) دربار شاہی میں جب کوئی وفد حاضری دیتا ہے۔ تو آداب دربار سب بجالاتے ہیں۔ مگر عرض معروض صرف ان کا لیڈر کرتا ہے۔ اسی طرح باجماعت نمازی بارگاہ الٰہی میں وفد کی شکل میں حاضری دیتے ہیں۔ نماز کے ارکان رکوع و سجود و قیام وغیرہ سب ادا کرتے ہیں کہ یہ دربار کے آداب ہیں۔ اسی طرح تسبیح التحیات وغیرہ سب پڑھتے ہیں کہ یہ دربار خداوندی کا سلام ہے لیکن تلاوت قرآن صرف امام ہی کرتا ہے۔ کیونکہ عرض و معروض کا حق صرف امام کو ہے پھر جس طرح کسی وفد کے امام کا کلام وفد کے تمام افراد کا کلام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز میں امام کا قرآن پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔

(۳) حدیث مسلم سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔ اور قائلین بھی یہ مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے یہ سورہ نہ پڑھے تو جیسے سورہ میں امام کی قرأت کافی ہے۔ فاتحہ میں بھی کافی ہونی چاہئے۔ لہٰذا مقتدی کو نہ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور نہ کوئی سورت۔

چند سوالات کے جوابات

اس سلسلہ میں چند شبہات پیش کئے جاتے ہیں۔ جو زیادہ تر موجودہ غیر مقلد حضرات کی طرف سے کئے گئے ہیں ان کے مختصر جوابات یہ ہیں۔

(۱) آیت واذا قرئ القرآن کا تعلق جمعہ کے خطبہ سے ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ لہٰذا آیت میں جمعہ کے خطبہ کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہے بوقت تلاوت قرآن مشرکین شور مچایا کرتے تھے انہیں حکم دیا گیا۔ کہ وہ خاموشی سے قرآن سنیں۔

(۳) بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ بعض مقتدی حضور کے پیچھے جہراً (بلند آواز) سے قرآن مجید پڑھتے تھے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور مقتدی کی جہری قرأت کی ممانعت پر سب کا اتفاق ہے (رسالہ فاتحہ خلف الامام مصنفہ عبد الغفور صاحب روپڑی)

جواب ترتیب وار (۱) یہ سورہ مکیہ ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں شروع ہوئی۔ ایسی صورت میں آیت کا تعلق خطبہ سے کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۲) قرآن مجید کی تلاوت بھی عبادت ہے۔ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ لہٰذا قرآن کے سننے کا وجوب بغیر ایمان لائے ان پر کیسے ہوگا۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ آیت میں خطاب کفار کو ہے۔ ثانیاً آیت کا دوسرا ٹکڑا اس امر پر نص صریح ہے کہ اس میں خطاب مومن مسلمانوں کو ہے۔ آخر میں فرمایا لعلکم ترحمون تاکہ تم پر رحمت کی جائے اور کافر خواہ سارا قرآن ہی حفظ کرلے اور روزانہ تلاوت کرے یا سنے جب تک ایمان نہ لائیگا اس وقت تک رحمت کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا۔

(۳) اگر کسی مفسر نے ایسا لکھا ہے تو ہمیں مضر نہیں کیونکہ کسی آیت کا حکم شان نزول کے ساتھ خاص نہیں ہو جاتا۔ شان نزول اگر خاص بھی ہو تو بھی حکم عام رہتا ہے اور استدلال کرنے والا قرآن پاک کے نظم و معنیٰ سے استدلال کرتا ہے۔ یہ آیت اور اس میں استماع و انصات کا حکم مطلق ہے۔ کسی شے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ لہٰذا آیت کا حکم سب کو شامل ہوگا تو اگر بالفرض آیت خطبہ یا جہری قرأت کی ممانعت کے لئے بھی نازل ہوئی ہو تو پھر بھی اس کا حکم خاص نہیں ہوگا اور آیت کا عموم و اطلاق جیسے خطبہ و جہراً قرأت کی ممانعت کریگا اسی طرح آہستہ قرأت کی بھی ممانعت کریگا۔ غرضیکہ آیت کا عموم و اطلاق مقتدی کو سری و جہری فاتحہ

میں بھی چپ رہنے اور سننے کا حکم دیتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ کیا یہ آیت قرأت خلف الامام کی ممانعت کے لئے نازل ہوئی ہے۔ تو یہ ہم گزشتہ اوراق میں متعدد حدیثوں سے ثابت کر چکے ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں عمران بن حصین سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اور آپ کے پیچھے ایک مقتدی نے سبح اسم ربک پڑھی اور حضور نے اس پر انکار فرمایا۔

سوال: ترمذی میں عبادہ بن صامت کی روایت میں صریح طور پر حضور نے فرمایا ہے۔ قال لَا تَقْرَؤُا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔ کہ امام کے پیچھے صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرو۔ اس حدیث سے صاف؛ صریح طور پر واضح ہوا کہ مقتدی کو صرف سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔

جواب: اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ حسن ہے۔ اسی طرح بہت سے علماء نے اس کو صحیح کہا اور بعضوں نے ضعیف۔ چنانچہ علامہ زیلعی لکھتے ہیں فاضعفه احمد وجماعة یعنی اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا۔ اور یحییٰ بن معین نے تصریح کی کہ جملہ استثنائیہ اس حدیث کا صحیح نہیں ہے۔ اس حالت اختلاف میں ہمیں خود بھی تحقیق کرنی چاہیئے۔

اس حدیث کے طرق اسناد میں محمد بن اسحٰق بن یسار جو حدیث کا راوی ہے۔ خود مختلف فیہ ہے۔ حضرت یحییٰ بن قطان جن کی جلالت سارے ائمہ نے صرف تسلیم کی بلکہ یہاں تک کہا جس کو یحییٰ چھوڑ دیں گے ہم بھی چھوڑ دیں گے تو محمد بن اسحاق کے متعلق لکھا ہے اشهد ان محمد بن اسحاق كذاب۔ اور سلیمان تیمی نے بھی اس کو کذاب کہا اور سیدنا امام مالک نے دجال کہا (میزان الاعتدال) اور دارقطنی نے کہا اس کے ساتھ حجت پکڑنا صحیح نہیں اور نسائی نے کہا قوی نہیں (حاشیہ جدید الحلی بحر العلوم برمسلم مطبوعہ نول کشور صہ۲۲)

اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو چند لوگ ثقہ و عادل کہیں اور چند اس کو ضعیف اور ناقابل استناد قرار دیں۔ اور کوئی شخص اسباب جرح کا عارف تفصیلی وجوہات کی بنا پر اس کو ضعیف کہے تو اعتبار ضعف کا ہوگا۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں تصریح فرمائی ہے کہ

والجرح مقدم على التعديل واطلق ذلك جماعة ولكن محله ان صدر مبينا من عارف باسبابه لانه ان كان غير مفسر لم يقدح فيمن ثبتت عدالته وان صدر من غير عارف بالاسباب لم يعتبر به ايضا (نخبة الفكر)	جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ اور ایک جماعت نے اس بات کو عام رکھا ہے لیکن اس کا موقع یہ ہے کہ جب وہ جرح تفسیر کے ساتھ اس شخص سے صادر ہوئی ہو جو اسباب جرح کا عارف ہے کیونکہ جرح غیر مفسر ان کے حق میں مضر نہیں جن کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اسی طرح اگر ایسا شخص جرح کرے جو اسباب جرح کا عارف نہیں ہے تو اس جرح کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

اور یہ مسلم ہے کہ حضرت یحییٰ بن قطان اسباب جرح کے عارف ہیں۔ چنانچہ تہذیب میں ہے۔

قال ابراهيم بن محمد التيمي ما رأيت اعلم بالرجال من يحيى القطان (تہذیب التہذیب صہ۲۱۸)	ابراہیم تیمی نے کہا میں نے یحییٰ قطان سے زیادہ کسی کو رجال کا جاننے والا نہیں پایا۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے فرمایا میں نے یحییٰ قطان کا مثل نہیں دیکھا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ کذاب کا لفظ جرح مفسر ہے لہذا محمد بن اسحاق لامحالہ ضعیف اور غیر معتبر قرار پائے گا۔

اور قطع نظر اس کے محمد بن اسحاق کو تقریب میں مدلس ہی لکھا ہے (بنایہ جلد اول ص۱۱۹) اور مدلس ہونا ایک خاص قسم کا عیب ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا

وفی حدیث عبادۃ محمد بن اسحاق بن یسار وھو مدلس عینی ج ۳

قال النووی لیس فیہ الا التدلیس

بنایہ ج ۱ ص ۱۱۱

حدیث عبادہ میں محمد بن اسحاق مدلس ہے۔

علامہ نووی نے فرمایا اس میں تدلیس ہی ہے۔

اور یہ بھی مسلم ہے کہ مدلس جب لفظ عن سے روایت کرے تو یہ روایت متصل نہیں قرار پائے گی۔ اور حدیث عبادہ جو ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے محمد بن اسحاق سے بلفظ عن مرقوم ہے۔ لہذا یہ روایت منقطع ہوگی اور قابل حجت نہ رہے گی۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ

المدلس اذا قال عن فلان لا یحتج بحدیثہ عند جمیع المحدثین مع انہ قد کذبہ مالک وضعفہ احمد وقال لا یصح الحدیث عنہ وقال ابو زرعۃ الرازی لا یقضی لہ بشیء عینی ج ۳

مدلس جب بلفظ عن فلاں روایت کرے تو اس کی حدیث تمام محدثین کے نزدیک قابل حجت نہ ہوگی ——— اور پھر محمد بن اسحاق کو تو امام مالک نے کذاب اور امام احمد نے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے حدیث لینا صحیح نہیں اور ابو زرعہ رازی نے اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث عبادہ بن صامت لائق استدلال نہیں ہے اور مخالفت کی صحیح احادیث و آثار کو چھوڑ کر ایک ضعیف حدیث کا سہارا لینے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ وَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى كَمَا صَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلَاثًا فَقَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا اُحْسِنُ غَیْرَهٗ فَعَلِّمْنِیْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ مَا تَیَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے اس کو جواب دیا اور فرمایا، جا پھر نماز پڑھ! تو نے نماز نہیں پڑھی وہ گیا اور پھر پہلے کی طرح نماز پڑھی۔ پھر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ نے فرمایا جا لوٹ جا اور نماز پڑھ۔ تو نے نماز نہیں پڑھی تین بار ایسا ہی ہوا آخر اس نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مجھ کو سکھلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو اللہ اکبر کہہ، پھر جو قرآن تجھ کو یاد ہے آسانی سے پڑھ سکے پڑھ۔ پھر رکوع کر یہاں تک کہ تو رکوع کے اندر اطمینان کرلے پھر سر اٹھا یہاں تک کہ تو بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ پھر سجدہ کر اور سجدہ کے اندر اطمینان کر، پھر

حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَافْعَلْ فِیْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا

سجدہ سے اٹھ یہاں تک کہ تو بیٹھنے میں اطمینان حاصل کرے اسی طرح ساری نماز میں کر۔

فوائد و مسائل: اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ و استیذان میں ذکر کیا اور مسلم و ابوداؤد و نسائی و ترمذی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ (۱) یہ حدیث عنوان کے مجوز و مخالف کے مطابق ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس شخص کو نماز میں قرأت کا حکم دیا۔ اور اس کی نماز نماز دن کی تھی اور اصل یہ ہے کہ صلوٰۃ نہاریہ میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے۔

دن کی نمازوں میں آہستہ اور رات کی نمازوں میں جہر سے قرأت کرنا واجب ہے

جیسے ظہر و عصر الا یہ کہ جسے دلیل شرعی خاص کرے جیسے جمعہ و عیدین۔ اور دن کی نمازوں میں حضور علیہ السلام نے آہستہ قرأت کرنے پر اور رات کی نمازوں میں جہر پر مواظبت فرمائی ہے۔ واضح ہو کہ فجر و مغرب و عشا کی پہلی دو دو رکعتوں میں اور جمعہ و عیدین و تراویح اور وتر رمضان کی سب رکعتوں میں امام پر جہر واجب ہے۔ اور مغرب کی تیسری اور عشا کی تیسری چوتھی اور عصر کی اور ظہر کی تمام رکعتوں میں آہستہ پڑھنا واجب ہے۔ جہر کے معنے یہ ہیں کہ دوسرے لوگ جو صف اول میں ہیں سن سکیں۔ یہ ادنیٰ درجہ ہے اور اعلیٰ درجہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں اور آہستہ پڑھنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ خود سن سکے۔

(۱) حدیث امامت جبریل بروایت انس میں ہے۔

اَنَّهٗ اَسَرَّ فِی الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالثَّالِثَةِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْاُخْرَیَیْنِ مِنَ الْعِشَاءِ

دارقطنی۔ ابوداؤد

کہ انہوں نے ظہر و عصر کی تمام رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری اور عشا کی دوسری اور تیسری میں آہستہ قرأت کی۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) مسلمان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے (۲) تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجدہ و قومہ و جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی قدر ٹھہرنا یونہی قومہ یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا جلسہ یعنی دو سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔

نماز میں تعدیل ارکان واجب ہے (۱) واضح ہو کہ احناف کے نزدیک تعدیل ارکان فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ یہ شخص تعدیل ارکان نہیں کرتے تھے۔ اس پر حضور نے فرمایا نماز دوبارہ پڑھو، تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ یعنی تمہاری نماز کامل نہیں ہوئی ——— فانک لم تصل سے مراد نفی اجزا نہیں ہے بلکہ نفی کمال مراد ہے جیسا کہ روایت قعنبی عن سعید المقبری عن ابی ہریرہ میں ہے۔

اذا فعلت هذا فقد تمت صلاتك وما انتقصت من هذا فانما انتقصت من صلاتك

عینی ج ۳ ص ۳

حضور نے فرمایا جب تو نے اس طرح نماز پڑھی تو تیری نماز پوری ہو گئی اور اگر ان میں تو نے تقصیر کی تو تیری نماز ناقص ہو گی۔

دیکھئے حضور علیہ السلام نے تعدیل ارکان نہ کرنے کی صورت میں اس کی نماز کو نماز ہی قرار دیا۔ البتہ یہ فرمایا یہ نماز ناقص ہے تو اگر تعدیل ارکان فرض ہوتا تو حضور اس کی نماز کو نماز قرار نہ دیتے۔

ثانیاً قرآن مجید میں فرمایا وارکعوا واسجدوا۔ رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ یہ دونوں لفظ خاص ہیں۔ جن کے

معنی جھکنے اور زمین پر پیشانی رکھنے کے ہیں اور خاص محتاج تفسیر نہیں ہوتا۔ پس قرآن کی رو سے مطلق سجدہ یعنی زمین پر پیشانی رکھنا اور مطلق رکوع یعنی جھکنا فرض قرار پائے گا۔ اب اگر تعدیل کو بھی حدیث زیر بحث کی رو سے رکوع و سجدہ کے ساتھ ملا دیا جائے تو یہ نسخ ہوگا اور خبر واحد سے جو ظنی ہے نص قطعی سے نسخ جائز نہیں ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حدیث پر اس طرح عمل کیا جائے کہ کتاب اللہ کے حکم میں تغیر نہ آئے اور نص قطعی کی ذات یا اس کے وصف کا نسخ نہ پس قرآن کی رُو سے مطلق رکوع و سجدہ فرض ہوگا۔ اور تعدیل ارکان حدیث کی رو سے واجب قرار پائے گا۔۔۔ لہذا حدیث زیر بحث میں فانک لم تصل سے کمال کی نفی مراد لینا ضروری ہے۔

ثالثاً حضور علیہ السلام کا اس شخص کو نماز کے اعادہ کا حکم دینا ذات صلوٰۃ کی نفی کو مستلزم نہیں بلکہ نفی راجع ہوگی وصف صلوٰۃ کی طرف اور دلیل اس پر یہ ہے کہ اگر اس شخص کی نماز باطل محض ہوتی تو اس شخص کا ایسی نماز میں مشغول رہنا عبث تھا اور حضور کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیکار اور عبث کام پر مقرر رہنے دیں۔

(۳) فکبر کے لفظ سے معلوم ہوا کہ نماز کی ابتدا تحریمہ کے بغیر نہیں ہو سکتی اور تکبیر تحریمہ فرض ہے۔

(۴) ثم اقرأ سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرات فرض ہے۔

(۵) ماتیسر سے واضح ہوتا ہے کہ نماز میں مطلق قرات فرض ہے اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے اگر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو حضور اس موقع پر ضرور اس کا حکم فرماتے کیونکہ مقام مقام تعلیم ہے۔

فائدہ: اس موقع پر علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضور کا ارشاد اقرأ ما تیسر معك من القرآن کا ظاہر اطلاق و تخییر ہے مراد اس سے فاتحہ ہے کہ جو فاتحہ پڑھ سکے اس کو غیر فاتحہ کا پڑھنا جائز نہیں ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضور نے فرمایا لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (۲) اور حضور کا مذکورہ جملہ اطلاق میں قرآن کی اس آیت کی طرح ہے۔ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی ہدی کا کم از کم درجہ حدیث نے بیان کر دیا کہ وہ بکری ہے۔ لہذا حضور کے مذکورہ بالا جملے سے مراد سورہ فاتحہ ہے ــــــ لیکن علامہ خطابی نے اپنے مذہب کے اثبات کے لئے متضاد بات کہہ دی ہے۔ پہلے تو خود یہ بیان کیا ہے کہ حضور کے مذکورہ بالا جملہ کا ظاہر اطلاق و تخییر ہے تو مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہے گا ایسی صورت میں اس سے کیونکر مراد ہو سکتی ہے (۱) اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ثم اقرأ ما تیسر الخ جملہ آیت فمن تمتع بالعمرۃ الخ کی طرح ہے۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہدی وہ جانور ہے جو حرم بھیجا جائے۔ اور لفظ ہدی اونٹ، گائے، بکری کو بھی شامل ہے۔ اور قرآن کہتا ہے جو تمتع بالعمرہ کرے اس کو جو ہدی سے آسان ہو وہ بھیج دے۔ اب آسان ہدی کا کیا ہے۔ اس میں اجمال ہے تو اس اجمال کو حدیث نے بیان کر دیا کہ ہدی کا کم از کم درجہ بکری ہے برخلاف ثم اقرأ ما تیسر من القرآن کے جملے کے یہ مطلق ہے۔ ہر وہ چیز جس کو قرآن کہا جائے اس کو شامل ہے یعنی ثم اقرأ ما تیسر الخ کا جملہ مطلق ہے اور مطلق وہ ہے جو ذات پر دلالت کرے اور مطلق میں اجمال نہیں ہوتا تو جب مذکورہ بالا ارشاد مطلق ہے۔ ہر وہ چیز جس پر قرآن ہونے کا اطلاق ہو اس پر صادق ہے قطع نظر اس سے کہ وہ فاتحہ ہو یا قرآن کا کوئی اور حصہ۔ تو اس میں بالکل اجمال نہیں ہے۔ اب اگر اس سے صرف سورہ فاتحہ کو مراد لیا جائے

ے علامہ خطابی کا استدلال اور ہمارے جواب کی یہ تقریر بعینہ آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن اور حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں بھی جاری ہو سکتی ہے منہ

تو مطلق کو مقید کرنا ہوگا اور یہ جائز نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ ھدی تو چونکہ خود مجمل تھی۔ اس لئے حدیث اس کا بیان ہوگئی لیکن حضور کا ارشاد ثم اقرأ ما تیسر الخ یہ تو مطلق ہے اس میں کوئی اجمال نہیں ہے۔ لہذا حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب، اس کا بیان نہیں ہوسکتی۔

(۲) علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا حدیث اقرأ ما تیسر الخ (۱) یا تو سورہ فاتحہ پر محمول ہے کیونکہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا آسان ہے (۲) یا ما زاد علی الفاتحۃ بعدھا پر محمول ہے (۳) یا من عجز علی الفاتحۃ پر محمول ہے لیکن یہ تینوں باتیں تحکم محض ہیں

اولاً۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ اس پر دلالت نہیں کرتے اور ترکیب کلام کا ظاہر عرف وہ ہے جس پر اسم قرآن صادق آئے۔ خواہ وہ سورہ ہو یا اس کا غیر۔ لہذا اس سے سورہ فاتحہ مراد لینا تحکم ہے۔ (۲) آسانی کا سوال تو سورہ اخلاص سورہ فاتحہ سے بھی آسان ہے۔ دوم یہ کہنا کہ حدیث ما زاد علی الفاتحۃ بعدھا پر محمول ہے تو یہ بھی غلط کیونکہ جب حدیث فاتحہ پر ہی دلالت نہیں کرتی۔ تو ما تیسر ما زاد علی الفاتحۃ پر کیسے محمول ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر آپ کے نزدیک ما زاد علی الفاتحۃ ماموربہ ہے۔ تو پھر ما زاد کو بھی سورہ فاتحہ کی طرح فرض قرار دینا چاہیئے حالانکہ امام شافعی ما زاد علی الفاتحۃ کو فرض نہیں کہتے۔

سوم حدیث کو من عجز عن الفاتحۃ پر محمول کرنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ اور حدیث رفاعہ بن رافع میں یہ ہے۔

ثم اقرأ ان کان معک قرآن۔ فان لم یکن معک قرآن فاحمد اللہ وکبرہ وھللہ (طحاوی)	پھر پڑھ اگر تجھ کو قرآن یاد ہو اب اگر تجھے قرآن بالکل یاد نہ ہو (تو یاد ہونے تک) نماز میں اللہ کی تکبیر و تہلیل کر۔
اور ترمذی کے لفظ یہ ہیں۔	
فان کان معک قرآن فاقرأ والا فاحمد اللہ وکبرہ وھللہ	اگر تجھے قرآن آئے تو اس کو پڑھ ورنہ (فی الحال) اللہ کی حمد اور تکبیر و تہلیل کر۔

دیکھئے ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے عاجز عن القراءت کے لئے مستقل طور پر ہدایت فرمادی ہے کہ جب تک اس کو قرآن یاد نہ ہو اس وقت تک کے لئے وہ نماز میں تکبیر و تسبیح کرتا رہے لہذا ایسی صورت میں حدیث اقرأ ما تیسر کو من عجز عن الفاتحۃ پر محمول کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ فافہم

آخری دو رکعتوں میں قرأت کرنے یا نہ کرنے کی بحث

(۷) حضور علیہ السلام نے مذکورہ فی الحدیث شخص کو نماز کا طریقہ تعلیم فرمانے کے بعد فرمایا وافعل فی صلوٰتک کلھا اسی طرح ساری نماز میں کرنا۔ حدیث کے اس جملہ سے علامہ خطابی نے یہ استدلال فرمایا کہ جیسے ہر رکعت میں رکوع و سجدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر رکعت میں قرأت کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ اصحاب رائے یہ کہتے ہیں کہ آخری دونوں رکعتوں میں قرأت کرنا اور نہ کرنا جائز ہے اور یہ لوگ اثر علی سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ اثر حارث کے ذریعہ مروی ہے اور حارث کے متعلق لوگوں نے قدیم سے کلام کیا ہے اور شعبی نے حارث کو کذاب تک کہا ہے اصحاب صحیح نے حارث سے کوئی روایت نہیں لی ہے

---

[1] اور اس طریقہ میں حضور نے اس شخص کو یہ فرمایا تھا کہ جو تمہیں قرآن سے آسان ہو وہ پڑھ لو

اور اگر اثر علی صحیح بھی ہو تو بھی حجت نہیں۔ کیونکہ صحابہ کی ایک جماعت آخری دونوں رکعتوں میں قرات کے قائل ہیں۔ جیسے ابوبکر و عمر و ابن مسعود و عائشہ وغیرہم شامل ہیں۔ بلکہ حضرت علی سے بھی زہری طریق عبید اللہ بن ابی رافع یہ مروی ہے کہ وہ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورۃ اور آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے ۔۔۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے علامہ خطابی کی اس تقریر کے متعلق لکھا ہے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ حدیث زیر بحث کے مذکورہ بالا جملے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر رکعت میں قرات کرنی چاہیئے۔ تو حدیث سعد اس پر دلالت کرتی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قرات ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت سعد نے بحضور فاروق عرض کی میں اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں جیسے حضور علیہ السلام پڑھاتے تھے میں پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورت ملا کر پڑھتا ہوں۔

واحذف فی الاخریین (بخاری)	اور آخری دو رکعتوں میں قرات نہیں کرتا

(۷) اگر اثر علی، حارث کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔ تو امام عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں (عن معمر عن الزھری عن عبید اللہ بن ابی رافع) روایت کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورت ملا کر پڑھتے تھے۔

ولا یقرء فی الاخریین	اور آخری دو رکعتوں میں قرات نہیں کرتے تھے۔

حدیث اسناد صحیح ہے ۔۔۔ اسی طرح علامہ خطابی کا یہ کہنا کہ جماعت صحابہ اس کی مخالف ہے یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ آخری دو رکعتوں میں قرات نہ کرنا حضرت ابن مسعود حضرت عائشہ۔ عبد اللہ بن یزید ابراہیم و ثوری سے مروی ہے (عینی ج ۳)

(۸) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ واجبات نماز میں سے اگر کوئی واجب رہ جائے تو اس نماز کا اعادہ کیا جائے (۹) نفل شروع کر دیئے جائیں تو واجب ہو جاتے ہیں کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ شخص نفل پڑھ رہے تھے (۱۰) امام و مقتدی کا مسجد میں بیٹھنا جائز ہے (۱۱) مسئلہ کے بتانے میں نرمی و شفقت سے کام لینا چاہیئے (۱۲) اپنی تقصیر کا اعتراف کر لینا انسان کی سعادت ہے (۱۳) حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم حسن خلق اور لطف و کرم کے پیکر ہیں (۱۴) سائل نے اگر ایک سوال کیا ہو اور مفتی یہ محسوس کرے کہ کچھ اور باتیں بھی اس کو بتانی ضروری ہیں تو بتا دے اگرچہ سائل نے ان کے متعلق سوال نہ کیا ہو۔

## بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ	باب نماز ظہر میں قرات کے متعلق
عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَعْدٌ كُنْتُ أُصَلِّيْ بِهِمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَيِ الْعَشِيِّ لَا أَخْرِمُ عَنْهَا كُنْتُ أَرْكُدُ فِي الْأُوْلَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ فَقَالَ عُمَرُ ذٰلِكَ الظَّنُّ بِكَ (بخاری)	(۱) حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے۔ حضرت سعد نے حضرت عمر سے کہا کہ میں تو انہیں حضور علیہ السلام کی نماز کی طرح ظہر و عصر کی نماز پڑھاتا تھا۔ اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ میں پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرتا اور پچھلی دو رکعتوں کو مختصر۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ مجھے تم سے یہی گمان تھا۔

یہ اسی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو فیوض الباری پارہ سوم صفحہ [illegible] پر گزر چکی ہے کہ اہل کوفہ نے حضرت سعد کے متعلق یہ شکایت کی تھی کہ وہ نماز صحیح طریقہ پر نہیں پڑھاتے۔ اس پر حضرت سعد نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جیسے حضور نماز پڑھاتے تھے اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں یعنی پہلی دو رکعتوں میں قرات لمبی کرتا ہوں اور پچھلی دو رکعتوں میں مختصر اور ایک روایت میں ارکد کی جگہ امد کا لفظ بھی مروی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ يُطَوِّلُ فِي الْاُوْلٰى وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ وَيُسْمِعُ الْاٰيَةَ اَحْيَانًا وَكَانَ يَقْرَاُ فِي الْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الْاُوْلٰى وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن قتادہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت کو لمبا کرتے تھے اور دوسری کو چھوٹا اور پڑھتے پڑھتے کبھی کبھی ایک آیت ہم کو سنا دیتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے اور صبح کی نماز میں بھی پہلی رکعت کو لمبا کیا کرتے اور دوسری رکعت میں قصر کرتے تھے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ

باب نماز عصر میں قرات کے متعلق

عَنْ اَبِيْ مَعْمَرٍ قَالَ سَاَلْنَا خَبَّابًا اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ قَالَ نَعَمْ قُلْنَا بِاَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ قَالَ بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهٖ (بخاری)

حضرت ابو معمر سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت خباب سے پوچھا کہ کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں قرات کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ ہم نے کہا تم کس طرح آپ کی قرات کو پہچانتے تھے۔ انہوں نے کہا آپ کی ریش مبارک کے ہلنے سے

حضرت قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام

يَقْرَاُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ سُوْرَةٍ وَيُسْمِعُنَا الْاٰيَةَ اَحْيَانًا (بخاری)

ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ہر رکعت میں سورت پڑھتے تھے اور کبھی ہم کو سنا بھی دیتے تھے۔

فوائد و مسائل یہ احادیث مسائل ذیل پر مشتمل ہیں (۱) علامہ عینی نے لکھا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چار رکعتی اور تین رکعتی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرأۃ واجب ہے (۲) سری نماز میں آہستہ قرات کرنا شرائط صحت نماز سے نہیں ہے بلکہ سنت ہے (۳) اس حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی پہلی رکعت دوسری سے لمبی کی۔ اس سے امام محمد علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال فرمایا کہ تمام نمازوں کی پہلی رکعت دوسری سے لمبی ہو۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ابو یوسف کا ارشاد یہ ہے کہ پہلی دونوں رکعتیں برابر ہونی چاہئیں۔ البتہ نماز فجر کی پہلی رکعت دوسری سے لمبی ہو۔ اور امام محمد علیہ الرحمۃ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو پہلی رکعت کو لمبا کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی رکعت میں دعاء استفتاح و تعوذ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دوسری رکعت سے لمبی ہو جاتی ہے یعنی پہلی رکعت کا لمبا ہونا محض دعاء و تعوذ کی وجہ سے تھا۔ قراۃ کی وجہ سے نہ تھا۔ لہذا پہلی دونوں رکعتوں میں قرات مساوی ہونی چاہیئے چنانچہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ

يَقْرَاُ فِيْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ

نبی علیہ السلام نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں کی ہر رکعت

فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلٰثِيْنَ اٰيَةً (مسلم شریف) میں تیس آیت کے مقدار پڑھتے تھے۔

اس حدیث کی بناء پر امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اول کی دو رکعتوں میں قرأت برابر ہونی چاہیے (۴) فجر کی پہلی رکعت کو بہ نسبت دوسری کے دراز کرنا مسنون ہے اور فقہاء کرام نے اس کی مقدار یہ رکھی کہ پہلی دو تہائی اور دوسری میں ایک تہائی قرأت ہو (عالمگیری)

(۵) ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کرنا واجب ہے اور اس حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام کبھی ہم کو قرأت سنا بھی دیتے تھے اور نسائی میں براء بن عازب کی روایت میں ہے کہ حضور کے پیچھے ہم نے ظہر کی نماز پڑھی اور سورہ لقمان و ذاریات کی بعض آیتیں سنیں۔ ابن خزیمہ عن انس میں ہے کہ آپ نے سورہ اعلیٰ اور غاشیہ پڑھی اور یہی دو آیتیں سنا بھی دیں —— تو حضور کا یہ فعل دراصل تعلیم امت کے لئے تھا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت ہے اور یہ کہ فلاں سورۃ کا پڑھنا افضل و مستحب ہے۔ چنانچہ بعض احادیث میں حضور کا بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا بھی مروی ہے۔ حالانکہ بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ لہٰذا ان احادیث کو اس امر کی دلیل بنا لینا درست نہیں ہے کہ سری نمازوں میں بعض اوقات جہر مطلوب ہے (۶) حدیث زیر بحث سے یہ بھی واضح ہوا کہ ظہر و عصر کی نماز میں آہستہ قرأت کرنا اور فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ملانا واجب ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ اُمَّ الْفَضْلِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ وَالْمُرْسَلَاتِ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ وَاللّٰهِ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِيْ بِقِرَاءَتِكَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ اِنَّهَا لَاٰخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ۔

(۲) عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قَالَ لِيْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَا لَكَ تَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِطُوْلَى الطُّوْلَيَيْنِ

باب نماز مغرب میں قرأت کے متعلق

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ام الفضل نے جب میں نے مغرب میں سورہ مرسلات پڑھی تو فرمایا اے بیٹے تو نے یہ سورت پڑھ کر مجھے حضور علیہ السلام کی قرأت یاد دلا دی۔ میں نے حضور کو مغرب کی نماز میں آخری بار یہ سورت پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

مروان بن حکم کہتے ہیں۔ کہ مجھ سے حضرت زید بن ثابت نے کہا تمہیں کیا ہوا کہ تم نماز مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو۔ حالانکہ میں نے حضور علیہ السلام کو مغرب میں طولی الطولیین پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام بخاری نے مغازی میں، مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا اور نسائی نے تفسیر میں بھی۔ اور حدیث دوم کو ابوداؤد و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ (۱) طولی الطولیین کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے۔ دو لمبی سورتوں سے زیادہ لمبی۔ مطلب یہ کہ آپ نے نماز مغرب میں لمبی سورت پڑھی۔ ویسے اس کے متعلق متعدد قول ہیں۔ نسائی و بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس سے مراد سورہ اعراف ہے۔ بعض نے کہا انعام۔ ابن بطال نے کہا اعراف و انعام کو وہ لوگ طولیین کہتے تھے۔

(۲) اس حدیث سے واضح ہوا کہ مغرب میں اگر بڑی سورت مثل اعراف و انعام و مرسلات پڑھی جائے تو جائز ہے لیکن چھوٹی سورتوں کا پڑھنا مسنون ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ مغرب میں قصار مفصل پڑھے۔ امام ترمذی

نے کہا ان العمل علی هذا عند اهل العلم اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ اور امام ثوری و نخعی و عبد اللہ بن مبارک، و امام اعظم ابو حنیفہ، ابو یوسف و محمد و احمد و مالک و اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ اس مسئلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے نماز مغرب میں والتین والزیتون پڑھی (بخاری)

(۲) ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور نے مغرب میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھی (ابن ماجہ بسند صحیح)

(۳) سیدنا صدیق اکبر نے نماز مغرب میں دو سورتیں قصار مفصل سے پڑھیں (عبد الرزاق) مزید تفصیل کے لئے عینی جلد ۳ صہ ۸ ملاحظہ کیجئے۔

(۴) حدیث زیر بحث سے وقت مغرب کا امتداد ثابت ہوا۔ اور امام شافعی کے اس قول کی تردید ہوگئی۔ کہ مغرب کے وقت کی مقدار صرف اتنی ہے کہ تین رکعتیں ادا ہو جائیں اس کے بعد عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے

بَابُ الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ (بخاری)

باب مغرب کی نماز میں جہر کرنا

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھ رہے تھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے جہاد و تفسیر میں ذکر کیا۔ اور ابو داؤد و ابن ماجہ نے صلاۃ میں۔ نسائی نے صلوٰۃ و تفسیر میں ذکر کیا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ مغرب کی نماز میں جہر سنت ہے اور عمداً جہر کو ترک کرنا ترک سنت ہے اور سہواً اگر جہر کیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔

بَابُ الْجَهْرِ فِي الْعِشَاءِ

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ سَجَدْتُ خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ

عَنْ عَدِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ

باب عشا کی نماز میں جہر کرنا

حضرت ابو رافع سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی تو انہوں نے اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ (تلاوت) کیا۔ میں نے ان سے پوچھا یہ سجدہ کیسا؟ انہوں نے کہا میں نے حضرت ابو القاسم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس سورت میں سجدہ کیا میں تو ہمیشہ اس میں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ آپ سے ملوں۔

حضرت عدی سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت براء سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک سفر میں تھے تو آپ نے عشاء کی نماز کی دو رکعتوں میں سے ایک میں سورہ والتین والزیتون پڑھی۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى ثَنَا مِسْعَرٌ ثَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَاءَ

باب عشاء کی نماز میں قرات کا بیان

ہم سے خلاد بن یحیی نے بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے مسعر نے کہا مجھ سے عدی بن ثابت نے بیان کیا انہوں نے

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ

حضرت براء سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ عشا کی نماز میں سورہ والتین والزیتون پڑھ رہے تھے۔ اور میں نے آپ سے کسی کو خوش آواز پایا اور نہ قاری۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ بِالسَّجْدَةِ

باب عشا کی نماز میں سجدہ والی سورت پڑھنا

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فَقُلْتُ مَا هٰذِهِ قَالَ سَجَدْتُ فِيْهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ فِيْهَا حَتّٰى أَلْقَاهُ (بخاری)

حضرت ابو رافع سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہ کے ساتھ نماز عشا پڑھی تو انہوں نے نماز میں سورہ اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا۔ میں نے کہا یہ سجدہ کیسا؟ انہوں نے کہا میں نے اس سورت میں ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا اور میں ہمیشہ اس سورت میں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ آپ سے ملوں۔

فوائد و مسائل یہ احادیث مسائل ذیل پر مشتمل ہیں (۱) عشا کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں امام کو جہر سے قرات کرنا ضروری ہے (۲) سورہ انشقاق میں سجدہ ہے (۳) بحالت سفر حسب ضرورت قرات میں تخفیف کی جا سکتی ہے (۴) آیت سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے (۵) نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو نماز ہی میں سجدہ کر لینا چاہیے۔

نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے مسائل سجدہ تلاوت نماز میں فورا کرنا واجب ہے۔ تاخیر کریگا گنہگار ہوگا اور اگر سجدہ کرنا بھول گیا تو جب تک حرمت نماز میں ہے یعنی کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو منافی نماز ہے کر لے۔ اگرچہ سلام پھیر چکا ہو اس صورت میں سجدہ سہو بھی کرے۔ نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو اس کا سجدہ نماز ہی میں کرنا واجب ہے۔ بیرون نماز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر قصداً نماز میں سجدہ نہ کیا تو گنہگار ہوگا توبہ کرے۔

قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ لَقَدْ شَكَوْكَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلٰوةِ قَالَ أَمَّا أَنَا فَأَمُدُّ فِي الْأُوْلَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ وَلَا آلُوْ مَا اقْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَدَقْتَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ أَوْ ظَنِّيْ بِكَ (بخاری)

حضرت عمر نے سعد سے کہا کہ کوفہ والوں نے تمہاری ہر بات میں شکایت کی یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ سعد نے کہا۔ میں تو عشا کی پہلی دو رکعتوں میں لمبی قرات کرتا ہوں اور پچھلی دو میں قرات ترک کرتا ہوں۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی پیروی کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ حضرت عمر نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ تم سے یہی گمان ہے یا میرا تم سے یہی گمان ہے۔

یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ عشا کی پہلی دو رکعتوں میں قرات لمبی ہو اور آخری دونوں میں مختصر یا حذف پر عمل کیا جائے یعنی پچھلی رکعتوں میں خاموش رہا جائے۔ عینی ج ۳ ص [illegible]

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

باب صبح کی نماز میں قرات کا بیان

وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطُّوْرِ

اور حضرت ام سلمہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ طور پڑھی۔

اس تعلیق کو امام نے کتاب الحج میں وصل کیا ہے اگرچہ اس میں نماز فجر کا ذکر نہیں ہے۔ مگر تعلیل کی روایت میں نماز فجر کی تصریح ہے — اس کے بعد امام نے ایک اور حدیث لکھی ہے۔ جس میں عنوان کے مناسب یہ لفظ

وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَوْ إِحْدَاهُمَا مَا بَيْنَ السِّتِّيْنَ إِلَى الْمِائَةِ

ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز فجر کی دو رکعتوں میں یا ایک رکعت میں ساٹھ آیتوں سے لے کر سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔

نماز فجر میں حضور علیہ السلام نے متعدد سورتوں کی تلاوت فرمائی ہے۔ سورہ طور، ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک، سورہ حاقہ۔ طبرانی، الم تنزیل۔ سورہ ق (مسلم) سورہ صافات۔ سورہ واقعہ۔ اذا زلزلت ایک روایت میں معوذتین کا پڑھنا بھی مروی ہے۔ عینی ج ۳ ص ۸۸

جس سے واضح ہوتا ہے کہ حسب موقع و محل قرأت کی جا سکتی ہے اور یہ کہ قرأت میں مقدار معین شرط نہیں ہے۔ کہ ضرور کوئی لمبی یا مختصر سورت ہی پڑھی جائے۔ البتہ حضور علیہ السلام نے جن سورتوں کو جن نمازوں میں پڑھا ہے انہیں پڑھنا بہرحال افضل ہے۔

إِنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ يُقْرَأُ فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْمَعْنَاكُمْ وَمَا أَخْفٰى عَنَّا أَخْفَيْنَا عَنْكُمْ وَإِنْ لَّمْ تَزِدْ عَلٰى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ہر نماز میں قرأت کرنا چاہیئے۔ پھر جس نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنایا (جہر سے قرأت کی) ہم نے بھی تم کو سنایا اور جس میں آپ نے چھپایا (آہستہ پڑھا) ہم نے بھی تم سے چھپایا اور اگر تو صرف سورہ فاتحہ پڑھے تو بھی کافی ہے اور اگر زیادہ پڑھے تو اچھا ہے۔

فوائد و مسائل

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) ہر نماز میں قرآن کی قرأت واجب ہے۔ اس میں ان کا رد ہے جو ظہر و عصر میں وجوب قرأت کے قائل نہیں ہیں (۲) جن نمازوں میں حضور علیہ السلام نے قرأت بالجہر کی ان میں جہر واجب ہے اور جن میں آپ نے آہستہ قرأت کی ان میں آہستہ آہستہ قرأت ضروری ہے حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام ہمیں نماز پڑھاتے تو بعض میں جہر سے قرأت فرماتے اور بعض نمازوں میں آہستہ تو آپ نے مغرب و عشاء و فجر و جمعہ و عیدین کی نمازوں میں جہر سے قرأت فرمائی اور ظہر و عصر اور مغرب کی تیسری اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں آہستہ قرأت فرمائی (طحاوی) (۳) اس حدیث کے ظاہر سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا کہ الحمد کے ساتھ سورت کا پڑھنا مستحب ہے اور احناف کے نزدیک الحمد کے ساتھ سورۃ یا تین آیتوں کا ملانا واجب ہے۔ اور متعدد حدیثوں سے وجوب ثابت ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

(۱) لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ مَعَهَا

نماز نہیں ہوتی مگر الحمد کے ساتھ سورۃ ملانے سے

(۲) امرنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان نقرء الفاتحة وما تیسر (ابوداود)

(۳) لا تجزئ صلاة الا بفاتحة الکتاب و معها غیرها (وفی لفظ) وسورة فی فریضة او فی غیرها (ابن عدی فی الکامل)

(۴) لاصلوٰة لمن لم یقرء بالحمد وسورة فی فریضة او غیرها (ابن ماجه وترمذی)

(۵) لاتجزی المکتوبة الا بفاتحة الکتاب وثلاث آیات فصاعدًا (رواه احمد وبیهقی)

ہمیں حضور نے حکم دیا کہ ہم الحمد کے ساتھ جو قرآن آسان ہو پڑھیں۔

نماز صحیح نہیں جب تک کہ الحمد کے ساتھ سورت نہ ملائی جائے۔ فرض نماز ہو یا نفل۔

نماز اس وقت تک درست نہیں جب تک الحمد کے ساتھ کوئی سورت نہ ملائی جائے فرض ہو یا نفل۔

فرض نماز اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ الحمد کے ساتھ تین آیتیں یا اس سے زیادہ نہ پڑھی جائیں۔

چنانچہ احناف نے ان تمام حدیثوں پر عمل کیا اس لئے سورہ فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ کو واجب قرار دیا۔

بَابُ الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

وَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ طُفْتُ وَرَاءَ النَّاسِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ طَائِفَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ عَامِدِيْنَ اِلٰى سُوْقِ عُكَاظٍ وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الشَّيٰطِيْنِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَاُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيٰطِيْنُ اِلٰى قَوْمِهِمْ فَقَالُوْا مَا لَكُمْ قَالُوْا حِيْلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَاُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ قَالُوْا مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ اِلَّا شَيْءٌ حَدَثَ فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَانْظُرُوْا مَا هٰذَا الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ فَانْصَرَفَ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ تَوَجَّهُوْا نَحْوَ تِهَامَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدِيْنَ اِلٰى سُوْقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّيْ بِاَصْحَابِهٖ صَلٰوةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا

باب صبح کی نماز میں جہر سے قرأت کرنا۔

اور حضرت ام سلمہ نے کہا میں نے لوگوں سے پرے ہو کر کعبہ کا طواف کیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم (اس وقت) نماز پڑھا رہے تھے اور سورہ طور کی تلاوت کر رہے تھے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کئی ایک صحابہ کے ہمراہ عکاظ کے بازار میں جانے کی نیت سے چلے۔ ان دنوں شیطان آسمان کی خبر لینے سے روک دیئے گئے تھے اور ان پر شعلوں کی مار ہونے لگی تھی۔ تو وہ اپنے لوگوں کی طرف لوٹ آئے۔ انہوں نے پوچھا کیوں کیا بات ہے۔ وہ کہنے لگے آسمان کی خبریں ہم سے روک دی گئی ہیں اور ہم پر شعلے برسائے گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جو آسمان کی خبر تم سے روک دی گئی ہے اس کی وجہ کوئی نئی بات ہے تو تم زمین کی مشرقوں اور مغربوں میں سب طرف پھر کر دیکھو کون سی نئی بات ہوئی ہے جس کی وجہ سے آسمان کی خبر تم سے روک دی گئی ہے۔ بعد وہ سب طرف پھرنے لگے ان میں جو جنات تہامہ کی طرف نکلے تھے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ پہنچے۔ آپ اس وقت نخلہ میں تھے۔ عکاظ کے بازار میں جانے کا قصد رکھتے تھے اور اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے جب ان جنوں نے قرآن سنا تو ادھر کان لگا دیا اور کہنے

سَمِعُوا الْقُرْاٰنَ اِسْتَمَعُوْا لَهٗ فَقَالُوْا هٰذَا وَاللّٰهِ الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ فَهُنَالِكَ حِيْنَ رَجَعُوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَقَالُوْا يٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَاِنَّمَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ۔

(بخاری)

لگے خدا کی قسم یہی وہ چیز ہے کہ جس کے سبب ہم سے آسمان کی خبر روک دی گئی ہے۔ اسی موقع پر جب وہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹ کر گئے تو کہنے لگے۔ اے ہماری قوم ہم تو عجیب قرآن سن کر آئے ہیں، جو ہدایت کا راستہ بتلاتا ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ تب اللہ تعالے نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت اتاری قل اوحی الی اور جنوں نے جو بات کہی تھی، وہ وحی سے آپ کو بتلادی گئی تھی۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے تفسیر میں اور مسلم نے صلاۃ میں ترمذی و نسائی نے تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ (۲) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ معراج سے پہلے کا ہے (۳) عکاظ زمانہ جاہلیت کا ایک بازار تھا۔ جس میں ہر سال عرب مجتمع ہوتے اور اشعار کے ذریعہ ایک دوسرے کی ہجو کرتے اور مجلس عیش و نشاط قائم کرتے تھے۔ تہامہ مکہ مکرمہ کی زمین کو کہتے ہیں اور نخلہ کہ مکہ سے ایک رات کی مسافت پر ہے (۴) اسلام سے پہلے عرب میں جنوں کا تسلط تھا۔ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے بت خانوں کے عاملوں اور کاہنوں سے ان کی دوستی ہوتی تھی۔ اور یہ ان کو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے۔ جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ اللہ تعالی جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے۔ تو ملاء اعلی میں اس کا ذکر فرماتا ہے۔ ملاء اعلی والے اپنے نیچے کے فرشتوں میں اس کا ذکر کرتے اور اس طرح درجہ بدرجہ ہر آسمان کے فرشتوں کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بات وہاں پہنچتی جہاں سے نیچے دنیا کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

اسی آخری آسمان سے جن چھپ چھپا کر فرشتوں کی باتیں سن کر اور سو جھوٹ ملا کر جنوں کو بتاتے اور کاہن اس میں اور اضافہ کرکے انسانوں میں مشتہر کر دیتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے تو نظام آسمانی میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا اور جن اور شیاطین اوپر چڑھنے سے روک دیئے گئے۔ کیونکہ جب شیاطین اپنی سرحد سے بڑھ کر فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے۔ تو فوراً ایک چمکتا ہوا ستارہ شہاب ثاقب ٹوٹ کر ان پر گرتا اور جن کوئی آسمانی بات نہ سن سکتے۔

جب ٹوٹنے والے ستاروں کی بھرمار ہو گئی اور کاہنوں کے خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہو گئے تو آسمان کے اس انقلاب نے جنوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ سب نے کہا کہ یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔ جس کے سبب ہم آسمان تک نہیں پہنچ سکتے۔ آخر جنوں کی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ ساری دنیا کا گشت لگانا چاہیئے اور اس اہم واقعہ کو معلوم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جنوں کے ایک وفد نے یہ کام شروع کر دیا اور پوری زمین کو چھان ڈالا۔

ادھر حضور علیہ السلام قبائل میں دورہ کر کے تبلیغ اسلام فرما رہے تھے اور اسی تقریب سے عکاظ کے میلہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں رات کے وقت نخلہ میں قیام ہوا اور صبح کے وقت حضور اپنے اصحاب کے ہمراہ نماز فجر میں مصروف تھے اور قرآن کی آیتیں جہر کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت جو تفتیش حال کے لئے تہامہ کو

طرف آئی تھی۔ اس کا اس مقام پر گزر ہوا۔ جب جنوں کی اس جماعت نے حضور کی زبان مبارک سے قرآن کی آیتیں سنیں تو یکبار پکار اٹھی

هٰذَا الَّذِیْ حَالَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ (بخاری)

کہ یہی وہ نور حق ہے جو درخشاں ستاروں میں ہمیں نظر آتا ہے اور جس کے سبب ہم آسمان تک نہیں پہنچ سکتے۔

قرآن کی آیتیں سُن کر جنوں کی ایک جماعت اپنی قوم کی طرف واپس لوٹی۔ اور ان کو خاتم نبوت کے ظہور کی بشارت سنائی اور کہا

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا وَّلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا (قرآن شریف)

ہم نے عجیب وغریب کتاب ابھی سنی جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور اب ہرگز خدا کا کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔

اس واقعہ کے بعد سے جنوں کے اسلام لانے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور فوج در فوج جنات دربار رسالت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ جن کا ذکر متعدد احادیث میں موجود ہے۔ امام مسلم و احمد و ترمذی حضرت علقمہ سے راوی ہیں۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے لیلۃ الجن کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ کہ ایک دفعہ شب کو ہم نے حضور کو نہ پایا اور حضور کے اس طرح غائب ہو جانے نے ہم کو اضطراب وقلق میں مبتلا کر دیا اور رات بڑی بے چینی سے بسر ہوئی صبح کو ہم نے دیکھا کہ حضور غار حرا کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ ہمارے استفسار پر حضور نے فرمایا

اتانی داعی الجن فاتیتھم فقرأت علیھم فانطلق فارانا اثار نیرانھم (خصائص ج ۲ ص ۱۳۰)

رات جنوں کا قاصد آیا میں اس کے ساتھ گیا میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا اس کے بعد حضور ہم سب کو اس مقام پر لے گئے اور وہاں جنوں کے آگ جلانے کے نشانات دکھائے۔

(ہ) یہ جن جو قرآن سن کر ایمان لائے اور انہوں نے جو کچھ اپنی قوم سے جا کر کہا سورہ جن میں اسی کا تذکرہ ہے۔ حدیث بالا میں عنوان کے مطابق یہ جملے ہیں وھو یصلی باصحابہ صلاۃ الفجر الخ جس سے نماز فجر میں بلند آواز سے قرأت ثابت ہوئی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَرَءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَآ اُمِرَ وَسَکَتَ فِیْمَآ اُمِرَ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا وَلَقَدْ کَانَ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نماز میں جہر کا حکم ہوا آپ نے جہر کیا اور جس میں آہستہ پڑھنے کا حکم ہوا اس میں آہستہ پڑھا اور تیرا رب بھولنے والا نہیں اور تم کو اللہ کے پیغمبر کی پیروی تو اچھی پیروی ہے۔

یہ حدیث افراد بخاری میں سے ہے۔ اس میں جناب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے جو نماز کے مفصل احکام نہیں بیان فرمائے اس کی وجہ معاذ اللہ یہ نہیں ہے کہ اللہ عزوجل کو نسیان لاحق ہو گیا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنے احکام کی تشریح اور قرآن کے اجمال وابہام کی تبیین کا کام اپنے نبی کے سپرد فرمایا ہے اور امت کو آپ کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے احکام قرآنیہ کی تشریح وتفصیل اپنے قول وعمل سے فرمائی ہے وہ اپنی طرف سے تبیین کی ہے بلکہ اللہ عزوجل کے حکم اور اس کی رہنمائی

میں کی ہے۔ نمازوں میں بلند آواز سے یا آہستہ قرأت کرنا۔ یہ بھی بحکم خداوندی ہی ہے اور حضور علیہ السلام مرضی الٰہی کے ترجمان ہیں۔

بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ السُّوْرَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ وَّالْقِرَاءَةِ بِالْخَوَاتِيْمِ وَبِسُوْرَةٍ قَبْلَ سُوْرَةٍ وَّبِاَوَّلِ سُوْرَةٍ

باب۔ دو سورتیں ایک رکعت میں پڑھنا اور سورت کی آخری آیتیں پڑھنا اور ترتیب کے خلاف سورتیں پڑھنا اور سورت کی شروع کی آیتیں پڑھنا۔

یہ عنوان چار مسئلوں پر مشتمل ہے۔ اول ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا۔ دوم کسی سورت کا آخری حصہ پڑھنا سوم مصحف میں جس ترتیب سے سورتیں درج ہیں اس کے خلاف پڑھنا۔ مثلاً رکعت اول میں قل ھو اللہ پڑھنا اور دوسری رکعت میں کافرون پڑھنا یا پہلی رکعت میں آل عمران پڑھنا اور دوسری میں سورہ بقرہ پڑھنا۔ چہارم کسی سورت کے حصہ اول کو پڑھنا اور باقی کو چھوڑ دینا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَرَءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الصُّبْحِ حَتّٰى اِذَا جَآءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتْهُ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ

عبداللہ بن سائب سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں سورہ مومنون شروع کی یہاں تک کہ آپ موسٰی اور ہارون یا عیسٰے کے قصے پر پہنچے تو آپ کو کھانسی شروع ہوئی اور رکوع کر دیا۔

اس تعلیق کو امام نے بصیغہ مجہول ذکر کیا ہے جو تمریض کا صیغہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف ہے (۲) یہ حدیث عنوان کے جز چہارم کے مطابق ہے۔ یعنی یہ کہ کسی سورۃ کا اول حصہ نماز میں پڑھنا اور باقی کو چھوڑ دینا۔ حضور علیہ السلام نے نماز فجر میں سورہ مومنون تلاوت فرمائی جب آپ (ثم ارسلنا موسی و اخاہ ھارون) پر پہنچے تو آپ کو کھانسی آ گئی اور آپ نے یہیں تک قرأت کے بعد رکوع فرما لیا —— اس سے واضح ہوا کہ نماز فجر میں لمبی قرأت مستحب ہے۔ مگر نہ اس قدر بھی کہ مقتدی تنگ آ جائیں اور یہ بھی کہ سورۃ کے ایک حصہ کو پڑھ لینا اور باقی کو ترک کر دینا جائز ہے —— کہا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام تو کھانسی آ جانے کی وجہ سے پوری سورت نہ پڑھ سکے تھے۔ جواب یہ ہے کہ دوسری متعدد حدیثوں سے حضور کا کسی سورت کے بعض حصہ کو پڑھنے اور باقی کو ترک کر دینے کا ثبوت ملتا ہے۔

وَقَرَءَ عُمَرُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى بِمِائَةٍ وَّعِشْرِيْنَ اٰيَةً مِّنَ الْبَقَرَةِ وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الْمَثَانِيْ (بخاری)

حضرت عمر نے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کی ایک سو بیس آیتیں پڑھیں اور دوسری رکعت میں مثانی کی ایک سورت۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں وصل کیا۔ تیمی نے کہا مثانی وہ سورتیں ہیں جو سو آیت تک نہ پہنچیں بعض نے کہا وہ سورتیں جو سو آیتوں یا سو کے قریب آیتوں پر مشتمل ہوں مثانی ہیں۔

وَقَرَءَ الْاَحْنَفُ بِالْكَهْفِ فِي الْاُوْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِيُوْسُفَ اَوْ يُوْنُسَ وَذَكَرَ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ عُمَرَ الصُّبْحَ بِهِمَا (بخاری)

اور احنف نے صبح کی پہلی رکعت میں سورہ کہف پڑھی اور دوسری میں سورہ یوسف یا یونس پڑھی اور انھوں نے ذکر کیا کہ حضرت عمر کے ساتھ انہوں نے صبح کی نماز پڑھی حضرت عمر نے یہی سورتیں پڑھیں۔

یہ اثر عنوان کے جزو سوم کے مطابق ہے۔ یعنی پہلی رکعت میں ایک سورت پڑھنا اور دوسری رکعت میں پہلی والی سے اوپر کی سورت پڑھنا۔ لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمہ ہے۔ حدیث میں فرمایا جو قرآن الٹ کر پڑھتا ہے کیا خوف نہیں کرتا کہ اللہ اس کا دل الٹ دے۔ اور حضرت عمر کا اس طرح پڑھنا یا تو ممانعت سے قبل کا فعل ہے یا آپ نے بھول کر اس طرح پڑھا ہوگا۔ کیونکہ بھول کر خلاف ترتیب پڑھنے سے نہ گناہ ہے نہ سجدہ سہو۔

وَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ بِأَرْبَعِيْنَ آيَةً مِنَ الْأَنْفَالِ وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ (بخاری)

اور عبداللہ بن مسعود نے پہلی رکعت میں سورہ انفال کی چالیس آیتیں اور دوسری رکعت میں مفصل کی ایک سورت پڑھی۔

یہ اثر بھی عنوان کے جزو چہارم کے مطابق ہے یعنی کسی سورت کے بعض حصہ کو پڑھنا اور باقی کو چھوڑ دینا۔

وَقَالَ قَتَادَةُ فِيْمَنْ يَقْرَأُ بِسُوْرَةٍ وَاحِدَةٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ أَوْ يُرَدِّدُ سُوْرَةً وَاحِدَةً فِيْ رَكْعَتَيْنِ كُلٌّ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (بخاری)

اور قتادہ نے کہا اگر کوئی شخص ایک سورت دونوں رکعتوں میں پڑھے (آدھی آدھی ہر رکعت میں) یا ایک ہی سورت کو دونوں رکعتوں میں پڑھے۔ سب کی سب اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔

یہ حدیث عنوان کے کسی جزو کے مطابق نہیں ہے لیکن امام بخاری نے اس حدیث کے الفاظ (کل کتاب اللہ عزوجل) سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نماز میں قرآن خواہ کسی طرح بھی پڑھا جائے جائز ہے۔ کیونکہ وہ قرآن ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث عنوان کے تمام اجزا کے مطابق ہو جائے گی۔

(۳) وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُوْرَةً يَقْرَأُ بِهَا لَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ مِمَّا يَقْرَأُ بِهِ افْتَتَحَ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا ثُمَّ يَقْرَأُ بِسُوْرَةٍ أُخْرٰى مَعَهَا وَكَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ وَقَالُوْا إِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهٰذِهِ السُّوْرَةِ ثُمَّ لَا تَرٰى أَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتّٰى تَقْرَأَ بِأُخْرٰى فَإِمَّا تَقْرَأُ بِهَا وَإِمَّا أَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ بِأُخْرٰى فَقَالَ مَا أَنَا بِتَارِكِهَا إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أَؤُمَّكُمْ بِذٰلِكَ فَعَلْتُ وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ وَكَانُوْا يَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْ أَفْضَلِهِمْ وَكَرِهُوْا أَنْ يَؤُمَّهُمْ

اور عبیداللہ نے ثابت سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا کہ انصار میں سے ایک آدمی مسجد قبا میں انصار کی امامت کرتے تھے وہ جب ان سورتوں میں سے جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں کوئی سورت شروع کرتے تو پہلے قل ہو اللہ احد پڑھتے پھر وہ دوسری سورت اس کے ساتھ ملا کر پڑھتے اور ہر رکعت میں اسی طرح کیا کرتے تھے۔ ان کے مقتدیوں نے ان پر اعتراض کیا اور کہنے لگے۔ تم اس سورت یعنی قل ہو اللہ سے شروع کرتے ہو پھر کیا یہ سمجھتے ہو کہ یہ سورت کافی نہیں۔ جبھی تو دوسری سورت اس کے ساتھ ملاتے ہو۔ [illegible] یا تو یہی سورت قل ہو اللہ فقط پڑھا کرو یا اس کو چھوڑ کر کوئی دوسری سورت پڑھا کرو۔ وہ کہنے لگے کہ میں قل ہو اللہ کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ اگر تم راضی ہو تو میں تمہاری امامت کرتا ہوں اور اگر تم ناراض ہو تو میں امامت چھوڑ دیتا ہوں اور لوگ ان کو اپنے میں سب سے بہتر جانتے تھے اور دوسرے کی امامت ان کو ناپسند تھی

غَيْرَهُ فَلَمَّا أَتَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرُوهُ الْخَبَرَ فَقَالَ يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَفْعَلَ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ أَصْحَابُكَ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلَى لُزُومِ هَذِهِ السُّورَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَالَ إِنِّي أُحِبُّهَا قَالَ حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ

پس جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا تم اس طرح کیوں نہیں کرتے جس طرح تمہارے ساتھی تم سے کہہ رہے ہیں۔ اور آخر کس وجہ سے ہر رکعت میں اس سورۂ قل ہو اللہ کو پڑھتے ہو۔ وہ کہنے لگے مجھے اس سورت سے محبت ہے آپ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھ کو جنت دلادی۔

فوائد ومسائل (۱) ابوموسیٰ نے کتاب الصحابہ میں ذکر کیا کہ کان رجل من الانصار سے کلثوم بن ہدم مراد ہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرکے پڑھنا جائز ہے۔ حضرت سعید بن جبیر عطا و علقمہ۔ سوید بن غفلہ۔ ابراہیم نخعی۔ سفیان ثوری۔ امام اعظم ابوحنیفہ و مالک و شافعی و احمد کا یہی مسلک ہے۔ اور یہی حضرت عثمان و حذیفہ وابن عمر اور تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے (۲) اگر طبیعت کا رجحان خاص طور پر کسی سورت کی طرف ہو تو اس کو معین کرکے پڑھنا جائز ہے (۳) سورہ اخلاص کی سورت ہے (۴) جو سب سے افضل ہو وہ اما زیادہ مستحق ہے (۵) مقتدی جس کی امامت پر راضی نہ ہوں اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے (۶) حضور نے مذکورہ فی الحدیث شخص و جنت کی بشارت دی ہے جس سے واضح ہوا کہ حضور ان کے فعل سے راضی تھے۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ اللَّيْلَةَ فِي رَكْعَةٍ فَقَالَ هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِينَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ سُورَتَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ

(بخاری)

ہم سے عمرو بن مرہ نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا میں نے ابووائل سے سنا انھوں نے کہا کہ ایک آدمی ابن مسعود کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ میں نے رات کو مفصل کی تمام کی تمام سورتیں ایک رکعت میں پڑھ ڈالیں۔ ابن مسعود نے فرمایا جیسے اشعار جلد جلد پڑھے جاتے ہیں اس طرح پڑھا ہوگا۔ میں ان متناسب سورتوں کو جانتا ہوں۔ جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ پھر عبداللہ نے مفصل کی بیس سورتیں بیان کیں ہر رکعت میں دو دو سورتیں۔

یہ حدیث عنوان کے جزاول کے مطابق ہے۔ یعنی ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرکے پڑھنا۔ جاء رجل سے مراد نہیک بن سنان البجلی ہیں۔ نظائر نظیرہ کی جمع ہے۔ اس سے وہ سورتیں مراد ہیں جو آپس میں طول و قصر میں مشابہ ہوں۔ صاحب توضیح نے فرمایا نظائر وہ سورتیں ہیں جو عدد میں مشابہ ہوں۔ جیسے سورہ دخان کی ساٹھ آیتیں ہیں اور عم یتساءلون کی چالیس آیتیں ہیں۔ علامہ عینی نے لکھا کہ یہاں نظائر سے متقارب فی المقدار سورتیں مراد ہیں (۲) اس حدیث سے واضح ہوا کہ قرآن پاک اشعار کی طرح گا کر پڑھنا ممنوع ہے۔ ھذا کے معنی سرعت کے ہیں۔ قرآن جلدی جلدی پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں اور تدبر اور تفکر کرنے والے تدبر سے محروم رہ جائیں۔ درست نہیں (۳) حضرت ابن مسعود نے جن متناظر سورتوں کا ذکر کیا ان کے نام روایت ابوداؤد میں ہیں۔

سورہ رحمٰن اور نجم ایک رکعت میں
اقتربت اور حاقہ ایک رکعت میں
ذاریات اور طور ایک رکعت میں
واقعہ اور ن ایک رکعت میں
معارج اور نازعات ایک رکعت میں
ویل للمطففین اور عبس ایک رکعت میں
مدثر اور مزمل ایک رکعت میں
دھر اور قیامہ ایک رکعت میں
عم اور مرسلٰت ایک رکعت میں
کورت اور دخان ایک رکعت میں

بَابُ یَقْرَأُ فِی الْاُخْرَیَیْنِ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَأُ فِی الظُّہْرِ فِی الْاُوْلَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَسُوْرَتَیْنِ وَفِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَیُسْمِعُنَا الْاٰیَةَ وَیُطَوِّلُ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی مَالَا یُطِیْلُ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ وَهٰکَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰکَذَا فِی الصُّبْحِ

باب پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا

عبد اللہ بن ابی قتادہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے اور کبھی ایک آدھ آیت ہم کو سنا دیتے اور پہلی رکعت کو زیادہ لمبا کرتے بہ نسبت دوسری رکعت کے اور اسی طرح عصر کی نماز میں کرتے اور اسی طرح صبح کی نماز میں کرتے۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اس حدیث سے فرض کی آخری دو رکعتوں میں الحمد پڑھنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں۔

اِقْرَأْ فِی الْاُوْلَیَیْنِ وَسَبِّحْ فِی الْاُخْرَیَیْنِ (رواہ ابن مسند)

کہ میں پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرتا ہوں اور پچھلی دو میں تسبیح پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت جابر فرماتے ہیں۔

سنة القرأة فی الصلاة ان یقرأ فی الاولیین بام القرآن وسورة وفی الاخریین بام القرآن (طبرانی فی معجم)

سنت قرأۃ نماز میں یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں الحمد اور سورت پڑھی جائے اور آخری دو رکعتوں میں صرف الحمد پڑھی جائے۔

ان دونوں حدیثوں کو نقل کرکے علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے وهذا حجة علی من جعل قرأة الفاتحة من الفروض۔ یہ حدیثیں ان لوگوں پر حجت ہیں جو سورہ فاتحہ کے پڑھنے کو فرض قرار دیتے ہیں —— ظاہر ہے کہ اثر علی سے اتنی بات تو واقعی ثابت ہوتی ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں، لیکن اثر جابر سے علامہ عینی کا استدلال درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ حضرت جابر تو چاروں رکعتوں میں الحمد کو سنت قرأۃ قرار دے رہے ہیں۔

بَابُ مَنْ خَافَتَ الْقِرَاءَةَ فِی الظُّہْرِ وَالْعَصْرِ

باب ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کی جائے۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث خباب کو ذکر کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ حضور ظہر و عصر میں قرأت فرماتے تھے تو انہوں نے کہا ہاں۔ پوچھا گیا کہ تم کو حضور کی قرأت کیسے معلوم ہوئی تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور کی ریش مبارک کی حرکت سے یعنی ریش اقدس کی حرکت سے ہم نے یہ اندازہ کیا کہ حضور قرأت کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ ظہر و

عصر میں آہستہ قرات کی جائے ——— اور یہ بھی کہ قرات میں اتنی آواز ضروری ہے کہ اگر کوئی مانع متصل سماعت شور و غل نہ ہو تو خود سن سکے اگر اتنی آواز بھی نہ ہو تو نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح جن معاملات میں نطق کو دخل ہے۔ سب میں اتنی آواز ضروری ہے مثلاً جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا۔ طلاق و عتاق۔ استثناء۔ آیت سجدہ پڑھنے پر سجدہ تلاوت واجب ہونا۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک ہونٹ۔ زبان اور ڈاڑھی نہ ہلے اس وقت تک ایسی آواز سے قرات نہیں ہو سکتی کہ آدمی خود سن سکے۔ غرضکہ دل میں پڑھنا اور ایسے پڑھنا کہ خود نہ سن سکے تو اس طرح پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔

بَابٌ اِذَا اَسْمَعَ الْاِمَامُ الْاٰيَةَ

باب سری نماز میں امام کا مقتدیوں کو سنانے کے لئے کوئی آیت زور سے پڑھ دینا۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث قتادہ ذکر کی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد و سورت پڑھی۔ اور کبھی آپ ہم کو سورت کی کوئی آیت بلند آواز سے سنا دیتے تھے ——— اس حدیث سے غیر مقلد حضرات یہ استدلال کرتے ہیں کہ سری نماز میں امام کا کسی آیت کو زور سے پڑھ کر سنا دینا سنت ہے بلکہ کبھی کبھی ایسا کرنا ضروری ہے لیکن یہ استدلال اس لئے درست نہیں کہ حضور علیہ السلام کا کسی سورت کی ایک آیت کا کسی موقعہ پر بلند آواز سے پڑھ دینا تعلیم امت کے لئے تھا اور اس عمل کا اظہار بھی حضور سے شاذ و نادر ہی ہوا ہے۔

بَابٌ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى

باب رکعت اول کو لمبی کرنا

اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث قتادہ ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی پہلی رکعت دوسری سے لمبی کی تھی یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ سوم صہ پر گزر چکی ہے۔

بَابُ جَهْرِ الْاِمَامِ بِالتَّاْمِيْنِ
وَقَالَ عَطَاءٌ اٰمِيْنَ دُعَاءٌ

باب امام کا بلند آواز سے آمین کہنا اور حضرت عطاء نے فرمایا۔ آمین دعا ہے۔

آمین دعا ہے اور قرآن نے آہستہ دعا مانگنے کی تلقین کی ہے!

آمین کا دعا ہونا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دعا کی۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا

اللہ نے تم دونوں کی دعا قبول فرمائی۔

دیکھئے دعا تو حضرت موسیٰ نے کی تھی اور حضرت ہارون نے صرف آمین کہی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کی آمین کو بھی دعا قرار دیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آمین دعا ہے ——— اور دعا کو آہستہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً

اپنے رب سے عاجزی اور آہستہ سے دعا مانگو۔

دوسری جگہ فرمایا کہ اے محبوب رسول جب لوگ تم سے میرے متعلق پوچھیں۔

فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

تو ان سے بہت قریب ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

اس دعا کا مقصود بھی یہی ہے کہ دعا میں چیخنے چلانے اور آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ عزوجل شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لہٰذا دعا آہستہ مانگی جائے۔

علامہ رازی علیہ الرحمۃ نے ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ کی تفسیر میں لکھا۔ کہ اخفاء دعا میں معتبر ہے۔ اور اس پر متعدد دلائل ہیں۔ اول تو یہی آیت کہ اس میں اللہ عزوجل نے دعا کو آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اور ادعوا امر کا صیغہ ہے جس کا اول درجہ استحباب کا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا انہ لا یحب المعتدین۔ اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی جو دعا میں تضرع اور اخفا کو ترک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دوست نہیں رکھتا۔ لہٰذا معنی آیت یہ ہوں گے۔ جو لوگ دعا میں تضرع اور آہستگی کو اختیار نہیں کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول نہیں فرمائے گا۔ لہٰذا انہ لا یحب المعتدین وعید شدید ہے ان لوگوں کے لئے جو آہستہ دعا نہیں کرتے اور دوسری دلیل حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ہے جس کو قرآن مجید نے ذکر کیا اور ان کے اس فعل کی مدح فرمائی اذ نادی ربہ ندا خفیا اور ان کی دعا بھی خفیہ تھی۔ یعنی انہوں نے اپنی دعا کو سب سے چھپایا۔ اور صرف اللہ عزوجل کے حضور پیش کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی خفیہ دعا کرنے کی مدح فرمائی۔ اس سے واضح ہوا کہ آمین دعا ہے اور قرآن نے آہستہ دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا امام و مقتدی کو الحمد کے بعد آہستہ آمین کہنا مستحب ہے۔

اَمَّنَ ابْنُ الزُّبَیْرِ وَمَنْ وَّرَآءَهٗ حَتّٰی اِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّۃً (بخاری)

اور عبد اللہ بن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں آواز بلند ہو گئی۔

لجۃ کے معنی صوت مرتفع کے ہیں یعنی آواز کا بلند ہو جانا۔ ویسے غیر مقلد حضرات اس کا ترجمہ (مسجد گونج گئی) کرتے ہیں۔ اثر ابن زبیر سے آمین بالجہر کا استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں ہے۔ اول اس روایت میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے خارج نماز تلاوت کی گئی ہو اور سوال نماز میں آمین بالجہر کا ہے۔ دوم مسجد اس صورت میں گونجتی ہے جبکہ اس کی عمارت پختہ ہو اور گنبد وغیرہ بھی ہو۔ مسجد نبوی تو کچی مسجد تھی اور اس کی چھت چھپر کی تھی اس میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی۔ سوم کسی بھی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ صحابہ کرام نے حضور کی اقتدا میں نماز ادا کی ہو اور حضور علیہ السلام اور انہوں نے بلند آواز سے آمین کہی ہو۔ اس طرح خلفاء اربعہ کا بلند آواز سے آمین کہنا یا مقتدیوں کا خلفاء اربعہ کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور بلند آواز سے آمین کہنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں تفصیلی بیان آئے گا۔ اگر ثابت ہے تو صرف اس قدر کہ کبھی حضور نے بآواز تبلیغ کو آمین کہی ہے اور وہ بھی تعلیم امت کے لئے جیسا کہ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں تصریح کی ہے۔ اس کے علاوہ آمین کا دعا ہونا حدیث بخاری سے اور دعا کا خفیہ طور پر مانگنا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ایسی صورت میں اثر ابن زبیر واجب التاویل ہے اور اس کا محل خارج نماز قرار دینا چاہئے۔

وَکَانَ اَبُوْ هُرَیْرَۃَ یُنَادِی الْاِمَامَ لَا تَفُتْنِیْ بِاٰمِیْنَ (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ امام کو آواز دے کر کہتے کہ ایسا نہ ہو کہ میری آمین جاتی رہے۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا کہ حضرت ابو ہریرہ بحرین میں مؤذن تھے تو آپ امام سے کہتے کہ اتنی جلدی نہ کرنا کہ میری آمین جاتی رہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ آمین کہنا سنت ہے اور صحابہ کرام کو آمین کہنے کا کیسا کچھ شوق تھا۔

آمین کہنے پر امت کا اجماع ہے امام نووی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ قد اجتمعت الامۃ علی ان المنفرد یؤمن (نووی ج ۱ ص ۱۷۶) اس پر امت کا اجماع ہے (سورہ فاتحہ کے بعد) منفرد آمین کہے

[illegible] ہے کہ حضور علیہ السلام نے [illegible] آمین کے اور [illegible] کہتے ہیں

فَوَافَقَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ مسلم ج ا ص ۱۷۶

پس موافق ہو ایک ان دونوں کی دوسری کو تو اس کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے ماتحت لکھا کہ دیگر احادیث یا تو امام کے بارے میں ہیں یا مقتدی یا دونوں کے متعلق لیکن اس حدیث کے لفظ راوی قال احدکم میں منفرد بھی داخل ہو جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا نماز پڑھنے والا سب کو الحمد کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔ باعث برکت و موجب رحمت ہے۔

وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَدَعُهٗ وَيَحُضُّهُمْ وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِيْ ذٰلِكَ خَبَرًا (بخاری)

اور نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمر آمین کو نہیں چھوڑتے تھے۔ بلکہ لوگوں کو اس کے کہنے کی رغبت دلاتے تھے اور میں نے اس کے متعلق ان سے ایک حدیث بھی سنی ہے۔

اس حدیث سے بھی آمین کہنے کی اہمیت و مشروعیت ثابت ہوئی کہ سیدنا ابن عمر آمین کہتے تھے اور لوگوں کو بھی آمین کہنے کی تلقین کرتے تھے۔ نیز اس حدیث سے آمین کہنے کی فضیلت تو ثابت ہوتی ہے مگر آمین بالجہر ثابت نہیں ہوتی۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهٗ تَأْمِيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اٰمِيْنَ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے گی۔ تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ ابن شہاب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آمین کہا کرتے تھے۔

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ گناہوں کی معافی اس نمازی کے لئے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو۔ ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم ان کی آمین نہیں سنتے۔ لہذا ہماری آمین بھی آہستہ ہونی چاہیئے۔ تاکہ فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے۔

بَابُ فَضْلِ التَّأْمِيْنِ

باب آمین کہنے کی فضیلت

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ اٰمِيْنَ وَقَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ فِي السَّمَآءِ اٰمِيْنَ فَوَافَقَتْ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى غُفِرَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ بخاری

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے اور فرشتے (جو آسمان پر آمین کہا کرتے ہیں وہ بھی آمین اور پھر دونوں آمینیں موافق ہو جائیں۔ تو اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

اس حدیث سے بھی آمین کہنے کی فضیلت ثابت ہوئی اور یہ بھی کہ آمین آہستہ کہی جائے۔ کیونکہ فرشتے بھی آمین آہستہ کہتے ہیں ان کی آمین ہمیں سنائی نہیں دیتی اور گناہوں کی معافی اسی کے لئے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو۔ —— واضح ہو کہ موافقت سے صرف موافقت فی الوقت مراد لینے پر حدیث میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ آمین کہنے کا وقت فوری ہے جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے۔

بَابُ جَهْرِ الْمَأْمُوْمِ بِالتَّأْمِيْنِ

باب مقتدی کا پکار کر آمین کہنا

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَإِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اس لئے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو جائے گا۔ تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

یہ اور اسی مضمون کی متعدد حدیثوں سے جس میں (قال۔ فقولوا) کے الفاظ آتے ہیں۔ آمین بالجہر کا استدلال کیا جاتا ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ قول کے ساتھ جب خطاب ہو اور اس میں اسرار اور اخفاء کی قید نہ ہو تو وہ جہر پر محمول ہوگا۔ لہذا حضور کا یہ فرمانا کہ فقولوا اس سے مراد یہی ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے اور جب امام بلند آواز سے آمین کہے گا تو مقتدی کو بھی امام کی متابعت میں بلند آواز سے آمین کہنا لازم ہے۔

لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ قولوا کے معنی بلند آواز سے کہنے کے کرنا غلط ہے۔ بلکہ اس کے معنی صرف یہی ہیں کہو تم۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے کہ جہاں بھی لفظ قول مطلق وارد ہو اس سے جہر مراد ہوگا تو قل ھو اللہ احد وقل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سے بھی جہر ثابت ہوگا اسی طرح احادیث میں آیا ہے۔

(۱) کہ جب صبح کو بیدار ہو تو یوں کہو (۲) جب بستر پر سونے کے لئے جاؤ تو یہ یوں کہو (۳) جب کھانا کھاؤ تو یوں کہو (۴) اور جب قرآن ختم کرو تو یوں کہو۔ تو ان مواقع پر جس قدر دعائیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ سب کی سب جہر پر محمول کرنی پڑیں گی۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے۔ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اسی طرح التحیات کے متعلق بھی لفظ قولوا آیا ہے یعنی قعدہ میں التحیات پڑھا کرو۔ بلحاظ مذکورہ بالا اصول کے مطابق ربنا لک الحمد اور التحیات کے متعلق بھی یہ کہنا چاہیے کہ ان کا بھی بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے۔ لہذا لفظ قولوا سے جہر کا استدلال درست نہیں ہے۔ اور قولوا کا مفاد صرف یہ ہے کہ آمین کہو۔ رہا یہ سوال کہ آمین جہراً کہی جائے یا سراً۔ یہ متعدد حدیثوں سے واضح ہے۔ کہ آپ نے آمین آہستہ کہی ہے (جیسا کہ آئندہ صفحات میں تفصیل آ رہی ہے)

مسئلہ آمین بالسر

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک یہ ہے۔ کہ الحمد کے ختم کرنے کے بعد امام و مقتدی و منفرد کو آہستہ آمین کہنا مسنون ہے۔ اور بلند آواز سے آمین کہنا سنت نہیں ہے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے دلائل یہ ہیں۔

حدیث اول حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہمراہ نماز پڑھی جب حضور علیہ السلام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پہنچے

قال آمین واخفی بہا صوتہ (مسند امام احمد) | تو آپ نے آہستہ آمین کہی

اس حدیث کو ابوداؤد، طیالسی۔ ابو یعلی موصلی۔ طبرانی۔ دارقطنی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

حدیث دوم۔ ابوداؤد۔ ترمذی و ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل سے روایت کی۔ کہ حضور علیہ السلام نے جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو

فَقَالَ اٰمِیْنَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ | تو آہستہ آمین کہی

بحث سماع علقمہ عن ابیہ

اس حدیث کی سند یہ ہے کہ عن شعبة عن سلمة بن کہیل عن علقمة عن وائل بن حجر، شعبہ کو عینی اور تقریب ابن حجر میں امام المحدثین لکھا ہے اور حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ غیر مقلد حضرات کی یہ عادت ہے کہ جب جواب نہ بن پڑے۔ تو وہ خواہ مخواہ حدیث کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس حدیث جس میں خفض بہا صوتہ ہے پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی سند میں علقمہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے والد سے نہیں سنا جیسا کہ تقریب میں یہ تصریح ہے۔ صدوق الا انہ لم یسمع من ابیہ لہذا یہ حدیث منقطع ہے قابل احتجاج نہیں ـــــ اس کے متعدد جواب ہیں۔ اول یہ کہ حدیث منقطع ہمارے نزدیک حدیث مرسل کی طرح حجت ہے۔ بشرطیکہ اس کے راوی ثقہ و عادل ہوں۔ امام ابن ہمام نے کتاب الحدود میں لکھا ہے ان الانقطاع عندنا داخل فی الارسال بعد عدالة الرواة اور ظاہر ہے کہ حدیث ہذا کے تمام راوی ثقہ و عادل ہیں۔ لہٰذا حدیث ہذا قابل عمل ہے۔ دوم یہ کہ حافظ علیہ الرحمۃ نے تقریب میں اگرچہ عدم سماع علقمہ کی تصریح کی ہے۔ مگر در اصل یہ نفی انہوں نے عدم اطلاع کی وجہ سے کی تھی اور دلیل اس کی یہ ہے، خود حافظ علیہ الرحمۃ نے دوسرے مقامات پر علقمہ کے سماع کا قول کیا ہے چنانچہ حافظ علیہ الرحمۃ تہذیب میں ترجمہ علقمہ میں لکھتے ہیں۔

حکی العسکری عن ابن معین انہ قال علقمہ بن وائل عن ابیہ	عسکری نے ابن معین سے حکایت کی کہ ابن معین نے کہا کہ روایت کی علقمہ بن وائل نے اپنے باپ سے۔

اور بلوغ المرام باب صفت الصلوٰۃ میں حدیث وائل صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان یسلم عن یمینہ کے متعلق لکھا ہے رواہ ابو داؤد باسناد صحیح یعنی ابو داؤد نے اس حدیث کو باسناد حسن روایت کیا۔ پس حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کا اس حدیث کی صحت اسناد کا حکم کرنا اس امر کو مستلزم ہے۔ یہ حدیث متصل ہے مرسل و منقطع نہیں ہے۔ اور ابو داؤد میں یہ حدیث بطریق علقمہ عن ابیہ ہی مروی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حافظ علیہ الرحمۃ کا مختار یہ ہی ہے کہ علقمہ کا سماع اپنے والد سے درست ہے نیز روایت علقمہ عن ابیہ از اجماع محدثین تحقیقی ثابت ہے۔ امام ترمذی کتاب الحدود باب ماجاء فی المرأة حدیث علقمہ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ علقمہ بن وائل بن حجر (سمع من ابیہ وھو اکبر) نے اپنے باپ سے سنا ہے۔ اور یہ اپنے بھائی عبد الجبار بن وائل سے بڑے ہیں۔ البتہ عبد الجبار کا سماع ثابت نہیں ہے۔

امام مسلم نے باب وجوب ملازمت جماعت المسلمین عند ظہور الفتن کے شروع میں حدیث محمد بن مثنی کی اسناد میں لکھا ہے عن علقمہ بن وائل الحضرمی عن ابیہ ظاہر ہے کہ امام مسلم اصول میں کوئی منقطع حدیث نہیں لاتے۔ پس امام مسلم کے نزدیک بھی سماع علقمہ عن ابیہ ثابت ہے۔ اسی طرح اکابر محدثین امام بخاری و صنعانی و ابن عبد البر و ترمذی و ابو المحاسن شارح ترمذی، قاسم بن قطلوبغا۔ علی قاری، شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے نزدیک بھی علقمہ کا سماع عن ابیہ درست ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث سوم حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں

وان الامام یقول آمین	اور امام بھی آمین کہتا ہے

احمد و نسائی صد۱ آثار السنن ج۱ ص۹۱

اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام بھی آمین کہتا ہے اور مقتدی کو بھی آمین کہنی چاہیے۔ اور آمین کا وقت سورہ فاتحہ

کے بعد ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ آمین آہستہ کہنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر آمین بلند آواز ہوتی تو حضور کو یہ فرمانے کی ضرورت نہ تھی کہ امام بھی آمین کہتا ہے۔ کیونکہ امام کی آمین تو خود ہی سنائی دیتی۔

حدیث چہارم۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا

اَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْاِمَامُ التَّعَوُّذُ وَالثَّنَاءُ وَالتَّسْمِيَةُ وَالتَّامِيْنُ (فتح القدیر)	چار چیزوں کو امام آہستہ کہے۔ اعوذ۔ سبحانک اللھم۔ بسم اللہ اور آمین

حدیث پنجم۔ حضرت حسن کہتے ہیں کہ سمرہ بن جندب و عمران بن حصین کا آپس میں مذاکرہ ہوا۔ سمرہ بن جندب نے حدیث بیان کی کہ میں نے حضور علیہ السلام سے دو سکتوں کو یاد رکھا ہے۔

سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (ابو داؤد)	ایک سکتہ جب آپ تکبیر کہتے اور دوسرا سکتہ جب آپ قراۃ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین سے فارغ ہوتے۔

تو حضرت سمرہ نے ان سکتوں کو یاد رکھا اور عمران نے اس کا انکار کیا۔ تو دونوں نے ابی بن کعب کو لکھا۔ تو حضرت ابی کعب نے سمرہ کی تصدیق کی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام تکبیر تحریمہ کے بعد سکوت فرماتے تھے ظاہر ہے کہ آپ کا تکبیر تحریمہ کے بعد سکوت فرمانا ثناء کو آہستہ پڑھنے کے لئے تھا اور دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد فرماتے تھے اور یہ سکتہ آمین آہستہ کہنے کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حضور آمین آہستہ کہتے تھے۔ ورنہ سورہ فاتحہ کے بعد سکوت فرمانے کی اور کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی —— اگر یہ کہا جائے کہ الحمد کے بعد حضور کا سکوت فرمانا دم لینے کے لئے تھا تو اس سے لازم آئے گا کہ مقتدیوں کی آمین امام کی آمین سے پہلے واقع ہو کیونکہ مقتدیوں کو تو امام کے ولا الضالین ختم کرنے کے بعد آمین کہنے کا حکم ہے۔ تو اب اگر حضور نے سکوت فرمایا اور مقتدیوں نے آمین کہی تو ان کی آمین امام کی آمین سے پہلے ہوگی۔ حالانکہ امام سے سبقت کرنا منع ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضور آمین آہستہ کہتے تھے اور آمین کا آہستہ کہنا ہی مسنون و مطلوب ہے۔

حدیث ششم (۶)

عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ لَا يَجْهَرَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّامِيْنِ (طحاوی و طبرانی)	حضرت ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت عمر و حضرت علی بسم اللہ، اعوذ، اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے

یہ اور اس مضمون کی دیگر احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ کہ الحمد کے بعد امام و منفرد و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی مسنون ہے اور اکثر صحابہ کرام کا اسی پر عمل ہے۔

تصریحات

حدیث ابوداؤد عن وائل ابن حجر میں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے جب ولا الضالین پڑھا تو آمین کہی وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ اور اپنی آواز بلند کی (۲) اور بعض روایات میں مد بہا صوتہ بھی آیا ہے۔ محدثین نے اس کے معنی اطال یعنی دراز کیا کے لکھے ہیں اور بعض محدثین نے مد سے مد عارضی جو اول کلمہ میں ہوتا ہے یا آخر کلمہ میں وہ مراد لیا ہے۔ یعنی یہ مد مقابل حذف کے ہے خفض کے مقابل نہیں ہے لہذا اس سے جہر ثابت نہیں ہوگا۔ ورنہ امام بخاری اس حدیث کو ضرور اپنی صحیح میں درج کرتے یا کسی علت قادحہ کے

سبب انھوں نے اس کو ترک کیا ہوگا۔ غرضکہ وائل بن حجر کی اصل روایت میں مَدَّ ہے کما فی الترمذی۔ جس کے معنے کھینچنے کے ہیں نہ کہ بلند آواز کے۔ لہٰذا رفع بہا صوتہ کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ یا یہ روایت بالمعنی ہے۔ بعض راویوں نے مد کی تفسیر رفع سے کر دی اور مد کے معنی اطالت کے ہیں یا مد عارضی کے۔ اور اگر بالفرض رفع کے بھی ہوں تو مراد اس سے اتنی بلند آواز ہے کہ صف اول میں سے جو امام کے قریب ہوں وہ سن لیں۔ اور یہ بات اخفاء کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات سری نمازوں میں بھی امام سے قریب والے امام کی قرأت سن لیتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید روایت ابوہریرہ سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے۔

قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول (ابوداؤد)

کہ حضور نے آمین کہی۔ حتی کہ جو صف اول میں آپ سے قریب تھا اس نے سن لی۔

غرضکہ رفع بہا صوتہ سے جہر کا استدلال صحیح نہیں ہے

(۲) واضح ہو۔ کہ آمین و قرأۃ خلف الامام و رفع یدین وغیرہ ایسے مسائل نہیں ہیں۔ جن کی بنیاد پر ایک دوسرے پر زبان طعن دراز کی جائے اور گمراہی و بے دینی کے فتوے دیئے جائیں۔ یہ فروعی مسائل ہیں اور سلف میں بھی ان کے متعلق دو رائیں تھیں اور ائمہ دین امام اعظم ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد رضی اللہ تعالٰے عنہم کے درمیان بھی ان مسائل میں اختلاف رہا ہے اور ہر ایک فریق نے کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر دیانت داری سے جو کچھ سمجھا ہے اس پر عمل کیا ہے۔

غیر مقلد وہابی ان مسائل میں جو غلو کرتے ہیں۔ حتی کہ بعض تو احناف پر حدیث رسول کو پس پشت ڈال دینے تک کا الزام لگاتے ہیں۔ یہ ان کی سخت نادانی ہے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔ ان مسائل میں غلو سے باز رہنا چاہیئے۔ ہم اہل سنت و جماعت کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ آمین و رفع یدین کرنے والوں کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے ہم ان فروعی مسائل کی بنیاد پر کسی کو گمراہ و بے دین نہیں قرار دیتے۔ البتہ غیر مقلد وہابیوں سے ہمارا اصل اختلاف عقائد کا اختلاف ہے جس کی بنا پر ہم انہیں حق پر نہیں سمجھتے۔

بَابُ اِذَا رَكَعَ دُوْنَ الصَّفِّ

باب صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کر لینا

عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّهٗ اِنْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ (بخاری)

حضرت ابوبکرہ سے مروی ہے کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے کہ آپ رکوع میں تھے۔ تو صف میں شامل ہونے سے پہلے انھوں نے رکوع کر لیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تیری حرص کو زیادہ کرے لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو ابوداؤد و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو امام کو جس حال میں پائے رکوع میں یا سجدہ میں یا قیام میں۔ تو وہ امام کی پیروی کرے اور ایک حدیث میں حضور نے فرمایا کہ

مَنْ وَجَدَنِيْ قائما او راكعا او ساجدا فليكن معي على الحالة التي انا عليها (عینی ج ۳ ص ۱۱)

کہ جو مجھ کو حالت قیام یا رکوع یا سجود میں پائے تو وہ میری اس حالت کی موافقت کرے جس پر میں ہوں۔

یعنی بھاگ دوڑ کر جماعت سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اطمینان سے جماعت میں شامل ہونا چاہیے۔ اور امام جس حالت میں ہو اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ پھر اگر امام کو رکوع میں پا لیا تو رکعت مل گئی بصورت دیگر سلام کے بعد اپنی نماز پوری کر لی جائے۔

(۲) علامہ خطابی نے فرمایا اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کی نماز درست ہے۔ کیونکہ جب اکیلا ہونے کی صورت میں نماز کا ایک حصہ جائز ہے۔ تو اس کے باقی سے بھی جائز ہونے چاہئیں۔ اور حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "پھر ایسا نہ کرنا" آنحضور نے جو افضل ہے اس کی طرف ہدایت دی ہے کہ افضل یہی ہے کہ جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھے۔ اگر اکیلے صف کے پیچھے نماز جائز نہ ہوتی تو حضور علیہ السلام اس کو دوبارہ پڑھنے کا حکم فرماتے (عون المعبود ج: ص ۲۵۴)

(۳) منیہ میں لکھا ہے کہ مقتدی کے لئے صف کے پیچھے کھڑا ہونا جب کہ صف میں جگہ ہو مکروہ ہے۔ احناف کی دلیل یہی حدیث ہے۔ حضور نے حضرت ابوبکرہ کو اکیلے کھڑے ہونے سے منع فرما دیا۔ یہ نہی تحریمی نہیں ہے ورنہ حضور علیہ السلام نماز کے دوبارہ پڑھنے کا حکم فرماتے۔

مقتدی کو صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے

مقتدی کو صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے جبکہ صف میں جگہ موجود ہو اور اگر صف میں جگہ نہ ہو تو حرج نہیں۔ اور اگر کسی کو صف میں سے اشارہ کر کے اپنے ساتھ کھڑا کرے تو یہ بہتر ہے۔ اشارہ سے اگر وہ پیچھے نہ ہٹے تو اس پر سے کراہت دفع ہو جائے گی (عالمگیری) اسی طرح منفرد کو بھی صف سے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ کیونکہ قیام و قعود وغیرہ افعال نماز لوگوں کے خلاف ادا کرے گا (فتح القدیر، عالمگیری)

(۴) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو امام کے ساتھ رکوع میں مل گیا اس کو رکعت مل گئی۔ دیکھئے رکوع میں ملنے والے پر قیام و تکبیر تحریمہ فرض رہی۔ یعنی رکوع میں ملنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ذرا دیر قیام کرے اور تکبیر تحریمہ کہے اس کے بعد امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو۔ اگر بغیر قیام و تکبیر کے امام کے ساتھ رکوع میں مل گیا تو فرض رہ جانے کی وجہ سے نماز ہوگی ہی نہیں۔ لیکن رکوع میں شامل ہونے والا الحمد و قرأت نہیں کرتا۔ جس سے واضح ہوا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے اور نہ قرآن کا کوئی حصہ پڑھنا ضروری ہے۔ کیوں اس لئے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے جبھی تو بغیر قرأت کئے اور بغیر الحمد پڑھے رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو جانے والے کو رکعت مل جاتی ہے۔ اور اس کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ ورنہ اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض یا واجب ہوتا تو رکوع میں ملنے والے کی نماز ہی نہ ہوتی چہ جائیکہ رکعت ملتی۔ فافہم

بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيهِ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ صَلَّى مَعَ عَلِيٍّ بِالْبَصْرَةِ فَقَالَ ذَكَّرَنَا هٰذَا الرَّجُلُ صَلَاةً كُنَّا نُصَلِّيهَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ

باب تکبیر یعنی اللہ اکبر کو رکوع میں ختم کرنا

یہ ابن عباس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے اور مالک بن حویرث نے بھی اس باب میں روایت کی ہے۔

عمران بن حصین سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بصرہ میں میں نے علی کے ساتھ نماز پڑھی۔ تو انہوں نے ہم کو وہ نماز یاد دلا دی۔ جو ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پھر کہا کہ حضرت علی جب سر

يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَفَعَ وَ كُلَّمَا وَضَعَ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلٰوةً بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِيْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلٰوةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُومُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ۔

بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيْرِ فِي السُّجُوْدِ

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ كَبَّرَ وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ أَخَذَ بِيَدِيْ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَقَالَ قَدْ ذَكَّرَنِيْ هٰذَا صَلٰوةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ لَقَدْ صَلّٰى بِنَا صَلٰوةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَجُلًا عِنْدَ الْمَقَامِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ وَإِذَا قَامَ وَإِذَا وَضَعَ فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ أَوَلَيْسَ تِلْكَ صَلٰوةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُمَّ لَكَ (بخاری)

اٹھتے اور جب سر جھکاتے اس وقت تکبیر کہتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ تو ہر جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہتے اور جب نماز پڑھ چکتے تو کہتے کہ میری نماز بہت مشابہ ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بہ نسبت تمہاری نماز کے۔

مجھ کو ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث نے خبر دی انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے پھر جب رکوع کرتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے پھر کھڑے ہی کھڑے ربنا لک الحمد کہتے۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کے لئے جھکتے۔ پھر جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر دوسرا سجدہ کرتے وقت اللہ اکبر کہتے۔ پھر سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہی ساری نماز میں کرتے رہے ہر رکعت میں تکبیریں، نماز پوری ہونے تک اور جب دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ کر اٹھتے اس وقت بھی تکبیر کہتے۔

باب سجدہ میں جا کر تکبیر کو پورا کرنا

حضرت مطرف بن عبد اللہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اور عمران بن حصین نے حضرت علی بن ابی طالب کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ جب سجدہ میں جاتے اللہ اکبر کہتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر کہتے جب نماز پڑھ چکے تو عمران بن حصین نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے آج اس شخص (حضرت علی) نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز مجھ کو یاد دلا دی یا یوں کہا اس شخص نے ہم کو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھائی۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ایک آدمی کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا وہ جب جھکتا اور اٹھتا اور جب کھڑا ہوتا اور جب سجدہ میں جاتا تو تکبیر کہتا میں نے تعجب کیا اور ابن عباس سے بیان کیا انہوں نے کہا اے تیری ماں مرے کیا یہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُودِ

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِينَ تَكْبِيرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّهُ أَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

باب سجدوں سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا

حضرت عکرمہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے مکہ میں ایک شیخ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے پوری نماز میں بائیس تکبیریں کہیں میں نے ابن عباس سے کہا یہ بوڑھا بے وقوف ہے۔ انہوں نے کہا تیری ماں تجھ پر روئے یہ تو حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

عنوانات کا مقصود یہ ہے کہ جب رکوع کے لئے جھکے اور تکبیر کہے تو اسی کو رکوع میں ختم کرے۔ اسی طرح سجدہ کے لئے جب تکبیر کہے تو سجدہ میں پہنچ کر ختم کرے (۱) زیر عنوان حدیثیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں (۲) تکبیرات انتقال یعنی رکوع و سجدہ وغیرہ کے لئے اللہ اکبر کہنا سنت ہے اور اس پر امت کا اتفاق ہے (۳) ہر رکعت میں پانچ تکبیریں ہوتی ہیں تو چار رکعتی نماز میں بیس تکبیریں ہوں گی اور تکبیر تحریمہ اور قعدہ اولیٰ سے اٹھنے کے وقت کی تکبیریں ملالیں تو ۲۲ ہو جاتی ہیں جن میں سوا تکبیر تحریمہ کے سب کی سنت ہیں اور تکبیر تحریمہ فرض ہے۔

بَابُ وَضْعِ الْأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ فِي الرُّكُوعِ

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ أَمْكَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ

عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ قَالَ سَمِعْتُ مُصْعَبَ بْنَ سَعْدٍ صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَيَّ فَنَهَانِي أَبِي وَقَالَ كُنَّا نَفْعَلُهُ فَنُهِينَا عَنْهُ وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ أَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ (بخاری)

باب رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا

اور ابوحمید نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جمائے

حضرت ابو یعفور سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے اپنے باپ بن ابی وقاص کے پہلو میں نماز پڑھی میں نے رکوع میں دونوں ہتھیلیاں ملالیں اور رانوں میں رکھ لیں میرے باپ نے مجھ کو منع کیا اور کہنے لگے پہلے ہم بھی ایسا کیا کرتے تھے پھر اس سے منع کئے گئے اور یہ حکم کئے گئے کہ ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھیں۔

عنوان سے رکوع میں ہاتھ رکھنے کا طریقہ اور اس کی کیفیت کا بیان مقصود ہے۔ حدیث زیر عنوان سے واضح ہوا کہ رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اچھی طرح جما کر رکھے اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں

رکوع کرنے کا طریقہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم

(۱) إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ (مسلم)

جب رکوع کرتے تو سر مبارک کو نہ اٹھاتے نہ جھکاتے بلکہ متوسط حالت میں رکھتے

(۲) وابصہ بن معبد کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا

إِذَا رَكَعَ سَوَّى ظَهْرَهُ حَتّٰى لَوْ صُبَّ عَلَيْهِ الْمَاءُ لَاسْتَقَرَّ (ابن ماجہ)

تو جب آپ رکوع کرتے تو پیٹھ کو ایسی برابر رکھتے کہ اگر آپ کی پیٹھ پر پانی ڈالا جائے تو پیٹھ پر ٹھہر جائے۔

(۲) حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

أَنَّهُ رَكَعَ فَجَافَى يَدَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ مِنْ وَّرَاءِ رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ (ابوداؤد و نسائی)

کہ انہوں نے رکوع کیا۔ تو اپنے ہاتھوں کو الگ کیا یعنی پہلو سے، اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا اور انگلیوں کو کشادہ کیا اور کہا میں نے حضور کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

ان احادیث سے واضح ہوا۔ رکوع میں گھٹنوں کو ہاتھ سے پکڑے اس طرح کہ ہتھیلیاں گھٹنے پر ہوں اور انگلیاں خوب پھیلی ہوئی ہوں اور پیٹھ کھنچی ہوئی ہو اور سر پیٹھ کے برابر ہو۔ اونچا نیچا نہ ہو۔

بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ الرُّكُوْعَ

قَالَ رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلًا لَّا يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَ مَا صَلَّيْتَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِيْ فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

باب جب رکوع اچھی طرح نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

زید بن وہب کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع و سجود پورے طور پر نہیں رکھتا تو انہوں نے کہا تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اگر تو مر گیا تو اس طریقہ پر نہیں مرے گا جو حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز کے ارکان میں تعدیل ضروری ہے۔ یعنی رکوع و سجود و قومہ و جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھہرنا۔ امام اعظم ابوحنیفہ و امام محمد کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے اور امام شافعی و ابویوسف کے نزدیک فرض ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ یہ فرماتے ہیں کہ صحیح طریقہ پر رکوع نہ کرنے والے کے متعلق جو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس نے نماز ہی نہیں پڑھی تو اس کا مقصود سرزنش میں مبالغہ کرنا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ تعدیل ارکان نہ کرنے والے کی نماز ہی باطل ہے۔

بَابُ اسْتِوَاءِ الظَّهْرِ فِي الرُّكُوْعِ

وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ فِيْ أَصْحَابِهِ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ (بخاری)

باب رکوع میں پیٹھ برابر رکھنا

اور ابوحمید نے اپنے ساتھیوں کے سامنے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا تو اپنی پیٹھ کو جھکا دیا۔

اس تعلیق کو امام نے باب سنۃ الجلوس فی التشہد میں پورے متن کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ رکوع میں پیٹھ اور سر برابر ہموار ہونے چاہئیں۔ حدیث ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے رکوع میں اپنے ہاتھوں کو کمان کی طرح کسا اور اپنے پہلوؤں سے جدا رکھا اور پیٹھ کے برابر سر رکھا نہ اونچا نہ نیچا۔

بَابُ حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوْعِ وَالْاِعْتِدَالِ فِيْهِ وَالْاِطْمَأْنِيْنَةِ

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِّنَ السَّوَاءِ (بخاری)

باب رکوع کو کمال تک پورا کرنے اور رکوع کے بعد کھڑے ہونے کا اور اطمینان کا بیان۔

حضرت براء سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدے اور سجدوں کے درمیانی جلسہ اور رکوع کے بعد کا قیام (قومہ) یہ سب قریب برابر تھے۔ سوا قیام اور تشہد کے قعود کے

فوائد و مسائل

اس حدیث کو مسلم و ترمذی و نسائی و ابو داؤد نے کتاب الصلاۃ میں ذکر کیا۔ قیام سے مراد۔ قرأت کا قیام ہے۔ جس میں الحمد و سورت پڑھتے ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے قیام و قعود زیادہ لمبے ہوتے۔ یعنی اتنے کہ جس میں قرآن پڑھا جا سکے اور قعدہ میں تشہد پڑھا جا سکے۔ لیکن رکوع و سجود اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ اور رکوع کے بعد قومہ یہ سب قریب قریب برابر ہوتے تھے۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ قومہ و جلسہ میں طمانیت کی مقدار تین دفعہ تسبیح کہہ لینے کی قدر ہو اور کم سے کم ایک تسبیح کہہ لینے کی قدر ٹھہرنا تو بہر صورت واجب ہے

بَابُ اَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهٗ بِالْاِعَادَةِ (بخاری)

باب حضور علیہ السلام کا اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دینا جو پورا رکوع نہ کرتا تھا۔

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے۔ جو باب وجوب القراءۃ للامام والماموم میں گذر چکی ہے حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آئے۔ نماز پڑھی۔ حضور کو سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا اور فرمایا جاؤ پھر نماز پڑھو تم نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ انہوں نے دوبارہ نماز پڑھی۔ حضور نے پھر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ آخر انہوں نے عرض کی۔ حضور میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ تو آپ مجھے نماز کا صحیح طریقہ بتا دیجئے

فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا (بخاری)

آپ نے فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو اللہ اکبر کہہ۔ پھر جو کچھ قرآن تجھ کو یاد ہو اور آسانی سے پڑھ سکے وہ پڑھ۔ پھر اطمینان کے ساتھ ٹھہر کر رکوع کر پھر رکوع سے اٹھ یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جا پھر اطمینان سے ٹھہر کر سجدہ کر پھر سجدہ سے سر اٹھا اور اطمینان سے بیٹھ۔ پھر اطمینان سے ٹھہر کر سجدہ کر پھر اسی طرح ساری نماز پڑھ

قومہ و جلسہ میں اطمینان کرنا

جب نمازی رکوع سے سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہوا کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کھڑا ہونے کو قومہ کہتے ہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان کو جلسہ کہتے ہیں۔ قومہ و جلسہ میں اطمینان و اعتدال ضروری ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ قومہ و جلسہ، رکوع و سجود میں اطمینان و اعتدال واجب ہے۔ بغیر اس کے نماز مکروہ تحریمہ ہوگی حضور علیہ السلام نے بار بار اسی لئے دوبارہ نماز پڑھوائی تاکہ ان کی نماز کامل طور پر ادا ہو جائے (۲) احمد و طبرانی کی حدیث میں حضرت قتادہ سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ شخص بہت برا ہے جو نماز میں چوری کرے۔ صحابہ نے عرض کی حضور نماز میں چوری کیسی؟ فرمایا نماز میں چوری یہ ہے کہ

قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا وَلَا يُقِيْمُ صُلْبَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَلَا فِي السُّجُوْدِ (احمد و سنن ص ۱۲)

رکوع و سجود پوری طرح نہ کرے اور اپنی پیٹھ کو رکوع و سجدہ میں برابر نہ رکھے

قومہ و جلسہ میں طمانیت کی مقدار

قومہ و جلسہ میں کم از کم طمانیت کی مقدار فقہاء احناف نے ایک تسبیح کہہ لینے کی قدر رکھی ہے۔ چنانچہ حدیث ابی حمید الساعدی میں ہے حتی یرجع کل فقار مکانہ۔ اور حدیث رفاعہ بن رافع میں ہے۔

فَاِذَا رَفَعْتَ رَاْسَكَ فَاَقِمْ صُلْبَكَ حَتّٰی تَرْجِعَ عِظَامُ اِلٰی مَفَاصِلِهَا (احمد)

جب رکوع سے سر اٹھائے تو اپنی پیٹھ کو یہاں تک سیدھی کر کہ ہر ہڈی اپنے اپنے جوڑ میں آجائے۔

تو ایک بار تسبیح کہنے کی قدر توقف ہو جس میں ٹھہرنے سے ہر ہڈی اپنے اپنے جوڑ میں آجاتی ہے۔ فافہم

(۲) اس حدیث سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہو گئی۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ رکوع و سجود میں تسبیح پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس شخص کو نماز کے واجبات کی تعلیم دی۔ مگر تسبیح کا ذکر نہ کیا اگر تسبیح واجب ہوتی۔ تو حضور اس موقع پر ضرور اس کی بھی تعلیم فرماتے۔ کیونکہ حاجت کے موقع پر تاخیر بیان جائز نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ رکوع و سجدہ میں تسبیح پڑھنا سنت ہے واجب نہیں ہے۔ پس اگر کسی نے سہواً یا عمداً رکوع میں تسبیح نہیں پڑھی تو نماز درست ہے گناہگار بھی نہ ہوگا البتہ اولیٰ کے ترک کا موجب ہوگا۔

بَابُ الدُّعَاءِ فِی الرُّکُوْعِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ رُکُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ (بخاری)

باب رکوع میں کیسا دعا کرے

حضرت عائشہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھتے تھے۔
سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ

رکوع و سجود میں دعا کے الفاظ

واضح ہو۔ رکوع و سجود میں حضور علیہ السلام سے متعدد دعاؤں کا پڑھنا منقول ہے۔ مثلاً (۱) مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ سبوح قدوس رب الملئکة والروح پڑھتے تھے (۲) ابوداؤد و ترمذی و نسائی میں عوف بن مالک سے مروی ہے کہ آپ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمة پڑھتے (۳) ابوداؤد و نسائی میں حضرت انس سے مروی ہے۔ کہ آپ رکوع میں دس بار سبحان ربی العظیم کہتے اور سجدہ میں دس بار سبحان ربی الاعلیٰ (۴) ابوداؤد و ابن ماجہ و مسند احمد میں عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ جب آیت فسبح باسم ربك العظیم اتری تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس آیت کے مضمون کو رکوع میں کرو اور جب آیت سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل ہوئی تو

اِجْعَلُوْهَا فِیْ سُجُوْدِكُمْ (مشکوٰۃ مدہ)

فرمایا اس کو اپنے سجدوں میں کرو

اسی طرح بعض احادیث میں اور دعائیں بھی منقول ہیں۔ اس بنا پر ابن امیر الحاج امام شافعی و احمد و اسحاق و داؤد نے فرمایا کہ احادیث میں جو دعائیں مذکور ہیں۔ ان میں سے جو چاہے پڑھ لے بشرطیکہ مقتدیوں پر بار نہ ہو اور سیدنا امام اعظم و ابو یوسف و محمد و احمد و ابراہیم و نخعی و حسن بصری فرماتے ہیں کہ رکوع میں سبحان ربی العظیم تین بار کہے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہے امام طحاوی نے فرمایا کہ تین بار سے کمی کرنا اچھا نہیں۔ غرضکہ رکوع و سجود میں تین بار تسبیح پڑھنا کمال کا ادنیٰ درجہ ہے۔ پانچ یا سات یا نو یا گیارہ بار پڑھنا پڑھنا افضل و بہتر ہے مگر مقتدیوں کی رعایت ضروری ہے کیونکہ حضور نے فرمایا

مَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ الضَّعِیْفَ وَالسَّقِیْمَ وَالْکَبِیْرَ وَذَا الْحَاجَةِ

جو کسی قوم کی امامت کرائے تو تخفیف کرے کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف بیمار اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔

رکوع و سجود میں تسبیح کی تعداد

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ وَاِذَا سَجَدَ فَلْيَقُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلٰثًا وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳)

جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو تین بار سبحان ربی العظیم کہے۔ اور سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ اور یہ تین بار کہنا ادنیٰ درجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ رکوع و سجود میں کم سے کم تین بار تسبیح کہنا ادنیٰ درجہ ہے اور اس میں کمی اچھی نہیں ہے۔ ذٰلک ادناہ سے واضح ہوا کہ تین بار سے زیادہ پڑھنا افضل و بہتر ہے (۲) واضح ہو کہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مختار یہ ہے کہ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے۔ گو کہ دیگر وہ دعائیں جو حضور سے منقول ہیں وہ بھی جائز ہیں مگر افضل و بہتر یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر دعاؤں کے متعلق جس قدر احادیث وارد ہیں وہ سب کی سب فعلی ہیں اور سبحان ربی العظیم و سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے کے متعلق قولی حدیث ہے جس کو فعل پر ترجیح ہونی چاہیے ——— رکوع و سجود میں تسبیح کا پڑھنا مسنون ہے (۳) اعلیٰ صیغہ اسم تفضیل ہے۔ سجدہ میں رکوع کی نسبت تواضع زیادہ ہے۔ حتی کہ پیشانی جو اعظم اجزاء سے ہے وہ بحضور رب العالمین جھک جاتی ہے۔ اس لئے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنا مناسب ہوا۔ اور رکوع میں اس درجہ کی عاجزی نہیں ہے اس لئے بحالت رکوع سبحان ربی العظیم پڑھنا مناسب ہوا۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ الْاِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهٗ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَكَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ يُكَبِّرُ وَاِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ (بخاری)

باب امام اور مقتدی رکوع سے سر اٹھانے کے وقت کیا کہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے تو کہتے اللھم ربنا ولک الحمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب دونوں سجدے کر کے کھڑے ہوتے تب بھی اللہ اکبر کہتے۔

یہ حدیث عنوان کے جز اول کے تو مناسب ہے مگر جز ثانی یعنی مقتدی بھی تسبیح و تحمید دونوں کہے۔ اس پر حدیث میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام و منفرد تسبیح اور تحمید دونوں کہے لیکن مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

بَابُ فَضْلِ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری)

باب اللھم ربنا ولک الحمد کہنے کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا ولک الحمد کہو کیونکہ جس کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہو جائے گا تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

امام و منفرد تسمیع و تحمید دونوں کہے

گذشتہ باب کی حدیث سے ثابت ہوا کہ جو امام ہو یا وہ شخص جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہے وہ تسمیع و تحمید دونوں کہے اور اس عنوان کی حدیث سے واضح ہوا کہ مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے۔ اسی طرح حدیث انس میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا امام اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی کہو جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو جب وہ سر اٹھائے تم بھی اٹھاؤ۔

واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد واذا سجد فاسجدوا (بخاری و مسلم)

جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم (مقتدی) ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

بابٌ۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَاُقَرِّبَنَّ صَلٰوةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَکَانَ اَبُوْهُرَیْرَةَ یَقْنُتُ فِی الرَّکْعَةِ الْاٰخِرَةِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَصَلٰوةِ الْعِشَآءِ وَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ بَعْدَ مَا یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَیَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَلْعَنُ الْکُفَّارَ

باب۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں تمہاری نماز نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کے قریب قریب کردوں گا۔ تو ابو ہریرہ ظہر کی اخیر رکعت میں اور عشاء کی اخیر رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد مسلمانوں کے لئے دعا کرتے اور کافروں پر لعنت کرتے۔

(۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ الْقُنُوْتُ فِی الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ (بخاری)

حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ دعائے قنوت فجر اور مغرب کی نماز میں پڑھی جاتی تھی۔

شوافع نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے قبل قنوت کے قائل ہیں اور سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ قنوت صرف وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہمیشہ پڑھنا سنت ہے۔

نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی بحث

اس مسئلہ کی چند حدیثوں پر غور کیجئے

(۱) قَالَ لَمْ یَقْنُتْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْفَجْرِ قَطُّ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لِاَنَّهٗ حَارَبَ حَیًّا مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ فَقَنَتَ یَدْعُوْا عَلَیْهِمْ (فتح القدیر باب الوتر)

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز میں کبھی قنوت نہیں پڑھی۔ مگر ایک مہینہ جبکہ ایک قبیلہ مشرکین سے آپ مصروف جہاد تھے اور ان کی ہلاکت کی دعا فرماتے تھے۔

علامہ ابن ہمام نے فرمایا ھذا الحدیث لاغبار فیہ۔ اس حدیث میں کچھ غبار نہیں۔

(۳) اور حضرت انس نے عاصم احول کے سوال کے جواب میں کہا۔

اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا اِنَّهٗ کَانَ اُنَاسًا یُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّآءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِیْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ شَهْرًا یَدْعُوْ عَلَیْهِمْ (بخاری و مسلم ص ۲۳۴)

حضور نے قنوت صرف ایک ماہ پڑھی جبکہ آپ نے ستر قاریوں کو تبلیغ کے لئے بھیجا تھا اور وہ شہید کر دیئے گئے۔ اس پر آپ رکوع کے بعد ان کفار کی ہلاکت کی دعا فرماتے تھے۔

(۴) امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ و بزار و طبرانی و بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے قبیلہ رعل و ذکوان کی ہلاکت کے لئے قنوت پڑھی۔

فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَیْهِمْ تَرَکَ الْقُنُوْتَ (طحاوی)

پھر جب آپ ان پر غالب آگئے تو ترک فرما دی

إِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لَمْ يَقْنُتْ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ (بزار)

قنوت ایک ماہ تک پڑھی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہیں پڑھی۔

(۵) ابوداؤد و نسائی نے حضرت انس سے روایت کی کہ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهٗ

حضور علیہ السلام نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھی پھر ترک فرما دی۔

(۶) ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابومالک اشجعی سے روایت کی کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ تعالے عنہم کی اقتدا میں (کوفہ میں تقریباً پانچ سال) نماز پڑھی کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے

قَالَ يَا بُنَيَّ مُحْدَثٌ

تو انہوں نے جواب دیا یہ بدعت ہے اے بنی ہمیشہ قنوت پڑھنا،

ان احادیث سے واضح ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقع پر قنوت پڑھی ہے اس کے بعد ترک فرما دی ہے۔ لہٰذا جن حدیثوں میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے ان سے یہ استدلال کرنا کہ نماز فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھنا مشروع ہے۔ ایک غلط استدلال ہے۔ رہا یہ سوال کہ اگر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو قنوت پڑھی جائے یا نہیں۔ تو احتیاط اسی میں ہے۔ کہ قنوت نماز فجر میں نہ پڑھی جائے۔ بلکہ خارج نماز پڑھ لی جائے کیونکہ ثم ترکہ اور لم یقنت قبلہ ولا بعدہ سے تو یہی واضح ہوتا ہے۔ کہ پھر حضور نے خطرناک سے خطرناک موقع پر بھی قنوت نہیں پڑھی۔ اں حادثہ نازلہ کے موقع پر پڑھ لے تو جائز ہے کیونکہ حضرت علی کا جنگ صفین کے موقع پر اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالے عنہ کا جنگ کے موقع پر قنوت پڑھنا مروی ہے۔ لیکن نماز فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

عَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعِ الزُّرَقِيِّ قَالَ كُنَّا يَوْمًا نُصَلِّيْ وَرَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَالَ رَجُلٌ وَّرَآءَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ قَالَ أَنَا قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلَاثِيْنَ مَلَكًا يَّبْتَدِرُوْنَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ۔

حضرت رفاعہ بن رافع زرقی سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ ایک شخص (رفاعہ) نے آپ کے پیچھے یوں کہا ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا یہ کلام کس نے کیا تھا، وہ شخص بولا میں نے۔ آپ نے فرمایا میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا ہر ایک لپک رہا تھا کہ کون پہلے اس کو لکھتا ہے۔

یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے اس میں تحمید کی اہمیت و فضیلت کا اظہار ہے جب نمازی ربنا ولک الحمد کہتا ہے تو نیکیاں لکھنے والے فرشتوں میں ہر ایک اس نیکی کے لکھنے کے لئے سعی کرتا ہے۔

بَابُ الطُّمَأْنِيْنَةِ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ

باب رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اطمینان سے کھڑا ہونا۔

وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ رَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهٗ

عَنْ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ أَنَسٌ يَنْعَتُ لَنَا صَلٰوةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يُصَلِّيْ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ نَسِيَ

عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهٗ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَآءِ

عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يُرِيْنَا كَيْفَ كَانَ صَلٰوةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَاكَ فِيْ غَيْرِ وَقْتِ صَلٰوةٍ فَقَامَ فَأَمْكَنَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَمْكَنَ الرُّكُوْعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَانْصَبَ هُنَيَّةً قَالَ فَصَلّٰى بِنَا صَلٰوةَ شَيْخِنَا هٰذَا أَبِيْ يَزِيْدَ وَكَانَ أَبُوْ يَزِيْدَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ اسْتَوٰى قَاعِدًا ثُمَّ نَهَضَ۔

اور ابو حمید نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا اور سیدھے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ پیٹھ کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر آ گیا۔ حضرت ثابت سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت انس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز ہم کو پڑھ کر دکھاتے تھے تو نماز میں کھڑے ہوتے جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اتنی دیر تک کھڑے رہتے ہم کہتے کہ بھول گئے۔ حضرت براء سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدے اور رکوع سے سر اٹھا کر کھڑے رہنا اور دونوں سجدوں کے بیچ میں بیٹھنا قریب برابر ہوتا ہے۔ حضرت ابو قلابہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ مالک بن حویرث صحابی ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھاتے تھے اور وہ نماز کا وقت نہ تھا۔ مالک بن حویرث کھڑے ہوئے تو اچھی طرح کھڑے رہے۔ پھر رکوع کیا تو اچھی طرح کیا۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا تو تھوڑی دیر سیدھے کھڑے رہے۔ ابو قلابہ نے کہا تو مالک نے ہمارے اس شیخ ابو یزید کی طرح نماز پڑھی۔ ابو یزید جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو فوراً نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ سیدھے بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ تعدیل ارکان واجبات نماز سے ہے یعنی رکوع، سجود، قومہ، جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی قدر ٹھہرنا۔ اسی طرح رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔ جلسہ یعنی دو سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا کہ اعضاء سب کے سب اپنی جگہ آ جائیں۔ ان احادیث پر گذشتہ اوراق میں بحث ہو چکی ہے۔

عام طور پر لوگ تعدیل ارکان کا خیال نہیں رکھتے۔ رکوع و سجدہ پورے طریقہ سے نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے اور ہر مسلمان کو تعدیل ارکان کا خیال رکھنا چاہیے۔

بَابٌ يَهْوِيْ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ يَسْجُدُ

وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (بخاری)

باب سجدے کے لئے اللہ اکبر کہتا ہوا جھکے

اور نافع نے کہا کہ عبد اللہ بن عمر جب سجدہ میں جانے لگتے تو پہلے ہاتھ زمین پر ٹیکتے پھر گھٹنے۔

سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں کو پھر ہاتھ زمین پر رکھے

اس تعلیق کو طحاوی نے وصل کیا۔ امام مالک، اوزاعی و حسن کا مختار یہی ہے کہ جب سجدہ میں جائے تو پہلے زمین پر ہاتھ رکھے۔ پھر گھٹنے ٹیکے۔ اور حضرت فاروق اعظم و حضرت ابن مسعود و مسلم بن یسار، سفیان بن سعید، جمہور علماء و عامہ فقہاء و اہل کوفہ، محمد بن سیرین و امام شافعی و احمد و امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ

سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں کو اس کے بعد ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ علامہ ابن قیم نے بھی حدیث وائل بن حجر کو ترجیح دی ہے جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام

إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (رواہ الخمسہ) نیل الاوطار ج ۲ صہ ۲۵۱

جب سجدہ فرماتے تو پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے۔ اس کے بعد ہاتھ، جب سجدے سے اٹھتے تو پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے۔

علامہ ابن قیم نے دس وجوہ سے حدیث وائل کو ترجیح دی ہے جس میں ایک وجہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ گرے اور اونٹ جب بیٹھتا ہے تو پہلے اس کے دونوں ہاتھ زمین پر لگتے ہیں اور ٹانگیں کھڑی رہتی ہیں۔ اس کے بعد وہ ٹانگوں کو سمیٹ لیتا ہے۔ تو اگر سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جائیں اس کے بعد گھٹنے۔ تو یہ اونٹ کی طرح بیٹھنا ہوگا۔ اور اس سے حضور نے منع فرمایا ہے۔ لہذا سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے اس کے بعد ہاتھ زمین پر رکھنے چاہئیں۔ نیل الاوطار ج ۲ صہ ۲۵۴

إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ صَلٰوةٍ مِّنَ الْمَكْتُوبَةِ وَغَيْرِهَا فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهٖ فَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ قَبْلَ أَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ حِيْنَ يَهْوِيْ سَاجِدًا ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الْجُلُوْسِ فِي الْاِثْنَتَيْنِ وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَقُوْلُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنِّيْ لَأَقْرَبُكُمْ شَبَهًا بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كَانَتْ هٰذِهٖ لَصَلٰوتَهٗ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا قَالَا وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ يَدْعُوْ لِرِجَالٍ فَيُسَمِّيْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِيْ رَبِيْعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

حضرت ابوہریرہ ہر ایک فرض اور نفل نماز میں رمضان میں یا اور کسی مہینے میں جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے پھر رکوع کے وقت تکبیر کہتے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ پھر ربنا ولک الحمد سجدہ کرنے سے پہلے کہتے۔ پھر جب سجدہ کے لئے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے پھر جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر دوسرا سجدہ کرنے وقت اللہ اکبر کہتے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہتے پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر قعدہ کرکے کھڑے ہونے لگتے تو اللہ اکبر کہتے اور ہر رکعت میں ایسا ہی کیا کرتے نماز سے فارغ ہونے تک پھر نماز کے بعد فرماتے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم سب لوگوں میں میری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہے اور آپ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ ابوبکر اور ابو سلمہ دونوں نے کہا کہ ابوہریرہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے۔ تو سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد کہتے یہ کہہ کر چند لوگوں کے لئے ان کا نام لے کر دعا کرتے۔ آپ فرماتے یا اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور ایمان والوں کو جو کافروں کے ہاتھ پھنسے ہوئے تھے

اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ وَاَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِّنْ مُّضَرَ مُخَالِفُوْنَ (بخاری)

پھرادے یا اللہ مضر کے کافروں پر سخت مار کر اور ان پر ایسا قحط بھیج جیسا کہ حضرت یوسف کے زمانہ میں قحط ہوا تھا ابوہریرہ نے کہا اس زمانہ میں مشرق والے مضر کے لوگ آپ کے دشمن تھے۔

(۱) یہ حدیث اپنے مضمون میں واضح ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہے جب رکوع میں جائے تو تکبیر کہے۔ رکوع سے سر اٹھانے کے وقت سمع اللہ کہے پھر سجدہ میں جائے۔ سجدہ سے اٹھنے کے وقت بھی تکبیر کہے۔ اسی طرح اپنی سب نماز پوری کرے (۲) علامہ خطابی نے فرمایا اس میں اس امر کا ثبوت ہے کہ قنوت نازلہ رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھے۔ گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز میں قنوت پڑھی ہے۔ مگر اس کو ترک فرما دیا تھا۔ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ نماز میں قنوت نازلہ نہ پڑھی جائے (۳) اس کے بعد امام نے جو حدیث لکھی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام گھوڑے کی سواری سے فرش زمین پر جلوہ فرما ہوئے تو آپ کی دہنی جانب چھل گئی ہم لوگ آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے کہ نماز کا وقت آگیا آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی۔

قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔

نماز سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا کہ امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا و لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

بَابُ فَضْلِ السُّجُوْدِ

باب سجدہ کی فضیلت کے بیان میں

قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ هَلْ تُمَارُوْنَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُوْنَهٗ سَحَابٌ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَهَلْ تُمَارُوْنَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنَّكُمْ تَرَوْنَهٗ كَذٰلِكَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّتَّبِعُ الشَّمْسَ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّتَّبِعُ الْقَمَرَ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّتَّبِعُ الطَّوَاغِيْتَ وَتَبْقٰى هٰذِهِ الْاُمَّةُ فِيْهَا مُنَافِقُوْهَا فَيَاْتِيْهِمُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ اَنَا

سعید بن مسیب و عطا بن یزید نے کہا کہ ہم سے حضرت ابوہریرہ نے بیان کیا کہ لوگوں نے عرض کیا۔ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ حضور نے فرمایا تم چودھویں کا چاند دیکھتے ہو تم کو اس میں شک رہتا ہے جبکہ وہ بادلوں سے صاف ہو عرض کی نہیں یا رسول اللہ فرمایا کیا سورج دیکھنے میں تم کو شک رہتا ہے۔ جبکہ اس پر بادل نہ ہو۔ انہوں نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا تو اسی طرح تم اپنے رب کو بھی دیکھو گے۔ قیامت کے دن لوگ اٹھائے جائیں گے پھر پروردگار فرمائے گا۔ جو کوئی جس کو پوجتا تھا وہ اس کے ساتھ ہو جائے۔ تب کوئی تو سورج کے ساتھ ہو جائیگا اور کوئی چاند کے اور کوئی طواغیت کے ساتھ۔ اس امت کے لوگ مسلمان رہ جائیں گے ان میں منافق وغیرہ بھی ہوں گے

بُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَاْتِيَنَا رَبُّنَا فَاِذَا جَآءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَاْتِيْهِمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقُوْلُ اَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَنْتَ رَبُّنَا فَيَدْعُوْهُمْ وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يَّجُوْزُ مِنَ الرُّسُلِ بِاُمَّتِهٖ وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ اَحَدٌ اِلَّا الرُّسُلُ وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِيْ جَهَنَّمَ كَلَالِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ هَلْ رَاَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَاِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا اِلَّا اللّٰهُ تَخْطَفُ النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَّنْ يُّوْبَقُ بِعَمَلِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُوْا حَتّٰى اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةَ مَنْ اَرَادَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ اَمَرَ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِكَةَ اَنْ يُّخْرِجُوْا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَيُخْرِجُوْنَهُمْ وَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِاٰثَارِ السُّجُوْدِ وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ اَنْ تَاْكُلَ اَثَرَ السُّجُوْدِ فَيَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ فَكُلُّ ابْنِ اٰدَمَ تَاْكُلُهُ النَّارُ اِلَّا اَثَرَ السُّجُوْدِ فَيَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتَحَشُوْا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاۤءُ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ ثُمَّ يَفْرُغُ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاۤءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَيَبْقٰى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُوَ اٰخِرُ اَهْلِ النَّارِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ مُقْبِلًا بِوَجْهِهٖ قِبَلَ النَّارِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اصْرِفْ وَجْهِيْ عَنِ النَّارِ فَقَدْ قَشَبَنِيْ

پھر اللہ تعالےٰ ان کے پاس آئے گا اور فرمائیگا میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے ہم تو یہیں رہیں گے جب تک ہمارا رب آجائے جب ہمارا رب آئے گا ہم اس کو پہچان لیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے بیشک تو ہمارا رب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو بلائے گا اور پل صراط جہنم کے بیچوں بیچ میں رکھا جائے گا۔ تو میں سب پیغمبروں سے پہلے اپنی امت کو لے کر اس پر سے پار ہو جاؤں گا اس دن سوا پیغمبروں کے کوئی بات تک نہ کر سکے گا، اور پیغمبروں کی بات اس دن یہ دعا ہو گی یا اللہ بچائیو! بچائیو!! اور دوزخ میں سعدان کی شکل کے آنکڑے ہوں گے۔ کیا تم نے سعدان کا کانٹا دیکھا ہے؟ صحابہ نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا وہ آنکڑے سعدان کے کانٹے کی شکل کے ہوں گے مگر اتنے بڑے کہ اللہ ہی ان کی جسامت کو جانتا ہے وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے موافق جھپٹ لیں گے کوئی تو اپنے برے عمل کی وجہ سے بالکل ہلاک ہو جائے گا اور کوئی کچلتا چور ہو کر پھر بچ جائیگا جب اللہ تعالیٰ دوزخیوں میں سے بعضوں پر رحم کرنا چاہے گا تو فرشتوں کو حکم دیگا۔ کہ جو اللہ کو پوجتا تھا اس کو دوزخ سے نکال لو فرشتے ایسے لوگوں کو نکال لیں گے اور سجدوں کے نشانات سے وہ ان کو پہچانیں گے۔ اور اللہ نے دوزخ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدہ کا مقام نہیں کھا سکتی۔ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں۔ آدمی کا سارا بدن آگ کھالے گی لیکن سجدہ کا نشان نہیں کھائے گی۔ یہ لوگ کوئلہ کی طرح جلے ہوئے دوزخ سے نکلیں گے۔ پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا۔ تو اس طرح ابھر آئیں گے جیسے ' دانہ نالے کے کوڑے میں اگ پڑتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ بندوں کے فیصلہ جات (حساب کتاب) سے فارغ ہو جائے گا اور ایک شخص جنت اور دوزخ کے بیچ میں رہ جائے گا۔ وہ سب دوزخیوں کے بعد جنت میں جائے گا۔ اس کا منہ دوزخ کی طرف ہو گا۔ وہ عرض کریگا اے میرے رب میرا منہ دوزخ کی طرف سے

رِيحُهَا وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا فَيَقُولُ
هَلْ عَسَيْتَ إِنْ فُعِلَ ذٰلِكَ بِكَ أَنْ
تَسْأَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيَقُولُ لَا وَعِزَّتِكَ
فَيُعْطِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَا يَشَاءُ مِنْ
عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ فَيَصْرِفُ اللّٰهُ وَجْهَهُ
عَنِ النَّارِ فَإِذَا أَقْبَلَ بِهِ عَلَى الْجَنَّةِ
رَأَى بَهْجَتَهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ
يَسْكُتَ ثُمَّ قَالَ يَا رَبِّ قَدِّمْنِي عِنْدَ
بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُولُ اللّٰهُ لَهُ أَلَيْسَ قَدْ
أَعْطَيْتَ الْعُهُودَ وَالْمِيثَاقَ أَنْ لَا
تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنْتَ سَأَلْتَ فَيَقُولُ
يَا رَبِّ لَا أَكُونُ أَشْقَى خَلْقِكَ فَيَقُولُ
فَمَا عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيتَ ذٰلِكَ أَنْ لَا
تَسْأَلَ غَيْرَهُ فَيَقُولُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا
أَسْأَلُكَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيُعْطِي رَبَّهُ مَا شَاءَ
مِنْ عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ فَيُقَدِّمُهُ إِلَى بَابِ
الْجَنَّةِ فَإِذَا بَلَغَ بَابَهَا فَرَأَى زَهْرَتَهَا
وَمَا فِيهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُورِ فَيَسْكُتُ
مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَسْكُتَ فَيَقُولُ يَا
رَبِّ أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ فَيَقُولُ اللّٰهُ
عَزَّ وَجَلَّ وَيْحَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ
أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ
أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي أُعْطِيتَ فَيَقُولُ
يَا رَبِّ لَا تَجْعَلْنِي أَشْقَى خَلْقِكَ
فَيَضْحَكُ اللّٰهُ مِنْهُ ثُمَّ يَأْذَنُ
لَهُ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ فَيَقُولُ
تَمَنَّ فَيَتَمَنَّى حَتَّى إِذَا انْقَطَعَ أُمْنِيَّتُهُ
قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ زِدْ مِنْ كَذَا
أَقْبَلَ يُذَكِّرُهُ رَبُّهُ حَتَّى إِذَا انْتَهَتْ

پھیر دے کیونکہ اس کی بدبو مجھے مارے ڈال رہی ہے اور اس کی چمک مجھے جلائے دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اگر میں یہ کر دوں تو پھر تو کوئی اور درخواست نہیں کریگا۔ وہ عرض کریگا ہرگز نہیں تیری عزت کی قسم۔ اور جس جس طرح اللہ چاہے گا وہ عہد و پیمان کریگا۔ آخر اللہ تعالیٰ اس کا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دیگا۔ جب وہ بہشت کی طرف منہ کریگا تو وہاں کی بہار دیکھ کر جتنی دیر اللہ کو منظور ہے۔ خاموش رہے گا۔ پھر دوسرا معروضہ کریگا اے میرے رب مجھ کو جنت کے دروازے پر پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ اب میں کسی چیز کا سوال نہیں کروں گا۔ بندہ عرض کرے گا: پروردگار! بیشک، مگر کیا تیری مخلوق میں ایک میں ہی بدنصیب رہوں گا۔ ارشاد ہو گا اچھا اگر میں یہ درخواست بھی تیری پوری کر دوں تو پھر اور کچھ تو نہیں مانگے گا وہ کہیگا نہیں تیری عزت عزت کی قسم میں اس کے علاوہ اور کوئی تجھ سے سوال نہیں کروں گا اور پھر جو اللہ چاہے گا اس سے عہد و پیمان لیگا اور اس کو جنت کے دروازے کے قریب کر دیگا پس جب وہ جنت کے دروازے پر پہنچیگا۔ وہاں کی بہار، تروتازگی اور فرحت دیکھ کر جتنی دیر اللہ کو منظور ہے خاموش رہے گا۔ پھر تیسری بار درخواست پیش کریگا اے میرے رب مجھ کو جنت میں داخل کر دے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا اے آدم کے بیٹے تجھ پر افسوس ہے کمبخت وعدہ خلاف ہے کیا تو نے ایسے ایسے عہد و پیمان نہیں کیے تھے کہ اب میں اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں مانگوں گا۔ وہ کہے گا بے شک کیے تھے مگر میرے مالک! مجھ کو اپنی تمام مخلوق میں بدنصیب نہ بنا۔ اس پر اللہ عزوجل ضحک فرمائے گا پھر اس کو جنت میں جانے کی اجازت دے دے گا اور فرمائے گا کہ آرزوئیں کر پس وہ آرزوئیں کرے گا جب اس کی سب آرزوئیں ختم ہو جائیں گی۔ تو اللہ عزوجل فرمائے گا یہ بھی تو مانگ یہ بھی تو مانگ۔ خود پروردگار اس کو یاد دلائے گا۔ یہاں تک کہ

بِهِ الْاَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ وَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيُّ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ لَمْ اَحْفَظْهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَوْلَهُ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ اِنِّيْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ ذٰلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ (بخاری)

جب اس کی تمام آرزوئیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ سب تجھ کو دیں اور ان کے ساتھ اتنی ہی اور دیں ابوسعید خدری نے ابوہریرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث میں) یوں فرمایا تھا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا کہ یہ سب تجھ کو دیں اور ان کے ساتھ دس گنا اور دیں۔ تو ابوہریرہ نے کہا کہ مجھے تو یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو۔ آپ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ سب تجھ کو دیں اور اتنی ہی اور۔ ابوسعید نے کہا میں نے نبی علیہ السلام سے سنا آپ فرماتے تھے یہ سب تجھ کو دیں اور دس گنا اور۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صفۃ الجنۃ میں اور امام مسلم نے کتاب الایمان میں ذکر کیا (۲) عنوان کے مطابق حدیث کے صرف یہ لفظ ہیں وحرم اللّٰہ علی النار ان تاکل اثر السجود۔ جس سے سجدہ کی فضیلت نکلتی ہے۔ کہ جہنم کی آگ سجدہ کے نشان والی جگہ کو نہیں جلائے گی (۳) سجدہ میں بندہ کو اپنے رب سے انتہائی قرب ہوتا ہے اور یہ عاجزی کی انتہا بھی ہے کہ بندہ اپنے اعضا میں سے جو سب سے اکرم و افضل عضو ہے اسے بھی بارگاہِ خداوندی میں جھکا دیتا ہے اور اس نوع کی عاجزی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے اسی لئے غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی سخت حرام ہے اور سجدہ عبادت شرک ہے (۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن دیدار باری حق ہے۔ قرآن مجید میں ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ (۵) جنت دوزخ صراط حشر و نشر اور قیامت کے دن حساب و کتاب حق ہے (۶) نماز تمام اعمال خیر میں افضل و اکرم ہے (۷) اس حدیث میں بندوں کے ساتھ اللہ رب العزت جل مجدہ کے فضل و کرم کا بیان ہے کہ وہ حاکم مطلق ہے وہ جسے چاہے جس طرح چاہے اپنے بندوں کی بخشش فرمائے۔

طاغوت کے معنی طاغوت طغیان سے مشتق ہے اور مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ طغیان کے اصل معنی ظلم اور معاصی میں حد سے گزرنے کے ہیں۔ منجد ص۴۷۵ میں ہے۔ طغی الرجل اسرف فی الظلم والمعاصی دستور العلماء جلد دوم ص۲۷۵ پر ہے (الطغیان) مجاوزۃ الحد فی العصیان یعنی نافرمانی میں حد سے گزر جانے کو طغیان کہتے ہیں۔ چونکہ اصل معنی ہر مشتق میں ضرور ملحوظ رہتے ہیں۔ اس لئے اہل لغت و علماء مفسرین و محدثین نے طاغوت کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ھو فعلوت من طغی بالقلب کل راس فی الضلال او الساحر او الکاھن وصورۃ الکتابی۔ مجمع بحار الانوار جلد دوم ص۳۲۸ یعنی طاغوت فعلوت کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ طغی سے ماخوذ ہے۔ قلب مکانی کے ساتھ (یعنی یہ مقلوب العین واللام ہے) طاغوت ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو گمراہی میں سردار ہو یا ساحر یا کاہن یا سرکش اہل کتاب کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ منجد ص۴۷۵ میں ہے (الطاغوت) کل متعد کل راس ضلال الشیطان الصارف عن طریق الخیر کل معبود دون اللہ یعنی ہر اس شخص کو طاغوت کہتے ہیں جو حد سے گزر جانے والا ہے اور گمراہی کا ہر سردار طاغوت ہے۔ شیطان جو لوگوں کو خیر کے راستے سے پھیرنے والا ہے

طاغوت ہے۔ اور اللہ کے سوا ہر معبود کو طاغوت کہتے ہیں۔

لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اللہ کے سوا ہر معبود سے وہی معبود مراد ہے۔ جس میں طغیان کے یہ معنی یعنی ظلم اور معاصی میں حد سے گزرنا پائے جاتے ہوں، یا وہ معبود لوگوں کے ظلم و معاصی میں حد سے گزرنے کا سبب ہو سکے۔ جس میں طغیان کے یہ معنی نہ پائے جائیں، وہ طاغوت کی تعریف میں شامل نہیں۔ کیونکہ ہر مشتق میں اس کے اصل ماخذ اور مشتق منہ کے معنی کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ اشتقاق صحیح نہ ہوگا۔

فرشتوں اور رسولوں اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کے علاوہ ہر معبود من دون اللہ یا بذات خود ظلم اور معاصی میں حد سے متجاوز ہوتا ہے جیسے شیطان اور ساحر اور کاہن وغیرہ کہ ان کے طغیان میں کسی کو ذرہ بھر شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ یا اس تجاوز و طغیان کا سبب ہوتا ہے۔ جیسے اصنام و اوثان کہ ان چیزوں میں طغیان کے معنی صفت بحال متعلق کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ چونکہ بتوں میں طغیان کی یہ نجاست مبالغہ کے ساتھ پائی جاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مبالغۃً ان بتوں کو عین نجاست قرار دیا۔ اور قرآن مجید میں ارشاد فرمایا فاجتنبوا الرجس من الاوثان نجاست سے بچو جو عین اوثان ہے۔ بخلاف اللہ کے نیک بندوں کے کہ وہ طغیان اور سرکشی سے بالکل پاک ہیں۔ ان میں یہ تمرد اور سرکشی و خبث اور نجاست جو لوازم طغیان ہیں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی موجود نہیں۔ چہ جائیکہ مبالغہ کے ساتھ یہ صفات خبیثہ ان میں پائی جائیں اور جب طاغوت کے اصل ماخذ ہی سے اللہ کے نیک بندے پاک ہیں تو ان پر لفظ طاغوت کا بولنا کیسے جائز ہو سکتا ہے

حیرت و افسوس ہے کہ بعض دیوبندی مولوی ان انبیاء کرام اور فرشتوں پر بھی لفظ طاغوت بولتے اور لکھتے ہیں، جن کی عبادت کی گئی ہے۔ حالانکہ آج تک کسی نے بھی باوجود اس بات کے کہ بعض رسولوں اور فرشتوں کی عبادت کی گئی ہے۔ طاغوت نہیں کہا اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی ذوات قدسیہ طغیان کے اصل ماخذ ہی سے پاک ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کو طاغوت کہنا کسی طرح جائز ہی نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ تفسیر ابن عباس ص۳۰ پر ہے الطاغوت الشیطان انتہیٰ تفسیر خازن جلد اول ص۲۲۹ پر ہے فمن یکفر بالطاغوت یعنی بالشیطان وقیل هو الساحر والکاهن وقیل هو کل ما عبد من دون اللّٰہ تعالیٰ وقیل کل ما یطغی الانسان فهو طاغوت فاعول من الطغیان انتہیٰ۔ معالم التنزیل جلد اول صفحہ ۲۲۹ پر ہے فمن یکفر بالطاغوت یعنی بالشیطان وقیل کل ما عبد من دون اللّٰہ فهو طاغوت وقیل کل ما یطغی الانسان فاعول من الطغیان انتہیٰ تفسیر مدارک مصری جلد اول ص۱۳۰ پر ہے فمن یکفر بالطاغوت بالشیطان والاصنام انتہیٰ۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لفظ طاغوت کے تحت تفسیر کبیر جلد دوم ص۳۲۲ پر ارقام فرماتے ہیں ذکر المفسرون فیه خمسة اقوال (الاول) قال عمر ومجاهد وقتادة هو الشیطان (الثانی) قال سعید بن جبیر الکاهن (الثالث) قال ابو العالیة هو الساحر (الرابع)، قال بعضهم الاصنام (الخامس) انه مردة الجن والانس وکل ما یطغی (والتحقیق) انه لما حصل الطغیان عند الاتصال بهذه الاشیاء جعلت هذه الاشیاء اسبابا للطغیان کما فی قوله رب انهن اضللن کثیرا من الناس۔ انتہیٰ روح المعانی پارہ ۳ ص۱۲ پر ہے۔ فمن یکفر بالطاغوت ای الشیطان وهو المروی عن عمر بن الخطاب والحسین بن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم وبه قال مجاهد وقتادة وعن سعید بن جبیر وعکرمة انه الکاهن وعن ابی العالیة انه الساحر وعن مالک بن انس کل ما عبد من دون اللّٰہ وعن بعضهم الاصنام والاولی ان یقال بعمومه

سائر ما یطغی ویحمل الاقتصار علی بعض فی تلک الاقوال من باب التمثیل انتہی۔ بیضاوی شریف صفحہ ۱۴۲ پر ہے۔ (فمن یکفر بالطاغوت) بالشیطان او الاصنام او کل ما عبد من دون اللہ او صد عن عبادۃ اللہ فعلوت من الطغیان قلبت عینہ ولامہ انتہی۔ تفسیر ابو سعود جلد اول صفحہ ۴۰۵ پر اولیاءھم الطاغوت کے تحت رقم فرماتے ہیں ای الشیطان وسائر المضلین عن طریق الحق انتہی۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ بیضاوی شریف صفحہ ۱۴۲ پر اولیاءھم الطاغوت کے تحت رقم فرماتے ہیں ای الشیاطین او المضلات من الھوی و الشیطن وغیرھما۔ انتہی۔ ان تمام عبارات منقولہ میں طاغوت کے جو معنی بیان کئے گئے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ساحر و کاہن، شیطان و اصنام طاغوت ہیں اور ہر معبود من دون اللہ جو انسان کو گمراہ کرنے والا اور اس کی گمراہی کا سبب ہے قرآنی اصطلاح میں طاغوت کہا جاتا ہے۔ خیر سے روکنے والے اور طریق حق سے گمراہ کرنے والے سرکش جن اور انسان طاغوت ہیں۔ دیوبندی مولویوں نے بعض مقامات پر کل ما عبد من دون اللہ سے دھوکہ کھایا اور ما کے عموم میں ملائکہ و رسل کرام علیہم السلام کو شامل کر لیا مگر یہ نہ سمجھا کہ جن علماء و مفسرین نے طاغوت کے معنی بیان کرتے ہوئے کل ما عبد من دون اللہ لکھا ہے انہوں نے وہاں یہ تصریح بھی فرما دی ہے کہ طاغوت طغیان سے مشتق ہے جیسا کہ خازن معالم۔ کبیر، روح المعانی اور بیضاوی سے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ فعلوت من الطغیان یعنی طاغوت فعلوت کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے طغیان سے مشتق ہے۔ اور خازن و معالم دونوں تفسیروں میں صاف مرقوم ہے فلعول من الطغیان یعنی طاغوت فعلول کے وزن پر طغیان سے مشتق ہے۔ ان تصریحات کے ہوتے ہوئے ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی نہایت آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ لفظ طاغوت جب طغیان سے مشتق ہے تو اس میں طغیان کے معنی لازماً ہوں گے۔ اور چونکہ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اس لئے اس میں مبالغہ کے ساتھ طغیان کا ہونا ضروری ہے تو یہ بات کس قدر واضح ہے کہ کل ما عبد من دون اللہ کے جن افراد پر طاغوت صادق آئے گا ان میں مبالغہ کے ساتھ طغیان کے معنی کا ہونا یقینی امر ہے۔ اب بتائیے کہ ملائکہ کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مبالغہ کے ساتھ طغیان کا پایا جانا تو درکنار طغیان کا تصور بھی ان کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ما کے عموم میں وہ کس طرح شامل ہو سکتے ہیں؟ مفسرین کرام نے آفتاب سے زیادہ روشن عبارات میں تصریحات فرمائیں کہ طاغوت وہی ہے جس سے طغیان سرزد ہو اور وہ اس صفت طغیان کے باعث فی نفسہ مذموم و متمرد ہو۔ دیکھئے تفسیر روح البیان جلد ۱ صفحہ ۴۰۷ پر ہے (فمن یکفر بالطاغوت) ھو کل ما عبد من دون اللہ مما ھو مذموم فی نفسہ ومتمرد کالانس والجن والشیاطین وغیرھم فلا یرد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام انتہی۔ سبحان اللہ اس عبارت نے تو صداقت و حقانیت کے پرچم لہرا دیئے اور طاغوت وہابیت کے پرخچے اڑا دیئے۔ دیکھئے امام اجل علامہ اسماعیل بروسوی قدس سرہ العزیز نے طاغوت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ھو کل ما عبد من دون اللہ یہ عبارت بلفظہا وہی ہے جو گنگوہی صاحب کے شاگرد رشید نے بلغۃ الحیران میں لکھی ہے لیکن علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے "مما ھو مذموم فی نفسہ" الخ سے اس ما کا بیان کر دیا جس کے عموم میں مولوی حسین علی نے ملائکہ اور رسولوں کو شامل کر کے (معاذ اللہ) ان کو طاغوت کہنا جائز قرار دیا ہے علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ نے اس حقیقت کو اچھی طرح واضح فرما دیا کہ عبارت مذکورہ کل ما عبد من دون اللہ میں صرف وہی افراد شامل ہیں جن کے اندر طغیان کے معنی سرکشی و ظلم و عصیان ایسی حد سے تجاوز کرتا پائے جائیں اور وہ اس وصف ذمیم کی وجہ سے مذموم فی نفسہ ہوں جیسے انس و جن اور شیاطین (جو متمرد و مذموم ہیں) پھر فرماتے ہیں فلا یرد عیسیٰ علیہ السلام یعنی جب کل ما عبد من دون اللہ کے معنی یہ ہوئے کہ ہر وہ معبود من دون اللہ طاغوت ہے جو مذموم فی نفسہ اور متمرد و سرکش ہو تو اب یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ

جیسے عیسیٰ علیہ السلام بھی معبود من دون اللہ ہونے کی وجہ سے طاغوت ہیں۔ اس تقریر پر عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ و دیگر صالحین کرام، جن کی عبادت کی گئی، طاغوت کی تعریف میں اس لئے نہیں آتے۔ کہ طاغوت وہ معبود من دون اللہ ہے جو متمرد و سرکش اور مذموم فی نفسہ ہو۔ چونکہ وہ مقدسین مذموم فی نفسہ نہیں۔ اور ان میں کسی قسم کا تمرد وغیرہ نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا ان پر طاغوت کی تعریف صادق نہیں آتی۔ صاحب تفسیر روح البیان کی اس نورانی تفسیر سے شکوک و اوہام کی تمام ظلمتیں کافور ہو گئیں۔ اس بیان میں صاحب روح البیان منفرد نہیں بلکہ ہر مفسر نے اپنے مخصوص انداز میں اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ رسل و ملائکہ و دیگر صالحین اگرچہ ان کی عبادت کی گئی ہو مگر وہ پھر بھی طاغوت نہیں کیونکہ طاغوت وہی ہو سکتا ہے جس میں طغیان کے معنی پائے جائیں۔ دیکھئے روح المعانی پارہ ۳ ص۱۲ سے جو عبارت ہم نقل کر چکے ہیں اس کے طاغوت کے معنی میں بعض صحابہ و تابعین وغیرہم سے پانچ قول نقل کئے ہیں۔

۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا طاغوت شیطان ہے حضرت مجاہد و حضرت قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

۲۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ فرماتے ہیں طاغوت کاہن ہے ۳۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ طاغوت ساحر ہے۔

۴۔ اور حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ کل ما عبد من دون اللّٰہ کو طاغوت کہتے ہیں۔

۵۔ بعض مفسرین کا مذہب ہے کہ طاغوت اصنام ہیں۔

ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں والاولی ان یقال بعمومہ سائر ما یطغی ویحمل الاقتصار علی بعض فی تلک الاقوال من باب التمثیل۔ یعنی بہتر یہ ہے کہ لفظ طاغوت کو عام رکھا جائے اور اس کے مفہوم عام میں بقیہ ان تمام چیزوں کو شامل کر لیا جائے جو سرکش اور طاغی ہیں اور ان اقوال میں جو بعض افراد پر اقتصار کیا گیا ہے اسے باب تمثیل پر محمول کیا جائے۔

یہ عبارت اس مطلب میں صریح ہے کہ کل ما عبد من دون اللّٰہ سے وہی معبود من دون اللہ مراد ہیں۔ جن میں طغیان کے معنی پائے جائیں۔ ملائکہ اور رسل ہرگز مراد نہیں کیونکہ وہ طغیان سے پاک ہیں۔

امام فخر الدین رازی اور علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے اپنی تفسیروں میں طاغوت کے معنی میں پانچ قول نقل کئے ہیں چار میں دونوں متفق ہیں (۱) شیطان (۲) ساحر (۳) کاہن (۴) اصنام۔ پانچویں قول میں عنوان بیان مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا۔ کل ما عبد من دون اللّٰہ اور امام رازی نے اس کی بجائے فرمایا مردۃ الجن والانس وکل ما یطغی۔ طاغوت کی تفسیر میں کل ما عبد من دون اللّٰہ۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ لیکن امام رازی نے اس کی بجائے "مردۃ الجن والانس وکل ما یطغی" ارقام فرما کر واضح فرما دیا کہ ما عبد سے مراد سرکش اور متمرد جن و انس ہیں اور وہ چیزیں ہیں جو طاغی ہونے کے باعث مذموم فی نفسہ ہیں۔ دونوں عبارتوں میں صرف عنوان مختلف ہیں معنوں میں کوئی فرق نہیں۔

الغرض انبیاء و ملائکہ میں سے جن نفوس قدسیہ کو جاہلوں نے اللہ بنا لیا اور ان کی عبادت شروع کر دی ان کو طاغوت کہنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

سجدہ کے ضروری مسائل اور سجدہ کرنے کا طریقہ

فرائض نماز میں سے پانچواں فرض سجدہ ہے۔ سجدہ میں بندہ کو اپنے رب سے بہت ہی قرب ہوتا ہے اور یہ عاجزی کی انتہا بھی ہے کہ بندہ اپنے اعضا میں سے جو سب سے اکرم و اشرف ہے اسے بھی بارگاہ ایزدی میں جھکا دیتا ہے پیشانی کا زمین پر رکھنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا شرط ہے (۱) سجدہ میں جاتے تو زمین پر پہلے گھٹنے رکھے۔ پھر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی اور سجدہ سے جب اٹھے تو اس کا عکس کرے یعنی پہلے پیشانی اٹھائے پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے جیسا کہ حدیث ذیل سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام

إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (بخاری)

جب سجدہ فرماتے تو پہلے گھٹنے رکھتے پھر ہاتھ اور جب سجدے سے اٹھتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے۔

(۲) سجدہ میں منہ کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھے حضرت وائل کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے سجدہ کیا۔

سَجَدَ فَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ (مسلم)

تو اپنے چہرہ اقدس کو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔

زیلعی۔ نصب الرایہ ص۲

فَلَمَّا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ (طحاوی ص۱۵۱)

حضور نے سجدہ کیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھا۔

بَابُ يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ

باب۔ سجدہ میں دونوں بازو کھلے اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے۔

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ پہلو سے الگ رکھتے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

(۳) سجدہ میں دونوں ہاتھ پہلوؤں سے نہ ملائے جیسا کہ بخاری کی زیر عنوان حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ اور ابوداؤد میں ہے کہ

إِذَا سَجَدَ جَافَى عَضُدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ عمدۃ الرعایہ ص۱۸۳

حضور علیہ السلام جب سجدہ فرماتے تو اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھتے۔

إِذَا سَجَدَ جَافَى بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى لَوْ أَنَّ بَهِيمَةً أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ

(مسلم۔ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ)

حضرت میمونہ کہتی ہیں کہ حضور جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو پہلوؤں سے اتنا دور رکھتے کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے نیچے سے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا۔

یعنی سجدہ کے وقت کہنیاں پیٹ سے، ران پہلو سے اور زمین سے الگ ہوں اور سجدہ اتنا فراخ ہو کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ گذرنا چاہے تو گذر جائے۔

(۴) سجدہ میں بازو زمین پر نہ بچھائے مسلم میں براء بن عازب سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تو سجدہ کرے تو ہتھیلی کو زمین پر رکھ دے اور کہنیاں اٹھائے۔ حضرت انس سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا

اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ (بخاری)

سجدہ میں اعتدال کرو اور کتے کی طرح کلائیاں زمین پر نہ بچھاؤ۔

(۵) سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر رکھے کشادہ نہ رکھے۔ حضرت وائل فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام

إِذَا سَجَدَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ (ابن حبان۔ بلوغ المرام)

جب سجدہ فرماتے تو اپنی انگلیوں کو ملا لیا کرتے۔

بَابُ يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ

قَالَهُ أَبُوْ حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب سجدے میں دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھے۔ یہ ابوحمید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

(۶) سجدہ میں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے۔ جیسا کہ حدیث بخاری سے واضح ہے۔ حضرت ابوحمید نے

حضور کی نماز پڑھ کر دکھائی۔ تو جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا۔ نہ ہاتھوں کو بچھایا اور نہ ان کو پہلوؤں کے ساتھ ملایا۔

وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ (بخاری)

اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتا۔

فائدہ: اس حدیث سے فقہاء احناف نے یہ استدلال کیا کہ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ اسی صورت میں ہو سکتی ہیں۔ جبکہ پاؤں کی انگلیوں کے پیٹ زمین سے لگ جائیں۔ لہٰذا پاؤں کی ایک انگلی کے پیٹ کا زمین سے لگنا شرط ہے۔ تو اگر پاؤں زمین سے اٹھے رہے نماز نہ ہوئی اسی طرح اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی جب بھی نماز نہ ہوگی۔ پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے اور ہر پاؤں کی تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب ہے۔ اور دسوں انگلیوں کا قبلہ رخ ہونا سنت ہے۔ سجدہ کے ان مسائل سے عموماً لوگ ناواقف ہیں۔ خیال کرنا چاہیے۔

بَابُ السُّجُوْدِ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ

باب سات ہڈیوں پر سجدہ کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ وَّلَا يَكُفَّ شَعْرًا وَّلَا ثَوْبًا اَلْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منجانب اللہ حکم دیا گیا کہ آپ سات اعضاء پر سجدہ کریں اور کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں (وہ سات عضو یہ ہیں) پیشانی اور دونوں ہاتھ گھٹنے اور دونوں پاؤں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نَّسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ وَّلَا نَكُفَّ شَعْرًا وَّلَا ثَوْبًا (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم سات ہڈیوں پر سجدہ کریں اور نماز میں، بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹیں۔

(۶) سجدہ سات اعضاء پر کیا جائے۔ جیسا کہ بخاری کی زیر عنوان حدیث میں ہے۔ پیشانی۔ دونوں ہاتھ۔ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر سجدہ ہو۔ اسی لئے سجدہ میں ایک پاؤں کا اٹھانا مکروہ ہے۔

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الْاَنْفِ

باب۔ سجدے میں ناک بھی زمین سے لگانا چاہیے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَاَشَارَ بِيَدِهٖ عَلٰى اَنْفِهٖ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ کو سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ پیشانی پر۔ اور آپ نے ناک کی طرف اشارہ کیا۔ اور دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں پر اور یہ کہ ہم بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹیں۔

(۷) سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں زمین پر رکھے جیسا کہ بخاری کی زیر عنوان حدیث سے ثابت ہے اور حدیث ابو حمید میں ہے۔

ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْكَنَ اَنْفَهٗ وَجَبْهَتَهٗ مِنَ الْاَرْضِ (بخاری)

کہ حضور علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ تو اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھا۔

فتح القدیر میں بحوالہ ابو یعلیٰ و طبرانی کے الفاظ یہ ہیں کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ اَنْفَهٗ عَلَى الْاَرْضِ مَعَ جَبْهَتِهٖ (فتح القدیر ص۱۲)

حضور علیہ السلام جب سجدہ فرماتے تو پیشانی کے ساتھ ناک بھی زمین پر رکھتے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب بندہ سجدہ کرتا ہے۔ تو اس کے ساتھ سات اعضا سجدہ کرتے ہیں۔

وَجْهُهٗ وَكَفَّاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ (ترمذی)

منہ، دونوں ہاتھ۔ دونوں زانو۔ دونوں قدم

روایت مسلم عن ابن عباس کے لفظ یہ ہیں

الْجَبْهَةُ وَالْاَنْفُ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ

وہ سات اعضا پیشانی اور ناک دونوں ہاتھ۔ دونوں زانو دونوں قدم ہیں۔

(۸) مرد سجدہ میں اپنا پچھا اٹھائے یعنی عورت کی طرح سمٹ کر سجدہ نہ کرے۔ حضرت براء بن عازب نے سجدہ کر کے دکھایا تو

رَفَعَ عَجِيْزَتَهٗ وَقَالَ هٰكَذَا كَانَ يَفْعَلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم (نصب الرایہ ص۳)

اپنے پیچھے کو اٹھایا۔ اور کہا حضور علیہ السلام اسی طرح سجدہ کرتے تھے۔

(۹) عورت سمٹ کر سجدہ کرے یعنی بازو کروٹوں سے ملادے اور پیٹ رانوں سے اور رانیں پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام دو عورتوں پر گذرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ نے فرمایا۔

اِذَا سَجَدْتُّمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَى الْاَرْضِ

جب تم سجدہ کرو تو اپنے بعض اعضا کو زمین سے ملاؤ۔

اور بیہقی کی روایت کے یہ لفظ ہیں کہ

اِذَا سَجَدَتِ الْمَرْاَةُ اَلْصَقَتْ بَطْنَهَا بِفَخِذِهَا

عمدۃ الرعایہ ج۱ ص۱۶۸

جب عورت سجدہ کرے۔ تو پیٹ رانوں کے ساتھ لگ جائے۔

(۱۰) سجدہ میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھا جائے جیسا کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

وَاِذَا سَجَدَ فَلْيَقُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ (ابو داؤد ج۱ ص۱۳۲)

کہ جب تو سجدہ کرے تو سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

(۱۱) سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے اللہ اکبر کہے جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ سے ثابت ہے (بخاری و مسلم) مضمون حدیث گذشتہ اوراق میں متعدد بار گذر چکا ہے۔

(۱۲) پہلا سجدہ کر کے جب بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام

يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى

(مسلم، مشکوٰۃ ص۷۵)

بایاں پاؤں بچھاتے تھے۔ اور دایاں کھڑا کرتے تھے۔

اور حدیث ابو حمید ساعدی کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سجدہ کے

ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَيَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِيْ مَوْضِعِهٖ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَسْجُدُ۔ مشکوٰۃ ص۷۸

بعد سر کو اٹھاتے اور بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھتے۔ اس طرح کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر برابر ہو جاتی پھر آپ دوسرا سجدہ کرتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں تین بار تسبیح پڑھنے کے بعد سر اٹھائے۔ پھر ہاتھ اور داہنا قدم کھڑا کرے اور بایاں بچھائے اور اس پر خوب اچھی طرح بیٹھ جائے۔ حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ جائے —— اسی سے جلسہ کی مقدار بھی معلوم ہو گئی کہ دو سجدوں کے درمیان اتنا ٹھہرے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ جائے۔ اس کے بعد دوسرا سجدہ کرے۔

(۱۳) دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے وقت پہلے سر، پھر ہاتھ، پھر زانو اٹھائے۔ اور ہاتھ کو گھٹنوں پر رکھ کر پنجوں کے بل کھڑا ہو جائے جیسا کہ حدیث وائل میں ہے کہ حضور علیہ السلام

وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (آثار السنن ص۱۱)

(ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی و ابن ماجہ)

فَاِذَا نَهَضَ نَهَضَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلٰى فَخِذَيْهِ (ابوداؤد)

يَنْهَضُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ

عمدۃ الرعایہ ص۱۸۱ (ترمذی)

جب سجدہ سے اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔

جب حضور سجدہ سے اٹھتے تو گھٹنوں اور رانوں پر اعتماد کرتے ہوئے اٹھتے۔

حضور علیہ السلام نماز میں اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہوتے۔

بَابُ اِذَا لَمْ يُتِمَّ سُجُوْدَهٗ

عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهٗ رَاٰى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ قَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

باب سجدہ پورا نہ کرنا کیسا گناہ ہے۔

حضرت حذیفہ سے مروی ہے انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نہ تو رکوع پوری طرح کر رہا تھا اور نہ سجدہ۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہ نے اس سے فرمایا تو نے نماز ہی نہیں پڑھی (ابو وائل نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ حذیفہ نے یہ کہا کہ اگر مرے گا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نہیں مرے گا۔

حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ رکوع و سجدہ کا اتمام واجبات نماز سے ہے۔ رکوع و سجدہ کو پورے طور پر ادا نہ کرنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الْاَنْفِ فِي الطِّيْنِ

عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ انْطَلَقْتُ اِلٰى اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ فَقُلْتُ اَلَا تَخْرُجُ بِنَا اِلَى النَّخْلِ نَتَحَدَّثُ فَخَرَجَ قَالَ قُلْتُ حَدِّثْنِيْ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَالَ اعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهٗ فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ اِنَّ الَّذِيْ تَطْلُبُ اَمَامَكَ فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهٗ

باب کیچڑ میں بھی ناک زمین پر لگانا

حضرت ابو سلمہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابو سعید خدری کے پاس گیا اور کہا چلو کھجور کے باغ کی سیر کر آئیں اور باتیں بھی کریں گے۔ وہ نکلے۔ ابو سلمہ نے کہا میں نے راہ میں ابو سعید سے کہا کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے بارے میں کچھ سنا ہو تو وہ بیان کرو۔ ابو سعید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا۔ پھر حضرت جبریل آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ جس کی جستجو میں ہیں وہ آگے ہے۔ پھر آپ نے درمیان

فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ إِنَّ الَّذِيْ تَطْلُبُ أَمَامَكَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ. فَقَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَرْجِعْ فَإِنِّيْ أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَإِنِّيْ نُسِّيْتُهَا وَإِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِيْ وِتْرٍ وَإِنِّيْ رَأَيْتُ كَأَنِّيْ أَسْجُدُ فِيْ طِيْنٍ وَمَاءٍ وَكَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ جَرِيْدَ النَّخْلِ وَمَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ شَيْئًا فَجَاءَتْ قَزَعَةٌ فَأُمْطِرْنَا فَصَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ عَلٰى جَبْهَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرْنَبَتِهٖ تَصْدِيْقَ رُؤْيَاهُ (بخاری)

عشرہ میں اعتکاف کیا اور ہم نے بھی آپ کے ہمراہ اعتکاف کیا پھر جبریل آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ جس چیز (شب قدر) کی جستجو میں ہیں وہ آگے ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو خطبہ سنایا اور فرمایا جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا وہ لوٹ آئے (اور پھر اعتکاف کرے) کیونکہ شب قدر مجھ کو دکھلائی گئی لیکن میں بھول گیا اور یہ شب رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا گویا اس شب کو میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ ابو سعید نے کہا مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ اور آسمان میں ابر وغیرہ کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اتنے میں ایک ہلکا سا بادل نمودار ہوا اور بارش ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو میں نے کیچڑ اور پانی کا نشان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور ناک کی نوک پر دیکھا۔ آپ کا خواب سچا ہوا۔

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) سجدہ پیشانی اور ناک پر کیا جائے۔
(۲) کیچڑ میں سجدہ جائز ہے جبکہ کیچڑ کم ہو اور پیشانی کو زمین پر جمنے سے نہ روکے
(۳) لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔
(۴) کسی حکمت کی بنا پر اللہ عزوجل کسی بات کو حضور علیہ السلام کے ذہن سے اتار بھی دیتا ہے۔ مگر امور شرعیہ میں جن کی تبلیغ و اشاعت حضور کا فرض نبوت ہے ان میں نسیان نہیں ہو سکتا۔
(۵) سجدہ کے وقت ماتھے پر کچھ گرد و غبار لگ جائے تو اس کو صاف نہ کرنا مستحب ہے اور اگر صاف کرے تو بھی حرج نہیں۔
(۶) انبیاء کرام کے خواب حق ہوتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اس حدیث مقدس پر پارہ سوم ختم ہو گیا۔ اب ان شاء اللہ العزیز پارہ چہارم شروع ہو گا۔

سید محمود احمد رضوی

۱۵ جولائی ۱۹۶۰ء